عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ ملتان - فون: 514122

ردِ قادیانیت

رسائل

رئیس المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

محقق زمانہ حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ

احتسابِ قادیانیت

جلد چہارم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ ۔ ملتان ۔ فون: 514122

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

دیباچہ

الحمدللہ وکفی وسلام علی خاتم الانبیاء۔ امابعد!

اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے "احتساب قادیانیت" کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ۱۹۹۸ء میں مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ کے رد قادیانیت پر مجموعہ رسائل کو "احتساب قادیانیت" جلد اول کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس وقت خیال بھی نہ تھا کہ یہ سلسلہ آگے بھی چلایا جائے گا۔ قدرت کے کرم اور کریم کے احسانات کو دیکھئے کہ اس نام سے جلد دوم میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے رسائل اور جلد سوم میں حضرت مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ کے رسائل کے مجموعہ جات شائع ہوگئے۔ دوسری جلد کی اشاعت پر محمد عمر انصاری [illegible] مجلس کے اجتماع [illegible] مفسر حضرت مولانا محمد علی صاحب [illegible] کا اصرار کی حد تک حکم تھا کہ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے رسائل کو بھی یکجا شائع کریں۔ ان کی تجویز پر فقیر نے ارادہ کرلیا تھا لیکن تیسری جلد پر کام شروع ہوچکا تھا۔ چنانچہ تیسری جلد کی تکمیل پر فقیر نے شہید ختم نبوت حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے عرض کیا کہ آپ اجازت دیں تو احتساب قادیانیت کی چوتھی جلد میں شیخ الاسلام سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کے رد قادیانیت کے مجموعہ رسائل کو یکجا کردیا جائے۔ آپ اس تجویز پر بے حد خوشی سے اچھل پڑے۔ فرمایا: ضرور، ان کی [illegible] کا منظر اس وقت بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ فقیر نے عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمادیں اور یہ چھپ جائے۔ آپ نے وجد کی کیفیت میں فرمایا: "چھپ گئی"۔ آج جب اس کتاب کے دیباچہ کے لئے قلم اٹھایا ہے تو یہ حسرت ومحرومی دل کو گھائل کررہی ہے کہ کتاب چھپ گئی لیکن اس کی اشاعت کی منظوری دینے والے منوں مٹی کے نیچے چھپ گئے۔ [illegible] آگے لکھنے کا یارا نہیں رہا۔ ہر کتاب کا تعارف اس کتاب کے ابتداء میں دے دیا گیا ہے۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم سے ملتان دفتر مرکزیہ میں مقدمہ لکھوایا تھا اب اسے پڑھئے۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق عنایت فرمائیں اور خدا کرے کہ یہ سلسلہ چلتا رہے۔ آمین!

فقیر اللہ وسایا

[illegible]۱۴۲۳ھ

[illegible]۲۰۰۲ء

مقدمہ

از حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود مانچسٹر

الحمدللّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی ۔ اما بعد!

مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کو استحکام دینے اور جہاد کو احکام اسلام سے خارج کرنے کے لئے مسلمانوں میں ایک مذہبی گروہ پیدا کیا۔ جس نے انگریزوں کے سیاسی مفادات کو پورا کرنے کے لئے قادیان (پنجاب) میں یک نئی وحی اتاری اور اسلام کے مرکزی عقیدہ ختم نبوت کو بری طرح مجروح کیا۔ بات اس سے بہت آگے بھی نکلی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ تحریک صرف ہندوستان کے لئے نہیں پوری دنیائے اسلام کے خلاف ایک زبردست دجالی کاروائی تھی جس نے پورے اسلام کو استفادات کی زد میں لا کر ایک ایک بنیاد اسلام کو تاویل باطل مہیا کی اور دیکھتے دیکھتے پرانے اسلام کے خلاف ایک نیا اسلام لا کھڑا کیا اور مندرجہ ذیل اصولوں پر اپنے اس نئے اسلام کی بنیاد رکھی۔

۱۔ ...... قرآن سمجھنے میں اب تک امت مسلمہ نے جو ذرائع اختیار کئے تھے اور تفسیر پر تیرہ صدیوں میں جو عظیم ذخیرہ تیار کیا تھا یکسر ناقابل اعتبار ٹھہرایا اور کھل کر کہا کہ پچھلی تیرہ صد سالہ تفاسیر میں ہم کسی کا اعتبار نہیں کرتے۔

۲ ...... مسلمانوں کے حدیثی لٹریچر پر اپنے آپ کو حکم ٹھہرایا کہ جو حدیث ہم کہیں وہی لائق قبول سمجھی جائے اور جو حدیث ہماری وحی کے مطابق نہ چلے اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔

۳...... صحابہ کرامؓ کی قرآن فہمی اور حدیث دانی میں غلطیاں نکالی جائیں اور انہیں پرانے اسلام کے لئے معیار حق نہ مانا جائے تاکہ اس نئے اسلام کا پرانے اسلام سے کوئی تسلسل باقی نہ رہے۔

۴۔ اسلام کا مرکز عقیدت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ نہ رہیں۔ یہ بات عمل کر لی جائے کہ اب مکہ و مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو چکا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے پورے اسلام پر ان چار انی ہتھیاروں سے حملہ کیا۔ اکابر علماء اسلام میں سے امام العصر حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قادیانیت کو پوری امت مسلمہ پر ایک "عالمگیر دجالی حملہ" سمجھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے علماء اسلام ختم نبوت اور حیات مسیحؑ کے عنوانات پر قادیانیوں کے خلاف اعتقادی جنگ کا آغاز کر چکے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ احتیاط کی تمام منزلوں سے گزر کر مرزا غلام احمد قادیانی پر حتمی کفر کا فتویٰ دے چکے تھے۔ لیکن ابھی تک بطور جماعت قادیانیت کو ایک غیر مسلم اقلیت نہ سمجھا گیا تھا اور نہ قادیانیت کو ہندوستان سے آگے گزر کر پوری امت کے خلاف ایک عالمگیر دجالی فتنہ قرار دیا گیا تھا۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی اس دجالی تحریک کے خلاف "**دعوت حفظ ایمان**" کی آواز بلند کی۔ بانیٔ صحافت مولانا ظفر علی خانؒ نے انجمن دعوت و ارشاد قائم کی اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے تمام شاگردوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی اور علمی سطح پر قادیانیوں کے مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے نقصانات بیان کیے۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جن کی عقابی نگاہ نے قادیانیت کو پورے اسلام کے خلاف ایک خطرناک یلغار سمجھا۔ آپ نے دیوبند میں اپنی قیام گاہ واقع محلہ خانقاہ دیوبند سے ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کو دعوت حفظ ایمان کے نام سے ایک عظیم فکری دعوت پیش کی۔

آپ نے اپنی اس دعوت میں مرزا غلام احمد قادیانی کے صرف بڑوں کو ہی نہیں اس کے لاہوری فرقہ کے پیروؤں کو بھی برابر ساتھ رکھا اور پھر ۲۲ ذیقعدہ کو "**دعوت حفظ ایمان**" کی ایک اور صدا لگادی۔ آپ کی یہ دونوں تحریریں عرصہ سے نایاب تھیں اور ضرورت تھی کہ ہندوستان میں قادیانیت کے خلاف جو ہر دور میں کام ہوا۔ اس میں کفر و اسلام کے جو اصولی فاصلے سامنے آئے ان میں حضرت شاہ صاحبؒ کی ان تحریروں کو سنگ بنیاد سمجھا جائے۔

آپ کے شاگردوں نے پنجاب میں مجلس مستشار علماء قائم کی اور پنجاب کے مختلف شہروں میں اس کی برانچیں قائم کیں۔ آپ نے پورے عالم اسلام کی طرف سے قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کی صدا بلند کی تو قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کی بات پورے ہندوستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ انگریزی دستور حکومت میں قادیانی گو مسلمانوں میں سے ہی سمجھے جاتے تھے لیکن نکاح اور فسخ نکاح اور شمولیت نماز جنازہ جیسے مسائل میں قادیانی پورے ہندوستان میں غیر مسلم اقلیت سمجھے جانے لگے اور متحدہ ہندوستان کی انگریزی عدالتوں میں بھی خاوند کے قادیانی ہونے پر مسلم خواتین کے نکاح فسخ ہونے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی حضرت شاہ صاحب سے یہ سبق لیا اور انجمن حمایت اسلام لاہور میں یہ تحریک پیش کی کہ کوئی قادیانی اس کا ممبر نہ ہو سکے اور جو پہلے سے اس میں شامل ہیں وہ یکسر خارج کر دیئے جائیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا عالم عرب کو انتباہ

آپ نے قادیانیت کو صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ہی خطرہ نہ جانا بلکہ آپ نے تحفظ ایمان کی یہ دعوت پورے عالم اسلام میں پھیلا دی۔ عرب دنیا کو اس پر مطلع کرنے کے لئے عقیدۃ الاسلام اور اکفار الملحدین فی انکار شئی من ضروریات الدین جیسی مؤثر کتابیں عربی میں لکھیں۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ عربی کتابیں تو بنیاد بنتی رہیں اور علماء نے ان کی روشنی میں اردو میں بھی اس پر بہت وقیع لٹریچر مہیا کیا لیکن حضرت شاہ صاحب کی تحفظ ایمان کی یہ اردو تحریریں عرصہ سے نایاب تھیں جن کو اس مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح سرکاری و عدالتی سطح پر قادیانیت کے تقریبہ فیصلہ کے لئے جہادی کردار حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے اس بیان کا ہے جو آپ نے بہاولپور کی عدالت میں قادیانیوں کے خلاف دیا۔ وہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "**الخطاب الملیح فی تحقیق المهدی والمسیح**" لکھی۔ یہ کتاب مطبع بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ سے

چھپی۔ پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ۱۳۴۸ھ میں "قائد قادیان" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جو ۱۳۴۰ھ میں شائع ہوا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دونوں مذکورہ رسائل اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

آپ نے اس کی فصل ثانی میں ان کتابوں کی بھی ایک فہرست دی ہے جو خانقاہ رحمانیہ محلہ مخصوص پورہ مونگیر سے شائع ہو گئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید میں بہت سرگرم رہے۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ان تحریروں سے قادیانیت پوری طرح بے نقاب ہوئی۔ انہیں پڑھ کر ان کے غیر مسلم ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ جو لوگ پہلے مسلمان تھے پھر وہ قادیانی ہوئے اب وہ محض غیر مسلم نہیں مرتد سمجھے جائیں گے جن کے لئے عام کافروں کا سا حکم نہیں بلکہ مرتد کا حکم اور زیادہ سخت ہے اور جو قادیانی ان کی ذریت ہیں وہ زندیق شمار ہوں گے کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے باز نہیں آتے۔ نام اسلام کا ہو اور عقائد غیر اسلامی ہوں تو یہ وہ زندقہ ہے جسے اسلام میں برداشت نہیں کیا گیا۔ یہ زنادقہ مرتدین کے ساتھ شمار ہوں گے۔ جب قادیانی عام سطح پر غیر مسلم سمجھے گئے تو اب اسلامی دنیا کو ان کے حکم سے مطلع کرنا بھی ضروری ہوا۔ اس میں بھی پہل علماء دیوبند نے کی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے رسالہ "**الشہاب لرجم الخاطف المرتاب**" میں قادیانیت کا شرعی حکم تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے نہایت سلیس، معقول اور منصفانہ طریقہ سے مرزائیوں کے ارتداد کا ثبوت، قتل مرتد کے شرعی دلائل اور اس کا عقلی فلسفہ اور جہالسیف کی حکمت اور حدود افغانستان کے فیصلہ دربارہ تعزیر مرتد کی تحسین و تصویب کی۔ آپ نے یہ رسالہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو شائع کیا پھر ۹ فروری ۱۹۲۵ء کو مرزا غلام احمد قادیانی کے لاہوری جانشین مسٹر محمد علی مرزائی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھا۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس کے دوبارہ اپنے رسالہ الشہاب کی ایک تذییب جمادی الاخری ۱۳۴۳ھ میں شائع کی۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی اس تحریک پر ان کے جن تلامذہ نے رد قادیانیت میں محنت کی ان میں دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند محدث کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کے رد قادیانیت پر تمام رسائل اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

ضرورت تھی کہ ان تمام قدیم تالیفات کو جن کے بل بوتے پر ملت اسلامیہ نے پاکستان میں دو دفعہ ختم نبوت کے محاذ کھولے اور بالآخر قادیانیوں کو دستور اور قانون کے تقاضوں میں ایک غیر مسلم اقلیت ٹھہرایا۔ پھر سے بطور تاریخی دستاویزات کے شائع اور محفوظ کیا جائے۔ راقم الحروف اس سلسلہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے کہ انہوں نے اس وقت کے علمی احتساب کو نمبر وار شائع کرنے کا قصد کیا ہے۔ جب سے برصغیر پاک و ہند میں قادیانیت کا پودا لگا۔ الحمد للہ! مجلس نے اس سلسلہ میں بہت سا کام کیا ہے۔ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب بھی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے اتنا عظیم کام کرنے اور کامیابی سے کنارے لگانے پر لائق صد تبریک ہیں۔ اب تک اس سلسلہ میں جن بزرگوں کی تحریریں شائع ہو چکیں ان کے اسماء گرامی، سن ولادت، سن وفات بہ ترتیب ذکر کئے ہیں:

۱۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ۔ (و ۱۸۶۳ء م ۱۹۴۳ء)
۲۔ امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ ...... (و ۱۸۷۵ء م ۱۹۳۳ء)
۳۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم .... (و ۱۸۸۹ء م ۱۹۴۹ء)
۴۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ .. (و ۱۸۹۸ء م ۱۹۷۴ء)
۵۔ مناظر اسلام حضرت مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ .... (و ۱۸۹۸ء م ۱۹۷۸ء)
۶۔ مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر صاحب ۔ (و ۔ م ۱۹۷۳ء)
۷۔ محدث کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ (و ۱۸۹۸ء م ۱۹۶۵ء)

اللہ رب العزت ان تمام حضرات کی مساعی کو قبولیت سے نوازے۔ آمین!

خالد محمود عفا اللہ عنہ

حال مقیم [illegible] مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان ہفت روزہ ختم نبوت کراچی گذشتہ بیس سالوں سے تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اندرون وبیرون ملک تمام دینی رسائل میں ایک امتیازی شان کا حامل جریدہ ہے۔ جو شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ و پیر طریقت حضرت مولانا سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی اور مولانا مفتی محمد جمیل خان کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے۔

زر سالانہ صرف =/350 روپے

رابطہ کے لئے:

منیجر ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جامع مسجد باب الرحمت

پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی نمبر 3

خاتم النبیین لا نبی بعدی
دعوت حفظ ایمان
حصہ اول
امام العصر حجۃ الاسلام
مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفی وسلام علی خاتم الانبیاء۔ اما بعد!

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے رد قادیانیت پر مندرجہ ذیل کتب تحریر فرمائیں۔ ۱۔ اکفار الملحدین۔ ۲۔ خاتم النبیین۔ ۳۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح۔ ۴۔ عقیدۃ الاسلام۔ ۵۔ تحیۃ الاسلام۔ الحمدللہ! یہ تمام شائع ہو گئیں۔ پہلی تین کتابوں کے اردو میں تراجم بھی ہو گئے۔ آخری دو کتابوں کے ترجمے ابھی طبع نہیں ہوئے۔ خدا کرے ہو جائیں تو اسلامیان برصغیر کے لئے گرانقدر علمی اضافہ ہوں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ عقیدۃ الاسلام کا ترجمہ حضرت مرحوم کے صاحبزادے حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری کر رہے ہیں۔ خدا کرے جلد شائع ہو جائے۔ ان کے علاوہ حضرت مرحوم کی دعوت حفظ ایمان: ۲ حصے۔ یہ مختصر چند صفحات کے رسائل ہیں۔ دعوت حفظ ایمان نمبر اول میں علماء کشمیر کو قادیانی فتنہ کی زہرناکیوں سے باخبر کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا ظفر علی خانؒ استاذ محترم مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا عبدالحنان ہزارویؒ احمد یار خانؒ کی گرفتاری پر بے چینی کا اظہار کیا گیا ہے اور اپنے شاگردوں سے ختم نبوت کا کام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ تحریر ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کی ہے۔ دعوت حفظ ایمان نمبر دوم میں قادیانی کفریہ عقائد کو طشت ازبام کر کے روزنامہ زمیندار کی اشاعت کی توسیع اور مستشار العلماء پنجاب لاہور (جو آپ کے شاگردوں نے رد قادیانیت کے لئے قائم کی تھی) سے تعاون اور اعانت کے لئے متوجہ فرمایا گیا۔ یہ تحریر پہلی تحریر کے دس دن بعد یعنی ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کی ہے۔ یہ رسالے ایک بار شائع ہوئے۔ اب ان کا ملنا مشکل مسئلہ تھا اس لئے ان کو اس مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے۔ (باقی ضخیم کتب ہیں جن کے نام اوپر ذکر کر دیئے ہیں) اللہ رب العزت شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین!

فقیر اللہ وسایا

۲/۶/۱۴۲۲ھ

۲۲/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

حامدا و مصلیا و مسلما . السلام علیکم یا اہل الاسلام

و رحمۃ اللہ و برکاتہ .

محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ بحیثیت ایمان و اسلام و اخوت دینی اور امت مرحومہ محمدیہ ﷺ کے اعضاء ہونے کے لحاظ سے کافہ اہل اسلام خواص و عوام کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہ اگرچہ مختلف طرح طرح کے حوادث نو وارد ہو کر اس دین سماوی پر وقتاً فوقتاً گزرتی رہی ہیں اور باوجود اس کے کہ آخری پیغام خدا نے ہم تک کا یہ ہے کہ .

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا . مائدہ آیت ۳"

﴿ آج کے دن میں نے دین تمہارا اکمل کر پہنچایا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام ہی کو تمہارا دین ہونے کے لئے راضی ہوا ﴾

"مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ . وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا . احزاب آیت ۴۰"

﴿ نہیں محمد ﷺ کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے لیکن ہیں رسول خدا کے اور خاتم پیغمبروں کے اور خدا ہر چیز کا اپنے امور میں سے عالم ہے ۔ ﴾

اور اس کے قطعی الدلالت ہونے پر بھی امت محمدیہ ﷺ کا اجماع منعقد ہو گیا اور ختم نبوت کا عقیدہ دین محمدی کا اساسی اصول قرار پایا اور جس امت نے ہم تک یہ آیت پہنچائی اسی امت نے یہ مراد بھی پہنچائی اور اسی دعوی پر مسیلمہ کذاب اور اسود کاذب کو قتل کیا اور بڑا کفر دونوں کا یہ دعوی قرار دے کر کذاب مشتہر کیا اور باقی جرائم کو کذاب کے ماتحت رکھا مگر پھر بھی حکم حدیث نبوی بہت سے دجالوں نے نبوت کے دعوے کئے اور ان کی تو تعیین بھی

دیئے اور بالآخر واصل بجہنم ہو گئے۔ ہمارے اس منحوس دور میں جو یورپ کی تقلید سے ایمان اور خصائل ایمان کی فنا کا زمانہ ہے۔ مسٹر غلام احمد قادیانی کا فتنہ درپیش ہے اور گزشتہ فتنوں سے مزید اور شدید ہے اور حکومت وقت بھی بمقابلہ مسلمانوں کے قادیانی جماعت کی امداد اور اعانت کر رہی ہے۔ یہ جماعت بہ نسبت یہود اور نصاریٰ و ہنود کے اہل اسلام کے ساتھ زیادہ عداوت رکھتی ہے۔ کوئی چیز ان کے اور اہل اسلام کے درمیان مشترک اور اتحادی باقی نہیں رہی۔ مسٹر غلام احمد قادیانی جو اس زمانہ کا دجال اکبر ہے جس جزو وحی قرآن مجید پر اضافہ کرتا ہے۔ جو کوئی اس کی اس قسم جزو وحی کا انکار کرے اور ان کو نبی نہ مانے تو وہ ان کے نزدیک کافر ہے اور ابدی دوزخی ہے اور کوئی اسلامی تعلق مثل جنازہ کی نماز اور نکاح کے اس کے ساتھ جائز نہیں۔ پھر قرآن مجید کی تفسیر اس نے اپنے قبضہ میں رکھی ہے۔ دوسرے کسی کا کوئی حصہ نہیں لگتا۔ جیسے فارسی مثل ہے: "خوردن زمن و لقمه شمردن از تو"
اس کی تفسیر کے متعلق خواہ کل امت کا اختلاف ہو وہ سب اس کے نزدیک گمراہ ہیں۔ حدیث پیغمبر اسلام ﷺ کی جو اس کی وحی کے موافق نہ ہو۔ اس کی نسبت اس کی تصریح ہے کہ ردی کے ٹوکرے میں پھینک دی جائے۔ ان دو اصول اسلام یعنی کتاب اور سنت کی تو اس کے نزدیک یہ حالت ہے اور حسب تصریح اس کے اس پر شریعت بھی نازل ہوئی ہے اور مقابلہ اس عقیدہ اسلامیہ کے کہ بعد ختم نبوت کے آئندہ کوئی شریعت نہیں ہو گی۔ صریح ابتداء شریعت کیا ہے اور نیز اس کا اعلان ہے کہ آئندہ حج قادیان ہوا کرے گا۔ نیز جہاد شرعی اس کے آنے سے منسوخ ہو گیا ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے معجزات تو تین ہزار ہی نقل ہوئے ہیں۔ مسٹر غلام احمد قادیانی کے تین لاکھ اور دس لاکھ تک ہیں۔ جن میں تحصیل چندہ کی کامیابی بھی شمار ہے اور اس کے اشعار ہیں:

زندہ شد ہر نبی با آمدنم ۔ ہر رسولے نہاں با پیراہنم

آنچہ داد است ہر نبی را جام ۔ داد آں جام را مرا بتمام

(نزول المسیح ص ۹۹، ۱۰۰ خزائن ص ۴۷۷، ۴۷۸ ج ۱۸)

نیز اپنی مسیحیت کی تولید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جن پر ایمان دین محمدی

ہے ایسی توہین کی ہے کہ جس سے دل اور جگر شق ہوتا ہے اور اس کے نزدیک تحقیق توہین
ہے۔ اگرچہ یہ بقول نصاریٰ تو درگذر رہی۔ توہین عیسیٰ علیہ السلام میں علاوہ اپنی تحقیق توہین
کے ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا ہے کہ نقل نصاریٰ کے سر رکھ کر توہین سے اپنا دل ٹھنڈا
کرتا ہے: "خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں۔" یہ معاملہ نبی تعبیر کے ساتھ کیا ہے تاکہ
عظمت ان کی امت نے ابھرنے اور خود مسکین بنتے۔ اسی واسطے ہنود کے پیشواؤں کے ساتھ
ایسا نہیں کیا بلکہ توقیر کی ہے اور ایسے ہی بزرگان اسلام امام حسینؓ وغیرہم کی تحقیر اور اپنی
تعلی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ غرض یہ کہ اس دجال کی دعوت اس کے نزدیک سب
انبیاء اور رسل صلوٰۃ اللہ علیہم سے بڑھ چڑھ کر اور افضل و اکمل ہے۔

علماء اسلام نے اس فتنہ کے استیصال میں خاص خدمتیں کیں مگر وہ خدمتیں
انفرادی اور خصوصی تھیں۔ اس وقت کہ ایک لطیفہ غیب نمودار اور نمایاں ہوا ہے کہ مجاہد
ملت جناب سابق القاب مولوی ظفر علی خان صاحب دامت برکاتہم اس خدمت کا فرض ادا
کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اس وقت جناب ممدوح اور ان کے رفقاء جناب مولوی عبداللہ خان
صاحب ہزاروی، مولوی لال حسین صاحب اختر اور احمد یار خان صاحب سپرد حوالات ہیں۔
ہم کو بھی حمیت اور حمایت اسلام سے کام لینا چاہیے۔ اہل خطہ کشمیر سمجھ لیں اور سوچ لیں کہ جو کچھ
قادیانی جماعت ان کی امداد کر رہی ہے وہ اہل خطہ کے ایمان کی قیمت ہے اور ناممکن ہے کہ کوئی
امداد اور ہمدردی اس فرقہ کی ایمان خریدنے کے سوا ہو:

دانی کہ چنگ و عود چہ تقریر می کنند
پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر می کنند

جن لوگوں نے اس فرقہ کے ساتھ کسی قسم کی رواداری بھی برتی ہے وہ خطرہ میں
ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی معمولی بدعت ہے۔ بلکہ (بقول ان کے) ایک چھوٹی پیغمبری سے
ایک بڑی پیغمبری "قادیانی" میں تحویل ہوتا ہے اور جس کا جی چاہے ان عقائد ملعونہ قادیانی کا
ثبوت ہم سے لے اور اس شدید وقت میں کہ اہل وطن کو بے خبر کر کے ایمان پر چھاپہ مارا
گیا ہے کچھ غیرت ایمانی کا ثبوت دے۔

جن حضرات نے اس احقر ہیچمیز سے حدیث شریف کے حرف پڑھے ہیں جو تقریباً دو ہزار ہوں گے۔ وہ اس وقت کچھ ہمدردی اسلام کی کر جائیں اور کلمہ حق کہہ جائیں اور انجمن دعوت و ارشاد میں شرکت فرمائیں۔

اس فرقہ کی تکفیر میں توقف یا تو اس وجہ سے ہے کہ صحیح علم نصیب نہیں ہوا اور اب تک ایمان اور کفر کا فرق ہی معلوم نہیں اور نہ کوئی حقیقت محصلہ ایمان کی ان کے ذہن میں ہے اور یا کوئی مصلحت دنیاوی دامن گیر ہے۔ ورنہ اسلام کوئی نسبی اور نسلی لقب نہیں ہے۔ جیسے یہود اور ہنود کہ زائل نہ ہو اور جو کوئی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے بس وہ قوم نسبی لقب یا ملکی و شہری نسبت کی طرح لاینفک رہے بلکہ (اسلام) عقائد اور عمل کا نام ہے اور ضروریات قطعیہ اور متواترات شرعیہ میں کوئی تاویل یا تحریف بھی کفر و الحاد ہے۔ جب کوئی ایک حکم قطعی اور متواتر شرعی کا انکار کر دے وہ کافر ہے۔ خواہ اور بہت سے کام اسلام کے کرتا ہو: "ان الله ليؤيد الدين بالرجل الفاجر۔" اسی میں وارد ہوا ہے حق تعالیٰ صحیح علم اور صحیح سمجھ اور توفیق عمل نصیب کرے۔ آمین!

انتباہ! آخر میں یہ عاجز بحیثیت رعیت ریاست کشمیر ہونے کے حکومت کشمیر کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ قادیانی عقیدہ کا آدمی عالم اسلام کے نزدیک مسلمان نہیں ہے۔ لہذا حکومت کشمیر و جمیع اہل اسلام اور مذہب قدیم اہل کشمیر کی رعایت کرتے ہوئے قادیانیوں کی بھرتی اسکولوں اور محکموں میں بند کرے ورنہ اختلال امن کا اندیشہ ہے۔

محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ

از دیوبند محلہ خانقاہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

منقول از روئیداد مجلس تحفظ ختم نبوت

ملتان: مئی ۸ تا ۱۲، ۱۳۸۲ھ

دعوت حفظ ایمان

حصہ دوم

امام العصر حجۃ الاسلام

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم یا اھل الاسلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حامدا و مصلیا و مسلما ۔

معروض درگاہ الٰہی محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ بحیثیت ایمان و اسلام و بحیثیت اخوت دینی و بحیثیت اس کے کہ ہم سب امت مرحومہ محمدیہ ﷺ کے اعضاء و اجزاء ہیں جملہ اہل اسلام خاص و عام کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہ ۔

عالم چہ کتابے است پر از دانش و داد
صحاف قضاۂ و جلد او بود و معاد

شیرازہ شریعت چو مذاہب اوراق
امت ہمہ شاگرد و پیمبر استاد

عالم بعقیدۂ ادیان سماوی جانبین ماضی و مستقبل سے محدود ہے کیونکہ مستقبل کل قوت سے فعلیت میں نہیں آیا اور میرے نزدیک چونکہ ماضی و مستقبل محض ہمارے اعتبار سے ہیں حق تعالیٰ کے ہاں ایک ہی آن حاضر ہے جیسے طبرانی ؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ : " لیس عند ربک صباح ولا مساء ۔ "

پھر جب ہم حق تعالیٰ سے زمانہ رفع کر دیں تو حوادث آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں آنے کی جانب کو ہم نے مستقبل نام رکھا ہے اور جانے کی جانب کو ماضی ۔ اس تقدیر پر یہ دونوں اعتباری اور اضافی ہو گئے نہ حقیقی اور حوادث خواہ کیسے ہی غیر محصور ہوں پھر بھی قدم کی وسعت اور امتداد کو پہنچ نہیں کر سکتے ۔

و علی ہذا ماضی کی جانب بھی میرے نزدیک غیر متناہی بالفعل نہیں جیسا کہ خیال کیا

جاتا ہے بلکہ عالم دونوں جانب سے غیر متناہی: "بمعنی لایقف عند حد" ہے اور دونوں طرف سے منقطع اور زمانہ کوئی شے مستقل بذاتہ نہیں بلکہ ان ہی حوادث سے منتزع ہے اور مسئلہ تجدد امثال کا بھی ایک صحیح مسئلہ ہے اور چونکہ مادہ سے کثرت ہوتی ہے اور صورت سے اتحاد جیسے سامان عمارت چونکہ مادہ ہے وہ کثیر اور متعدد ہے اور صورت تعمیری چونکہ صورت ہے اس سے عمارت کی وحدت شخصی آگئی۔

علی ہذا القیاس کل عالم کو سمجھئے کہ اس میں ایک وحدت اتصالی ہے اور وہ ایک شخص اکبر ہے نہ محض ایک بے انتظام کو اس آدم علیہ السلام سے پیشتر عناصر اور موالید ثلاثہ اور ارض و سماء اور بعض انواع پیدا کئے گئے مگر یہ تا چندے بمنزلہ مادہ کے رہے۔ آدم علیہ السلام کے آنے کے بعد ان متفرقات منتشرہ کو وحدت اتصالی عطا کی گئی کہ بمنزلہ صورت کے ہے۔ اشیاء متفرقہ کے مجموعہ میں اگر وحدت ہو سکتی ہے تو وحدت اتصالی اور تو یہی ہی فقط یعنی آدم علیہ السلام کو خلیفہ اور افسر بنا کر بھیجا اور عالم کو ان کی ماتحتی میں دے دیا اس سے کل عالم واحد بالشخص اور شخص اکبر ہو گیا۔

اس پیغمبر حق نے اپنے عمل سے بنی آدم کو یہ تعلیم دی کہ جب کسی ایک پر کسی معاملہ میں فرد جرم لگ جائے کہ کرے وہ بلکہ قصداً لونڈی میں نہ جواب دعویٰ پیش کرے اور نہ صفائی دینے کی کوشش بلکہ اس کا حق صرف ایک ہی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ مراحم خسروانہ میں درخواست دے کر:

"رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ اعراف آیت ۲۳"

عزازیل (ابلیس) نے حق تعالیٰ سے حجت کی وہ ابد الآباد تک ملعون ہو گیا: "لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ الانبیاء آیت ۲۳" اب اہل سنت کا قدم آدم علیہ السلام کے قدم پر ہے اور اہل اعتزال کا قدم عزازیل کے قدم پر۔ اور اس واقعہ سے حق تعالیٰ نے یہ بھی تعلیم کر دی کہ خلفاء سے جو شخص انحراف کرے وہ اصل سلطنت سے باغی ہے یہیں ہی سے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا جزو ایمان ہو گیا۔

آدم علیہ السلام کے بعد کچھ دیر تک دنیا میں ایمان ہی رہا نوح علیہ السلام کے قبل دنیا میں قابیل کی ذریت میں کفر نمودار ہوا اور پہلے وہ پیغمبر کفر کے توڑ کے واسطے بھیجے گئے وہ نوح علیہ السلام ہیں۔ اس کے بعد دنیا میں صابئین ظاہر ہوئے۔ صابئین ان کو کہتے ہیں جن کا خیال ہے کہ اہم اعمال مقیہ سے علویات کو تابع اور مسخر کریں گے جیسے معشوق یا ہمزاد کو کوئی مسخر کرتا ہے۔ اس خیال میں یہ بھی مندرج ہے کہ اس فرقہ کو خدا کی جانب سے ہدایات کی ضرورت نہیں اور نہ کسی ہادی کا واسطہ وثنیت (بت پرستی) بھی صابئیت کا ایک ذیلی جزو ہے۔ مشرک بت کے ذریعہ سے خدا کو مسخر کرنا چاہتے ہیں؟

انبیاء علیہم السلام کا دین اس کے بالکل برخلاف ہے ان کا دین یہ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں محض بندگی اور عبدیت کی عرض و معروض رہے گی اور ادھر حق کی ہدایت پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ پس صابئین کے مقابلہ میں ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا گیا اور ان کا لقب حنیف ہوا۔ حنیف اس کو کہتے ہیں کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر ایک خدا کا ہو جائے جیسے شیخ عطار فرماتے ہیں:

از ہمہ کونین یک سوئے باش
یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

اس کے بعد کچھ تکمیل دین ہوتی گئی کہ ابتداء سے خاتم الانبیاء تک دین واحد ہے باقی تھی وہ خاتم الانبیاء ﷺ کے ہاتھ پر تمام کر دی اور اعلان کر دیا کہ:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ مائدہ آیت نمبر ۳" اور۔

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ احزاب آیت ۴۰"

پہلی آیت میں یہ بھی آ گیا کہ اب کوئی جزء ایمان کا باقی نہیں رہا خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لانا کل انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ہے۔ ایسا نہیں کہ من بعد کسی پر ایمان نہ لانے سے کافر ہے جیسے قادیانی جاہل سمجھا ہے کہ

"جو دین نبی ساخت ہو وہ دین حق ہے۔" (کذا ابن تیمیہ ۔۔۔ ص ۳۰۹)

جیسے معلوم ہوا کہ عالم محض متفرقات منتشرہ نہیں بلکہ وہ ایک وحدت منظم ہے اسی طرح بتصریح حدیث خاتم الانبیاء ﷺ نبوت ایک عمارت کی مثال ہے کہ اس کی اساس رکھی گئی اور تعمیر کی گئی اور تکمیل کو پہنچا کر آخری اینٹ نبی کریم ﷺ کو رکھ کر عمارت ختم کر دی گئی۔ قرآن مجید نے اعلان تکمیل و ختم سنا دیا اور نبوت کی کوئی جزئی باقی نہیں رہی۔ البتہ کمالات نبوت کہ وہ فیوض اور متعلقات نبوت ہیں عین نبوت نہیں۔ باقی ہیں۔ یہاں اجزاء اور جزئیات کا فرق بھی بعض معنوں پر مخفی نہیں جزء پر کل صادق نہیں اور جزئی پر کلی صادق۔

ختم نبوت کا عقیدہ بہ تبلیغ پیغمبر اسلام خاص و عام کو پہنچ کر ضروریات دین میں سے ہو گیا جس کا انکار یا تحریف کفر ہے۔ صوفیاء کرام نے جو کوئی مقام ولایت کا انبیاء الاولیاء اور نبوت مسمیٰ غیر تشریعی ذکر کیا ہے تو ساتھ ہی نہایت مؤکد پیرایہ میں تصریح کی ہے کہ نبوت سے مراد لغوی معنے پیشین گوئی ہے نہ نبوت شرعی۔ کیونکہ نبوت شرعی کا جو ایک منصب الٰہی اور وہبی ہے نہ کسبی۔ خواہ شریعت جدیدہ ہو یا نہ ہو اختتام اسلام میں اساسی اصول ہے اور منصوص قرآن و احادیث متواترہ اور مجمع علیہ امت محمدیہ ﷺ ہے۔ اسی وجہ سے باتفاق مسیلمہ کذاب کو قتل کیا اور کذاب پر فرد جرم لگائی جیسے شائع اس نے اذان اور بعد نے رہنے بعد جیسے ابن خلدونؒ نے ذکر کیا ہے یہ امور صحابہؓ کو اس کے قتل کے بعد معلوم ہوئے ہیں۔ قتل تو دعویٰ نبوت پر ہوا ہے۔

اس کے بعد دنیا میں حسب طبیعت دنیا زندقہ اور انکار ظاہر ہوا۔ زندقہ اور الحاد اس کو کہتے ہیں کہ سچے دین کو لاتعداد کرے اور اسماء سابقہ کو بحال رکھ کر حقیقت ان کی بگاڑ دے کہ فلاں چیز کی حقیقت یہ نہیں بلکہ یہ ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس دین کا اسم ہی چھوڑ دے مسمیٰ توڑ کر اسے۔ دہلی میں ایک صاحب چارپائی کے پائنتی کے سیروے متعلق کے نیچے دبائے ہوئے یہ صدا لگایا کرتے تھے (وہ نہیں لمبے تڑنگے کہ ایک نہیں سرہانے کا چار نہیں پٹیاں کے اور چار پائی) آٹھ لکڑیوں میں سے سات موجود نہیں اور پھر بھی چارپائی ہے۔

افضل اور کمل اعلان کرتا ہے اور اسی پر بیعت لیتا ہے۔ اس کافر دجال نے نبوت کا دعویٰ کیا
اور جو کوئی کل عالم اسلام اسے نبی نہ مانے اس کو کافر اعلان کیا اور ولد الحرام کہا اور دعویٰ وحی کیا
جو مساوی قرآن اس کے زعم میں ہے اور مقابلہ ان علماءؒ کے جنہوں نے آئندہ شریعت نا ممکن
لکھی ہے (اور کلام ان کی شریعت جدیدہ میں ہے) دعویٰ شریعت کیا۔ اس سے ناظرین خود
سمجھ لیں کہ یہ دعویٰ مقابلہ ان علماءؒ کے دعویٰ شریعت جدیدہ کو مستلزم ہے یا یوں ہی بے
سوچے سمجھے کلام بے موقع و لایعنی ہے۔ اس کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ جہاد اسلامی میرے
آنے سے منسوخ ہو گیا اور (ظلی) حج آئندہ قادیان کا ہو گا اور جو چندہ تحریک کا نہ دے گا وہ
خارج از بیعت یعنی خارج از اسلام ہے۔ زکوٰۃ بیکار ہو گئی۔ اور بہت سے ضروریات دین کا انکار کیا
جو تاویل سے ہو یا بغیر تاویل کے کفر ہے۔ عالم کو قدیم کہتا ہے اور قیامت کو ایک تجلی قرار دیا اور
تجلی کا جو صوفیاء کرام کی اصطلاح ہے کوئی مفہوم محصل اس کے ذہن میں نہیں اور اگر سو دفعہ
جیئے اور سو دفعہ مرے کبھی ان حقائق کو سمجھ نہیں سکتا۔ ناحق صوفیاء کی اصطلاحات میں الجھتا
ہے اور منہ کی کھاتا ہے۔ صوفیاء کرام نے اس لفظ کو اور مواضع میں اطلاق کیا ہے کسی نے ان
میں سے قیامت کو تجلی نہیں کہا مگر اس دجال نے ان ہی سے اڑایا ہے اور قدم عالم کا مسئلہ ایسا
معرکۃ الآراء ہے کہ باپ پڑھا لیں کر قیامت کی صبح تک بھی نہیں سمجھ سکتے؛ حق ان معقولات میں
ٹانگ اڑاتی ہے۔ اپنی کم مائیگی اور تنگ ظرفی سے معمولی سواد کو جو اسے حاصل ہے عدیم المثال
سمجھتا ہے اور اسی کم حوصلگی کی بناء پر جب کسی جذبہ کے ماتحت غیب گوئی کرتا ہے اور منہ کی
کھاتا ہے تو کمال بے ایمانی سے تحریفات مضحکہ اور بے جا کرنے کا مجبور ہو جاتا ہے۔

بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

تقدیر کا بھی منکر ہے ملائکہ کرام کو قوتیں کہتا ہے اور ان کے نزول کا جو منصوص
قرآن ہے منکر ہے۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام جو متواتر دین محمدی ہے اور معجزہ احیاء میت جو
منصوص قرآن ہے اس کو شرک و کفر کہتا ہے اور جو دین نبی ساختہ ہوا ہے الٹی دین بتلاتا ہے
وغیرہ وغیرہ۔

اور بہت سی چیزوں کا جو دین میں متواتر اور معمول ہیں تحریف کی۔ جو زندقہ اور کفر
ہے

ہے جیسے کوئی نماز کی تحریف کرے۔ توہین انبیاء علیہ السلام کی گزر گئی کہ کل کے کل کو اپنا چیلا بتاتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کو تو العیاذ باللہ اپنی تعلیم کا مستقل موضوع بنایا ہے اور رسالے لکھے ہیں نہ تحقیق توہین میں کی ہے اور نہ تعریض بھی کسی یعنی دوسرے کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا اور غرض اس دجال کی اس سے یہ ہے کہ عظمت ان کی قلوب سے اتارے اور خود مسیح بن بیٹھے۔ دیگر انبیاء کے پیشواؤں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا بلکہ توقیر اور احترام کیا ہے۔

ہم نے کسی جماعت میں خواہ علماء ہوں یا عقلاء روزگار کلی اتفاق علم نہیں دیکھا۔ الا انبیاء علیہم السلام کہ ان میں اتفاق کلی ہے۔ اسی سے ہم سمجھے تھے کہ یہ کوئی اور علم ہے جو حضرت حق نے دیا۔ اس قادیانی دجال نے اس کو بھی بے وزن کر دیا اور یہی تعلیم اپنے اذناب کو دے گیا۔ یہ بھی معلوم ہو کہ قادیانی پہلے مسیحیت کے دعویٰ کو تناسخ کہتا تھا اور دعویٰ صرف مثیل ہونے کا تھا۔

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ:

" مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔"

(اشتہار مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۲۳۱ [illegible])

اس کے بعد جب دوسرا جنم لیا تو یوں کہا:

" سو اس نے قدیم وعدے کے موافق اپنے مسیح موعود کو پیدا کیا جو عیسیٰ کا اوتار اور احمدی رنگ میں ہو کر جمالی اخلاق کو ظاہر کرنے والا ہے۔"

(اربعین نمبر ۴ ص ۱۸ خزائن ص ۴۴۳ ج ۱۷)

یہاں ضروریات دینیہ کی تفسیر ضروری ہے۔ ضروریات دینیہ ان متواترات شرعیہ کو کہتے ہیں جو پیغمبر اسلام کی تبلیغ خاص سے متجاوز ہو کر عوام کو بھی پہنچ گئے اور ان کے علم میں عوام بھی شریک ہو گئے اور شریعت کے بدیہی امور ہو گئے۔

اور مرزائیوں کی بھی وہی مقرر رہے گی جو امت نے بوقت تبلیغ سمجھی اور جو

طبقہ بعد طبقہ پہنچاتے اور سمجھاتے آئے۔ اسی کی توضیح اور اس سے انحراف کفر و الحاد ہے۔ یہاں ضرورت بمعنی بداہت ہے اور یہ ایک مشہور اصطلاح فنون کی ہے جس کا علم بلا اضطرار ہو۔ متواتر اس کو کہتے ہیں جس کی نقل اس قدر جمِ غفیر ہو کہ خطاء کے احتمال کی اس میں گنجائش نہ رہے۔ فنون مدونہ میں بھی کسی فن کے اصحاب کے نزدیک بکثرت متواترات ہوتے ہیں۔ جیسے صرف و نحو میں بکثرت متواترات ہیں جن میں کوئی بھی شبہ نہیں کرتا اور ایسے ہی علماء لغت جو ایک جماعت مخصوص ہے ان کے اتفاق کے بعد بھی کوئی متردد نہیں رہتا۔ اسی طرح قرآن مجید تو حرفاً حرفاً متواتر ہے۔ علاوہ اس کے شریعت میں اور بھی بکثرت متواترات موجود ہیں جیسے مضمضہ و استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا) وضوء میں اور مسواک وغیرہ صدہا امور اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ضروریات دینیہ اعلیٰ درجہ کے فرائض مؤکدہ کو کہتے ہیں بلکہ مستحب بھی اگر صاحب شریعت سے بطور تواتر ثابت ہو وہ بھی ضروریات میں سے ہے بلکہ بعض مباحات کی اباحت مثلاً جو اور گیہوں کی اباحت ضروریات دینیہ سے ہے جو کوئی ان کی اباحت اور حِل کا انکار کرے وہ قطعاً کافر ہے کیونکہ پیغمبر اسلام کے عہد سے لے کر اب تک امت کھاتی آئی اور حلال کہتی آئی۔ کسی کو جو مرغوب طبیعت نہ ہو وہ خوشی ترک کر سکتا ہے لیکن حل کے انکار سے کافر ہو جائے گا۔ ضرورت سے یہاں ضرورت اعتقاد و ثبوت مراد ہے نہ ضرورت عمل جوارح۔ یہ بھی معلوم رہے کہ یہ کل ضروریات دین ایمان کے دفعات ہیں نہ فقط توحید و رسالت بلکہ رسالت پر ایمان تو اسی واسطے ہے کہ جو کچھ وہ خدا سے لائیں اور تبلیغ کریں اس پر ایمان ہو۔ وعلیٰ ہذا کہہ سکتے ہیں کہ مسواک حق ہے اور اعتقاد اس کی مسنونیت کا فرض ہے اور اس کی معلومات حاصل کرنا سنت ہے اور دانستہ جحود کفر ہے اور جہل اس سے حرمان نصیبی۔

شریعت محمدیہ ﷺ میں بہ تبلیغ پیغمبر اسلام بہت کثرت کے ساتھ متواترات ہیں اور یہ تواتر توارث یعنی نسلاً بعد نسلٍ بطور تواتر نقل کئے گئے ہیں اور ان میں طبقہ بعد طبقہ تواتر چلا آتا ہے تواتر اسنادی کوئی لازم نہیں۔

حاصل کلام کا یہ کہ کل وہ امور جو دین میں بالبداہت معلوم اور درمیان خاص و عام

کے مشتہر اور مسلّم ہوں، وہ کل کے کل ضروریاتِ دین میں سے ہیں اور ان سب پر بدون اختلاف و تحریف کے ایمان لانا ایمان کی حقیقت میں داخل ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ایمان کے متعلقات وہی امور ہیں جن کی تبلیغ حضرتِ رسالت پناہ ﷺ سے ہو۔ اور ان مسائل و عقائد مذہبیہ کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ ایمان کے دو جزء یعنی شہادتین ان کل متواترات اور ضروریات کی تسلیم پر حاوی ہیں۔

اور یوں وہاں بھی آنحضرت ﷺ کی مکمل تصدیق کرے گا جیسے احادیث میں موجود ہے اور اسی میں قرآن نازل ہوا ہے:

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔ النساء آیت ۶۵"

﴿قسم تیرے رب کی کہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ تجھے حکم نہ مانیں ہر اس چیز میں کہ اختلافی ہو گئی ان کے درمیان، پھر نہ پائیں اپنے جیوں میں تنگی آپ ﷺ کے فیصلہ سے اور مان لیں ماننے کی طرح﴾

اس بدیہی مضمون کے بعد قادیانی کی تکفیر یقینی امر ہے۔

توقف کا سبب کوئی علمی مرحلہ نہیں بلکہ بعض کو تو ایمان کے ساتھ کوئی ہمدردی ہی نہیں اور نہ فرق ایمان و کفر سے کوئی سروکار۔ ان کے نزدیک دعویٰ اسلام ہی اسلام ہے جیسے نسب اور شہر و ملک کی نسبت میں فقط دعویٰ کافی سمجھا جاتا ہے ان لوگوں کو تو مسئلہ تکفیر سے اشتعال اور طیش آجاتا ہے۔

وہ خود بہت سی قیود شریعت سے آزاد ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کسی کا کیا حق ہے کہ ہم پر حرف گیری کرے کفر ہے کس جانور کا نام؟۔ اور بعض ایسے ہیں کہ سلامت روی میں ان کا دنیوی فائدہ ہے ان کو اس کی کیا پروا کہ ایمان پر کیا گزر رہی ہے۔

حافظا اگر خبر خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

بعض روشن خیال زمانہ جن کا نصابِ تعلیم فقط انگریزی زبان اور انگریزی خط سے تو

نصاب علم شریعت سے بھی فارغ اور جن کو اس کا اقرار بھی ہوتا ہے مگر پھر چنے کے چھلکے کی طرح خالی تصور کرتے ہیں۔

"وما مثله الاکفارغ حمص ۔ خلی بلا معنی ولکن یفرقع ۔"

یہ صاحب نیاتی دعوت اتفاق واتحاد دیتے ہیں اور اس میں خلل انداز صرف مولویوں کی تکفیر بازی قرار دیتے ہیں۔

اس گروہ کی ملاحظہ میں یہ چند امور یاد داشتی ہیں کیا کافر کی تکفیر اگر حق جانب بھی ہو وہ بھی ترک کرنی چاہئے ؟۔ اس صورت میں تو کفر وایمان میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔

اگر یہ صحیح نہیں اور عقیدت اسلام کی ہے تو ضرور کوئی معیار درمیان کفر وایمان کے فارق ہوگا پھر اس معیار کی تحقیق کرنی چاہئے تاکہ اسی پر عمل رہے۔

پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا تکفیر بازی اولاً مرزا غلام احمد قادیانی نے کی۔ جس نے کل عالم اسلام کو جو اس کو نبی نہ مانے کا فر اور ولد الزنا کہا اور یہ ہی حق کن اسلام ہوا یا علماء اسلام ؟۔

جنہوں نے مرزا قادیانی اور ان کے تو تابع کی تکفیر کی جن کی تعداد سنا ہے کہ مردم شماری کی اعداد میں ۵ے ہزار دونوں (لاہوری، قادیانی) جماعتوں کی ہے اور کیا اتفاق کی جڑ مرزا غلام احمد قادیانی نے کاٹی یا علماء اسلام نے ؟۔

قادیانی کہتا ہے کہ عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام اور احیاء میت شرک وکفر ہے اور ساتھ ہی کہتا ہے کہ میں بھی ایک زمانہ دراز سے بتقلید جمہور اہل اسلام اسی عقیدہ پر تھا اب کفر سے اسلام کی طرف گیا ہوں اور علماء اسلام کہتے ہیں نہیں بلکہ قادیانی اسلام سے کفر کی طرف گیا۔

پھر کیا جو انتقال اس نے اپنے اقرار سے کیا قول کی طرح ٹال دینے کی چیز ہے یا علماء اسلام کا حق ہے کہ اس کو پرکھیں ؟۔

بات یہ ہے کہ اپنی گلی میں تو کوئی یہ سخاوت اور کرم نہیں کرتا اور جب ایمان کی تقسیم کا وقت ہو سو وہ ہے کیا چیز جس میں سخاوت وجود کریں:

بخال ہندوش بخشم سمرقند وبخارا را

کفر سے نیا آیا ہو حساب دے چکا ہو۔

جو صاحب لاہوریوں کی تکفیر میں جو قادیانی کو مسیح موعود وغیرہ سب کچھ مانتے ہیں اور نبوت ظلی بروزی وغیرہ کہتے رہتے ہیں جس کی کوئی اصل دین میں نہیں متامل ہیں وہ بھی سمجھ سے محروم ہیں۔ کیا اگر کوئی یہ کہے کہ مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا ہی نہیں بلکہ ایک محدث وہ بھی ہوا ہے تو اس سے وہ شخص کفر سے نجات پائے گا؟۔ حق تعالیٰ صحیح سمجھ نصیب کرے اور سلامت فطرت کی دے۔ آمین!

قادیانی کی تعلیم اور دعوت کو کیوں اٹھا کر نہیں دیکھتے کیا وہ دعویٰ نبوت اسی معنے سے نہیں کرتا جس معنی میں یہ لفظ آسمانی کتابوں میں آیا ہے اور کیا وہ اپنی نبوت نہ ماننے والے کو کافر اور ولد الزنا نہیں کہتا اور کیا وہ اپنی وحی کو قرآن کے برابر نہیں کہتا اور کیا اس نے دعویٰ شریعت اور توہین انبیاء نہیں کی؟۔ اس کے بعد لاہوریوں کا کتمان اور صریحاً مغالطہ ان کے منہ پر کیوں نہ دیا جائے اور ان کو زندیق مستتر کیوں نہ کہا جائے؟۔

اصل میں اس فرقہ کی تکفیر میں بھی توقف کے وجوہ وہی ہیں جو اوپر گزر چکے کوئی نئی بات نہیں۔ پنجابی دھوبی کپڑے کو پتھر پر مارنے کے وقت بولا کرتے ہیں "سادا کی جاندے ایجو" اور اگر کسی کو ان مسائل کا جہل ہو تو اپنے جہل ہی کا اعتراف کر جائے جہل کو علم نہ بنائے اور جہل خود اور لوگوں نہ چھپائے اور خلق اللہ کو گمراہ نہ کرے۔

تکفیر کا مسئلہ اگر احتیاط کی چیز ہے تو دونوں جانب سے ہے نہ مسلم کو کافر کہے اور نہ کافر کو مسلم۔ جب مرزا غلام احمد قادیانی قطعاً کافر ہے اور بدیہی کافر اور تاریخ اسلام میں بلا فصل مدعی نبوت کو کافر کہتے آئے ہیں اور سزائے قتل دیتے تو اس کے دعاوی کو کتمان کرنے والا اور مصالح سے تحریف کرنے والا زندیق بداہت کے خلاف ہے کفر سے کیسے بچ سکتا ہے؟۔ بداہت کے خلاف مقدمہ شرعاً و عقلاً قابل التفات نہیں۔ کفار کے ساتھ جہاد کیا جاتا ہے۔ کیا ان کے شبہات نہیں؟ لیکن وضوح حق کے بعد شبہات کی پرواہ نہیں کی گئی اور یہاں تو شبہات بھی نہیں محض بے حیائی اور کتمان ہے اور جنگ زرگری۔

اور سنئے کہ ان جاہلانہ احتیاط میں کیا کچھ مضمر ہے۔ کیا کسی ناپاک ذات کو مسیح

موعود ماننا کفر نہیں؟۔ شریعت توراۃ میں کہ نبوت جاری تھی اس میں متنبی کاذب کا کیا قتل نہیں؟۔

کیا کسی رجس خبیث کو مسیح موعود اور مہدی مسعود کہنا شریعت متواترہ اسلامیہ کی تحریف اور تمسخر نہیں؟۔ شریعت متواترہ کی تحریف کیا جانے خود کفر نہیں۔ کفر کے کوئی سینگ ہیں کہ وہ دروازہ میں نہ سما سکیں؟۔ ہاں! خوب یاد آیا ممکن ہے کہ کفر کی شکل بیل جیسی ہو اور ہو یا رودر گوپال کو رات سے سینگ بھی ہوں۔

اس کے بعد اس جاہل مصنف سے کہنا چاہیے کہ وہ اپنی اس ہمہ دانی میں میاں محمود کی طرح اسے بھی یہ اعتقاد ہے کہ قادیانی قطعی یقینی کافر ہے پھر دنیا کو ان کی سمجھ پر چھوڑ دے وہ خود نتیجہ نکال لیں گے کہ جو ایسے کافر کو مسیح و مہدی مانے والا کیا ہے؟۔

یہ بھی شریعت میں دیکھنے کی چیز ہے کہ کیا کسی کے لئے سوائے اعتقاد نبوت کے اعتقاد وحی مساوی قرآن رکھنا یا اعتقاد شریعت رکھنا یا اس کے اس قول پر:

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بعرفان نہ کمترم زکسے

(نزول المسیح ص۹۹ خزائن ج۱۸ ص۴۷۷)

اعتقاد رکھنا کیا یہ کفر نہیں؟۔

نیز فرض کیجئے کہ کسی شخص نے دعویٰ نبوت بالتصریح کیا اور اس کے اتباع ہوگئے بعض نے نبی مانا اور بعض نے مجدد محدث: "توجیه القائل بما لا یرضی به قائله" کرتے اس کو نبی نہ کہا لیکن سب نے اس کو افضل الانبیاء کہا ان کے لئے اعتقاد کر لئے کیا وہ سب کافر نہیں؟۔ یہ بھی معلوم رہے کہ انبیاء کی نقل اتارنا مثلاً اپنے دو چیلوں کا نام جبرئیل اور میکائیل رکھ لے اور کہتا رہے کہ مجھے جبرئیل نے یہ خبر دی اور میکائیل نے یہ کہا یہ کہے کہ مجھ پر میرے حق میں "لولاک لما خلقت الافلاک" نازل ہوئی ہے۔

(تذکرہ ص۶۱۲)

تو جس نقل یا اتارنا اور جیسے مسیلمہ نقل اتارتا تھا اور محاکات کرتا تھا۔

آنچہ انساں مے کند بوزنہ ہم

اس کی دو صورتیں ہیں یا یہ کہ انبیاء کے ساتھ استہزاء کرتا ہو' یا ادعاء ہو کہ مجھے بھی یہ خصائص حاصل ہیں اور واقعی یہ دو فرشتے میرے پاس آتے ہیں اگرچہ اس ادعاء سے نقل اتارنا متغائر ہے۔ حکم دونوں صورت کا کفر ہے اور جو کوئی اس کے اس ادعاء کو صداقت باور کرے وہ بھی کافر ہے۔

ان صاحبوں سے یہ بھی دریافت کیا جائے کہ اس فرق کے علاوہ اگر آپ سے بایں عنوان مسئلہ پوچھا جائے کہ اگر کوئی اور خبیث محبث' کھڑا ہو جائے اور وہ دعوی مسیحیت کرے اور اس کے پاس مال نہ ہو اور لاتاب پیدا نہ ہوں لیکن وہ مدعا اسی دعویٰ پر رہے' اس کے حق میں آپ کا کیا حکم ہے بلا لحاظ زور و مال اسی دعویٰ کو دیکھ کر آپ کا مسئلہ بدلتا ہے؟

دجال اکبر جس کے قتل کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اس کی کیا وجہ ہے سوائے اس کے کہ اس نے اپنے آپ کو یہود سے مسیح موعود منوایا ہو گا۔ جسے خدا سمجھ دے اسے خدا سمجھے۔ بالجملہ انبیاء علیہم السلام کی نقل اتارنا مستقل کفر ہے اگرچہ ادعاء نبوت مطلقاً نہ کرے اور جو کوئی اس کو صداقت باور کرے بلکہ جملہ معترضین سے علاحدہ کر مانے اور اس پر ایمان لائے وہ بھی قطعاً کافر ہے۔

اسی طرح وہ شخص جو انبیاء علیہ السلام کی اساسی خصوصیات اور وہ کہ اس پر ایمان لائے۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ قادیانی نے علاوہ دعوی نبوت کے دعوی وحی مساوی قرآن اور دعوی شریعت اور توہین انبیاء اور تکفیر امت حاضرہ اور ادعاء خصائص انبیاء علیہم السلام اور ان کی نقل اتارنا اور انکار ضروریات دینیہ اور تحریف دین متواتر اور تمسخر بعض شریعت متواترہ کا کیا ہے اور یہ سب وجوہ متفق علیہ کفر ہیں اور لاہوری اس پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔

کشتی نوح ص ۱۶ خزائن ص ۱۸ ج ۱۹ پر قادیانی کی عبارت دیکھنی چاہئے کہ اپنی جانب سے اپنی تحقیق سے مریم صدیقہ کی طرف زنا کی نسبت کرتا ہے" والعیاذ باللہ العلی العظیم۔ واللہ الہادی لاھادی الاھو۔"

یہ کل بحث اس صاحب کے ساتھ ہے جس کے نزدیک دین کی کوئی حقیقت محصلہ

کے اور اس پر ایمان و کفر کا فرق کرنا نہیں۔ ورنہ جس کا دین محض مصلحت وقت اور ہر دفعہ بدلنے والی ہے اس کے ساتھ ہمارا تخاطب نہیں۔

بالآخر پھر اپنے احباب سے استدعا ہے کہ وہ اس وقت کو غنیمت سمجھ کر انجمن دعوت و ارشاد میں شرکت فرمائیں اور ہر طرح سے اس کی تقویت و امداد کی سبیل نکالیں تاکہ ایک مستقل اور مستقر انجمن ہو جائے اور دین متین کی خدمت کرتی رہے۔

نیز سیدواری کی توسیع اشاعت میں سعی فرمائیں کیونکہ ان معلومات کا اصل ذخیرہ اور سرچشمہ وہی ہے اور اسی کی فروع میں سے باقی شعبے ہیں۔ حکومت کشمیر کو بھی بحیثیت رعیت ہونے کے متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ کل عالم اسلام مصر، شام، عرب، عراق، ہندوستان، کابل وغیرہ قادیانیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ان کی بھرتی سکولوں اور محکموں میں مسلمانوں پر احسان نہیں اور ہمیشہ موجب تصادم و خلل امن رہے گی فقط!!

اہل کشمیر پر واضح رہے کہ جو قادیانی اخبار کشمیر سے جاری ہوا ہے وہ قادیانی عقائد یعنی کفر کی تخم ریزی ہے۔ عنقریب شاخ و برگ دکھائے گا۔ مسلمان اپنی جیبیں خالی کر کے کفر نہ خریدیں۔ والسلام!

العارض

محمد انور شاہ کشمیری عفااللہ عنہ

نزدیمہ ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۵۱ ہجری

مجلس معارف العلماء پنجاب لاہور سے بھی بہت کچھ توقعات وابستہ ہیں۔ کیونکہ اعضاء اس کے مستند علماء ہیں۔ اصحاب و احباب اسے بھی فراموش نہ کریں۔ اگر اس کی تقویت اور اعانت ہو گئی تو انشاء اللہ بہت سی خدمت مذہب و ملت کی انجام دے گی۔ واللہ الموفق!!!

بیان در مقدمہ بہاولپور

۲۵/۲۷/۲۸/۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

امام العصر حجۃ الاسلام

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بہاولپور کا معرکۃ الآراء تاریخی مقدمہ

۱۹۳۲ء کی تیسری سہ ماہی میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ بوجہ علالت چند ہفتوں کے لئے ڈابھیل سے دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب طبع مبارک قدرے رو بصحت ہوئی تو ڈابھیل مراجعت فرمانے کا عزم فرمایا۔ اور رخت سفر تیار کیا کہ اچانک حضرت شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی صاحبؒ کا مکتوب گرامی موصول ہوا جس میں اہالیان بہاولپور کی اس آرزو کا اظہار تھا کہ حضرتؒ بہاولپور تشریف لا کر حق و باطل کے اس مقدمہ میں شہادت قلمبند کرائیں۔

حضرتؒ نے معاملہ کی نزاکت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ڈابھیل کا سفر معرض التوا میں ڈال کر بہاول پور کا قصد فرمایا۔ باوجود پیرانہ سالی و شدید ضعف و علالت کے دیوبند سے بہاول پور تک کا صعوبت انگیز سفر اختیار فرمایا۔ اور ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء بروز جمعۃ المبارک سرزمین بہاولپور کو قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔

حضرتؒ کی بہاولپور آمد کے ساتھ ہی تمام ہندوستان کی نظریں اس مقدمہ پر مرکوز ہو گئیں اور اس نے آفاقی شہرت اختیار کر لی۔ پنجاب اور سندھ کے اکثر علماء دین بہاولپور پہنچ گئے۔ آپ کی قیام گاہ پر ہمہ وقت زائرین کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ۲۵ اگست ۱۹۳۲ء کو جب پہلی دفعہ حضرتؒ اپنی شہادت قلمبند کرانے عدالت میں پہنچے تو کمرہ عدالت ذی علم عمائد دین و مشاہیر و زعماء و اکابرین قوم سے مکمل طور پر معمور تھا۔ عدالت کے باہر میدان میں

عوام کا ایک جم غفیر موجود تھا جس میں اہل ایمان کے علاوہ قادیانی بھی شامل تھے اور ہر شخص حضرتؒ کے ارشادات گرامی سننے کے لئے مضطرب تھا آپ کا یہ بیان ۸۲ اگست ۱۹۳۲ء تک جاری رہا جبکہ ۲۵ اگست کو جلال الدین شمس قادیانی مختار فریق ثانی نے آپ پر جرح کی۔

حضرتؒ نے مندرجہ ذیل پانچ وجوہ پیش کر کے مرزا قادیانی اور اس کے متبعین کی تکفیر کا ثبوت پیش فرمایا

(۱) دعویٰ نبوت

(۲) .. دعویٰ شریعت

(۳) .. توہین انبیاء علیہم السلام

(۴) . انکار متواترات و ضروریات دین

(۵) . . . سب (گالی دینا) انبیاء علیہم السلام

حضرتؒ نے اپنے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کی باطل نبوت اور فرقہ ضالہ مرزائیہ کا کفر و ارتداد پورے عالم میں ابین من الشمس کر دیا (حضرتؒ کا یہ بیان علم و عرفان کا ایک بحر زخار ہے جس کی گہرائیوں میں گراں قدر اور بے بہا موتی بکھرے ہوئے ہیں۔)

مقدمہ بہاولپور کے ساتھ ویسے تو بہت سے تاریخی واقعات وابستہ ہیں۔ قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے یہاں پر صرف تین کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء کو جب جلال الدین شمس قادیانی مختار مدعا علیہ حضرت شاہ صاحبؒ پر اپنی جرح کر رہا تھا تو حضرت شاہ صاحبؒ موصوف کی زبان مبارک سے "غلام احمد جہنمی" کا لفظ نکلا جس پر مختار مدعا علیہ نے شدید احتجاج کرتے ہوئے جرح بند کر دی اور عدالت سے درخواست کی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو حکم فرمایا جائے کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں۔ عدالت کا کمرہ علماء فضلاء و مشاہیر سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ان حضرات نے مشاہدہ کیا کہ حضرتؒ پر ایک خاص کیفیت وجد طاری ہو گئی۔ چہرہ مبارک نور سے منور ہو گیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک جلال الدین شمس قادیانی کے کاندھے پر رکھ کر فرمایا

"ہاں ہاں! مرزا غلام احمد قادیانی جہنمی ہے۔ دیکھنا چاہتے ہو کہ وہ جہنم میں کیسے جل رہا ہے؟۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کے ان الہامی کلمات سے مرزائیوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ ان کے چہرے زرد پڑ گئے۔ جلال الدین شمس قادیانی نے فوراً حضرت شاہ صاحبؒ کا دست مبارک اپنے کندھے سے ہٹا دیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ مرزا غلام احمد قادیانی کو جہنم میں جلتا ہوا دکھا بھی دیں۔ تو میں اسے شعبدہ بازی کہوں گا۔

بفضل تعالیٰ آج بھی بہاولپور میں بالخصوص اور برصغیر میں بالعموم ہزاروں افراد موجود ہیں جو اس تاریخی واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔

(۳) ... ۲۶ اگست ۱۹۳۲ء کو یوم جمعۃ المبارک محلہ جامع مسجد الصادق بہاولپور میں آپ نے جمعہ کی نماز ادا فرمانا تھی۔ مسجد کے اندر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ قریب و جوار کے گلی کوچے نمازیوں سے بھرے ہوئے تھے نماز کے بعد آپ نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

"میں بواسیر خونی کے مرض کے غلبہ سے نیم جاں تھا اور ساتھ ہی اپنی ملازمت کے سلسلہ میں ڈابھیل کے لئے پابہ رکاب کہ اچانک شیخ الجامعہ صاحب کا مکتوب مجھے ملا جس میں بہاولپور آکر مقدمہ میں شہادت دینے کے لئے لکھا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ میرے پاس کوئی زاد راہ نہیں۔ شاید یہی چیز ذریعہ نجات بن جائے کہ میں حضرت محمد ﷺ کے دین کا جانبدار بن کر یہاں آیا ہوں۔"

یہ سن کر مجمع بے قرار ہو گیا۔ آپ کے ایک شاگرد مولانا عبدالحنان ہزاروی آہ و بکا کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور مجمع سے بولے کہ اگر حضرت کو بھی اپنی نجات کا یقین نہیں تو پھر اس دنیا میں کس کی مغفرت متوقع ہو گی؟۔ اس کے علاوہ کچھ اور بلند کلمات حضرت کی تعریف و توصیف میں عرض کئے جب وہ بیٹھ گئے تو پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ:

"ان صاحب نے ہماری تعریف میں مبالغہ کیا۔ حالانکہ ہم پر یہ بات کھل گئی کہ گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے اگر ہم تحفظ ختم نبوت نہ کر سکیں۔" (کمالات انوری)

(۳) .. جب بہاولپور سے بیان دیکر واپس دیوبند جانے لگے تو اپنے شاگرد حضرت مولانا محمد صادق بہاولپوریؒ سے فرمایا کہ اگر فیصلہ میری زندگی میں ہوا تو خود سن لوں گا۔ اگر میرے مرنے کے بعد فیصلہ ہو تو میری قبر پر آکر سنا دینا۔ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی کہ فیصلہ سے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق مولانا محمد صادق بہاولپوریؒ نے دیوبند جا کر آپ کی مزار انور پر اس فیصلہ میں اہل اسلام کی کامیابی کی نوید عرض کی۔

(فقیر اللہ وسایا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵ اگست ۱۹۳۲

بیان گواہ مدعیہ   باقرار صالح

سید محمد انور شاہ ولد معظم شاہ ذات سید سکنہ کشمیر عمر ۵۵ سال

ایمان اور کفر کی حقیقت

کسی کے قول کو اس کے اعتماد پر باور کرنے اور غیب کی خبروں کو انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر باور کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ اور کفر کہتے ہیں حق ناشناسی اور منکر ہو جانے کو یا مکر جانے کو۔ ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے۔ یا تواتر سے یا خبر واحد سے۔

اقسام تواتر : تواتر اسے کہتے ہیں کہ کوئی چیز اسی علت ہوئی ہو نبی کریم ﷺ سے اور ہم تک پہنچی ہو علی الاتصال کہ اس میں احتمال خطا کا نہ ہو۔ تواتر ہمارے دین میں چار قسم کا ہے۔ حدیث ہے کہ :

"من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار۔"

﴿جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات کی نسبت کرے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے﴾

پہلی قسم: یہ حدیث متواتر ہے اور تیس صحابہؓ سے بسند صحیح مذکور ہے۔ اس کو تواتر اسنادی کہا جائے گا۔ نزول مسیحؑ میں چالیس حدیثیں صحیح ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ متواتر ہیں۔ (اگر) اس کا کوئی انکار کرے (تو) وہ کافر ہے۔

دوسری قسم: تواتر طبقہ۔ (کہ جب) یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کس سے لیا۔ بلکہ یہ معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی سے سیکھا جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر۔ اس تواتر کا منکر اور محرف بھی کافر ہے۔ مسواک کا ثبوت بھی دونوں طرح سے متواتر ہے۔ اگر کوئی (مسواک) ترک کردے تو چنداں وبال نہیں اور اگر اس کا کوئی انکار کردے علم دین سمجھ کر تو وہ کافر صریح ہے۔ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ "جو" حرام ہیں تو وہ کافر ہے۔ حسب شریعت محمدیہ (جو کھانا) کوئی ضروری چیز نہ تھی لیکن پیغمبر ﷺ نے "جو" کھائے اور اصحاب تک "جو" کھانا آئی ہے۔ اس تواتر قطعی کا انکار کفر ہے۔

تیسری قسم: تواتر قدر مشترک ہے۔ حدیثیں کئی ایک خبر واحد آئی ہوں۔ ان میں قدر مشترک متفق علیہ وہ حصہ حاصل ہوا جو تواتر کو پہنچ گیا۔ مثلاً اس نبی کے معجزات نبی کریم ﷺ کچھ متواتر ہیں۔ اور کوئی (کچھ) اخبار آحاد ہیں۔ لیکن ان اخبار آحاد میں ایک مضمون مشترک ملتا ہے۔ کہ وہ قطعی ہو جاتا ہے۔ اس کا انکار بھی ویسا ہی کفر ہے۔ جیسے پہلی دو قسم کا۔

چوتھی قسم: تواتر توارث ہے۔ اسے کہتے ہیں کہ نسل نے نسل سے لیا ہو۔ جیسا کہ ساری امت اہل علم میں شریک رہی کہ خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ تواتر اس طرح سے ہے کہ بیٹے نے باپ سے لیا اور باپ نے (بیٹے) باپ سے لیا۔ اس کا انکار بھی صریح کفر ہے۔

اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جائے۔ تو اسلام کی کوئی حقیقت قائم نہیں رہ سکتی اور نہ کسی دوسری یقینی چیز کی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا۔ مطلب بگاڑنا کفر صریح ہے۔ رد ہے اور مسموع نہیں ہے۔

متواترات کو تاویل سے پلٹنا کفر ہے

میں نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام کے صفحہ اول پر متواترات کے چھپنے کی مثال دی ہے۔ اس کا نام باطنیت ہے۔ اسی کا نام زندیقیت اور الحاد ہے۔

کفر کے اقسام : کفر کبھی قولی ہوتا ہے۔ اور کبھی فعلی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص ساری عمر نمازیں پڑھتا رہے اور تیس چالیس سال کے بعد ایک دفعہ بت کے آگے سجدہ کرے تو وہ کافر ہے۔ وہ تارک نماز سے بدتر ہے۔ یہ کفر فعلی ہے۔ کفر قولی یہ ہے کہ مثلاً یہ کہہ دے کہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے۔ صفتوں میں یا فعل میں یا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئے گا یہ کفر قولی ہے۔

اختلاف مراتب : کوئی شخص اگر اپنے مساوی رتبے سے کہہ دے کہ نکما۔ تو وہ کوئی چیز نہیں۔ استاذ اور باپ سے (یہی کلمہ) کہہ دے۔ تو اسے عاق کہتے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو یہ کفر صریح ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب منافقین سے کہا جاتا ہے کہ پیغمبر سے مغفرت کی دعا کرا لو تو وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں۔ اس کو بھی پیغمبر کے مقابلے میں قرآن نے کفر قرار دیا ہے۔ کوئی شخص اگر بغیر نیت کے بطور ہنسی کھیل کے کلمہ کفر کہتا ہے۔ تو وہ بھی کافر ہے۔ اگر سبقت لسانی ہو گئی تو یہ معاف ہے۔

اس کی تائید میں آیت "وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۔ توبہ آیت ۷۴"

﴿ بے شک کہا انہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے مسلمان ہو کر اور قصد کیا تھا اس چیز کا جو ان کو نہ ملی۔ ﴾

اور: "لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ ۔ توبہ آیت ۶۶"
﴿بہانے مت بناؤ تم کفار ہو گئے، اظہار ایمان کے بعد۔﴾

ان دفعات (اسلامیہ) سے جو نو پر بیان کئے گئے ہیں (جو) انکار کرے تو وہ خدا کا
باغی ہے اور اس کی سزا موت ہے۔

مرزائیوں سے اصولی اختلاف

اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے۔ علمائے
دیوبند اور علمائے بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے۔ قانون کا نہیں۔

مرزا قادیانی نے اسلام کے اصول بدلے

مرزائی مذہب والے (مرزا غلام احمد قادیانی) نے مسلمات دین کے بہت سے
اصولوں کی تبدیلی کر دی ہے اور بہت سے اسلامی مسائل کو بدل دیا ہے۔

نبوت کے ختم ہونے کے بارے میں ہمارے پاس کوئی دو سو حدیثیں ہیں اور قرآن
مجید ہے اور اجماع بالنص ہے اور ہر نسل اگلی نے پچھلی سے اس کو لیا ہے اور کوئی مسلمان جس
کو تعلق ہو اسلام کے ساتھ۔ وہ اس عقیدہ سے غافل نہ رہا۔ اس عقیدہ کی تحریف کرنا اور اس
سے انحراف کرنا صریح کفر ہے اگر کوئی آیت قرآنی ہو اور اس کی مراد پر اجماع ہو امت کا اور
صحابہ کرامؓ کا اس سے انحراف کرنا اور تحریف کرنا کفر صریح ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ: "من ادعی الاجماع فھو کاذب
" تو اس کی مراد یہ ہے کہ لوگ کہیں کہیں اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ اجماعی ہوتے
نہیں۔ نہ یہ کہ کوئی چیز دین محمدی میں اجماعی ہے ہی نہیں؟

ہم خود زبان امام احمد سے نقل اجماع کو بہت (خوب) ثابت کر دیں گے۔

امت محمدیہ ﷺ میں پہلا اجماع

پہلا اجماع جو اس امت محمدیہ ﷺ میں ہوا ہے وہ اس پر ہوا ہے کہ مدعی نبوت کو

قتل کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا صدیق اکبرؓ نے خلافت کے زمانہ میں مسیلمہ کے قتل کے واسطے صحابہؓ کو بھیجا۔ کسی نے اس میں تردد نہ کیا۔ یعنی جو خاتم النبیین کے بعد دعویٰ نبوت کرے تو وہ مرتد اور زندیق ہے اور واجب القتل ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس مسیلمہ کے قاصد آئے کہ تم کہتے ہو کہ وہ نبی ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہاں۔

فرمایا کہ دنیا کا طریقہ یہ ہے کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن مار دیتا۔ (کتاب الجہاد فی باب الرسل سنن ابوداؤد ص ۳۸۰ مطبوعہ لکھنؤ)

اس کے بعد معجم طبرانی میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو ان قاصدوں میں سے ایک (ابن نواحہ) کوفہ میں ملا۔ حضرت فاروقؓ یا عثمانؓ کے زمانہ میں۔ وہ مسیلمہ کا نام لیتا تھا۔ فرمانے لگے کہ اب تو یہ قاصد نہیں ہے۔ حکم دیا۔ اس کی گردن ماری جاوے۔

(باب مسانید الحسن ص ۲۹۳، ۳۱۳، ۳۱۳، ۱۳۲، ۹۱، ۸۹، ج ۲)

نیز یہ روایت بخاری کی کتاب کفالت میں بھی مختصراً موجود ہے۔ معجم طبرانی کتب خانہ مولوی شمس الدین بہاولپوری۔ ورق ۹۲ جو روایت معجم طبرانی سے نقل کی گئی ہے۔ وہ بھی سنن ابی داؤد میں ص ۲۳ ج ۲ میں موجود ہے۔

اسلام میں عقیدہ ختم نبوت متواتر ہے

ختم نبوت کا عقیدہ دین محمدی ﷺ میں متواتر ہے۔ قرآن، حدیث سے اجماع بالفعل سے اور یہ پہلا اجماع ہے۔ ہر وقت (زمانہ) میں حکومت اسلامی نے اس شخص کو جس نے دعویٰ نبوت کیا۔ سزائے موت دی ہے۔ ایک شاعر کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے بہ فتویٰ علماء دین ایک شعر کے کہنے پر قتل کروا دیا تھا۔

كان مبداء هذا الدين من رجل

سعى فاصبح يدعى سيد الامم

﴿آغاز اسلام میں یمن کے ایک شخص سے تھی کہ اس نے کوشش کی اور وہ سردار ہو گیا امتوں کا۔﴾

اس شعر سے قرار دیا گیا کہ یہ شخص نبوت کو کسبی سمجھتا ہے کہ ریاضتوں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے اسے قتل کر دیا گیا۔

ختم نبوت کی آیت

”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا - احزاب آیت ۴۰“

﴿محمد رسول اللہ ﷺ تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن رسول ہیں اللہ کے اور ختم کرنے والے ہیں پیغمبروں کے۔﴾

اس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ نبی کریم کی ابوت (باپ ہونے) کا علاقہ جسمانی رجال سے منقطع ہے۔ اور اس کے عوض رسالت اور نبوت کا علاقہ روحانی قائم ہے۔ گویا ساری جگہ نبوت اور رسالت کی محمد ﷺ نے گھیر لی۔ کوئی جگہ خالی نہ رہی۔ احادیث تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ انبیاء میں نبوت کے بھی خاتم ہیں اور آپ ﷺ کے تشریف لانے سے نبوت کا عہدہ منقطع ہو گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا علامت ہے اس بات کی کہ انبیاء کے عدد میں کوئی باقی نہیں اس لئے پہلے نبی کو لانا پڑا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ

”چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی بہرحال محمد ﷺ ہی نبی رہے نہ اور کوئی۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۸، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲، ضمیمہ حقیقۃ النبوۃ حصہ اول ص ۲۹۶)

مطلب یہ کہ میں چونکہ بن گیا ہوں محمد رسول اللہ کا اور مجھ میں تصویر اتر آئی ہے رسول کریم ﷺ کی۔ اس سے مہر نبوت نہ ٹوٹی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مسخرہ ہے۔ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ساتھ [illegible]

مرزا غلام احمد قادیانی خاتم کے یہ معنی کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ مہر ہیں اور آپ ﷺ کے منظور کرنے سے نبی بنتے ہیں۔ (حقیقت الوحی ص ۹۷ حاشیہ خزائن ص ۱۰۰ ج ۲۲)

چند شبہات کے جوابات

(۱) ...... علمائے اسلام حنفیہ نے یہ لکھا ہے کہ اگر کسی کے کلمہ کفر میں ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور ایک (احتمال) اسلام کا ہو تو ننانوے احتمالات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف ایک ہی کلمہ کفر کسی کا پایا گیا ہو۔ حالات اس کے معلوم نہیں۔ تو اس وقت یہ صورت ہوگی۔ ورنہ اگر حالات معلوم ہوں اور وہ ۳۰ سال اگر عبادت کرتا ہے اور ایک کلمہ کفر کا کہے وہ کافر ہے۔

(۲) ... تکفیر اہل قبلہ یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔ لیکن اس کی مراد میں علماء نے تصریح کی ہے کہ اہل قبلہ سے مراد یہ ہے کہ وہ کل متواترات اور ضروریات دینی پر ایمان لایا ہو۔

(فتاویٰ عالمگیری کتاب السیر ص ۲۰ مصری الکتاب ۲۳ شرح فقہ اکبر تحریر شیخ ابن ہمام ص ۱۸۸)

(۳) ...... میں نے شروع بیان میں جو یہ کہا تھا کہ اجماع کا منکر کافر ہے اور اجماع صحابہؓ حجت قطعی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب اقامۃ الدلیل ص ۱۳۰ ج ۳ پر ہے۔ واجب ہے اس اجماع صحابہؓ کا اتباع کیونکہ وہ قوی تر حجت ہے اور مقدم ہے اور حجتوں پر۔ اسلام شناخت ہے مسلمانوں کی اور مسلمانوں کے اتفاق میں شناخت ہے اسلام کی۔ (اگر اجماع کو درمیان میں سے اٹھا دیا جائے تو دین ٹوٹ گیا۔)

صحیح بخاری ص ۱۰۲۴ جلد ۲ میں ایک حدیث ہے "فان له اصحاب . الخ۔" اس کی ذریت سے کہ ایک نسل آئے گی کہ ان کے روزے اور نماز کے سامنے تمہارے (یعنی صحابہؓ کے) نماز اور روزے ہیچ ہوں گے۔ اس بحث (تیزی) سے نکل جائیں گے دین سے۔ جس طرح تیر نکل جاتا ہے شکار سے۔ ایک اور حدیث ہے کہ اگر میں نے پایا ان کو۔ تو جیسے عاد اور ثمود قتل کئے گئے میں بھی ان کو قتل کر دوں گا۔

(۴)......حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ گناہوں سے تکفیر نہ چاہئے۔ ان گناہوں سے مراد وہ ہیں جو کفر کی حد تک نہیں پہنچے اور جو کفر کے قول یا فعل ہیں۔ ان سے ہر طرح سے تکفیر کی جائے۔ ایسے گناہ مثلاً زنا' شراب خوری' ڈاکہ زنی' سے تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اگر نماز کوئی شخص ترک کرے دانستہ' وہ کافر نہیں فاسق ہے اور شدید عاصی ہے' اور اگر تاویل کر جائے نماز میں کہ نماز سے کچھ اور مراد ہے تو وہ کافر ہے قطعاً' نماز کا اگر کوئی شخص اقرار کرتا ہے اور دانستہ نہ پڑھے تو کافر نہیں بلکہ فاسق ہے۔ اور اگر ایک دفعہ قبلہ سے روگردانی کر کے دوسری طرف دانستہ نماز پڑھ لے تو وہ کافر ہے۔ نماز کا تارک کافر نہیں ہے۔ فاسق ہے اور اگر بے وضو نماز پڑھے تو کافر ہے۔

اصلی کافروں سے بدتر وہ کافر ہے جن کا ارتداد (ملے جلے) ہو اسلام کے ساتھ جہنم کے کافروں سے۔ کیونکہ اصلی کافروں سے صلح جاتا ہے اور دوسروں سے پوچھی جاتی ہے۔

شیطان کا کفر: کبھی کفر ایسا ہوتا ہے کہ نہ خدا کی تکذیب کی نہ پیغمبر کی تکذیب کی۔ پھر بھی کافر جیسے ابلیس نے نہ خدا کی تکذیب کی نہ آدم کی۔

کافر' منافق اور زندیق میں فرق

جو اقرار نہ کرے دین محمدی کا اس کو کافر کہتے ہیں۔ جسے اندر سے اعتقاد نہ ہو اسے منافق کہتے ہیں حکم اس کا بھی وہی ہے۔ بلکہ کافر سے اشد۔ جو زبان سے اقرار کرتا ہو لیکن دین کی حقیقت بدل چکا ہو۔ اسے زندیق کہتے ہیں وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے بالاسناد احکام القرآن ص ۵۳ (منقول ہے) امام محمد فرماتے ہیں کہ: " ومن انکر شیئاً من شرائع الاسلام فقد ابطل قول لا الٰہ الا اللہ۔ السیر الکبیر ص ۲۶۵ ج ۱٤" کہ جس نے انکار کیا کسی چیز کا اسلامی امور میں سے اس نے باطل کر دیا قول لا الہ الا اللہ کا۔

۲۷ اگست ۱۹۲۳ء

تتمہ بیان سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ

اسلام کفر اور ارتداد کے معنی

اس وقت تک جو اجمالی طور پر کفر و ایمان کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ارتداد کے معنی یہ ہیں کہ دین اسلام سے ایک مسلمان کلمہ کفر کہہ کر اور ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر کے (اسلام سے) خارج ہو جائے اور ایمان یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ جس چیز کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے ہیں اور اس کا ثبوت بداہت اسلام سے ہے اور ہر مسلمان عام و خاص اس کو جانتے ہیں اس کی تصدیق کرنا۔ عبارت ذیل سے یہ دونوں مسئلہ ثابت ہیں۔

"هو الراجع عن دين الاسلام وركنها اجراء كلمة الكفر على اللسان بعد الايمان و هو تصديق محمد ﷺ في جميع ما جاء به عن الله تعالى مما علم مجيئه ضرورة۔" (درمختار مع شامی ج ۳ ص ۴۰۳ باب المرتد)

مرتد وہ ہے جو پھر جائے دین اسلام سے اور حقیقت اس کی جاری کرنا کلمہ کفر کا زبان پر ایمان کے بعد۔ اور ایمان کیا چیز ہے تصدیق کرنا نبی کریم ﷺ کی سب ان چیزوں میں جو خدا کی طرف سے لائے، ثبوت ان کا بدیہی ہو گیا۔

دوسری عبارت بالفاظ ذیل: "الايمان تصديق سيدنا محمد ﷺ في جميع ما جاء به من الدين ضرورة۔ الكفر تكذيب محمد ﷺ مما جاء من الدين ضرورة ولا يكفر احد من اهل القبلة بجحود"

(صفحہ ۲۶۳ شرح الاشباہ والنظائر نول کشور)

(ایمان تصدیق ہے نبی کریم ﷺ کی جملہ ان امور میں کہ جو لائے اور ثابت ہوئے تواتر سے۔ کفر تکذیب ہے نبی کریم ﷺ کی کسی ایک چیز میں بھی جو دین میں بداہتا

ہم میں سے کوئی کافر نہیں ہوگا کوئی اہل ایمان (اہل قبلہ) میں سے مگر جب انکار کرے کسی ایسی چیز کے (سے) جو چیز کہ ضروریات دین سے ہو۔

ضروریات دین

"معنی التصدیق قبول القلب و اذعانه لما علم الضرورة انه من دین محمد ﷺ بحیث تعلمه العامة من غیر افتقار الی نظر و استدلال کالوحدانیة والنبوة والبعث الجزاء ووجوب الصلوة۔"

ضروریات دین وہ ہیں کہ پہچانیں ان کو خواص و عوام کہ یہ دین سے ہیں۔ جیسے اعتقاد توحید کا، رسالت کا اور پانچ نمازوں کا اور مثل ان کے اور چیزیں ہیں۔

(رد المحتار ص ۲۲۳ ج ۱ باب الامامت)

مرزائی تاویلات کا رد

جو لوگ ضروریات دین کا انکار کر کے کافر ہو جاتے ہیں وہ عموماً اپنے کفر کو چھپانے کے لئے مختلف تاویلیں اور تدبیریں اختیار کرتے ہیں:

(۱) . . کبھی کہتے ہیں ہم اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔

(۲) کبھی کہتے ہیں ہم تمام ارکان اسلام نماز روزہ حج زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تبلیغ اسلام میں سرگرم کوششیں کرتے ہیں۔ ہمیں کیسے اسلام سے خارج کیا جا سکتا ہے؟۔

(۳) . کبھی کہتے ہیں کہ یہ تصریح فقہائے (اسلام) اگر ایک شخص کے کلام میں ۹۹ وجوہ کفر کی اور صرف ایک (وجہ) اسلام کی موجود ہو تو مفتی کا فرض ہے کہ اس ایک وجہ کو اختیار کر کے اس کو مسلمان کہے کفر کا حکم نہ لگائے پھر ہمیں کیسے خارج از اسلام کہا جا سکتا ہے؟۔

(۴) . اور کبھی کہتے ہیں کہ بتصریح فقہا جو لوگ کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کی بنا پر کہیں۔ ان کو کافر کہنا جائز نہیں۔ ان چاروں شبہات کے جواب ترتیب وار یہ ہیں۔

پہلا شبہ - اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔ یہ بے علمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ چونکہ حسب تصریح واتفاق علماء "اہل قبلہ" کے یہ معنی نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہے چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار کرے۔ قرآن مجید میں منافقین کو نام کفار سے زیادہ بدتر کافر ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ فقط قبلہ کی طرف منہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام ادا کرتے تھے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ "لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۔ البقرہ آیت نمبر ۱۷۷"

﴿نیکی کچھ یہی نہیں ہے کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ لیکن بڑی نیکی یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔﴾

اس مضمون کی تصریح کتب ذیل میں ہے :

"ثم اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين حدوث العالم و حشر الاجساد و علم الله تعالى بالكليات والجزئيات و ما اشبه من المسائل المهمات فمن و ظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم او نفی الحشر او نفی علمه سبحانه بالجزئيات لا يكون من اهل القبلة ۔ " (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۱۸۹ مجتبائی دہلی)

جس کا مطلب یہ ہے کہ جان تو کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اتفاق کیا ضروریات دین پر جیسے حدوث عالم، حشر اجساد، علم اللہ تعالیٰ کا کل خبروں کے ساتھ اور جو اس کی مثلیں ہوں مسائل مہمہ میں سے۔ پس جس شخص نے مداومت کی ساری عمر اطاعت اور عبادت پر باوجود اعتقاد قدم عالم کے اور نفی حشر کے اور جزئیات مادیات کے ساتھ علم الٰہی کی نفی کی۔ وہ اہل قبلہ میں سے نہیں اور یہ جو مسئلہ کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز

نہیں۔ اس کی مراد یہ ہے کہ کافر نہیں ہو گا جب تک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیزیں موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

" والمراد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قطعاً۔ "مراد مجموعے سے وہ ہے جو اپنے بدعت و رسوم سے کافر نہیں اور ایسے ہی گنہگار اہل قبلہ میں سے وہ شخص مراد ہے جو موافق ہو ضروریات دین کے جیسے حدوث عالم۔ حشر اجساد۔ سوائے اس کے کہ صادر ہو اس سے کوئی چیز موجبات کفر کی۔ (تقریر شرح تحریر الاصول ص ۳۱۸ ج ۳)

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے:

"ثم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ"

(کافر نہ کہنا کسی اہل قبلہ کو کسی گناہ سے تصریح کی ہے اس کی امام ابی حنیفہ نے فقہ اکبر میں فرمایا کہ ہم کافر نہیں کہتے کسی کو کسی گناہ سے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہو۔ جب تک اس گناہ کو حلال نہ سمجھے جیسے کہ منتقی حاکم شہید کی کتاب میں ہے۔)

دوسرا شبہ: یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ تمام ارکان اسلام کے پابند اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرنے والے ہیں۔ پھر ان کو کیسے کافر کہا جائے؟۔ اس کا جواب صحیح بخاری کی حدیث میں ہے "کتاب: "استتابة المعاندین والمرتدین باب قتال الخوارج۔ ص ۱۰۲۴ ج ۲" جس کو میں پہلے اپنے بیان میں کہہ چکا ہوں۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ یہ قوم جس کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے صاف نکل جائے گی اور ان کے قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ لوگ نماز روزے کے پابند ہوں گے بلکہ ظاہری خشوع و خضوع کی کیفیت بھی ایسی ہو گی کہ ان کے نماز روزے کے مقابلے میں مسلمان اپنے نماز روزے کو بھی ہیچ سمجھیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جب کہ بعض ضروریات دین کا انکار ان سے ثابت ہوا تو ان کی نماز روزہ ان کو حکم کفر سے نہ بچا سکے۔

تیسرا شبہ: یہ کہا جاتا ہے کہ فقہاء نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جس کے

کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس
کا منشاء کچھ یوں ہے کہ فقہاء کے بعض الفاظ دیکھ لئے گئے اور ان کے معنی سمجھنے کی کوشش نہ کی
گئی اور نہ ان کے وہ اقوال دیکھے جن میں صراحتاً بیان کیا گیا کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے
بلکہ اس وقت ہے جب کہ قائل کا صرف ایک کلمہ مفتی کے سامنے آوے اور قائل کا کوئی
دوسرا حال معلوم نہ ہو اور نہ اس کے کلام میں ایسی تصریح ہو جس کا معنی کفریہ متعین ہو
جائے تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملہ تکفیر میں احتیاط برتے اور اگر کوئی خفیف
سے خفیف احتمال نکل سکے، جس کی بنا پر یہ کلام کلمہ کفر سے بچ جائے تو اس احتمال کو اختیار
کرے اور اس شخص کو کافر نہ کہے لیکن ایک شخص کا یہی کلمہ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات
میں بعنوانات والفاظ مختلفہ موجود ہو جس کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہ شخص بھی
یہی معنی کفریہ مراد لیتا ہے یا خود اپنے کلام میں اس معنی کفریہ کی تصریح کر دے تو باجماع
فقہاء ہرگز ہرگز اس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے بلکہ قطعی طور پر ایسے شخص کے لئے کفر کا حکم
لگایا جائے گا۔

"اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر ووجه واحد یمنع فعلی
المفتی ان یمیل الی ذلک الوجه الا اذا صرح بارادة توجب الکفر۔
فلا ینفعه التاویل حینئذ۔ کذا فی البحر الرائق"
(فتاوی عالمگیری الباب التاسع فی احکام المرتدین مجلد دوم مطبوعہ مصر ص ۲۸۳)

﴿جب مسئلہ میں کئی وجہیں ہوں کہ واجب کریں کفر کو اور ایک وجہ ہو کہ منع
کرتی ہو کفر کو، لازم ہے مفتی کو کہ دیکھے اس ایک وجہ کی طرف۔ مگر جب تصریح کی اپنی
مراد کی جو کفر واجب کرے تو کوئی نافع نہ ہوگی تاویل اس وقت۔ ایسا ہی ہے بحرالرائق
میں۔ ایسا ہی ہے خلاصۃ الفتاویٰ میں۔﴾

چوتھا شبہ: یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کے ساتھ کہا جاوے
تو کفر کا حکم نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں بھی وہی تصریحات فقہاء سے ناواقفیت کا اظہار ہے۔ حضرات فقہاء اور متکلمین کی تصریحات موجود ہیں کہ تاویل بھی کلام اور اسی چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے جو ضروریات دین میں سے نہ ہو۔ لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل کرے وہ اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نیا معنی تراشے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائے گا۔ اسے قرآن مجید الحاد کہتا ہے۔ اور حدیث نے اس کا نام زندیق رکھا ہے۔ زندیق اسے کہتے ہیں جو مذہبی لٹریچر بدلے۔ الفاظ کی حقیقت بدل دے۔

محمد بن ابی بکر حاکم مصر نے حضرت علیؓ کی خدمت میں لکھا کہ دو مسلمان زندیق ہو گئے ہیں۔ ادھر سے جواب دیا گیا اگر توبہ کر لیں تو قتل سے بچ گئے۔ نہیں تو گردن مار دو۔ روایت کیا اس کو امام شافعی اور بیہقی نے۔ زندیق کا لفظ کنز العمال ص ۹۰ جلد ۳ سے لیا ہے۔ زندیق فارسی لفظ ہے جس کو عربی میں لیا گیا ہے۔ علماء کی کتابوں میں اس کا نام باطنیت آتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں۔ کفر صریح ہیں۔ معانی الآثار کتاب الحدود باب حد الخمر ص ۸۹ ج ۲ میں ہے۔ امام طحاوی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت نقل کی ہے اہل شام کی ایک جماعت نے شراب پی اور آیت کریمہ "لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا۔ المائدہ آیت ۹۳" کی تحریف کر کے شراب کو حلال قرار دیا۔ اس وقت یزید بن ابی سفیان شام کے حاکم تھے۔ انہوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ واقعہ لکھا۔ فاروق اعظمؓ نے جواب میں لکھا کہ ان لوگوں کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجئے۔ جب یہ لوگ حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچے تو صحابہؓ سے ان کے معاملہ میں مشورہ ہوا۔ سب نے یہ رائے دی کہ یا امیر المومنینؓ:

"نری انهم قد كذبوا على الله و شرعوا في دينهم ما لم يأذن به الله فاضرب اعناقهم۔"

﴿یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کی ہے اور دین میں ایک ایسی بات جاری کی جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ اس لئے ان کی گردنیں مار دیجئے۔ لوگوں نے یہ رائے دی۔﴾

مگر حضرت علیؓ ساکت رہے حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا:

"اری ان تستتیبهم ، فان تابوا ضربتهم ثمانین بشربهم الخمر و ان لم یتوبوا ضربت اعناقهم قد کذبوا علی الله و شرعوا فی دینهم مالم یاذن به الله فاستتابهم فتابوا ، فضربهم ثمانین ثمانین ۔"

﴿میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ ان سے کہیں کہ اس خیال سے توبہ کرو۔ اگر وہ توبہ کریں تو ہر ایک کو ۸۰، ۸۰ کوڑے لگائیں اور اگر توبہ نہ کریں تو ان کی گردنیں ماردی جائیں کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں اور دین میں ایسی بات جاری کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔﴾

یہ واقعہ حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی نے شرح فتح الباری میں بحوالہ مسند عبدالرزاق مصنف ابن ابی شیبہ نقل فرمایا ہے۔

(فتح الباری کتاب الحدود باب ضرب بالجرید والنعال پارہ ۲۷ ص ۶۰ ج ۱۲)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شریعت کے کسی لفظ کو حال رکھے اور اس کی حقیقت کو بدل دے اور متعلیہ ہو متواترات کا تو وہ کفر صریح ہے (ان لوگوں نے قرآن کی تکذیب نہ کی تھی بلکہ بے جا تاویل کی تھی جس پر قتل کا حکم کر دیا گیا۔)

وزیر محمد ابن ابراہیم یمانی لکھتے ہیں:

"مثل کفر الزنادقة والملاحدة ۔ الی ان قال ۔ و ظعنوا بجمیع آیات کتاب الله عزو جل فی تاویلها جمیعا بالبواطن التی لم یدل علی شئی منها دلالة ولا امارة ولالها فی عصر السلف الصالح اشارة ۔ وکذلك من بلغ مبلغهم من غیرهم فی تصفیة آثار الشریعت ورد العلوم الضروریة التی نقلتها الامة خلفها عن سلفها ۔"

(ایثار الحق علی الخلق ص ۴۱۵)

﴿جیسے کفر زندیقوں اور ملحدوں کا جنہیں اور ...... کیا انہوں نے قرآن مجید کی سب

آیتوں کے ساتھ اور ہو پلی کی ان آیتوں کی ان باطنی چیزوں کے ساتھ جس پر نہ لفظوں کی دلالت ہے نہ نشان ہے۔ نہ سلف کے زمانہ میں کوئی اشارہ ہے اور اسی طرح ان زندیقوں اور ملحدوں جیسے وہ لوگ بھی ہیں۔ جو ان ہی کی صفت کے ہوں اور شریعت کے نشان مٹانے میں اور بدیہی علوم کو رد کرنے میں جس کو پچھلی نسلوں نے اگلی نسلوں سے لیا ہے۔

یہاں تک میرے بیانات سے اصولی طور پر کفر اور ایمان کی شرعی حقیقت اور یہ بات واضح ہو چکی کہ ایک مسلمان کس قسم کے افعال یا اقوال کی وجہ سے بھی کافر اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔

کفر مرزا پر علماء کا فتویٰ

اس کے بعد میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ قادیانی مدعی نبوت نے کن ضروریات دین کا انکار کیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بالجماع امت کافر مرتد قرار دیئے گئے اور ہندوستان کے تمام اسلامی فرقے باوجود سخت اختلاف خیال اور اختلاف مشرب کے۔ ان کے کفر اور ارتداد پر نیز ان کے متبعین کے کفر اور ارتداد پر متفق ہو گئے۔

رسالہ القول الصحیح فی مکائد المسیح ص ۶۵ مرتبہ مولوی سہول صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند ۱ الحال پرنسپل کالج شمس الہدیٰ پٹنہ عظیم آباد نے ایک فتویٰ مرتب کیا ہے جس پر بہت سے علماء کے دستخط ہیں اور مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہندؒ کے بھی اس پر دستخط ہیں۔ شیخ الہندؒ صاحب نے ایک دو سطریں ہی لکھی ہیں جو بالفاظ ذیل ہیں:

"مرزا علیہ مایستحقہ کے عقائد و اقوال کا اسور کفریہ ہونا ایسا بدیہی مضمون ہے جس کا انکار کوئی منصف صاحب فہم نہیں کر سکتا۔ جس کی تفصیل جواب میں موجود ہے۔"

مصر کا فتویٰ بھی اس کے متعلق چھپا ہوا موجود ہے۔ شام کا بھی موجود ہے۔

شام کا مشہور رسالہ "خلاصۃ الروفی انتقاد مسیح الہند" از علم محمد ہاشم الرشید الخطیب الحسینی القادری ۱۳۴۴ھ ہے۔ اس میں سے چند سطور کا مطلب یہ ہے کہ تیسری

کلام ہو وہ جو کہ میں نے رسالہ کے ص ۴۳،۴۲ پر نقل کیا ہے:

"وہ شہادت دیتی ہے اور حکم کرتی ہے تجھ پر کہ تو کافر ہے۔ نہیں داخل ہوا تو دین اسلام میں اور ایسا ہی تیرا شیخ ہندی اور جو اس کا پیرو ہے۔" آگے لکھتے ہیں:

"اسکندرانی اور دیگر سب جرائد نے تمہارے رد کا اعلان کیا ہے۔ مضامین لکھے ہیں۔ سارے مسلمان اس یقین پر ہیں کہ تم ملحد اور کافر ہو۔"

دوسرا فتویٰ علمائے ہندوستان کا ہے جو شائع شدہ ہے اور جس کا نام اسکات المسلمین ہے جو سال ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوا۔ مصر کے فتویٰ کا ترجمہ جو انجمن تائید الاسلام گوجرانوالہ نے اپنے رسالہ "کفر مرزا" میں شائع کیا ہے کہ:

"غلام احمد ہندی کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ مگر غلام احمد نے کہا کہ میرا مقصد ختم نبوت سے ختم کمالات نبوت ہے۔ جو سب سے افضل رسول اور انبیاء ہمارے نبی پر ختم ہوئے اور میرا عقیدہ ہے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے کوئی نبی نہیں۔ بجز اس کے جو آپ کی امت میں ہو اور پوری طرح سے آپ کا پیرو ہو۔ جس نے سارا فیض آپ کی روحانیت سے پایا ہو اور آپ کی روشنی سے روشنی پائی ہو تو وہاں پر مغایرت اور غیریت کا مقام نہیں اور نہ کوئی دوسری نبوت ہے اور یہ کوئی حیرت کا مقام نہیں۔ وہ تو خود احمد ہی ہیں جو دوسرے آئینہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ کوئی شخص اپنی صورت کو جس کو اللہ تعالیٰ آئینہ میں دکھاتا اور ظاہر کرتا ہے۔ غیریت نہیں کرتا۔ پس جو شخص نبی سے ہو اور نبی کے اندر ہو تو وہ وہی ہو بہو وہی ہے۔"

یہ کلام اس باب میں بالکل صاف ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی آپ ﷺ کے بعد نبوت کے جواز کا عقیدہ رکھتا ہے۔ یعنی کہ نبی کریم ﷺ کے بعد وہ بھی نبی آپ ﷺ کے اتباع سے ہے اور وہ صورت نبی ﷺ سے ہے اور ہو بہو محمد ﷺ ہے۔ یہ صریح کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ احزاب آیت ۴۰" کے صریح مخالف ہے۔ یہ ان بہت سے دعووں میں سے ایک قلیل ہے جو کذب غلام احمد ہندی پر دلالت کرتے ہیں اور جن کو اس نے اپنی کتاب

میں (مواہب الرحمٰن ص ۱۹، ۲۰، خزائن ص ۲۸۵ ج ۱۹) تحریر کیا ہے۔

منظور مصطفیٰ کمال پاشا رئیس حزب الوطن اور مالک مختار اللواء نے بھی اس کا رد لکھا ہے۔ غلام احمد کو ضال اور مضل لکھا ہے اور اس کے اقوال کو دیوار پر پھینکنے اور نجاست کی طرح الاؤ پر ڈال دینے کے لئے کہا ہے۔

کاتب فتویٰ مفتی ملک مصر محمد نجیب اور علامہ طنطاوی جوہری ہیں۔ اصل فتویٰ میں نے دیکھا ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ درست ہے۔ یہ فتویٰ مصر میں علیحدہ شائع ہوا تھا اور میں محمد نجیب اور علامہ طنطاوی دونوں کو جانتا ہوں۔

رسالہ استخفاف الاسلام میں مفتی بھوپال کے بھی دستخط اور مہر ہے۔ انہوں نے اس سوال نکاح کے متعلق بھی ایک فتویٰ دیا ہوا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کا اگر استیعاب کیا جاوے تو بہت سے متواترات شرعیہ کا انکار اور خلاف صریح سے صریح طور پر اس کے کلام میں موجود ہے۔ جن میں سے اس وقت چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں جو ہمارے نزدیک اور ساری امت کے نزدیک موجبات کفر ہیں:

(۱) ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معنی کی تحریف۔

(۲) نبوت کا دعویٰ اور اس کی تصریح کہ ایسی ہی نبوت مراد ہے۔ جیسے پہلے انبیاء کی ہوتی رہی ہے۔

(۳) وحی کا دعویٰ اور اپنی وحی کو قرآن کی طرح واجب الایمان قرار دینا۔

(۴) عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔

(۵) آنحضرت ﷺ کی توہین۔

(۶) عام امت محمدیہ کی تکفیر کرنا۔ بجز اپنے چند مریدوں کے سب کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا۔ پچاس کروڑ مسلمانوں کو ولد الزنا قرار دینا۔ ان سب چیزوں کا دعویٰ کرنا۔ میں اپنے آخری بیان میں خود مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے پیش کروں گا۔

اس سے پہلے ہر ایک نمبر کے متعلق یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ یہ (مرزا قادیانی کی

سب چیزیں متواترات اور ضروریات دین کے خلاف ہیں اور اجماعی کفر ہیں۔

ختم نبوت کا انکار: ختم نبوت کا انکار کفر ہے۔ آیت: "مَاكَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ الخ۔" "خداوندی مشیت میں یہ مقدر تھا کہ انبیاء کی عمارت کو نبی کریم ﷺ پر ختم کیا جاوے اور جتنے کمال ہیں وہ آپ ﷺ پر ختم ہو جائیں۔ اس کے بعد سلسلہ پیغمبری کا باقی رکھنا مشیت نہیں ہے۔ اسی مشیت کے ماتحت آپ ﷺ کی اولاد نرینہ باقی نہ رہی۔

اسی مقصود سے فرمان ہے قرآن مجید کا کہ نبی کریم ﷺ کی ابوت کا علاقہ تا آخر کسی کے ساتھ نہیں۔ ابوت کا علاقہ کسی بالغ مرد کے ساتھ تا آخر نہیں ہے۔ اس کی جگہ (بلکہ) یہ خاتم الانبیاء کی رسالت ہے۔ آپ ﷺ کی رسالت کا علاقہ مستقبل کے لئے اور خاتم النبیین کا علاقہ ماضی کے لئے ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی آپ ﷺ پر سلسلہ پیغمبر ختم کیا گیا اور تورات میں بالفاظ عربی یہ آیت ہے:

"نبي مقيم لك الرب - يا قيم ديع ، الا وسما يعون بني من قريبك نعما ايمك كمثلك لملك مقيم لك الهك اليه تسمعون ۔"

﴿پیغمبر ایک نبی ایک تیرے قرابت داروں میں سے تیرے بھائیوں میں سے تجھ میں قائم کرے گا تیرے لئے خدا تیرا اس کی اطاعت کرنی ہو گی۔﴾

انجیل میں بلفظ عبرانی یوں ہے:

"بحوہ مسانی و ذادم مسا عیرھو منتح تودیاران۔"

﴿خدا سینا سے آیا طلوع اس کا ساعیر پر ہوا اور استوا اس کا فاران پر ہوا۔﴾

نبوت موسوی اور عیسوی اور محمدی ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ان کو کمال پر پہنچا کر چھوڑ دیا ہے۔ یہ عبارتیں کتاب الملل والنحل میں موجود ہیں اور دونوں عبارتیں تورات کی ہیں۔

ختم نبوت کے متعلق یہ آیت ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ بایں معنی کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد کسی کو عہدہ نبوت نہ دیا جائے گا، بغیر کسی تاویل و تخصیص

کے ان اجماعی عقائد میں سے ہے۔ جو اسلام کے اصولی عقائد میں سے سمجھا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک نسلاً بعد نسلٍ ہر مسلمان جس کو اسلام سے کچھ بھی تعلق رہا ہے۔ اس پر ایمان رکھتا ہے کہ غرض یہ مسئلہ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے اور احادیث متواترالمعنی سے جس کا عدد دو سو سے بھی زیادہ ہے اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے جس کا منکر قطعاً کافر مانا گیا ہے اور کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کی گئی۔ منجملہ آیات کے اس وقت صرف ایک آیت پر اکتفاء کرتا ہوں۔

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ احزاب آیت ۴۰"

اس آیت سے ختم کا ثبوت بایں معنی کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد کسی شخص کو عہدہ نبوت ہرگز نہ دیا جائے گا باجماع صحابہؓ تابعینؒ اور باتفاق مفسرینؒ ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے جو شخص اس میں کسی قسم کی تاویل و تخصیص نکالے۔ وہ ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائے گا۔ اس کے ثبوت کے لئے میں ائمہ تفسیر و حدیث کے اقوال بطریق اختصار پیش کرتا ہوں۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں:

"فهذه الاية نص فى انه لا نبى بعده و اذا كان لا نبى بعده فلا رسول بالطريق الاولىٰ والاحرىٰ لان مقام الرسالة اخص من مقام النبوة فان كل رسول نبى ولا ينعكس و بذلك وردت احاديث المتواترة عن رسول الله ﷺ من حديث جماعة من الصحابة ." (ج۳ ص۴۹۳ طبع قدیم)

(یہ آیت نص (صریح ہے) اس میں کہ کوئی نبی نہیں ہے بعد خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے اور جب کوئی نبی نہیں ہے تو کوئی رسول بھی نہیں ہے۔ بطریق اولیٰ کیونکہ مقام رسالت کا خاص ہے مقام نبوت سے۔ ہر رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول نہیں اور اس کے موافق وارد ہوئی ہیں متواتر حدیثیں نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت صحابہؓ کی روایت سے۔)

امام موصوف کے اس کلام سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ختم نبوت کو ثابت کرنے کی

حدیثیں متواتر ہیں جن کا ایک مجموعہ امام موصوف نے اس کے بعد نقل فرما کر فرمایا ہے :

"فمن رحمة الله تعالیٰ بالعباد ارسال محمد ﷺ الیهم ثم من تشریفه لهم ختم الانبیاء والمرسلین به واکمال الدین الحنیف له قد اخبر الله فی کتابه و رسوله ﷺ فی السنة المتواترة عنه انه لانبی بعده لیعلموا ان کل من ادعی هذا المقام بعده فهو کذاب ، افاک ، دجال ، ضال ، مضل ولو تحرق و شعبذ و اتی بانواع السحر و الطلاسم والنیرنجیات فکلها محال و ضلال عند اولی الالباب ، تفسیر ابن کثیر ص ۹۱ ج ۸"

﴿خدا کی رحمت ہے اپنے بندوں پر کہ اپنے رسول محمد ﷺ کو بھیجا۔ پھر خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ختم نبوت اور رسالت سے مشرف فرمایا اور آپ ﷺ کا (پر) دین حنیف کامل کیا۔ خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سے اور اس کے رسول نے اس کو اپنی سنت متواترہ میں کہ کوئی نبی نہیں ہے۔ بعد محمد رسول اللہ ﷺ کے تاکہ جانے کہ جس نے دعویٰ کیا ہے۔ اس عہدہ کا بعد خاتم الانبیاء کے وہ جھوٹا ہے بہتان تراش ہے دجال ہے گمراہ ہے گمراہ کن ہے۔ اگرچہ کتنے حیلے اور شعبدے ایجاد کرے اور کتنے ساحرانہ طلسمات اور نیرنگیاں پیدا (ظاہر) کرے یہ سب محال اور گمراہیاں ہے۔﴾

اس آیت کی تفسیر میں شیخ محمود آلوسی مفتی بغداد تحریر فرماتے ہیں روح المعانی میں جو ان کی تفسیر ہے اس پر ہے :

"والمراد بکونه علیه الصلوٰة والسلام خاتمهم انقطاع حدوث و صف النبوة فی احد من الثقلین بعد تحلیه علیه الصلوٰة والسلام بها فی هذا النشاة ولا یقدح فی ذلک ..... الی قول النبوة ." (ص ۶۰ ج ۲۲ طبع قدیم)

﴿مراد نبی کریم ﷺ کے خاتم ہونے کی یہ ہے کہ بعد نبی کریم ﷺ کے کوئی اور اس عہدہ سے سرفراز نہ ہوگا۔ یہ نہیں ہے۔ قدح کرنے والا (معارض) اس اجماع میں۔ جس میں امت نے اجماع کیا ہے اور حدیثیں تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ ہے بعض تفسیروں کی رو سے اور ایمان اس پر واجب ہے اور منکر اس کا کافر مانا گیا ہے۔﴾

قاضی عیاض اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

"بب ما ھو من الکفر اجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علی ظاھرہ و ان مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلا شک فی کفر ھولاء الطوائف کلھا قطعاً اجماعاً و سمعاً۔" (شفاء مطبوعہ مصری ص ۳۶۲)

﴿اجماع کیا امت نے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے اور یہی مفہوم اس کی مراد ہے۔ اس کے سوا کسی تاویل اور تخصیص کے۔ تو کوئی شک نہیں ان سب طائفوں کے کفر اور الحاد میں۔ (جو اوپر بیان ہوئے)﴾

از روئے اجماع کے اور از روئے نصوص کے۔ حدیث کے ذخیرہ میں سے میں صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں:

"کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون قالوا فماتامرنا قال فوابیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم۔ بخاری شریف کتاب احادیث الانبیاء ص ۴۹۱"

﴿نبی کریم ﷺ نے فرمایا! بنی اسرائیل کی نگرانی (نگہبانی) انبیاء کرتے تھے۔ جب ایک پیغمبر فوت ہو جاتا تو دوسرا آجاتا تھا۔ میرے بعد میں کوئی نبی نہیں ہے البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ عرض کی گئی کہ پھر کیا ہدایت (حکم) ہے اس وقت فرمایا کہ وفاداری کرو۔ بیعت اول فی الاول کی (ہر ایک کے بعد کے دوسرے کی بیعت پوری کرو) عطا کرو ان کو حق ان کا کیونکہ حق داروں سے پوچھ لے گا۔ جو رعیت ان کی حوالگی (سپردگی) میں دی گئی تھی۔﴾

یہی حدیث امام مسلم نے کتاب الامارۃ میں دی ہے۔ اس کے بعد اجماع امت اور چند بزرگان ملت کے اقوال پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

سب سے پہلا اجماع

اسلام میں سب سے پہلا جو اجماع منعقد ہوا وہ اس پر تھا کہ مدعی نبوت کو بغیر اس

تحقیق اور تفتیش کے کہ اس کی تاویل کیا ہے اور کیسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے؟۔ کفر اور ارتداد ہے اور سزا اس کی قتل ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اجماع سے صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب مدعی نبوت پر حملہ کیا گیا اور اس کو قتل کیا گیا۔ عبارت اس حدیث کی بالفاظ ذیل ہے جو ایک صفحہ تک چلی جاتی ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"مع نبينا ﷺ اى فى زمنه كمسيلمة الكذاب والاسود العنسى اوادعى نبوت احد بعده فانه خاتم النبيين بنص القرآن و الحديث فهذا تكذيب الله و رسوله ﷺ كالعيسوية ." (شرح شفاء ص۵۰۶، ج۲)

﴿جس نے دعویٰ کیا نبی کریم ﷺ ہمارے کے بعد نبوت کا۔ جیسے مسیلمہ کذاب کے اور اسود عنسی کے یا بعد کے عیسوی فرقے کے یا تجویز (جائز) کیا نبوت کا کسب ریاضت سے ان سب کا حکم کفر ہے۔ (بلاشبہ وہ کافر ہیں)﴾

خفاجی نے شرح شفاء میں اسی قسم کا مضمون لکھا ہے۔ جو کتاب مذکورہ بالا کے حاشیہ پر ہے۔

ابن حزم لکھتے ہیں:

"فكيف يستجيز مسلم ان يثبت بعده عليه السلام نبيا فى الارض حاشا ما استثناه رسول الله ﷺ فى الآثار المسندة الثابتة فى نزول عيسى بن مريم عليه السلام فى آخر الزمان ."

(كتاب الملل والنحل ص ۱۸۰ ج ۱ باب ذكر العزائم الموجبة الى الكفر)

﴿کیسے جائز ہے کہ کوئی مسلمان یہ علامت کرے نبی کریم ﷺ کے کوئی پیغمبر زمین میں سوائے اس کے استثناء کیا خود نبی کریم ﷺ نے متواتر حدیثوں میں۔ وہ کیا ہے۔ نزول حضرت عیسیٰ ابن مریم صاحب۔﴾

نیز مصنف ابن حزم اس کتاب کے ص ۲۳۹ ج ۳ پر لکھتے ہیں:

"او ان بعد محمد ﷺ نبيا غير عيسى ابن مريم فانه لا يختلف

اثنان فی تکفیر لصحة قیام الحجة بکل هذا علی کل احد ۔"

﴿یا یہ کہ بعد محمد ﷺ کے کوئی نبی ہو۔ سوائے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے۔ کیونکہ دو آدمیوں کا بھی اختلاف ایسے شخص کے کفر میں نہیں ہے۔﴾

یہاں تک تحقیق کے ساتھ یہ بات ثابت ہو گئی کہ ختم نبوت اپنے مشہور و معروف معنی کے ساتھ قرآن وحدیث کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے اس کا منکر یا تاویل و تحریف کرنے والا کافر ہے۔

دعویٰ نبوت :(۲)...... امر دوم (ب) کے متعلق کہ ادعاء نبوت کفر ہے۔ میں دلائل بیان کرتا ہوں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے وہ تمام آیات و احادیث اور اقوال سلف کافی دلائل ہیں۔ مزید براں چند عبارات اور پیش کی جاتی ہیں۔ ملا علی قاری کلمات کفر کی بحث میں فرماتے ہیں:

۔ " دعوی النبوة بعد نبینا ﷺ کفر بالاجماع ۔"

(کتاب شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی دہلی لاہور ص ۱۹۱)

﴿دعویٰ نبوت کرنا ہمارے نبی ﷺ کے بعد اجماعی کفر ہے۔﴾

"اذا لم یعرف الرجل ان محمدا ﷺ آخر الانبیاء فلیس بمسلم ۔ کذا فی یتیمة الدهر ۔" (فتاویٰ عالمگیری باب ۹ ص ۲۶۳ کتاب السیر ج ۲)

﴿جب نہ پہچانے (کوئی) شخص کہ نبی کریم ﷺ آخر انبیاء ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ اسی طرح یتیمۃ الدھر میں ہے۔﴾

دعویٰ وحی :(۳)...... ادعاء وحی کفر ہے۔ اس کے تحت حسب ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

وحی لازم نبوت ہے جو شخص اس کا دعویٰ کرے اگرچہ (بظاہر) نبوت کا مدعی نہ ہو۔ وہ در حقیقت نبوت ہی کا مدعی ہے اور کافر ہے۔ جیسا کہ حوالہ شرح شفاء پہلے گزر چکا ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

"وكذالك نقمن المعى منهم انه يوحى اليه و ان لم يدع ان النبوة الى ان قال فهولاء كلهم كفار مكذبون النبى ﷺ ."

جس نے دعویٰ کیا ان لوگوں میں سے کہ اس کی طرف وحی آتی ہے۔ کافر ہے۔ اگرچہ نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو۔ (نسیم الریاض شرح شفا ملا علی قاری ص ۸ ۵ صفحہ ۴)

کشف اسے کہتے ہیں کہ کوئی چیز (واقعہ) آنکھوں سے دکھلایا۔ جس کی مراد کشف والا خود نکالے۔ دل میں کچھ مضمون ڈال دیا اور سمجھا دیا جاوے تو یہ الہام ہے۔

خدا نے پیغام بھیجا اپنے ضابطہ کا۔ وہ وحی ہے۔ وحی قطعی ہے اور کشف، الہام ظنی ہیں۔ بنی نوع آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیروں کے لئے کشف یا الہام۔ یہ قصوری (معنوی) بھی ہو سکتی ہے شرعی نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین

موجبات کفر قادیانی میں امر چہارم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین اور امر پنجم آنحضرت ﷺ کی توہین ہے۔ توہین دو قسم پر ہے۔ صریح یا تعریض۔ تعریض اسے کہتے ہیں کہ دوسرے کے حوالہ سے نقل کی اور مقصود اس سے یہ ہو کہ اس شخص کے عیوب اور نقائص لوگوں میں قبول ہو جائیں۔ گویا کہ کام اپنا کرتا ہے کندھے پر دوسرے کے رکھ کر۔ یہ کفر صریح ہے مگر میں توہین کی صریح مثالیں پیش کروں گا۔

بعض توہینوں کو مستند کرتا ہے قرآن سے یعنی قرآن اس کی سند میں پیش کیا کرتا ہے اور تفسیر قرآن کی اس سے کی جاتی ہے اور کسی چیز کو کہتا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ یعنی اس پر اپنا فیصلہ دیتا ہے اب میں سندات پیش کرتا ہوں کہ توہین انبیاء علیہم السلام کفر ہے۔

یہ بات اول تو کتاج دلیل نہیں۔ بلکہ ہر مذہب پرست انسان کے نزدیک مسلمات میں ہے۔ تاہم چند مختصر دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ نص قرآنی نبی کا کلام سن کر بطور اعراض سر پھیر دینا بھی کفر قرار دیا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

"وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَ

ایتھم یصدّون وھم مستکبرون ۔ المنافقون آیت ۵"

﴿جب کہا جاتا ہے انہیں کہ آؤ استغفار کریں تمہارے لئے رسول اللہ۔ پھیرتے ہیں اپنے سروں کو اور دیکھے گا۔ تو انہیں اعراض کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں۔﴾

اور حکم آیت کریمہ "لانفرق بین احد من رسلہ ۔" یہ حکم تمام انبیاء پر شامل ہے۔

اس لئے فتاوٰی کی مشہور کتاب پر ہے :

"الکافر بسب نبی من الانبیاء فانہ یقتل حداولا تقبل توبتہ مطلقاً ۔" (در مختار شامی (طبع جدید) باب المرتدین ص ۲۳۱ ج ۴)

﴿جو شخص سب کرے یعنی برا کہلائے یا مرزا کے کسی نبی کو وہ قتل کیا جائے گا حد کے طور پر اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔﴾

دنیا میں اور جو کوئی شک کرے اس کے کفر میں اور عذاب (سزا) میں وہ بھی کافر ہے۔ حافظ ابن تیمیہ حافظ حدیث کہتے ہیں :

"فعلم ان سب الرسل والطعن فیھم ینبوع جمیع انواع الکفر و جماع جمیع الضلالات و کل کفر فرع منہ ۔" (الصارم المسلول ص ۴۴۳)

﴿جانا گیا سب (گالی) اور استہزا کرنا پیغمبروں کو اور طعن کرنا سرچشمہ ہے۔ جمیع انواع کفر کا اور مجموعہ ہے جملہ گمراہیوں کا اور ہر کفر اس کی شاخ ہے۔﴾

قاضی عیاض کی شفاء ص ۲۳۰ میں اس بحث پر چند فصلیں لکھی گئی ہیں۔ جس میں ثابت کیا ہے کہ کسی نبی کی ادنیٰ توہین کرنا بھی کفر ہے۔ عبارت باب اول سے شروع ہو کر آخر باب ثانی تک جاتی ہے۔ اسی کتاب پر توہین انبیاء کرنے والے کے قتل کے متعلق لکھا ہے :

"الدلیل السادس ۔ اقاویل الصحابۃ فانھا نصوص فی تعیین قتلہ مثل قول عمر من سب اللہ تعالی او سب احداً من الانبیاء فاقتلوا ۔"

(الصارم المسلول ص ۴۹۳)

﴿چھٹی دلیل اقوال ہیں صحابہؓ کے۔ وہ نص ہیں تعیین میں قتل کرنے اور ایسے

شخص کے جیسے قول عمر فاروقؓ کا جس نے ناسزا کہا خدا یا کسی پیغمبر کو اس کو قتل کر دو۔﴾

اس کتاب کے ص ۲۲۵ پر ہے کہ ۔

"قال اصحابنا التعريض بسب الله وسب رسول الله ﷺ ردة وهو موجب للقتل كالتصريح ."

﴿امام احمد فرماتے ہیں جس نے ناسزا کہا نبی کریم کو یا تنقیص کی، مسلمان ہو یہ شخص یا کافر ہو۔ سزا اس کی قتل ہے۔ کہا ہمارے علماء نے اشارہ کرنا یعنی تعریض کرنا خدا کی سب (گالی) کا اور رسول کی سب (گالی) کا ارتداد ہے اور موجب قتل ہے۔ جیسے صراحۃً۔﴾

تکفیر امت : ساری امت حاضرہ کی تکفیر کرنے والا بھی خود کافر ہے

مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت نے اپنے چند مریدوں کے سوا چالیس پچاس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دیا ہے اور سب کو اولاد زنا کہا ہے یہ بھی منجملہ موجبات کفر کے ہے۔ مرتد کا حکم شرعی یہ ہے قرآن مجید میں ہر قسم کے کافروں کے متعلق یہ فیصلہ صاف مذکور ہے ۔

"لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ . الممتحنة آيت ۱۰"

"و يبطل منه اتفاقا ما يعتمد الملة وهي خمس النكاح - الذبيحة والصيد والشهادة . والارث ." (در مختار شامی (طبع عراقی) ج ۳ باب المرتد ص ۲۴۸)

﴿باطل ہے۔ بسبب ارتداد کے ہر وہ شے جس کی بناء ہو ملت پر۔ وہ پانچ چیزیں ہیں جو بناء ہیں ملت پر۔ نکاح ذبیحہ شکار شہادت اور ارث یعنی ارتداد سے یہ چیزیں منقطع ہو جائیں گی۔﴾

اسی کتاب کے جلد ثانی "باب نکاح الکافر" میں ہے

"وارتداد احدهما اي الزوجين فسخ فلا ينقص عددا عاجل بلا قضاء ."

﴿ارتداد احد الزوجین کا یعنی مرد عورت میں سے ایک کا فسخ (نکاح) ہے۔ فوری محتاج نہیں ہے حکم حاکم کا۔

توہین انبیاء: اب توہین انبیاء کے قول مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے نقل کئے جاتے ہیں

آنچہ داد است ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا بتمام
انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بہ عرفاں نہ کمترم زکسے
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین!
ہر کہ گوید دروغ ہست و لعین!

(نزول المسیح ص ۹۹ خزائن ص ۴۷۷ ج ۱۸)

باہمی فضیلت کا باب انبیاء میں فرق مراتب کا ہے اور جو پیغمبر افضل ہے وہ کسی قرینہ سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ دوسرے سے افضل ہے اور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت تک یہ پہنچایا ہے مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ اس سے فوق متصور نہیں انکی فضیلت ہو یا ایک پیغمبر کو اگرچہ واقعی ہو کہ جس میں دوسرے کی توہین لازم آتی ہو کفر صریح ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجا است تا بنہد پا بہ منبرم!

(ازالہ اوہام ص ۱۵۸ خزائن ص ۱۸۰ ج ۳)

قرآن مجید نے یہود اور نصاریٰ کے عقائد کی نفی کی ہے اور ایک حرف بھی موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی ہتک کا اشارۃً کنایۃً ذکر نہیں فرمایا۔

مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں۔ بلکہ واقعی ہیں اور یہ کہ:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص ۲۰ خزائن ص ۲۴۰ ج ۱۸)

پہلی عبارت کے ساتھ آگے یہ الفاظ ہیں کہ :

"اگر تجربہ کی رو سے خدا کی تائید سے مسیح ابن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں۔"

"مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔"

(حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۵ خزائن ص ۲۸۹ ج ۱۱)

اس سے تعریض اور تصریح دونوں قسم کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔

"عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔" (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۶ خزائن ص ۲۹۰ ج ۱۱)

اس سے صریح عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ٹپکتی ہے۔ حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اپنے فیصلے کے الفاظ ہیں۔

لفظ یسوع دراصل عبرانی میں ہے۔ الشوع جس کا ترجمہ ہے نجات دہندہ۔ اس سے یسوع بنا اور اس کی تعریب ہو کر یعنی زبان عربی میں آکر لفظ عیسیٰ بنا اور یہ تعریب قرآن پاک سے شروع نہیں ہوئی۔ نزول قرآن سے پہلے عرب کے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ بولتے تھے۔

مرزا قادیانی کے ہاں بھی یسوع اور عیسیٰ ایک ہی ذات ہیں۔ جیسے لکھتا ہے کہ :

"مسیح ابن مریم جس کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں۔"

(توضیح المرام ص ۳ خزائن ص ۵۲ ج ۳)

اس سے ثابت ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کی ہی توہین کی۔ توہین کی ایک تیسری قسم لزومی ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ عبارت اس لئے نہیں لائی کہ تنقیص کرے لیکن وہ عبارت صادق نہیں آتی۔ جب تک تنقیص موجود نہ ہو۔

اس قسم کے تحت نبی کریم ﷺ کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے :

"جناب رسول اللہ ﷺ کے معجزات کی تعداد تین ہزار لکھی ہے۔"

(دیکھئے تحفہ گولڑویہ ص ۴۰ خزائن ص ۱۵۳ ج ۱۷)

"اور اپنے معجزات کی دس لاکھ لکھی ہے"

(دیکھئے براہین احمدیہ ج ۵ ص ۵۶ خزائن ص ۷۲ ج ۲۱)

اس ضمن میں ایک شعر بالفاظ ذیل ہے:

له خسف القمر المنیر و ان لی

غسا القمران المشرقان اتنکر

(کتاب اعجاز احمدی ص ۷۱ خزائن ص ۱۸۳ ج ۱۹)

(نبی کریم کے لئے گہن لگا چاند کو اور میرے لئے گہن لگا سورج اور چاند کو۔ کیا تجھے اے مخاطب اس سے کچھ انکار ہے۔) یہ بھی توہین نبوی ہے۔

ادعائے نبوت: صریح وجہ کفر ہے مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

(۱) ..... "سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"

(دافع البلاء ص ۱۱ خزائن ص ۲۳۱ ج ۱۸)

(۲) ..... "اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ: "ھو الذی ارسل رسوله بالھدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله۔" (اعجاز احمدی ص ۷ خزائن ص ۱۱۳ ج ۱۹)

(۳) ..... "اور اگر کہو صاحب الشریعت افتراء کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری۔ تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوائے اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔" (اربعین نمبر ۴ ص ۶ خزائن ص ۴۳۵ ج ۱۷)

(۴) ..... "ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو میں

صرف یہی جواب نہیں دوں گا کہ میں معجزات دکھا سکتا ہوں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶ خزائن ص ۵۷۵ ج ۲۲)

(۵) ... "اب یہ ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (دشمن سے مراد یہ ہے کہ جو نہ مانے)"

(انجام آتھم ص ۶۲ خزائن ص ۶۲ ج ۱۱)

(۶) ... "میں صرف پنجاب کے لئے ہی مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ جہاں تک دنیا کی آبادی ہے۔ ان سب کی اصلاح کے واسطے مامور ہوں۔"

(حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۹۹ خزائن ص ۱۰۲ ج ۲۲)

(۷) "تم سمجھو کہ قادیان صرف اس لئے محفوظ رکھی گئی کہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔" (دافع البلاء ص ۱۰ خزائن ص ۲۳۰ ج ۱۸)

(۸) . "خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے کا نام غلام احمد رکھا۔"

(دافع البلاء ص ۱۳ خزائن ص ۲۳۳ ج ۱۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق ایک اور صریح عبارت ہے کہ:

"اور جب کہ خدا نے اور اس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو اس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے۔ تو پھر یہ وسوسہ شیطانی ہے کہ کہا جاوے کہ کیوں تم اپنے تئیں مسیح ابن مریم سے افضل قرار دیتے ہو۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۱۵۵ خزائن ص ۱۵۹ ج ۲۲)

تکفیر امت۔ تکفیر امت حاضرہ کے بارے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے حسب ذیل اقوال ہیں:

"ہاں چونکہ شریعت کی بنیاد ظاہر پر ہے اس لئے ہم منکر کو مومن نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مواخذہ سے بری ہے اور کافر منکر ہی کو کہتے ہیں کیونکہ کافر کا لفظ مومن کے مقابل پر ہے اور کفر دو قسم پر ہے اول یہ کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرا یہ کہ مثلاً مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹ خزائن ص ۱۸۵ ج ۲۲)

مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا ہے۔

" تلك كتب ينظر اليها كل مسلم بعين المؤدة والمحبة و ينتفع من معارفها و يقبلني ويصدق دعوتي الا ذرية البغايا الذين ختم الله على قلوبهم وهم لا يقبلون۔" (آئینہ کمالات ص ۵۴۷-۵۴۸ خزائن ص ۵۴۸ ج ۵)

{میری کتابیں جتنی بھی ہیں، دیکھتا ہے ان کی طرف ہر (تمام) مسلمان محبت اور مودت کی آنکھ سے۔ نفع پاتا ہے ان کے معارف سے اور مجھے قبول کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے میرے دعویٰ کی۔ مگر نسل زانیہ عورتوں کی جن کے دل پر خدا نے مہر کر دی ہے وہ قبول نہیں کرتے۔}

وحی کا دعویٰ اور اس کو قرآن کے برابر ٹھہرانا

(۱)۔ مرزا قادیانی کہتا ہے کہ۔ "میں خدا تعالیٰ کی ۲۳ برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۵۰ خزائن ص ۱۵۴ ج ۲۲)

(۲) ...... "مگر میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں

قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں۔ اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔" (حقیقت الوحی ص ۲۲۰ خزائن ص ۲۲۰ ج ۲۲)

(۳) "پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے: "محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم۔ "اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۳ خزائن ص ۲۰۷ ج ۱۸)

(۴)..... "اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں۔ ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں۔ جو مجھے ہوئی جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ وحی پاک میرے پر نازل ہوتی ہے۔ وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ و حضرت محمد ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی۔ اسی طرح پر میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔ مگر پیش گوئیوں کے مطابق ضرور تھا کہ انکار بھی کیا جاتا۔"

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۶ خزائن ص ۲۱۰ ج ۱۸ ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص ۲۶۳)

۲۸ اگست ۱۹۳۲ء

تتمہ بیان سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ باقرار صالح

میں آج حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا قول سب (گالی) نبی کے متعلق پیش کرتا ہوں۔ جس کی ایک روایت امام ابن تیمیہ حافظ حدیث سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص فاروق اعظمؓ کے سامنے لایا گیا جس نے سب (گالی) کی تھی نبی کریم ﷺ کی۔ فاروق اعظمؓ نے اسے سزائے موت دی۔

(الصارم المسلول حافظ ابن تیمیہ ص ۱۹۵، ص ۱۹۵، ۳۲۸ پر یہ واقعہ کتاب مذکور میں درج ہے)

فاروق اعظمؓ کا ارشاد ہے "ثم قال عمر من سب الله تعالیٰ و سب احدا من الانبیاء فاقتلوه."

﴿جس نے ناسزا (برا بھلا) کہا خدا کو یا کسی پیغمبر کو اسے سزائے موت دی جائے۔﴾

صدیق اکبرؓ کا حکم

کسی عورت نے سب کی ہوئی تھی نبی کریم ﷺ کی ہجو گاتی تھی۔ وہاں کے حاکم مہاجر ابن امیہ نے اسے کوئی سزا دی دی تھی۔ صدیق اکبرؓ کا حکم پہنچا کہ پہلے مجھے اطلاع ہوتی تو سب نبی کی یہ سزا نہیں بلکہ اس کی سزا قتل ہے۔ الفاظ صدیق اکبرؓ کے یہ ہیں:

"فلولا ما قد سبقتني فيها لامرتك بقتلها ۔ لان حد الانبياء لا يشبه الحدود فمن تعاطى ذلك من مسلم فهو مرتد و معاهد فهو محارب غادر۔"

﴿اگر تو پہلے کچھ نہ کر چکا ہوتا۔ میں امر کرتا اس عورت کے قتل کا۔ کیونکہ انبیاء کے سب کے حد اور حدوں کے مشابہ نہیں جو کوئی مسلمان ایسا کرے وہ مرتد ہے اور جو کوئی ذمی ایسا کرے وہ جنگ کرنے والا ہے ہم سے اور غدر کرنے والا ہے۔﴾

یہ تین خلیفوں کے احکام ہیں۔ اس مسئلہ پر کل امت محمدیہ ﷺ کا اتفاق بلا فصل ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ سب نبی پر ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے جو "الصارم المسلول" کے نام سے موسوم ہے۔ دوسری کتاب السیف المسلول جو شیخ تقی الدین السبکی کی تصنیف شدہ ہے۔ دونوں آٹھویں صدی کے حافظ حدیث ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ:

"لیکن مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں یا سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے

تھے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔" (دافع البلاء ص ۴ خزائن ص ۲۲۰ ج ۱۸)

ایک شعر مرزا غلام احمد قادیانی کا بالفاظ ذیل ہے:

ہر مسیحی زندہ شد با آمدنم

ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم!

(کتاب نزول مسیح ص ۱۰۰ خزائن ص ۴۷۸ ج ۱۸)

علماء نے جب تورات اور انجیل محرف سے کوئی چیز نقل کی ہے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہ کتابیں تحریف شدہ ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نالائق تھے۔ (معاذ اللہ) علماء کے طریق میں اور مرزا غلام احمد قادیانی کے طریق میں کفر و اسلام کا فرق ہے۔ جو عبارت حقیقت الوحی ص ۱۷۹ خزائن ص ۱۸۵ ج ۲۲ سے پڑھی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا تھا کہ قادیانی اور مرزا غلام احمد قادیانی اپنے منکرین کو کافر کہتے ہیں۔ یہی مضمون ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

"اب دیکھو! خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا ہے اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدار نجات ٹھہرایا ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔" (حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۶ خزائن ص ۴۳۵ ج ۱۷)

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسے ہی جناب الٰہی میں شان اعلیٰ رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہی سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔" (حاشیہ تریاق القلوب ص ۱۳۰ خزائن ص ۴۳۲ ج ۱۵)

تریاق القلوب کی عبارت مذکورہ کو پہلی عبارتوں کے ساتھ جمع کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی فقط نبوت ہی کے مدعی نہیں ہیں بلکہ شریعت جدیدہ کے بھی مدعی ہیں۔ جیسا کہ اربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ۴۳۵ ج ۱۷ کی عبارت سے بھی یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے۔

اصول یہ باندھا کہ جو صاحب شریعت ہو۔ اس کا انکار کفر ہے۔ پھر ساری امت حاضرہ کو جو منکر ہو۔ اس کو کافر کہا۔ تو گویا دعویٰ شریعت جدیدہ کا کیا۔ پھر اس پر بس نہیں کی۔ تصریح کر دی کہ شریعت امر و نہی کا نام ہے۔ امر جیسا میری وحی میں موجود ہے لیکن محض مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے چند الفاظ ظلی' بروزی وغیرہ گھڑے ہوئے ہیں۔ جس کی آڑ میں ذیل کی تحریف کرتے ہیں۔ اس لئے میں ان الفاظ کی حقیقت خود مرزا غلام احمد قادیانی کے کلام سے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔

بروزی' ظلی' مجازی نبوت کی اصلیت

خود مرزا غلام احمد قادیانی کا کلام ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود یہ دورہ یہ ہیں۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو' طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔" (تریاق القلوب حاشیہ ص ۱۵۵ خزائن ص ۴۷۷ ج ۱۵)

یہ ہے حقیقت مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک بروزی' ظلی اور مجازی کی۔ دوسرے جنم کا عقیدہ اسلام میں کفر ہے اور یہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا قول اس طرح مذکور ہے۔

"کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سب سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم ﷺ سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے ..... پہلے تمام انبیاء ظل تھے نبی کریم ﷺ کے خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم ﷺ کے ظل ہیں۔"

(کتاب قول فیصل ص ۶ بحوالہ الفضل قادیان ج ۳ ۲۹ اپریل ۱۹۱۵ و ملفوظات احمدیہ ج ۴ ص ۱۴۲ مرتبہ منظور الٰہی)

ان عبارات سے نتائج ذیل برآمد ہوتے ہیں:

(الف) مرزا غلام احمد قادیانی نے جو اپنے کو ظلی اور بروزی نبی کہہ کر

دنیا کو یہ دھوکا دینا چاہا ہے کہ اس کی نبوت "نبوت محمدیہ " علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ" سے علیحدہ کوئی چیز نہیں اور اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹی۔ یہ بالکل لغو اور بے ہودہ خیال ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو مرزا غلام احمد قادیانی کے اس قول مذکور سے یہ لازم آتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ معاذ اللہ کوئی چیز نہیں تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کا تشریف لانا بعینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے۔ گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے یہ دو دور تھے۔

گویا اصل ابراہیم علیہ السلام ہوئے اور آپ رسول ﷺ ہوئے اور چونکہ ظل اور صاحب ظل میں مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک عینیت ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنے کو عین محمد ﷺ کہتے ہیں تو جب محمد ﷺ بروز ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو عین ابراہیم علیہ السلام ہوئے۔ اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں اور نہ آپ ﷺ کی نبوت کوئی مستقل شے ہے۔"

(ب) ..... " رسول اللہ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے اور خاتم النبیین آپ ہوئے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے۔ صاحب ظل اور اصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی آنحضرت ﷺ کے بروز ہوا۔ تو خاتم النبیین مرزا غلام احمد قادیانی ہوا نہ کہ آنحضرت ﷺ۔"

(ج) ..... " اقتباس کی عبارت مذکورہ سے یہ ثابت ہوا کہ جملہ انبیاء سابقین رسول اللہ ﷺ کے ایک ایک صفت میں ظل ہیں اور تمام کمالات رسالت رسول کریم ﷺ میں پائے جاتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالات نبوت اگر مجتمع ہوں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں نہ کہ آنحضرت ﷺ میں۔ یہ باطل اور بے معنی ہیں۔ یہ صریح توہین ہے سرور عالم ﷺ کی۔ اس کے علاوہ یہ مضمون بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہیں اور ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے بروز ہوں۔ بے معنی اور فضول ہے۔ (جو ظاہر ہو رہا ہے)"

ظل، بروز، تناسخ: اس کے بعد میں ظل اور بروز کی اصطلاح (تحقیق) فلسفہ

سے ذکر کرتا ہوں فلسفہ یونانی میں بروزا سے کہا ہے کہ ایک روح دوسرے ذی روح میں حلول کرے یعنی ایک بدن میں دو روحیں ہو جائیں تناسخ اسے کہتے ہیں کہ روح ڈھانچہ بدلتی رہے۔

نسخ: اسے کہتے ہیں کہ ایک نوع دوسری نوع میں تبدیل ہو۔

رسخ: اسے کہتے ہیں کہ ایک حیوان نباتات میں تبدیل ہو۔

مسخ: اسے کہتے ہیں کہ حیوان جماد بن جائے۔

یہ پانچوں اصطلاحیں آسمانی دینوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

غلام احمد قادیانی کا اقرار ختم نبوت

"وما کان لی ان ادعی النبوة واخرج من الاسلام والحق بقوم الکافرین۔" (حمامۃ البشریٰ ص ۷۹ خزائن ص ۲۹۷ ج ۷)

کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں اور اسلام سے نکل جاؤں اور قوم کافرین سے مل جاؤں۔ (منقول از عقیدۃ النبوۃ فی الاسلام ص ۵۹)

"مسیح کیونکر آسکتا ہے۔ وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوار اس کو آنے سے روکتی ہے۔" (ازالہ اوہام ج ۲ ص ۲۱۶ خزائن ص ۴۰۰ ج ۳)

لکھتا ہے کہ

"یہ ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرئیل کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد ورفت شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ گو مضمون میں قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو۔ پیدا ہو جائے اور جو امر مستلزم محال ہو وہ محال ہوتا ہے۔ فتدبر۔" (ازالہ اوہام ج ۲ ص ۳۳۲ خزائن ص ۴۱۲ ج ۳)

لکھتا ہے

"قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی

رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے مگر سلسلۂ وحی رسالت نہ ہو۔" (ازالہ اوہام ص ۷۶۱ ج ۲ خزائن ص ۵۱۱ ج ۳)

یہ مضمون اختلاف بیان مرزا غلام احمد قادیانی میں پیش کیا گیا ہے۔ جو افسوس سے اس اصول سے زندقہ اور الحاد کا اظہار کیا ہوا تھا

مسلمانوں کا عقیدہ ختم نبوت کے متعلق

آیت کریمہ: "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ احزاب آیت ۴۰" یہ آیت اس واسطے آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اصل نرینہ چھوڑنا ہماری مشیت میں مقدر نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے بعد میں تا آخر دنیا نبوت کی اساس آپ ﷺ کے وجود ذی جود سے ہے۔ آپ ﷺ مستقبل کے لئے تا آخر دنیا رسول ہیں اور جملہ انبیاء سابقین کے خاتم ہیں۔ نسبی سلسلے کے بدلے میں اس نبوی سلسلہ کو عوض میں رکھ لو۔

اس عقیدہ کے موافق کوئی دو سو حدیث نبی کریم ﷺ سے وارد ہوئی ہیں اور رسالہ (ختم نبوت کامل) مفتی صاحب دیوبند (مولانا) محمد شفیع کی طرف سے شائع ہو چکا ہے اور اس عقیدہ پر اجماع رہا ہے۔ امت محمدیہ ﷺ کا ابتداء سے لے کر آج تک بلا فصل۔

اور جیسے قرآن امت کو پہنچا ہے اسی طرح یہ عقیدہ بھی پہنچا ہے اور جب سے لے کر اب تک اس کا بھی اجماع ہوا ہے کہ اس آیت میں کوئی تاویل نہیں ہے اور اس عقیدہ میں کوئی فرق نہیں۔ خلفاء اور سلاطین اسلام نے جب سے لے کر اب تک مدعیان نبوۃ کو سزائے موت دی اور انہیں کافر و مرتد سمجھا اصلی کافر کے وجود کو برداشت کیا اور ایسے مرتد کے وجود کو برداشت نہیں کیا اور خود مرزا غلام احمد قادیانی کا جب تک مسلم تھے یہی عقیدہ تھا۔

نبوت ایک صفت اصلی قائم ہے۔ نبی کی ذات کے ساتھ تو وہ کسب سے حاصل ہو اور نہ وہ کبھی سلب ہو۔ یہ عقیدہ مودودی کا ہے کہ نبوت سلب بھی ہو سکتی ہے۔

اگر نبوت کسبی ہو تو سلب بھی ہو سکتی ہو گی۔ یہ عقیدہ اسلام کا نہیں۔ ولایت کسبی

چیز ہے کہ کسب سے حاصل ہو اور زائل بھی ہو جائے۔ یہ صفت نبوت جو نبی کی ذات کے ساتھ قائم و دائم باقی ہے۔ احکام شرعیہ کی تبلیغ اس کے وقتی ثمرات میں سے ہے اور توابع میں سے ہے۔

کسی محدود وقت میں اگر نبی نے ضروری احکام نہ پہنچائے تو وہ نبی بذات خود نبی ہوتی ہے۔ صفت نبوت جو اس کی ذات کے ساتھ قائم تھی کسی طرح زائل نہیں ہوتی۔ تبلیغ ایک کارگزاری تھی۔ پیغمبری کی حاجت پر دائر ہوگی۔ عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا چنانچہ ایسا ہے کہ جیسا گزشتہ زمانہ میں یعقوب علیہ السلام مصر چلے گئے تھے اور وہاں بطور رعایت کچھ دن گزارے۔

نبوت وولایت: صوفیائے کرام نے نبوت کو بمعنی لغوی لے کر مقسم بنایا اور اس کی تفسیر خدا سے اطلاع پاکر دوسرے کو اطلاع دینا کی اور اس کے نیچے انبیاء اور اولیاء کرام دونوں کو داخل کیا اور نبوت کو دو قسم کر دیا۔ نبوت شرعی اور نبوت غیر شرعی۔

نبوت شرعی کے نیچے انبیاء اور رسل دونوں درج کر دیئے اور اب ان کے لئے نبوت غیر شرعی اولیاء کے کشف اور الہام کے لئے ٹھہری اور مخصوص ہوگئی۔ صوفیائے کرام کی تصریح ہے کہ کشف کے ذریعے سے مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ صرف اسرار و معارف۔ مکاشف اس کا دائرہ ہیں۔ اگر کوئی دعویٰ کرے کہ مجھ پر مستحب کا حکم آیا ہے پس یہ اگر پہلے سے شریعت محمدیہ ﷺ میں موجود ہے تو ثابت اور اگر موجود نہیں ہے اور پھر وہ دعویٰ کرتا ہے اضافہ کا تو گردن زدنی ہے اور یہ تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے۔

کتاب الیواقیت والجواہر کے ص ۹۵ پر حسب ذیل الفاظ ہیں:

"فقد بان لك . . . . الخ۔"

"پس روشن ہو گیا تیرے لئے کہ دروازے اوامر الٰہیہ کے اور نواہی کے بند کر دیئے گئے۔ جس نے دعویٰ کیا امر و نہی کا بعد محمد ﷺ کے پس وہ مدعی شریعت کا ہے۔ جو

اس کی طرف بھیجی گئی۔ مدعا یہ ہے کہ وہ موافق ہو امر شریعت کے یا مخالف ہو۔ پس اگر یہ عاقل بالغ ہے مدعی اتاریں گے ہم اس کی گردن اور اگر عاقل بالغ نہیں ہے اس سے اعراض کریں گے۔"

شطحیات: صوفیاء کے ہاں ایک باب ہے جس کو شطحیات کہتے ہیں اور خود فتوحات میں اس کا باب ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان پر حالات گزرتے ہیں اور ان حالات میں کوئی کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں جو ہمارے ظاہر قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے اور بسا (اوقات) غلط راستہ لینے کا سبب ہو جاتے ہیں۔ صوفیاء کی تصریح ہے کہ الٹا پر عمل حرام ہو اور تصریح کرتے ہیں کہ جن پر یہ احوالات گزرے ہوں۔ وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کرے۔ مجملاً ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے الجھ جائے گا لیکن دین میں کسی زیادتی۔ کی کے صوفیاء میں سے کوئی بھی قائل نہیں اور ایسے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔ ہم نے اولیاء اللہ قدس اللہ اسرارہم کو ان کی طہارت تقویٰ اور تقدس کی خبریں سن کر اور ان کے شواہد افعالی اعمال اور اخلاق سے تائیدیا کر ولی مقبول تسلیم کر لیا ہے۔ ان قرائن اور نشانیوں سے جو حد تواتر تک ثبوت سے ہوں۔ یعنی ان شطحیات سے ان کی ولایت ثابت نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ولایت ان کی خارج سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے جو طریقہ ثبوت کا ہے۔ اس کے بعد ہم نے کسی کی ولایت تسلیم کی اور ہم اس تسلیم میں صواب پر تھے تو اس کے بعد اگر کوئی کلمہ متعارض موہم ہمارے سامنے پڑھتا ہے تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی توجیہ کریں اور محمل نکالیں کہ ٹھکانہ اس کا کیا ہے۔ شطحیات کو ہی پہلے پیش کرنا اور اس پر ولایت کا جھنڈا جمانا ناقص اور جاہل کا کام ہے۔ کسی شخص کی راست بازی اگر جدا گانہ تجارب سے اور جو طریقہ راست بازی ثابت کرنے کا ہے۔ ثابت ہوئی ہو تو پھر اگر کسی کوئی کلمہ موہم اور مغالطہ میں ڈالنے والا اس کا سامنے آگیا۔ تو منصف طبیعتوں کے ذہن اس کی توضیح کریں گے اور محمل نکالیں گے۔

یہ عاقل کا کام نہیں ہے کہ راست بازی کسی کی ثابت ہونے سے پیشتر وہی کلمات

مغالطہ پیش کر کے مسلم الثبوت مقبولوں پر قیاس کرے اور کہے کہ فلاں نے ایسا یا فلاں نے ایسا کیا۔ اس کا جواب مختصر یہ ہوگا کہ فلاں کی راست بازی جداگانہ اگر ہمیں کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہے تو ہم محتاج توجیہ ہوں گے اور اگر زیر بحث یہی کلمات ہیں اور اس سے پیشتر کچھ سامان خیر کا ہے ہی نہیں۔ تو ہم یہ کھوٹی پونجی اس کے سر پر ماریں گے۔

خلاصہ بیان : میرے کل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی مدعی نبوت حسب تصریحات قرآن و حدیث اور باجماع امت کافر مرتد ہے اور جو شخص ان کے عقائد باطلہ اور دعویٰ نبوت و وحی پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کافر نہ سمجھے ان کی نبوت کو تسلیم کرے یا مسیح موعود کہے۔ وہ بھی اسی کے حکم میں ہے۔

اور حکم یہ ہے کہ ان کا نکاح کسی مسلمان مرد و عورت کے ساتھ جائز نہیں۔ اور اگر بعد نکاح کے کوئی شخص ایسا عقیدہ اختیار کرے تو فوراً نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ قضاء قاضی اور عدت کی بھی ضرورت نہیں رہتی اور اس کے بعد اگر زن و شوہر کے تعلقات باقی رکھے گئے تو جو اولاد ہوگی وہ اولاد ثابت النسب نہ ہوگی یعنی وہ حرام کی ہوگی جیسا کہ شامی کے حوالہ سے اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور موجبات کفر مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کے لئے میرے بیان میں چھ وجوہ گنائے ہیں۔

اول ...... ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معنی کی تحریف اور جس مذہب میں سلسلہ نبوت منقطع ہو۔ اس کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دینا۔

دوم :...... دعویٰ نبوت مطلقہ اور تشریعیہ۔

سوم ..... دعویٰ وحی اور اپنی وحی کو قرآن کے برابر قرار دینا۔

چہارم : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔

پنجم : .... آنحضرت ﷺ کی توہین۔

ششم : . ساری امت محمدیہ ﷺ کو بجز اپنے متبعین کے کافر کہنا یہ اصول ہیں۔ جن کے تحت میں اور بھی ایسے فروع موجود ہیں جو مستقلاً موجبات کفر ہو سکتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کو دیکھنے والے پر یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دور ہے۔ ایک مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسیوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے اور پھر سب اقوال میں اس قدر تنافت اور تعارض پایا جاتا ہے۔

خود مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنی پریشان خیالی ہے اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے جس سے نتیجہ گزیدہ رہے اور ان کو وقت ضرورت کے مخلص اور مفر باقی رہے۔ یکی ذکر میں آیا ہے کہ زمانہ قوں نے ہمیشہ یہی راستہ اختیار کیا ہے۔ کہیں ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنی کے ساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں اور کہیں پر ایسا عقیدہ بتلانے والے مذہب کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں۔ کہیں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ ﷺ کے عقیدہ کے موافق متواترات دین میں داخل کرتے ہیں اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے ہیں اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ بتاتے ہیں۔ ان کا سبب پورے غور کرنے سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی چونکہ مادر زاد کافر نہ تھے۔ ابتداءً ان کی تمام اسلامی عقائد پر نشوونما ہوئی (اس لئے) انہی کے پابند تھے اور وہی لکھے۔ پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت ہی ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے۔

دوسرے یہ کہ انہوں نے باطل اور جھوٹے دعووں کے رواج دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے۔ جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ عام و خواص مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہیں لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا جس سے بالکل ان عقائد کا انکار ہو گیا جس کے متعلق پہلے بیان میں آ چکا ہے کہ ایسا کرنا کفر صریح ہے۔ اور اس قسم کے کفر کا نام قرآن مجید نے الحاد رکھا ہے۔ اور حدیث نے زندقہ اور عام محققین نے باطنیت کے نام سے اس کو پکارا ہے۔ اس لئے اب قادیانی صاحب کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں عام اہل سنت والجماعت کے ساتھ شریک ہیں۔ ان کے اقوال و افعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے۔ جب تک اس کی تصریح نہ ہو

کہ ان عقائد کی مراد بھی وہی ہے جو جمہور امت نے سمجھی اور پھر اس کی تصریح نہ ہو کہ جو
عقائد کفریہ انہوں نے اختیار کئے تھے ان سے توبہ کر چکے ہیں اور جب تک توبہ کی تصریح نہ
ہو چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے کیونکہ زندیق اس کو کہا
جاتا ہے جو عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن و حدیث کے اتباع کا دعویٰ کرے لیکن ان کی
ایسی تاویل و تحریف کرے جس سے ان کے حقائق بدل جائیں اس لئے جب تک اس کی
تصریح نہ دکھائی جائے کہ قادیانی صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کا اس معنی کے اعتبار سے
قائل ہے جس معنی سے صحابہ و تابعین اور تمام امت محمدیہ قائل ہے۔ اس وقت تک ان کی
کسی ایسی عبارت کو مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا۔ جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا
اقرار کیا ہو۔ اسی طرح حشر اجساد۔ نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا اقرار کر لینا یا لکھ دینا بغیر
تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہوگا۔ خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہو یا مؤخر۔ اسی
طرح مسئلہ توہین ہے کہ جب ایک جگہ توہین کے کلمات ثابت ہو گئے۔ تو اگر ہزار جگہ کلمات
مدحیہ لکھے ہوں اور ثناء خوانی بھی کی ہو۔ تو وہ اس کو اس کے کفر سے نجات نہیں دلا سکتے۔
جیسا کہ تمام دنیا اور دین کے قواعد مسلّم اس پر شاہد ہیں کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسی کو اتباع
اور اطاعت گزاری اور مدح و ثناء کرتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین بھی کی۔ تو
کوئی انسان اس کو مطیع اور معتقد واقعی نہیں کہہ سکتا۔ الغرض اول تو یہ بات ثابت ہو چکی ہے
کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی آخر عمر تک دعویٰ نبوت و وحی پر قائم رہا ہے۔ اور اپنی کفریات
سے کوئی توبہ نہیں کی۔ جیسا کہ ان کے آخری خط سے واضح ہوتا ہے جو موت سے تین دن
پہلے اخبار عام لاہور کے ایڈیٹر کے نام لکھا ہے اور اگر یہ بھی ثابت نہ ہوتا تو کلمات کفریہ اور
عقائد کفریہ لکھنے اور کہنے کے بعد اس وقت تک اس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ جب تک وہ ان
عقائد سے توبہ کا اعلان نہ کرے اور توبہ کا اعلان جہاں تک ہم نے کوشش کی ان کی کسی کتاب
یا تحریر میں نہیں پایا گیا۔ اس لئے تکفیر کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ بھی فرض
کر لیا جاوے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت وغیرہ سے توبہ کی تھی جب بھی ہمارا
مدعا یہ چونکہ ان کو عام انبیاء کی طرح نبی اور رسول ماننے کی تصریح اپنی کلام میں کرتا ہے

اس لئے اس نے کفر و ارتداد میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جب مدعا علیہ نے عقائد اسلامیہ و مسائل فقہیہ اجماعیہ کا انکار کیا اس کا نکاح جو مسلمان عورت کے ساتھ ہوا تھا۔ قطعاً فسخ ہو چکا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ اجمعین

دستخط شیخ محمد انور

۲۸ اگست ۱۹۳۲ء

جرح بر بیان امام العصر سید محمد انور شاہ صاحبؒ گواہ مدعیہ

مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

صحیح مسلم میں ہے کہ جس کو پہنچے میرا کلام اور تصدیق نہ کرے" ۔۔ جلد اول صفحہ ۲۸ مسلم شریف میں ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی روایت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایمان کی یہ تشریح کی کہ ایمان باللہ پر ملائکہ پر کتب سماویہ پر رسل پر یوم آخرت پر تقدیر خیر و شر من اللہ ہونے پر۔ یہ اجزاء ایمان کے فرمائے اور اسلام میں عبادت حق تعالیٰ کی (وحدہ لاشریک لہ) اقامت صلوٰۃ ایتاء زکوٰۃ صوم رمضان پر جبرائیل علیہ السلام نے آپ کی تصدیق کی۔ یہ بات حدیث کے متن میں موجود ہے جس جس چیز کو قرآن (پاک) ایمان کہے گا وہ ایمان ہے۔ اس کا منکر خارج از اسلام ہے۔

احادیث میں پانچ چیزوں پر بنائے اسلام رکھی گئی ہے۔ وہ شہادتین یعنی توحید و رسالت کی شہادت۔ نماز کا قائم کرنا۔ زکوٰۃ کا دینا۔ رمضان کا روزہ رکھنا اور حج کرنا جو طاقت رکھے۔ یہ حدیثیں قدر مشترک کے تواتر تک پہنچی ہیں۔

تواتر کی قسمیں علماء کی اپنی طرف سے ایجاد شدہ نہیں ہیں۔ بلکہ انہوں نے قرآن اور حدیث کا ثبوت جس حال سے پایا اس کو ادا کر دیا۔ علماء نے واقعی جیسا پایا اس کو ویسے ہی ادا کیا۔ یہ تواتر کے اقسام علماء کی اصطلاحات ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی خود اپنی کتابوں میں استعمال کرتے ہیں۔ تواتر معنوی میں جو امر قدر مشترک ہے۔ اس کا ثبوت اگر وہ شے ہے۔ تو

اس کا منکر کافر ہے اور اگر ظنی ہے تو مجمل ایمان فرض ہے اور تفصیل کو خدا کے سپرد کریں۔

ایک خبر واحد کو اگر کوئی شخص حجت نہ مانے تو کافر نہیں۔ بدعتی ہے۔ کتاب مسلم الثبوت کے ص ۱۷۱ پر امام رازی کا جو قول بیان کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا درجہ تواتر معنوی پر نہیں پہنچا اور مسئلہ پر دلیل ہونا اس میں تردد ہے۔ یہ نہیں فرماتے کہ وہ تواتر معنوی کو پہنچا ہو اور پھر اس کا منکر کافر نہیں۔ حنفیہ کا اصول ہے کہ اجماع صحابہؓ کا قطعی ہے اور منکر اس کا کافر ہے اور بعد کے اجماع کا منکر بدعتی اور فاسق ہے۔ اجماع صحابہؓ کے قطعی ہونے میں امام ابن تیمیہؒ کی کتاب سے حوالہ دیا جا سکتا ہے۔

نزول مسیح علامات قیامت میں سے ہے۔ جو خبریں اخبار مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں ان پر اجماع ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ نزول مسیح کے سوال پر فقط اجماع ہی نہیں بلکہ نصوص احادیث کا تواتر ہے۔

"اما فی المستقبلات .... هنا۔" (کتاب مسلم الثبوت ص ۹۵ ج ۲)

اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ واقعہ پیش آگیا ہو اور اس کا حکم دینا ہو مجتہدین کو۔ تو اتفاق اور اجماع کریں اور آئندہ چیزیں جو غیبی ہیں ان میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ عقیدہ کافی ہے۔ غیبی تواتر اگر ہو جائے تو اس عقیدہ کو ایمانی عقیدہ قرار دو۔ اور ان کی تفصیل اور مصداق ڈھونڈنے میں نہ پڑو۔ جب وہ واقعات پیش آجائیں گے اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو خلیفہ کا خلیفہ ماننا اجزاء ایمان میں داخل نہیں ہے۔ واجبات میں سے ہے۔ مسئلہ کی جیسی حقیقت ہوگی۔ ویسے ہی اس پر اجماع رہے گا۔ ثبوت اس کا قطعی ہو جائے گا۔ حکم اس کا ویسا ہی رہے گا جیسی اس کی حقیقت ہے۔

صحابہؓ کا اجماع کسی مسئلہ پر ہو اس کا منکر کافر ہے۔ لیکن مسئلہ تعدد خلیفہ کا اور وحدت کا صدر اول میں مختلف فیہ ہے۔ اجماع کسی مسئلہ پر ہوتا ہے یا کسی کارروائی پر کسی مسئلہ پر جو اجماع ہوا اس کا وہی حکم رہا جو اجماع صحابہؓ کا ہے۔ اور کسی عملی استصواب پر یا کارروائی پر ہوا تو وہ اجماع اس قسم کا نہیں۔ جس پر بحث ہو رہی ہے۔

"ولو انکر .... یکفر۔" (کتاب شرح فقہ اکبر ص ۲۰۴)

اس کی مراد یہ ہے کہ روافض جو منکر ہیں۔ خلفائے ثلاثہؓ سے اس بنا پر کہ وہ خلافت کے مستحق نہ تھے تو وہ کافر ہیں اور اگر صحابہؓ صدیق اکبرؓ کے سوا کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرتے تو کوئی خلاف جزو ایمانی نہ تھا۔ حیات مسیح اجماعی مسئلہ ہے۔ صحابہؓ میں اور تواتر ہے حدیث کا اور سوائے ملحدوں کے کسی نے انکار نہیں کیا۔ روح المعانی کا حوالہ پیش کیا جا چکا ہے جو تفسیر سورہ احزاب میں ہے۔ (ص ۶۰ ج ۷)

"اما رفع عیسیٰ .... فما رفعت." (مجمع البحرین ص ۳۲۹)

لیکن اٹھایا جانا عیسیٰ علیہ السلام کا پس اتفاق کیا اصحاب اخبار اور تفسیر نے کہ عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے بدن کے ساتھ زندہ ہیں۔ اگر اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ موت آئی تھی رفع سے پہلے یا سو گئے اور اٹھا لیا گیا۔

حیات کے متعلق چند سلف کا اختلاف ہے لیکن عام طور پر اتفاق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں ہمارے نزدیک حیات اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ ایک ہی شئی ہے۔ میری بحث اجماع اور تواتر پر ہے۔

سوال یہ تھا کہ حیات مسیح پر صحابہؓ کے اجماع کی سند دی جائے اس کا جواب گولہ ابھی دینا چاہتا ہے جو کچھ بیان کیا گیا حضرت امام مالکؒ نے نہیں کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے وہ حیات و نزول عیسیٰ کے قائل ہیں۔

"قال مالك .. .. ثلاثين سنة." (کتاب اکمال الاکمال ج ۱ ص ۲۶۵ مصری)

امام مالکؒ کا یہ قول بھی ان کی اکمال سے لکھا جو عتبیہ کے نام سے موسوم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ موت آئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ ۳۳ سال کے تھے۔ اس کتاب میں دوسری جگہ ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا دریں اثناء کہ لوگ کھڑے ہوں گے سنتے ہوں گے کان لگائے ہوں گے اقامت صلوٰۃ کے لئے ڈھانک لے گا ان کو ایک بادل اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتر آئیں گے۔ ابن حزم کا جو قول تفسیر جلالین سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے یہ الفاظ غلط نقل ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ابن حزم کی کتاب میں اس کی تحقیق ہے اور بیان میں لکھوائی گئی ہے۔ جو حدیث "الفرق بین العدو

بین الکفر " ترک الصلوٰۃ ہے۔ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

تین اماموں کا اتفاق ہے کہ تارک الصلوٰۃ کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ فاسق کہا جائے گا اور امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ وہ کافر ہے۔ سنن ابی داؤد کی وجہ سے اس مسئلہ میں اختلاف پڑ گیا۔ دوسری حدیث جو بیان کی گئی ہے وہ بھی اسی قسم کی ہے۔ الفاظ میں کچھ فرق ہے۔

عقیدۃً نماز کی فرضیت کا چھوڑ دے تو باجماع امت کافر ہے:

" وکذلک ترک صلوٰۃ موجب للقتل عند الشافعی۔ "

(شرح فقہ اکبر ص ۱۹۳)

یہ تشریح ہے کہ جو شخص نماز کو فرض جان کر ترک کرے وہ کافر ہے۔

سنن ابی داؤد کی احادیث سے پیدا ہوتی ہے۔ جس حدیث میں بناء اسلام پانچ بیان کی گئی ہے اس کے علاوہ ایک اور حدیث ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پانچ نمازیں فرض کیں خدا نے ' جس نے اچھا کیا وضو ان کا اور پڑھیں اپنے وقت پر اور پورا کیا رکوع ان کا اور خشوع ' تو خدا کی ضمانت میں ہے کہ مغفرت کرے اسے اور جس نے نہ کیا۔ خدا کی ضمانت میں نہیں ہے۔ چاہے مغفرت کرے چاہے عذاب کرے۔ (سنن ابو داؤد)

اس پر مجتہدین کی رائے ہو گئی جو یہ تھی:

" کذا لو قال عند شرب الخمر والزنی بسم اللہ عمدا او باعتقاد انھما حلالان وکذا لو افتی لامراۃ لتبین من زوجھا۔ "

(شرح فقہ اکبر ص ۲۰۰، ۱۹۰، ۱۵۶)

استخفاف علماء کفر ہے۔ جو اشرار سے مشابہت کرے کفر ہے۔ جو عالم کو مولوی ملولوی کہہ دے کافر ہو جائے گا۔ جو شراب پیتے وقت بسم اللہ کہہ دے وہ کافر ہو جائے گا یہ بیان کی گئی ہے۔ اس کتاب میں یہ مسئلے ہیں۔ میرے بیان میں آ چکا ہے کہ کوئی چیز کسی حال میں کفر ہوتی ہے۔ کسی حالت میں کفر نہیں ہوتی۔ میں اس کی مثال دے چکا ہوں۔ کلمات مذکورہ بالا بعض حالات میں موجب کفر ہو جائیں گے۔ بعض حالات میں نہیں ہوں گے لیکن تم نے عقائد باطلہ پر حکم لگایا ہے۔ کسی ایک اختلافی چیز سے دو تحمیل لو ورنہ اچھے حکم کی بناء

کی مختلف حصے پر رکھی ہے۔ اختلافی حصہ کو پہلے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ہمارے حصہ کی بناء اس دین پر ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے بلا فصل اب تک چلا آرہا ہے۔ جو مسائل اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ یہ مسائل اختلافیہ ہیں۔

علماء بریلی نے جن واقعات پر علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے وہ عقائد علمائے دیوبند نے ظاہر نہیں کئے۔ غلط فہمی ہوئی۔ جن عقائد کی بناء پر علمائے بریلی نے علماء دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ علمائے دیوبند ان عقائد کے قائل نہ تھے۔

۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

تتمہ بیان جرح سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ

باقرار صالح

ضروریات دین کا انکار کرنا یعنی عقیدہ چھوڑ دینا کفر ہے لیکن عمل ترک کرنا کفر نہیں وہ فسق اور معصیت ہے کفر نہیں جو عقیدہ ترک کرے وہ ایمان سے نکل جاتا ہے اور جو عمل ترک کرے وہ عاصی ہے۔ جو شخص دستور ملکی کی وجہ سے باوجود طاقت رکھنے کے شرعی حکم کو چھوڑے۔ اس کی بابت بھی یہی حکم ہے۔

اگر عقیدہ حق ہونے کا ترک کیا اور کہتا ہے کہ یہ شریعت غلط ہے اور اگر کہتا ہے کہ یہ عقیدہ صحیح اور مسئلہ درست ہے۔ مثلاً ہم اپنی مجبوری سے نہیں کرتے۔ وہ داخل ایمان اور عاصی ہے۔ مدعی نبوت اور اس کی طرف جانے والے کی سزا قتل ہے۔ صاحب شریعت (نبی) دستور ملکی کی رو سے اگر کوئی چیز بیان کرے وہ بھی شریعت ہے۔ وہ جو کچھ فرمائے کرے کل شریعت ہے اور جو کچھ صاحب شریعت کے روبرو ہوا وہ اس پر سکوت کرے۔ تو وہ بھی شریعت ہے۔ ابن صیاد جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے دعویٰ نبوت کیا۔ اسے اس لئے قتل نہ کیا گیا کہ وہ نابالغ تھا۔ نابالغ کو قتل نہیں کیا جاتا۔ اس امر کی تصریح ہے کہ وہ نابالغ تھا۔ صحیح بخاری نے [illegible] متعلق [illegible] ہے کہ [illegible] قریب تھا۔

صدیق اکبرؓ خلیفہ ہوئے۔ مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا تھا اور کچھ نفری (جماعت)
اس کے ساتھ شریک ہو گئی تھی۔ صدیق اکبرؓ نے مہم تیار کی۔ اس کے جہاد کے واسطے بعض
صحابہؓ نے عرض کی کہ مدینہ میں اس وقت لوگ کم ہیں اور خطرہ ہے۔ مدینہ کی حفاظت کے
لئے لوگوں کو موجود رہنے دیا جاوے۔

صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں بہادر تھے اور اسلام میں آکر بزدل ہو
گئے۔ یہ مجھے برداشت نہیں صحابہؓ نے اس پر کوئی تخلف نہ کیا اصول میں یہ اجماع کہلاتا ہے۔
اجماع کے معنی یہ ہیں کہ مسئلہ پیش کیا جاوے اور اس پر سب اتفاق کر گئے۔ کسی
نے مخالفت نہ کی اسے اجماع کہا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کے سامنے وہ مسئلہ پیش
ہو اور وہ کہے کہ مجھے اتفاق ہے۔

مسیلمہ نے نبی کریم ﷺ کے بعض احکام میں تغیر و تبدل کیا تھا لیکن جو وہ شخص
نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہوئے ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ وہی پکے کہتے ہیں جو مسیلمہ
کہتا ہے یعنی کہ وہ نبی ہے۔

کتاب فتح الکرامات ص ۲۲۳، ۲۲۵ میں ہے جو واقعات مسیلمہ کے ساتھ پیش
کئے گئے ہیں یہ وقوع میں ظاہر ہوئے ہیں لیکن وقت اس کتاب میں ترتیب سے نہیں لکھا گیا۔
مسیلمہ کو قتل کرنے کی بڑی وجہ دعویٰ نبوت تھی اور جو چیزیں اس کے متعلق اس کتاب میں
بیان کی گئی ہیں وہ اس کے لگ بھگ تھیں اور یہ چیزیں نبوت کے تحت میں تھیں۔

اگر دلائل اجماع کی تاویل کوئی شخص قواعد کے مطابق کرے تو اس کے قائل کو
مبتدع یعنی بدعتی نہیں کہیں گے اور اگر قواعد کی رو سے صحیح نہیں ہے تو وہ خاطی ہے۔

آیات قرآن متواتر ہیں

قرآن اور حدیث جو نبی کریم ﷺ سے ہم تک پہنچا اس کی دو جانبیں ہیں۔ ایک
ثبوت اور ایک دلالت۔ ثبوت قرآن کا تواتر ہے اور اس تواتر کا اگر کوئی انکار کرے تو پھر قرآن
کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں اور ایسا ہی جو شخص تواتر کے حجت ہونے کا انکار

کرے اس نے دین ڈھا (گرا) دیا۔ دوسری جانب دلالت ہے دلالت قرآن کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی۔ ثبوت قطعی ہے۔

دلالت کا معنی ہے کہ مطلب پر رہنمائی کرنا۔ اگر اجماع ہو جائے صحابہؓ کا اس کی دلالت پر یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے کہ مدلول یہی ہے تو پھر دلالت بھی قطعی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن سارا بسم اللہ سے والناس تک قطعی الثبوت ہے۔ دلالت میں کہیں ظنیت ہے اور کہیں قطعیت لیکن قرائن کے ملنے سے دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے۔

حدیث ہے کہ " لکل آیۃ ظاہر و باطن " لیکن قوی نہیں۔ باوجود قوی نہ ہونے کے مراد اس کی میرے نزدیک صحیح ہے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ اس کی اسناد میں کچھ کلام ہے۔ اس حدیث میں لفظ بطن سے تو جو کچھ رسول اللہ ﷺ کے دل میں تھا وہ سب منکشف نہیں ہے۔ بجملا ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی ایک مراد وہ ہے کہ قواعد لغت اور عربیت سے اور اصول شریعت سے علماء شریعت سمجھ لیں اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں۔

بطن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کر دے اور بہتوں سے وہ مخفی رہ جائیں لیکن ایسا کوئی بطن جو مخالف ظاہر کے ہو اور قواعد شریعت رد کرتے ہوں وہ مقبول نہ ہوگا اور رد کیا جائے گا اور بعض اوقات میں باطنیت اور الحاد کی حد تک پہنچا دے گا۔ حاصل یہ کہ ہم مکلف فرمانبردار اپنے مقدور کے موافق ظاہر کی خدمت کریں اور بطن کو سپرد کر دیں خدا کے۔

اگر اخبار احاد متعدد جب باہم مل کر تواتر کے درجہ کو پہنچ جائیں تو وہ قطعیت میں قرآن مجید کے ہم مرتبہ ہیں اور کوئی متواتر چیز قرآن کے منافی دین میں ممکن نہیں کہ پائی جاوے۔ اور اگر اخبار احاد تواتر کے درجہ کو نہ پہنچیں اور بظاہر ان کی مغایرت معلوم ہوتی ہو قرآن سے تو علماء کا فرض ہے کہ اس کی تحقیق اور توفیق ڈھونڈیں یعنی (آپس میں) ملائیں۔

خبر واحد کے بھی دو پہلو ہیں۔

ثبوت پہلو کا۔ دوسرا دلالت کا۔ ثبوت میں وہ ظنی ہوتی ہے۔ جب تک کہ

یہ الفاظ بعض روایات میں ہیں اور بعض میں نہیں ہیں اس سے یہ اصلاً مراد نہیں کہ وہ چھوٹی جماعت ہوگی۔"

محمد ہاشم خطیب ہے جس نے شام میں مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق فتویٰ دیا ہے۔ مجھے اس سے تعارف نہیں ہے۔

نبی کی اولاد کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں صحابیؓ کے متعلق میں آیت کی مراد میں یہ ذکر کیا ہے۔ ورنہ کوئی حاجت نہیں اور نہ میرا اس پر مطلب موقوف ہے۔ قول صحابیؓ کا حجت نہیں ہوتا جیسا کہ نبی کا قول ہوتا ہے لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ خاتم بفتح تا ہو کر مہر کے معنی میں ہی ہے اور آخر کے معنی میں بھی ہیں۔ جو شخص یہ کہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے سوا جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی آسکتا ہے وہ کافر ہے۔

قرآن شریف میں تین طریقے انسان کے ساتھ خدا کے کلام کے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اپنے بیان میں وحی کی تعریف نہیں کی۔ اقسام بیان کئے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ وحی کے متعدد طریقے ہیں جو پیغمبر کا معاملہ اور خدا کا معاملہ ہے۔ اس کی انتہاء میرے مقدور سے باہر ہے۔ وہ مخصوص معاملہ ہے۔ خدا کا اور پیغمبر خدا کا' اور جب وہ صفت مجھے حاصل نہیں تو میں اس کی پوری حقیقت اور کنہ کو نہیں پا سکتا۔ لیکن حرف شناسی اور طالب العلمی کی مد میں آیت کی تفسیر کرتا ہوں:

"وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَآءُ ۔ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۔ الشوریٰ آیت ۵۱"

مناسب نہیں ہے کسی بشر کو کہ کلام کرے اس کے ساتھ خدا مگر بطور وحی یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے اس کی طرف قاصد اور قاصد کے ذریعہ سے پیغام دے۔ اپنی مشیت اور ارادے سے جو پیغمبر کہ پیغمبر ثابت ہو چکا ہے۔ جداگانہ طریق پر اس پر جو وحی ہوتی ہے وہ وحی قطعی ہے۔ دوسرے شخص پر جو وحی ہو وہ ظنی ہے۔ جو شخص خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد وحی نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے نبی مانتے ہیں۔ اس کے سوا جو

وحی ہے وہ وحی نبوۃ نہیں ہے۔ لفظاً وحی کا اس پر اطلاق ہو گا۔ وحی قرآن کا لفظ ہے اور لغت میں جتنے معنی وحی کے لئے گئے ہیں ان پر وحی کا لفظ اطلاق ہو سکتا ہے۔ حضرت مریم اور ام موسیٰ (والدہ موسیٰ) کی طرف جس وحی کا قرآن شریف میں ذکر ہے وہ چونکہ پیغمبر نہیں ہیں اس لئے اس وحی سے وہ دوسری وحی مراد ہو گی۔ جو لغوی ہے۔

قرآن شریف میں جو تین طریقے وحی کے مذکور ہیں۔ ام موسیٰ اور حضرت مریم کی طرف جو وحی آئی ہو گی۔ وہ ان تینوں طرق میں سے ہو گی مگر عام مفسرین نے اس آیت۔ "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ .... الخ۔ " کو وحی نبوت پر ہی اتارا ہے۔

میں نے سنا ہے:

"اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کشفی ہے۔ یا الہامی ہے جو حجت قطعی نہیں ہے۔ شیخ مجدد کی کلام کشف و الہام میں ہے۔" (مکتوبات امام ربانی جلد اول ص ۹۰ مکتوب ۱۵)

توہین انبیاء کے بارے میں میں نے تصریح کر دی ہے اپنے بیان میں کہ سب (گالی) کی قسم تعریض سے بھی ہوتی ہے اور لزوم سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن میں نے وجہ ارتداد مرزا غلام احمد قادیانی میں تعریض کو نہیں لیا بلکہ جس ہجو کو انہوں نے قرآن مجید سے منسوب کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر کروایا اور جس ہجو کو اپنی جانب سے حق کہا میں اسے ارتداد سمجھتا ہوں اور اسی کو ارتداد کی وجہ قرار دیا۔

مرثیہ شیخ رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ص ۶، ۸ کے اشعار میں ۳۳ کے اشعار متعلق مسیح کا جواب۔

شیخ الہند صاحب کے جو شعر نقل کئے گئے۔ اس کے متعلق یہ جواب ہے کہ مدحیہ اشعار ہوں وہ تحقیقی نہیں ہوتے بلکہ عموماً شعری کلام اٹکل کے ہوتے ہیں اور شاعرانہ محاورے نے ذہن کلام کی تسلیم کیا گیا ہے۔ فرق اس میں یہ ہے کہ جو خدائی کلام ہو گی وہ عقیدہ ہو گا اور وہ تحقیقی ہو گی اور وہ کسی طرح سے اٹکل نہ ہو گی۔ حقیقت حال ہو گی۔ نہ کہ حد تحقیق تک اعتماد کو حقیقت کی نہیں پہنچا تحسینی لفظ کہتا ہے اور دنیا نے اس کو تسلیم کیا کہ شاعرانہ نوع

تعبیر، عام اطلاق الفاظ نہیں ہے اور وہ تخمینہ پر عبارت کر دیتے ہیں۔ جو آس پاس (قریب قریب) ہوتی ہے۔ ٹھیک حقیقت نہیں ہوتی اور خود شاعر کی نیت میں اور ضمیر میں منوانا اس کا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔

جھوٹ میں اور شاعر میں یہ فرق ہے۔ کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے کہ میرے کلام کو لوگ سچ مان لیں اور شاعر کی اصلاً یہ کوشش نہیں ہوتی بلکہ وہ خود سمجھتا ہے کہ مخاطبین بھی میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے بلکہ اگر کوئی حقیقت پر سمجھے تو اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے۔ دوسرے وقت ایسے وقائع دنیا میں بہت پیش آچکے ہیں۔ مبالغہ شاعروں کے ہاں ہوتا ہے اور یہ ایک قسم ہے کلام کی جو قرآن علیہ میں درج ہے اور اس مبالغہ کی حقیقت یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑا ادا کرنا اور بڑی چیز کو چھوٹا ادا کرنا بشرطیکہ نہ اعتقاد ہو نہ مخلوق کو منوانا ہو۔ پس اگر کوئی شخص کوئی ایسی چیز کہتا ہے کہ جس سے مغالطہ پڑتا ہے۔ نبوت کے باب میں اور وہ ساری کوشش اس میں خرچ کرتا ہے وہ لور جہان کا ہے اور یہ حضرت شاعر لور جہان میں ہیں۔

کتاب ازالۃ الاوہام مصنفہ مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی اور اشعار مولوی آل حسن صاحب سے جو مشکوٰۃ شریف میں جو قصہ حضرت عمرؓ کے تورات کا ورق پڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کا جواب دینے کے متعلق مذکور ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے جواب سے حضرت موسیٰ کی کوئی توہین ظاہر نہیں۔

جواب میں موجب ارتداد مرزا غلام احمد قادیانی میں اس قسم کی کوئی چیز پیش نہیں کر سکا جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے بلکہ میں نے اس چیز کو لیا ہے جو انہوں نے قرآن کی تفسیر بنایا ہے اور اسے حق کہا ہے اور جن چیزوں میں مجھے نیت کی تلاش رہتی وہ میں نے اپنی بحث سے خارج کر دیئے ہیں اور انہیں موجب ارتداد قرار نہیں دیا۔ میں اپنے بیان میں تصریح کر چکا ہوں کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی نیت پر گرفت نہیں کروں گا۔ زبان پر کروں گا۔ میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ جس قدر مجھے حکم دینے کی ضرورت ہوئی۔ اسی قدر میں نے مطالعہ کیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا اور بغیر توبہ کے مرے۔ اس لئے میرے نزدیک وہ کافر ہیں۔

بندر... مسخ... رجز... قطع... مسخ... کے جو الفاظ میں نے بیان کئے تھے۔ اس سے میں نے یہ دکھلایا تھا کہ ان کی کوئی حقیقت دین سماوی میں نہیں ہے اور کہ یہ لفظ آ گئے ہوں۔ یہ غلط ہے۔ نہ میرے بیان میں ہے۔ علماء نے ان لفظوں کو لیا ہے اور رد کیا ہے۔

میرا عقیدہ نہیں ہے کہ مسیح کی شکل دوسرے کسی مرد پر ڈالی گئی ہو لیکن بعض مفسرین نے اہل کتاب سے نقل لی ہے:

"کونوا قردۃ خاسئین۔" کے متعلق میرا عقیدہ کہ وہ لوگ مسخ ہو گئے تھے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے جو کچھ مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق کہا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں تک درست کہتا ہے۔ (دستخط جج) محمد اکبر

سوال مکرر: میں نے کل اس سوال سے کہ اسلام کی بناء پر جو پانچ چیزوں پر بیان کی گئی ہے۔ اس سے مراد میں نے یہ لی تھی کہ صاحب شریعت نے جو بناء اسلام کی پانچ چیز پر رکھی ہے۔

مظہر نے بہت سے دفعات کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا جواب میں نے اس وقت یہ دیا تھا کہ جو جو چیز قرآن شریف میں سے لی جائے گی۔ وہ ایمان میں داخل ہو جائے گی اور جو متواتر حدیث ہو گی۔ وہ ایمان میں داخل ہو جائے گی اور یہ جو ہے کہ بناء اسلام کی پانچ چیز پر ہے۔ ایک شہادت توحید کی اور شہادت رسالت کی اس شہادت رسالت کے تحت سارا دین پیغمبر کا داخل ہو گیا۔ رسول کا ماننا۔ ان کی شریعت کی اطاعت کو حاوی ہے۔ انہی پانچ کے اندر بلحاظ ایک ہی لفظ کے اندر رسول کی رسالت کو ماننا۔ سارا دین آ گیا۔

میں نے کوئی دفعہ جو اضافہ کی ہے۔ مطلق اضافہ نہیں نیز متقن اگر کوئی ایک قانون کے تو یہ اعتراض بے معنی ہے کہ ایک ہی دفعہ کے تحت ذیلی منشاء کو کیوں ادا نہ کر دیا؟ ۔۔۔ دوسرے قوانین اس کے واجب الانقیاد یعنی واجب الاطاعت ہوں ۔۔۔ میں نے صحیح مسلم کی حدیث کا حوالہ کل دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ان

سب پر جو مجھ پر نازل ہوئی خدا کی طرف سے ایمان نہ لائے وہ مومن نہیں۔ حدیث کا ترجمہ یہ
ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ مجھے امر کیا گیا ہے کہ میں مقاتلہ کروں لوگوں کے ساتھ
یہاں تک کہ شہادت دیں لا الہ الا اللہ کی اور ایمان لائیں مجھ پر اور اس چیز پر جو میں لے
کر آیا ہوں۔

علماء اسلام کے جو پانچ ارکان ایمان کئے گئے ہیں۔ یہ مسلم (۱۱۳) روایات ہیں۔ جو ثابت
قرآن کریم ہیں اور حدیث میں اور چیزیں بھی ہیں۔ یعنی ایمان کے دیگر بھی کئی شعبے ہیں۔
خلافت شیخین کے اجماع کے متعلق میں نے یہ ذکر کیا تھا کہ جو شخص ان کے مستحق خلافت
ہونے کا انکار کرے کہ وہ خلافت کے لائق نہ تھے وہ شخص کافر ہے۔

"لعل المراد انکار استحقاقهما الخلافة فهو مخالف لاجماع
الصحابة لا انکار وجودها." (شامی باب الامامت" نقل عن البحر الرائق ص ۵۹۶)
(شاید مراد انکار ہے۔ استحقاق شیخین کا ایسا شخص مخالف ہے اجماع صحابہ کے یہ
مراد نہیں ہو سکتی کہ وہ وقوع خلافت سے کوئی انکار کرے۔)

حیات مسیح کے سوال پر امت کا اجماع ہے اور امت کہتے ہیں۔ یہاں سے لے کر
پیغمبر کے زمانے تک کے مسلمان اور صحابہ بھی اس میں داخل سمجھے جائیں گے۔

دیوبندیوں کے خلاف جو فتویٰ علماء دہلی کا پیش کیا گیا تھا۔ اس میں جو فقرے
کتاب تحذیر الناس سے نقل کئے گئے ہیں وہ مختلف مقامات سے جوڑ کر ان کی مولانا محمد قاسم
صاحبؒ کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ مولانا کی تصریح یہ ہے کہ جو ختم زمانی کا انکار کرے وہ
بسبب تواتر کافر ہے۔ کتاب تحذیر الناس کے ص ۱۰ پر موجود ہے۔ کافر ہو جاتا ہے۔

مولانا نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ جو ختم زمانی کا انکار کرے وہ قرآن سے،
تواتر سے اور اجماع سے کافر ہے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ قرآن اور حدیث جس طریقہ پر ہم تک
پہنچے۔ اس طریقہ کو معتبر مانے اور جو شخص تواتر کا انکار کرے وہ قرآن کو ثابت نہیں کر
سکتا اور دین ابتداء سے آخر تک منہدم ہو جائے گا۔ اس میں یہ بھی پیش کرتا کہ متواتر خبر حدیث
قطعی ہے۔ مقصود یہ ہو گا کہ قرآن شریف بھی پیش کرے کہ یہ نہ سمجھے کہ ثبوت قرآن کا اور

حدیث متواترہ کا تواتر ثابت ہے۔ تواتر میں اگر جھگڑا ہوا تو اس شخص کے پاس دین محمدی ﷺ کا کوئی جز نہیں۔

کل یہ سوال کیا گیا تھا کہ امور مستقبلہ پر اجماع ہوتا ہے یا نہیں؟ امور مستقبلہ میں اجماع نہ ہونا کی مراد یہ ہے کہ حکم عملی جو ہاتھ میں سے کرنا ہو اسے مستقبل پر چھوڑا جاوے۔ پہلے سے اجماع کا کوئی اثر نہیں۔ وقت پر دیکھا جائے گا اور جو عقیدہ قرآن و حدیث میں آ چکا ہے۔ مستقبل کے متعلق اس پر اجماع منعقد ہونا منقول ہو گا اور حجت ہو گا۔ کہیں فرض ہو گا: " ودعوی النبوة بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع۔"

شرح مسلم الثبوت ص ۱۹۵ کتاب اکمال الاکمال کے حوالے سے جو کل یہ بیان کیا گیا تھا کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ اس کتاب کے دوسرے صفحہ پر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ امام مالکؒ کی مراد یہی ہو گی کہ ہر اسے چند ساعت موت دی گئی ہے اور بعد میں اٹھائے جائیں گے۔ ایک ہی صاحب کے مقولے کے دو فقرے ہیں۔

سن کر تسلیم کیا گیا

دستخط جج صاحب

۲۰ اگست ۱۹۳۲ء

الخطاب الملیح

فی تحقیق المہدی والمسیح

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الحمدلله الذي هدانا بالكتاب والسنة و جعلنا متبعين للسواد الاعظم من الامة فنحمده على ما انعم علينا بهذه المنة و نصلي على سيدنا محمد نبيه و رسوله الذي به من علينا بتلك النعمة و على آله و صحبه ومن معهم الذين هم السواد الاعظم فياليهم من ائمة فمن حاد عن سبيلهم فلا ريب ان قلبه في اكنه و امره لا يهدوان يكون عليه غمه ۔ اما بعد!!!۔"

چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی غلطیوں کو بہت اہل علم ظاہر فرما رہے ہیں۔ اس لئے کبھی اس باب میں لکھنے کا خیال نہیں ہوا۔ مگر بعض حضرات سے جو کچھ زبانی سوال و جواب کا اتفاق ہوا اور بفضلہ تعالیٰ ان کے شبہات کو شفا ہوئی انہوں نے قریباً قلم کا اصرار کے ساتھ مشورہ دیا چونکہ نفع کی امید پائی گئی اس لئے خود بھی اس کا خیال ہو گیا۔ اسی اثناء میں منشی کرم خان صاحب نائب محافظ دفتر ڈپٹی کمشنر انبالہ نے کچھ سوالات بعض اقوال کی نسبت محض نیک نیتی سے بغرض جواب بھیج دیئے۔ وہ اس خیال کے لئے اور بھی مؤید اور مؤکد ہو گئے۔ اس لئے ان سوالات کا جواب لکھ کر آخر میں ایک مستقل مختصر مضمون جو اجمالاً انشاء اللہ ایسے تمام شبہات کے جواب کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ اضافہ کر دیا اور اس مجموعہ کو ایک رسالہ کی شکل میں بنام "الخطاب المليح في تحقيق المهدي والمسيح" کے ساتھ نامزد کر دیا اول سوال مرقوم ہے پھر جواب مذکور ہے پھر اسی آخری مضمون پر کتاب ختم ہے:

والله تعالى ولي الهداية و منه البداية واليه النهاية ۔

نقل خط منشی صاحب موصوف متضمن سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جناب ہدایت مآب مولانا صاحب مکرم معظم دام ظلکم و فضلکم از

جانب احقر العباد پر عصیاں کرم خاں بعد ادائے مراسم بادب نہایت ادب سے عرض ہے میں ایک معمولی اردو خواں ملازم ہوں لیکن بفضل خدا کتب شرعی دیکھنے کا شوق ہے۔ ان ایام میں جو شور مرزائیوں کا ہو رہا ہے اور اکثر لوگ بے علم جو مجوز ہیں وہ ظاہر ہے بعض میرے احباب آپس میں گفتگو رکھتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دلائل وفات مسیح کی پیش کیا کرتے ہیں۔ گو بفضل خدا اور برکت علماء سے یہ خاکسار ان کے عقائد اور اقوال سے بیزار ہے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے لیکن بعض مقامات کو برائے از دیاد تقویت و یقین کبھی کبھی بعض امور علماء سے پوچھ لیا کرتا ہے۔ چنانچہ دو تین مرتبہ جو مقامات کی نسبت بابت مسائل جمعہ و تقلید و تراویح بشت رکعت جناب مولانا مخدومنا حضرت مولانا رشید احمد صاحب مد ظلہم (گنگوہی) سے دریافت کیا تو حضرت مولانا صاحب ممدوح نے میرے سوالات پر رسالہ "سبیل الرشاد" اور رسالہ "الرای النجیح فی عدد رکعات التراویح" تحریر فرما دیا ہے۔ اسی طرح آپ سے مجھ کو بعض امور کی بابت تحقیق ہے۔ گو جناب مولانا رشید احمد (گنگوہی) صاحب سے ایک گونہ نیاز حاصل ہے لیکن مجھ کو شرم آتی ہے کہ شاید مولانا موصوف یہ خیال نہ فرما دیں کہ یہ شخص ہمیشہ سائل رہتا ہے۔ چونکہ ان امور متعدد جدا گانہ کا معلوم کرنا ضروری ہے پس اس وقت مجھ کو بھی ضروری ہوا کہ ان امور کو بامید جواب شافی و کافی کے حضور ہی کی خدمت میں پیش کروں۔ بعض تصانیف حضور کی میرے پاس ہیں اور جو فضل و کمال و عشق محمدی اور توجہ و تبحر معلوم حضور کو ہے وہ اظہر من الشمس ہے اور نیز مخدومی مکرمی مولوی انوار الحق صاحب نقل نویس جو میرے دفتر میں ہیں اور نیز مولوی اکرام حسین صاحب نے بھی مجبور کیا کہ تم کو مولانا ہی جواب سے جلد مشرف فرما دیں گے۔

کو جناب کو بھی علاوہ درس و تدریس و ذکر اللہ کے کتب بینی و تصانیف و تحریر فتاوی بے شمار میں ایک مشغلہ عظیمہ ہے لیکن میں امید قوی رکھتا ہوں کہ حضور ان امور کا جواب دینا بھی ضروری خیال فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ کی برکت سے امید ہے کہ بعض لوگ جو عقاید مرزا میں گرفتار ہو جاتے ہیں شاید بچ جاویں۔ اس واسطے جناب کی خدمت میں عرض ہے۔ اول قول مرزا غلام احمد قادیانی کا پھر امور تحقیق طلب لکھتا ہوں۔

قول مرزا نمبر ۱ ... عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ نے بمقام کشمیر وفات پائی ہے۔ چنانچہ آیت قرآن شریف "واوینا هما الی ربوة۔" سے یہی مراد ہے۔ کیونکہ کشمیر بہت بلند جگہ ہے جبکہ مسیح علیہ السلام صلیب سے بھاگ کر کشمیر چلے گئے تو ہمراہ مسیح کو والدہ حضرت مریم علیہا السلام نے وہاں وفات پائی۔ اسی جگہ ان ہر دو کی قبر ہے۔

جواب نمبر ۱ ... ربوہ کی تفسیر دمشق یا فلسطین یا بیت المقدس غرض ملک شام کے کسی مقام سے کی گئی ہے۔ کشمیر سے تفسیر کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور علی سبیل التنزل لکھتا ہوں کہ اگر کشمیر تشریف لانا ان کا بھی لیا جاوے تو اس کو اصل مدعا منکر رفع جسمانی الی السماء سے کیا تعلق ہے۔ کیا سفر کشمیر کے بعد وہاں سے جانا اور پھر مرفوع الی السماء ہونا ممتنع ہے؟ رہا دعویٰ وہاں قبر ہونے کا محض بے اصل ہے۔ تخمین و قیاسات و ناقص حکایات کا مقابلہ دلائل شرعیہ کوئی اعتبار نہیں رہی تحقیق قبر حضرت مریمؑ اس کی ضرورت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲ ... حضرت مریم علیہا السلام نے حالت حمل میں نکاح کر لیا تھا چنانچہ مسیح علیہ السلام کے حقیقی برادر و ہمشیرگان بھی تھیں۔

جواب نمبر ۲ ... کہیں ثابت نہیں قبل حمل اس کا قائل ہونا صریح تکذیب قرآن ہے اور بعد حمل تکذیب اناجیل ہے پس دونوں امر باطل ہیں اور جب تک نکاح کئے جانے کی بحث کو تحقیق نہیں تو تحقیق کی ضرورت بھی۔

قول مرزا نمبر ۳ : حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور نیز بخاریؒ کا وفات
مسیح علیہ السلام پر مذہب ہے چنانچہ کتاب التفسیر بخاری میں قول عبداللہ بن عباسؓ کا
ہے: " متوفیک ای ممیتک ۔ " یعنی توفی کے معنے فوت ہے۔ نہ نیند وغیرہ اور امام بخاریؒ
حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کو میری امت سے بعض اشخاص پکڑے
ہوئے لائے جائیں گے تب میں ان کو اپنے اصحاب کہوں گا۔ ندا ہوگی کہ یہ تیرے بعد گمراہ ہو گئے
تھے تو اس وقت میں بھی وہی کہوں گا جو عیسیٰ نے کہا تھا: "انی اقول کما قال العبد
الصالح ۔ " پس یہ فرمانا ان حضرات کا اس وقت یعنی زبان حضرت میں ایک قصہ ماضی کا ہو
گیا۔ حضرت نے کیا قول فرمایا یقول نہیں فرمایا اور مسلمان کہتے ہیں کہ مسیح قیامت کو جواب
دیں گے حالانکہ یہاں صیغہ ماضی کا لایا گیا ہے۔

جواب نمبر ۳ ... : اگر متوفیک کو اپنے ظاہری معنے پر کہا جاوے پھر بھی منکر
رفع جسمانی کو کچھ مفید نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ یہ موت بعد النزول الی
الارض ہو جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے دے دی اور واؤ ترتیب
کے لئے موضوع نہیں۔ اس لئے اس کا تحقق ورافعک الی سے پہلے ضروری نہیں۔ رہی یہ
بات کہ ذکر میں کیوں مقدم فرمایا سو گو اس نکتہ کی تحقیق کو اصل بحث سے تعلق نہیں مگر
تبرعاً نکتہ کا بیان بھی کئے دیتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں دو فرقوں کو افراط و
تفریط تھی۔ ایک نصاریٰ کو کہ ان کو الٰہ مانتے تھے دوسرے یہود کو۔ وہ ان کو غیر طاہر جانتے
تھے اور نصاریٰ کی غلطی یہود کی غلطی سے بڑھی ہوئی تھی کیونکہ غیر الٰہ کو الٰہ ماننا زیادہ بعید
ہے۔ نبی کو غیر نبی جاننے سے۔ اگرچہ کفر دونوں ہیں۔ اس لئے متوفیک کا جملہ کہ معنے ممیتک ہو
مقدم کیا کہ اس میں ابطال ہے عقیدہ نصاریٰ کا کیونکہ موت منافی ہے الوہیت کے۔ پھر رد
فرمایا عقیدہ یہود کو اس طرح سے کہ ان کے لئے رفع الی السماء ثابت کیا جو مستلزم ہے
طہارت جسمانی کو اور تطہیر مطلق ثابت کی جو مستلزم ہے طہارت روحانی کو۔ اس طرح دونوں
فرقوں پر رد ہو گیا اور متوفیک کی تقدیم مناسب ہوئی اور اگر ترتیب ذکری کے ساتھ ترتیب

وقوع بھی مان لی جائے تب بھی منکر رفع کو مفید نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ قبل رفع تھوڑی دیر کے لئے آپ کو وفات دی گئی ہو اور پھر زندہ کر کے آسمان پر اٹھا لئے گئے ہوں جیسا کہ بعض سلف اس کے قائل بھی ہوئے ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے:

" الثاني متوفيك اي مميتك و هو مروي عن ابن عباس و محمد بن اسحاق قالوا والمقصود ان لا يصل اعداء من اليهود الى قتله ثم انه بعد ذالك اكرمه بان رفعه الى السماء۔ ثم اختلفوا على ثلثة اوجه احدها قال وهب توفي ثلث ساعات ثم رفع۔ ثانيها قال محمد بن اسحاق توفي سبع ساعات ثم احياه الله تعالى و رفعه۔ الثالث قال الربيع بن انس انه تعالى توفاه حين رفعه الى السماء۔"

بہر حال ممیتک کے ساتھ تفسیر کرنا بھی کسی طرح منکر رفع کو مفید نہ ہوا اور امام بخاری کا اس تفسیر کو نقل کرنا معلوم ہوں تو مستلزم نہیں کہ ان کا بھی یہی مذہب ہو اور اگر ہو بھی تو منکر رفع کو مفید نہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ موت اور رفع العبد الی السماء میں تنافی نہیں۔ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔ رہا استدلال کرنا قال کے ماضی ہونے سے یہ بھی محض ضعیف ہے۔ اول تو اس لئے کہ ماضی بمعنے مضارع بکثرت قرآن میں وارد ہے: "ونفخ في الصور۔ و اشرقت الارض۔ ووضع الكتاب۔ جلي با النبيين۔ قضي بينهم۔ وسيق۔ وغير ذلك۔" پس قال بمعنے یقول ہو سکتا ہے۔ رہا یہ امر کہ ماضی سے کیوں تعبیر فرمایا سو گو بیان نکتہ کا اصل مقصود میں کوئی دخل نہیں مگر تبرعاً بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو اپنی حکایت بیان فرمائی کہ میں قیامت میں اس طرح کہوں گا۔ اس بیان سے پہلے صحابہؓ یہ آیت سن چکے تھے: " ان تعذبهم فانهم عبادك۔ الآية۔" پس مقتضا بلاغت کا ہوا کہ حکایت کے ماضی ہونے کو منزلہ محکی عنہ کے ماضی ہونے کے قرار دے کر صیغہ ماضی استعمال فرمائیں یا یوں کہا جائے کہ قیامت کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول پہلے ہو چکے گا پھر ہمارے حضور ﷺ کا یہ قول صادر ہوگا تو حضور ﷺ کے قول کے وقت چونکہ وہ قول ماضی ہو چکا ہے اس لئے صیغہ ماضی سے تعبیر

فرمایا۔ قرآن مجید میں بھی اس کی نظیر ہے ''قال تعالیٰ یوم یاتی بعض ایات ربک لاینفع نفسا ایمانھا لم تکن آمنت من قبل۔'' یہ مجھی بات ہے کہ تکلم کے وقت کے اعتبار سے ''لم تکن امنت'' مستقبل ہے۔ مگر باعتبار وقت حکم لاینفع کے ماضی تھا اس لئے ماضی لائے بلکہ اس سے بڑھ کر بعض جگہ تو مستقبل سے مستقبل کو بھی ماضی سے تعبیر فرمایا گیا ہے: ''قال تعالیٰ و علی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیماھم ونادوا اصحاب الجنۃ۔'' اس میں یقیناً نداء بعد معرفت کے ہے پھر یعرفون کو مستقبل لائے اور نداء جو اس مستقبل سے بھی مستقبل ہے اس کو ماضی سے تعبیر فرمایا۔ اور اگر قول کو ہم ظاہری معنے پر ہی محمول کریں تب بھی استدلال منکر رفع کا غلط ہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ مخاطبت فیمابین اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رفع الی السماء واقع ہو چکی ہو، جیسا احادیث میں وارد ہے کہ شب معراج میں بمجرد ہونے قیامت ہی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ غایت مافی الباب یہ لازم آیا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام سے یہ باتیں ہو چکی ہیں۔ تو توفی بھی واقع ہو چکی ہے مگر اس میں بھی کوئی اشکال لازم نہیں اگر توفی معنے اخذ الشی بالتمام کی ہو جیسے بہت سے مفسرین اس طرف گئے ہیں اور اس بناء پر توفی عین مفہوم رفع عیسیٰ علیہ السلام مع الجسد والروح ہوگا۔ تب تو ظاہر ہے کہ کوئی اشکال نہیں اور اگر معنے وفات ہی کے لیا جائے تب بھی اوپر محقق ہو چکا ہے کہ وفات میں اور رفع مع الجسم میں کوئی منافاۃ نہیں بہرحال کسی تفسیر پر بھی منکر رفع کو مفید نہیں۔

قول مرزا نمبر ۴ : میں نبی ہوں، رسول ہوں، مگر بروزی طور پر میں صاحب شریعت نہیں ہوں لیکن جزوی نبی ہوں اور ایسا دعویٰ کاملین نے بھی کیا ہے جیسے منصور نے انا الحق و بایزید بسطامی نے اعتراض وغیرہ کیا ہے ثابت ہے۔

جواب نمبر ۴ ..... : رسالت و نبوت و وحی کے جو معنی اصطلاح شرعی میں ہیں ان کا منقطع ہو جانا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور ہمارے حضور ﷺ ان امور کے خاتم ہیں۔ ان کے ادعا کی تو گنجائش ہی نہیں۔ رہا قصہ بروز کا سو یہ ایک اصطلاح محدث ہے۔ اگر

اس کی تعریف جامع مانع ایسی کی جائے جو قواعد شرعیہ کے مخالف نہ ہو تو اس کو حکم قول لا مشاحۃ فی الاصطلاح کا محل نزاع نہیں اگرچہ تاہم یہ حکم بھی شرعی ہے کہ الفاظ موہمہ سے احتراز واجب ہے چنانچہ اسی بناء پر "لاتقولوا راعنا" فرمایا گیا اور احادیث میں بہت سے الفاظ کی ممانعت اسی وجہ پر وارد ہے۔ اس لئے جس جگہ اس قسم کا ابہام اور عوام کے لئے مفسدہ اور مفسدہ کا احتمال ہوگا ایسے الفاظ کے استعمال کو حرام و معصیت کہا جائے گا اور اگر ان الفاظ اصطلاحی کی تعریف ہی میں کوئی جزو مخالف قواعد شرعیہ ہوگا تو اس وقت اس کو فی نفسہ بھی باطل قرار دیں گے۔ اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ اگر لفظ و ز کے مجاز بنے سے رسالت و نبوت کا دعویٰ جائز ہے تو اسی قید کے ساتھ خدائی کے دعویٰ کی بھی اجازت ہونا چاہئے۔ کیونکہ آخر مخلوق میں صفات الٰہیہ کا کوئی شائبہ "علی قدر العطاء الوھبی" کچھ تو ضروری ہے کیا کوئی عاقل متدین اس امر کو گوارا کر سکے گا؟ جب خدائی کا دعویٰ گوارا نہیں تو رسالت کا کیونکر گوارا ہے؟۔ رہا استدلال کرنا نقل اکابر سے سو اگر ان قصوں کو صحیح مان لیا جائے تو وہ حضرات غلبہ حال سے معذور تھے۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا قصہ مشہور ہے کہ جب ان کو حالت صحت میں اس کی اطلاع کی گئی تو توبہ ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں پھر ایسی بات کہوں تو مجھ کو بیدریغ قتل کر ڈالو۔ چنانچہ لوگوں کا اس طرح سے قصد کرنا اور پھر آپ کی کرامت سے زخموں کا الٹا ہونا مشہور ہے۔ بہر حال قصد و عمد سے کبھی نہیں کہا نہ اس پر اصرار تھا۔ یہی کیا وہ حالت اور کجا یہ حالت کہ اگر کوئی ذرا انکار کرے تو اس کے رد میں رسالے اور اشتہارات تیار کئے جائیں۔

کار پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

تو صاحب نفسی اے غافل میاں خاک خون میخور
کہ صاحب دل اگر زہری خورد آں انگبیں باشد

قول مرزا نمبر ۵۔۔۔: رفع کے معنے عزت کے موت دینا ہے۔ یا بعد مرنے

کے روحانی طور پر بہشت میں داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ: "ورافعك الی بحق۔" مسیح علیہ السلام اور لفظ "ورفعناہ مکانا علیا۔" حق ادریس علیہ السلام ہی بولا گیا ہے۔ نہ بالجسم اٹھانا مراد ہے۔

جواب نمبر ۵ : رفع کے معنے لغوی مشہور ہیں۔ شرعی اصطلاح اس میں جداگانہ نہیں۔ عزت کی موت اس کے کوئی معنی نہیں۔ البتہ رفع بمعنے درجہ کے بھی مستعمل ہے اور بمعنی رفع روح جس کا حاصل موت ہے بھی مستعمل لیکن دونوں معنی کا مجموعہ کہ اس میں دونوں قیدیں ہوں اس میں کہیں مستعمل نہیں دیکھا گیا اور اگر کہیں مستعمل ہوتا بھی ہو تو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں جو لفظ رفع آیا ہے وہ تو یقیناً اس معنی میں مستعمل نہیں کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ احادیث میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور اس نزول کو مقابلہ ان کے مرفوع ہونے کے فرمایا گیا ہے چنانچہ سیاق احادیث سے ظاہر ہے۔ پس جب دونوں لفظ اس حیثیت سے متقابل ٹھہرے تو یقیناً ایک لفظ کے جو معنے ہوں گے دوسرے لفظ میں اس کا مقابل مراد ہوگا۔ پس اگر رفع سے مراد مع الجسم آسمان پر جانا مراد لیا جائے جیسے جمہور کہتے ہیں تو نزول سے مراد مع الجسم زمین پر آنا مراد ہوگا جس میں نہ تقابل فوت ہوتا نہ کوئی خرابی لازم آئی۔ اگر بقول منکر رفع جسمانی سے مراد عزت کی موت لی جائے تو نزول سے مراد بقرینہ مقابلہ ذلت کی پیدائش لینا چاہئے۔ پس معنے حدیث نزول کے یہ ہوں گے کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام نعوذباللہ ذلت کے ساتھ پیدا ہوں گے اور اگر یہاں یہ معنے نہ لئے جائیں تو مقابلہ فوت ہو جائے گا۔ جس کا لزوم اوپر ثابت ہو چکا ہے پس معلوم ہوا کہ عزت کی موت کے معنے مراد لینا صحیح نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ ہم مطلق موت مراد لے لیں گے تو ہم کہیں گے کہ اول تو اس کی دلیل چاہئے اور اگر بلادلیل ہم تسلیم بھی کرلیں جب بھی منکر رفع جسمانی کو مفید نہیں کیونکہ رفع جسمانی اگر اس لفظ سے ثابت نہ مانا جائے گا دوسری دلیل شرعی یعنی اجماع سے ثابت رہے گا اور موت کا رفع جسمانی کے منافی نہ ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ اور اگر "ورفعناہ مکانا علیا۔" میں صرف رفع روح مراد ہو جب بھی ہم کو مضر

نہیں کیونکہ ہم یہ کب کہتے ہیں کہ رفع روحانی میں اس کا استعمال نہیں آتا۔ اسی وجہ سے تحقیق قصہ عیسیٰ علیہ السلام کی حاجت تھی، ورنہ اقرب قول ہے کہ دونوں معنے میں استعمال ہو سکتا ہے مگر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرفوع بالجسم ہونا اجماع سے ثابت ہے۔ اس لئے ان کے قصہ میں اس معنے کو ترجیح ہے اور علی سبیل التنزل کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قرآن میں معنے رفع الجسم نہ بھی لے تب بھی ہمارا دعویٰ رفع مع الجسم کا اجماع سے ثابت ہے جیسے عنقریب بیان ہو چکا ہے۔ اور چونکہ لفظ رفع معنے رفع مع المادہ میں لغۃً مستعمل ہے۔ اس لئے نظیر کی حاجت نہیں اور تبرعاً نظیر بھی پیش کرتے ہیں "قال تعالیٰ رفع السموات بغیر عمد' وقال تعالیٰ رفع سمکها۔" حدیث ترمذی میں ہے "قالت عائشہ والقد کنا لنرفع الکراع۔ ترمذی ص۲۷۷ ج۱" اور حدیث حج صبی میں "فرفعت امرأة صبیاً۔ ترمذی ص۱۸۵ ج۱" دیکھئے یہ سب اشیاء مادی ہیں جو مع المادہ مرفوع ہو گئیں۔

قول مرزا نمبر ۲ ۔ لفظ نزول جو مسیح علیہ السلام احادیث میں وارد ہے دوسرا اور آسمان سے اترنا نہیں ہے بلکہ پیدا ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا خدا نے۔ "وانزلنا الحدید" کیا یہاں لوہا بھی آسمان سے اترا ہے یا لفظ: "انزلنا الکتاب" میں مراد یہ ہے کہ قرآن مجید آسمان سے اترا ہے اور کسی نے دیکھا ہے۔

جواب نمبر ۲ ۔ گو نزول بھی دوسرے معانی میں حقیقتاً یا مجازاً مستعمل ہوتا ہے جس کا انکار نہیں مگر نزول عیسیٰ علیہ السلام کا یقیناً بمعنی ظاہر متبادر کے ہے۔ لونا حدیث مسلم باب ذکر الدجال میں ہے۔ "فینزل الی قوله بین مهرودتین واضعا کفیه علی اجنحة ملکین۔" اگر قول منکر نزول "من السماء" یہاں پیدائش کے معنے لئے جائیں تو استغفر اللہ حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام دو رنگین کپڑے پہنے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے پیدا ہوں گے۔ اول تو یہ مطلب کیا معقول ہے۔ پھر افسوس کہ مدعی مسیحیت میں یہ صفت بھی نہیں پائی جاتی۔ پس حدیث کے قرینی معنے متبادر

سے تعیین کر رہے ہیں۔ دوسرے اس مسئلے پر اجماع بھی ہے۔

قول مرزا نمبر ۷..... : آسمان پر اس جسم خاکی کا جانا محال ہے اور "معاذ اللہ" یہ لفظ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس جسم کثیف سے معراج کو نہیں گئے بلکہ معراج کشفی و نوری تھا اور حضرت عائشہؓ کا قول لاتا ہے کہ وہ بھی جسمی معراج کی قائل نہ تھیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ آسمان پر کرہ زمہریر ہے خاکی جسم کا جانا محال ہے بلکہ بلند پہاڑوں پر جانے سے انسان نہیں زندہ رہ سکتا ہے۔

جواب نمبر ۷...... : بلاشک جا سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص محال کہے تو اس سے پوچھنا چاہیے کہ یہ محال عقلی ہے یا شرعی ہے یا عادی ہے۔ اگر محال عقلی یا شرعی ہے تو دلیل لانا چاہیے۔ کون سی دلیل عقلی نے اس کی نفی کی ہے؟۔ کونسی دلیل شرعی اس کا انکار کر رہی ہے؟۔ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو سکے گی۔ اور اگر محال عادی ہے تو مسلم، مگر یہ مفید نہیں کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کسی امر کا امکان عقل سے ثابت ہو اور دلیل شرعی اس کے وقوع کی خبر دے اور اس کے وقوع کا اعتقاد واجب ہے چنانچہ یہ امر بہت ہی ظاہر ہے پس جب اس میں کوئی استحالہ عقلی ہے نہیں اور دلیل شرعی اس کا اثبات کر رہی ہے تو واجب ہوگا کہ اس کو خرق عادت قرار دیکر اس کا اعتقاد کیا جائے۔ اور ممکنات عقلیہ کی نسبت "ان اللہ علی کل شیئ قدیر" عقیدہ قطعیہ ہے۔ بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ یہاں ممکن ہے کہ کوئی مانع عادی طبعی بھی نہ ہو کیونکہ یہ امر مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اگر آگ یا مثل اس کے کسی تیز چیز کے اندر سے بہت جلدی سے انگلی کو بار بار نکالیں تو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا اور فلسفہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ سرعت حرکت کی کوئی حد نہیں پس ممکن ہے کہ جسم محمدی و جسم عیسوی علیہما السلام کو کرہ زمہریر و کرہ نار کے اندر سے نہایت سرعت و خفت کے ساتھ نکال کر آسمان پر پہنچا دیا ہو اور بوجہ سرعت جسم کو کوئی گزند نہ پہنچا ہو تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ اور بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محال عادی پر قادر ہیں جو چاہیں واقع کر دیں زمہریر اور نار سب ان کے مسخر اور محکوم ہیں۔ جب اس کا

امکان ثابت ہو گیا تو پھر ان کشتی نوح علیہ السلام کے تحقیق کی کچھ حاجت نہیں۔ اور قول
حضرت عائشہؓ کا یا مقابلہ دیگر روایات کے مرجوح ہے یا تعدد واقعہ پر محمول ہے۔ اور صریح
دلیل معراج کے جسمانی ہونے کی یہ ہے کہ منکرین نے اس کی کس شدت سے تکذیب کی۔
اگر روحانی و نومی ہوتی استعجاب و استبعاد کی کوئی وجہ نہ تھی۔ پھر حضور ﷺ خود فرما دیتے
کہ اس میں استبعاد کیا ہے یہ تو نومی و روحانی ہے۔

قول مرزا نمبر ۸ : مسیح کا آنا محال ہے کیونکہ اگر وہ بحالت نبوت آئے تو
خاتم النبیین کی آیت کا نقض ہے اگر بلا نبوت آئے تو ان سے کیا قصور ہوا ہے کہ نبوت سے
معزول ہو گئے۔

جواب نمبر ۸ : اس مدعا کی تو تحقیق نہیں نہ تحقیق کی حاجت مگر
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا متبع شرع محمدی ﷺ ہو کر تشریف لانا تحقیقی ہے۔ اور اس میں نہ
ختم نبوت میں قدح لازم آتا ہے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نبوت سے معزول ہونا لازم آتا
ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت نبی بھی ہوں گے اور تابع دوسرے نبی یعنی ہمارے حضور ﷺ کے تابع
بھی ہوں گے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام خود بھی نبی تھے اور شریعت میں حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اور پھر بھی تابع ہونے سے معزول ہونا لازم نہیں آیا۔ البتہ اگر
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت خود صاحب شریعت مستقلہ ہوتے تو حضور ﷺ کی
شریعت کا منسوخ ہونا اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت نبوت عطا ہوتی اور پہلے
زمانہ میں نبوت نہ ملی ہوتی تو حضور ﷺ پر نبوت کا ختم نہ ہونا بے شک لازم آتا۔ مگر جب ایسا
نہیں ہے بلکہ ایک ایسے نبی جن کو حضور ﷺ کے زمانہ سے پہلے نبوت مل چکی ہے۔
حضور ﷺ کے متبع شرع ہو کر آویں گے تو اس صورت میں نہ حضور ﷺ کی ابدیت
شریعت میں کوئی خلل ہوا اور نہ ختم نبوت میں کوئی قدح ہوا۔ اور اگر صرف اتباع کا نام معزولی
ہے تو حدیث میں صاف تصریح ہے "لوکان موسی حیا لما وسعه
الا اتباعی۔ مشکوۃ ج ۱ ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ" اس سے

معنی حدیث کے یہ ہونا چاہئے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام میرے وقت میں زندہ ہوتے تو نبوت سے معزول ہو جاتے۔ پس یہی سوال ہم کرتے ہیں کہ اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیا خطا تھی جو وہ نبوت سے معزول کر دیئے جاتے؟۔

قول مرزا نمبر ۹ ...... : آیت :" وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته ۔" میں ہر دو ضمائر میں ایک ضمیر اول میں قرآن شریف یا آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔ اور ضمیر دوم میں ایک کتابی' چنانچہ تفاسیر میں لکھا ہے کہ ہر ایک کتابی بوقت موت خود مسیح پر ایمان لے آتا ہے۔ پس ضمیر وں کی مسیح کی طرف پھیرنا اور قیامت کو صیغہ مستقبل لانا غلطی ہے۔

جواب نمبر ۹ ...... : اس ضمیر میں کئی قول ہیں چونکہ ہمارا دار استدلال اس پر نہیں ہے۔ اس لئے ہماری طرف سے گنجائش ہے جس قول کو چاہے کوئی اختیار کر لے ہمارا کچھ ضرر نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ضمیر راجع ہو تب تو ظاہر ہے کہ ہم کو مفید ہے ہی اور اگر کتابی کی طرف ہو تو حیات و موت عیسیٰ علیہ السلام اس آیت میں مسکوت عنہا ہو گی۔ سو ہمارے پاس دوسرے دلائل موجود ہیں۔ اس لئے ایک جگہ مسکوت عنہا ہونا ہم کو مضر نہیں۔

قول مرزا نمبر ۱۰ ...... : آیت :" قد خلت من قبله الرسل ۔" صاف دلالت وفات مسیح ہے کیونکہ لفظ خلا معنے موت ہے اگر گذر نا معنے لئے جاویں تو وہ گذرنا مراد ہے جو پھر واپس نہ آوے۔ جیسا کہ مرتا ہے کہ پھر کوئی نہیں آیا۔

جواب نمبر ۱۰ ...... : خلا معنے مطلق مضی ہے۔ نہ حیات اس کے مفہوم کا جزو ہے نہ موت۔ قرینہ مقام سے جیسے معنی مناسب ہوں گی مراد لے لی جائے گی۔ خواہ وہ مضی بالموت ہو یا مع الحیوۃ۔ پس خلت کو بالتعیین معنے مات لینے کی کوئی دلیل نہیں۔ رہا یہ کہ کوئی ایسی نظیر ہو جس میں حیات کے ساتھ استعمال خلت کا آیا ہو۔ جواب

جواب نمبر ۱۲...... جب آیت: ”وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ ۔ الانعام آیت ۶۰“ میں غیر موت میں (توفی کا) استعمال ثابت ہے تو اور نظائر کی کیا ضرورت ہے؟۔ ورنہ مثل اس نظیر کے اور نظائر کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سب نظائر کے سوا اور کوئی نظیر بھی ہے؟۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ بعد اثبات صحت استعمال کے ایک نظیر کی بھی حاجت نہیں ہے اور صحت استعمال لغت سے ثابت ہے۔ توفی کے معنے ”تمام گرفتن حق“ لکھا ہے۔ نیز مجمع البحار میں ہے: ”متوفیك ورافعك على التقدیم والتاخیر وقد یكون الوفاة قبضا لیس بموت۔“

قول مرزا نمبر ۱۳...... آیت: ”فیها تحیون و فیها تموتون و منها تخرجون۔“ سے صاف مراد ہے کہ انسان زمین ہی پر رہے گا نہ آسمان پر۔ اگر آسمان پر مسیح کا جانا مانا جاوے تو یہ آیت مخالف ہے۔

جواب نمبر ۱۳...... اگر دلیل حصر بجز تقدیم معمول کے اور کچھ ہے تو ظاہر کرنا چاہئے اور اگر معمول کی تقدیم ہی دلیل ہے تو استدلال غلط ہے کیونکہ تقدیم کے اور فوائد بھی اہل بلاغت نے ذکر کئے ہیں۔ پس اس کی کیا دلیل ہے کہ یہاں حصر کے لئے ہی ممکن ہے اور بلکہ واقعی یہی ہے کہ یہاں تقدیم اہتمام شان کے لئے ہے۔ چونکہ مقام ذکر معاملہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے لئے بوجہ اکل شجرہ میں ملکوت سے بعد ہو گیا اور جانے اس کے زمین سے تعلق و تلبس ہو گیا۔ پس اس مقام پر مناسب تھا کہ زمین کے ذکر کو مقدم کیا جاتا، حیات میں بھی، موت میں بھی، دوبارہ خروج میں بھی، تاکہ جمیع احوال میں تلبس بالارض مؤکد ہو جائے۔ پس اس کو حصر پر کوئی دلالت نہیں اور قرآن مجید میں ایسی تقدیم بہت مواقع پر ہے: ”قال الله تعالیٰ ان الله بما تعملون بصیر۔“ اور ظاہر ہے کہ یہاں حصر کے معنی محض باطل ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ غیر اعمال مخاطبین پر بصیر نہ ہوں۔ نعوذ باللہ منہ۔ پس جب حصر پر کوئی دلیل نہیں پھر حصر پر کسی حکم کو

معنی کرنا کس طرح درست ہوگا؟۔ بلکہ ترقی کرکے کہتا ہوں کہ آیت " فیہا تحیون۔" میں اگر حصر ما جاوے تو لازم آتا ہے کہ انسان کی حیات جنت میں بھی نہ ہو۔ کیونکہ جنت زمین سے خارج ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا۔ اگر کہا جائے کہ اس حصر سے زمان آخرت مستثنیٰ ہے ہم کہیں گے کہ مکان آخرت بھی مستثنیٰ ہے۔ آسمان مکان آخرت میں داخل ہے۔ پس جو شخص مکان آخرت میں ہو اس کی حیات غیر ارض پر ہو سکتی ہے اور یہی جواب ہے :" ولکم فی الارض مستقر۔" سے استدلال کرنے کا۔ مزید برآں یہ ہے کہ اگر فی الارض کی تقدیم حصر کے لئے ہے تو لکم کی تقدیم بھی مفید حصر ہونا چاہئے جس سے یہ لازم آوے گا آپ کا' کہ بجز انسانی اور کوئی مخلوق زمین پر نہیں رہتی اور بطلان اس کا ظاہر ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۴ ... آیت :"واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ، وکانا یاکلان الطعام۔" وغیرہ میں صاف ہے کہ انسان بلا غذا نہیں رہ سکتا ہے۔ پس مسیح آسمان پر کس طرح قائم ہو گئے اور زکوٰۃ آسمان پر کس کو دیتے ہوں گے؟۔

جواب نمبر ۱۴ ... : زکوٰۃ سے مراد اگر یہی زکوٰۃ بالمعنی المشہور ہو تب بھی کچھ اشکال نہیں۔ رہا یہ شبہ کہ آسمان پر کس کو دیتے ہوں گے محض "باد ہوا" ہے کیونکہ زمین پر رہتے بھی یہ حکم ایسا نہیں جو کسی عارض سے ساقط نہ ہو جاوے۔ مثلاً اگر صاحب زکوٰۃ کے پاس مال نہ رہے تب وہ مامور نہ رہے گا اور کوئی امر مانع وجوب پایا جاوے وجوب نہ رہے گا۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ منجملہ شرائط وجوب زکوٰۃ کے یہ بھی ہے کہ وہ شخص زمین پر رہتا ہو اور مالدار ہو چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے پاس مال بھی نہیں اس لئے شرط وجوب مفقود ہو گئی۔ پس مشروط یعنی وجوب بھی ساقط ہو گیا۔ پس اوصانی بالزکوٰۃ کے معنی یہ ہوں گے "اوصانی بھا بشرط اجتماع الشرائط وارتفاع الموانع' جیسا جمیع احکام میں پایا جاتا ہے یہی دونوں قیدیں معتبر ہوتی ہیں۔ اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ پر زکوٰۃ واجب ہونے نہ ہونے کی تحقیق کی حاجت نہیں۔ اگر ان پر واجب نہ ہو تو جب بھی ہو جاوے تو

اوصانی بالزکوٰۃ کے معنے ہوں گے "اوصانی بان آمر امتی بالزکوٰۃ" ربا کانا یاکلان
الطعام۔" سے یہ استدلال کرنا کہ بلا غذا انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور اس سے حیات عیسویہ کو
آسمان پر ممتنع کہنا نہایت ہی غلطی ہے۔ اس آیت میں صرف ان کے اکل طعام سے ان کے
ابطال الوہیت پر استدلال کیا ہے، جس کا عمر بھر میں ایک بار بھی متحقق ہو جانا استدلال کے
لئے کافی ہے کیونکہ اکل طعام دلیل احتیاج کی ہے اور وہ دلیل حدوث کی ہے اور وہ منافی ہے
وجوب کے، جو الوہیت کے لئے لازم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک بار کے اکل طعام سے بھی
حدوث ثابت ہو جاتا ہے اور حادث کا واجب بالذات ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے ایک فرد بھی
اکل طعام کی استدلال کے لئے کافی ہوگی۔ یہ حاصل ہے آیت کا۔ پس مقصود آیت کا جب
ایک بار کے اکل طعام سے بھی حاصل ہو سکتا ہے تو دوام اکل طعام پر آیت کی دلالت
کہاں ہے؟ جب آیت دوام اکل طعام پر دلالت نہیں کرتی تو ضرورت اکل طعام پر تو کب
دلالت کر سکتی ہے جیسا کہ عقلاء پر ظاہر ہے۔ پھر آیت سے امتناع حیات بدون غذا کا حکم
کرنا جو موقوف ہے اثبات ضرورت اکل طعام پر کب صحیح ہوگا۔ پس یہ دعویٰ محض غلط ہوا کہ
آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا غذا انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے کا دوام کے لئے
ضروری الدلالۃ بھی نہیں جیسا اہل عربیت پر ظاہر ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر دوام کے لئے مان
بھی لیا جاوے تو باعتبار زمانہ ارضی کے اور اس میں بھی زمانہ سکونت ارض کے اعتبار سے دوام
ہو سکتا ہے پس آسمان پر غذا کی ضرورت یا دوام کی کیا دلیل ہے۔ رہا کہ کوئی آیت سے قطع نظر
کرکے باعتبار اقتضائے مزاج انسانی کے دعویٰ کرے کہ بدون غذا کے حیات ممتنع ہے تو
جواب دیا جاوے گا کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ امتناع عقلی یا شرعی تو ہے نہیں، صرف عادی ہے سو اللہ
تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اقتضاء مزاج کو بدل ڈالیں کہ غذا کی
حاجت نہ رہے۔ دنیا میں جب ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا کر بعض مقتضیات
مزاجیہ بدل جاتے ہیں تو آسمان و زمین کے خواص میں تو بہت فرق ہونا ممکن ہے۔

چنانچہ حضرت قتادہؒ کا قول روح المعانی میں منقول ہے:

"رفع اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام فکساہ الریش والبسہ

النور و قطع عنه لذة المطعم و المشروب فطار مع الملائکة ۔" یعنی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خروج دجال میں اہل ایمان کو کل کو یا بعض کو جائے غذا کے صرف ذکر اللہ کافی ہو جایا کرے گا۔ مشکوٰۃ میں ۲۷ ۲ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال میں ہے ۔" فقال صلی اللہ علیہ وسلم یجزیھم مایجزی اھل السماء من التسبیح والتقدیس ۔" اور اگر بدون غذا کے زندہ رہنا سمجھ میں نہیں آتا تو ہم کہیں گے کہ کیا آسمان پر اللہ تعالیٰ غذا نہیں دے سکتے اگر جنت کے میوے کھلا دیتے ہوں تو کیا مشکل ہے ؟۔

قول مرزا نمبر ۱۵ ۔۔۔ : مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ مسیح فوت ہو گئے۔ اور جو فوت ہو جاتا ہے وہ پھر واپس نہیں آتا یہ سنت اللہ ہے غیر متغیر و متبدل اور حضرت عزیر علیہ السلام کا زندہ ہونا واقعی نہ تھا اور دیگر مردوں کا زندہ ہونا مراد وہاں موت سے غشی ہے نہ حقیقی موت۔

جواب نمبر ۱۵ ۔۔۔ : جن قصص میں مردوں کا زندہ ہونا قرآن مجید میں آیا ہے ان الفاظ کے حقیقی معنی تو یہی ہیں کہ بے جان سے جاندار کر دیئے گئے موت کو غشی پر اور احیاء کو ازالہ غشی پر محمول کرنا مجاز ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک حقیقی معنے کے تعذر کی کوئی وجہ نہ ہو اس وقت تک مجاز پر عمل کرنا درست نہیں۔ لہذا یہ تاویل یقیناً باطل ہے۔ اور اگر بلا دلیل سے ایسے احتمالات کا اعتبار کیا جاوے تو حشر و نشر میں بھی ایسی تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ جیسا ملحدین نے کہا ہے۔ پس جیسا ملحدین کے شبہ کو اسی قاعدہ اصالۃ معنے حقیقی سے باطل کیا جاتا ہے تو اسی قاعدہ پر یہاں بھی عمل ضروری ہے۔ کیونکہ دونوں جگہ لفظ احیاء اور اماتت آیا ہے۔ البتہ جہاں کوئی دلیل ترک معنے حقیقی کی ہو وہاں مجاز لینے میں کسی کو کلام نہیں لیکن جہاں کوئی قرینہ مانع معنے حقیقی سے نہ ہو وہاں کوئی وجہ نہیں کہ معنے مجازی لئے جاویں۔ اگر یہ کہا جاوے کہ یہاں دلیل قائم ہے معنے حقیقی نہ لینے کی وہ یہ کہ سنت اللہ جاری ہے کہ مر کر کوئی زندہ نہیں ہوتا : " ولن تجد لسنة الله تبديلا ۔ " ہم کہتے ہیں کہ اگر سنت اللہ کی تبدیلی کے یہ معنے ہوں تو پھر قیامت میں مردوں کو زندہ کرنا تو سب سے بڑھ کر سنت

اللہ کی تبدیل ہے کیونکہ اس کی قبل تک تو یہی سنت چلی آتی تھی کہ سب مردے بعد قتل
قیام ساعت تو یہ سنت اس قدر پرانی نہیں ہوئی جس قدر قیام ساعت تک پرانی ہو جاوے گی۔
پس اگر اس روز اس سنت اقدم کی تبدیل ہو گی تو اس وقت تو اقدم بھی نہیں ہوئی صرف سنت
قدیمہ ہی کے تبدیل ہے۔ جب اقدم میں تبدیل جائز ہے تو قدیمہ میں تو بدرجہ اولیٰ جائز جاننا
چاہیے۔ اور دیکھیے عالم اہل حق کے نزدیک حادث بالزمان ہی قبل حدوث ایک غیر متناہی مدت
اس پر عدم کی گذر گئی۔ اور یہ معدوم رکھنا سنت اللہ تھا پس عالم کو پیدا کر کے اس سنت اللہ کو
کیسے بدل دیا گیا۔ اور پھر پیدا کرنے کے بعد جب اس کا وجود مستمر سنت اللہ ہو گیا پھر موت
مسلط کر کے اس سنت کو کیسے بدل دیا جاتا ہے۔ غرض یہ چندبار تبدیل سنت اللہ کیسے واقع
ہوا۔ اس پر اگر یوں کہا جاوے کہ یہ مجموعہ حالات کا من حیث المجموع سنت اللہ ہے اور اس میں
تبدیل نہیں ہوئی۔ ہم کہیں گے کہ اسی طرح اکثر مردوں کو دنیا میں زندہ نہ کرنا اور کسی کسی
مردے کو زندہ کر دینا یہ مجموعہ بھی سنت اللہ ہے۔ پس کسی کسی کا زندہ کرنا موجب تبدیل
سنت اللہ نہیں ہوا۔ اصل یہ ہے کہ آیت کے یہ معنے ہی نہیں کہ ہم خود بھی اپنے طریقہ کو
نہیں بدلتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی اور شخص اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ ہمارے طریقہ کو
بدل سکے۔ جیسے ارشاد ہوا ہے "لا مبدل لکلماتہ۔" اور اگر تبدیل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی کو
مانا جاوے تو سنت سے مراد سنت قولیہ یعنی وعدہ قولی ہے جس میں وہ خود بھی تبدیل نہیں
فرماتے اور اس تمام تر تقریر کی اس وقت ضرورت ہے جب وفات مسیح علیہ السلام کو مان لیا
جاوے اور یہی اس میں گنجائش کلام ہے جیسا تفسیر متوفیک کے ضمن میں معلوم ہوا ہے۔

قول مرزا نمبر ۴۲ .....: مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا
کہ اس وقت سے سو برس کے اندر جس قدر نفوس زندہ ہیں وہ مر جاویں گے۔ اگر بقول مسلمانان
مسیح زندہ بھی تھے تو اس حدیث سے مر گئے۔

جواب نمبر ۴۲ .....: یہ حدیث اہل ارض کے باب میں ہے نہ کہ اہل سماء کے
بارہ میں۔ چنانچہ حدیث میں "علی ظہر الارض۔" کی قید صاف مذکور ہے۔ اور اہل

ارض میں سے بھی باعتبار اکثر کے فرمایا ہے ورنہ خود الیاس بھی ایک شخص مستثنیٰ ہے اور
اب تک زندہ ہے۔ مقصود اصلی اس حدیث کا یہ فرمانا ہے کہ ایک صدی کے بعد یہ قرن گذر
کر دوسرا قرن لگ جاویگا اور زمانہ کا نیا رنگ ہو جاویگا گو بعض لوگ اس قرن کے زندہ بھی رہیں'
چنانچہ راوی حدیث ابن عمرؓ نے خود یہی تفسیر کی ہے رواہ البخاری اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
چونکہ وقت ارشاد اس حدیث کے کل ساکنین میں سے نہیں۔ اس لئے وہ اس حدیث میں داخل
ہی نہیں۔ اور اگر زبردستی یا باعتبار ملاقات کے ان کو علی ظہر الارض مانا جاوے تو دوسرا جواب دیا
جاوے گا کہ یہ حدیث باعتبار اکثر کے ہے۔ نہ باعتبار کل کے اور بعد ان جوابوں کے حیات خضر
علیہ السلام و اصحاب کہف وغیرہ جن کی تحقیق کی حاجت نہیں کیونکہ یہ سب نظائر ہوگئے
اور ہر واقعہ کے لئے اگر نظیر کی ضرورت ہو تو وہ نظیر بھی ایک واقعہ ہوگا۔ اس قاعدہ کے
موافق اور اس کے لئے ایک اور نظیر چاہئے۔ اس طرح اس میں بھی کلام ہوگا۔ پس یا تو سلسلہ
کہیں ختم نہیں ہوگا تو تسلسل محال لازم آوے گا اور اگر کہیں ختم ہوگا تو وہ واقعہ بلا نظیر مان لیا
جاوے گا تو وہ قاعدہ غلط ہوگا۔

قول مرزا نمبر ۱۷... : حدیث میں ہے کہ میری امت کی عمر بہت کم
ہوگی۔ اگر بقول مولویان مسیح زندہ ہیں تو اس وقت دو ہزار برس کی ان کی عمر ہوگی اور یہ خلاف
ہے کیونکہ مسلمان مسیح کو امتی بھی آنحضرت ﷺ کا مانتے ہیں۔

جواب نمبر ۱۷... : اس قسم کی حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس ارشاد کے وقت وہ حضور ﷺ کی امت میں داخل نہیں ہوئے
جو اس حدیث میں داخل کئے جاویں۔ اور جب امتی ہو کر تشریف لاویں گے تو بمقتضائے ان
احادیث کے معمولی عمر کے بعد وفات فرما جاویں گے۔ دوسرے یہ حکم باعتبار اکثر کے ہے کیونکہ
بعض روایات میں "ما بین ستین الی سبعین" آیا ہے۔ حالانکہ مشاہدہ ہے کہ بعض
امتیوں کی عمر اس مدت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بہر حال ان احادیث سے حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کی وفات کا اثبات سخت مغالطہ ہے۔

جواب نمبر ۱۸ .....: کہ نبی کے معنے مخبر دہندہ ہے اور وحی اور ان پر بھی سوائے انبیاء کے نازل ہوئی ہے۔ پس باب وحی و نبوت من کل الوجوہ مسدود نہیں ہوا۔ البتہ نبی صاحب شریعت کا خاتمہ ہے۔ بطور ظلیت محمدی ﷺ کے جزوی نبی اس امت میں ہوتے رہیں گے۔ فقط!!!

جواب نمبر ۱۸ .....: اس کی تحقیق جواب سوال چہارم میں گذر چکی۔

قول مرزا نمبر ۱۹ .....: اگر جناب کے پاس انجیل برنباس کی ہووے تو اس میں سنا ہے کہ حضرت مسیح کے زندہ آسمان پر جانے اور پھر آنے اور آنحضرت کی پیشین گوئی کا ذکر درج ہے۔ یہ تحریر فرماویں۔

جواب نمبر ۱۹ .....: انجیل نہ میرے پاس ہے نہ بعد اقامت دلائل شرعیہ اس سے تحقیق کرنے کی حاجت ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۰ .....: آیت "ان اراد ان یہلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعا۔" میں صاف حیات مسیح نکلتی ہے۔ مگر لفظ امہ کی کیا توجیہ ہے؟ کیونکہ نزول آیت کے وقت حضرت مریم علیہا السلام فوت شدہ تھیں۔

جواب نمبر ۲۰ .....: ہمارا استدلال یہ نہیں لہذا اس غرض سے توجیہ کی حاجت نہیں گو تحقیق تفسیر کے مقام میں توجیہ کی جائے جس کا ذکر کرنا یہاں ضروری نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۱ .....: سنا ہے کہ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۰ یا ۳۶۰ میں ایک حدیث ابن عمرؓ سے ایک حواری مسیح کا قصہ محمود و نزول مسیح میں لکھا ہے اور وہی روایت کتاب "ازالۃ الخفا حضرت شاہ ولی اللہ" میں بھی ہے۔ ان کی صحت تحریر فرمایئے کہ کہاں ہے اور ازالۃ الخفا میں کیا عبارت ہے اور سنا ہے کہ محی الدین ابن عربی نے اس حدیث کی صحت کشفی طور پر کی ہے۔

جواب نمبر ۲۱ ..... :

مجھ کو تحقیق نہیں نہ تحقیق کی حاجت

فی طلعته الشمس مایغنیک عن زحل

قول مرزا نمبر ۲۲ ...... : بوقت وفات جناب سرور کائنات روحی فداہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو مردہ کہے گا میں مار دوں گا۔ اور فرماتے تھے کہ محمد ﷺ نہیں مرے بلکہ : "رفع کما رفع عیسیٰ۔" کمالیتے حضرت مسیح کی طرح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ پڑھا اور سمجھایا۔ یہ پورا قصہ کہاں ہے اور یہ الفاظ : " رفع کما رفع عیسیٰ۔ " کہاں کیا الفاظ ہیں۔

جواب نمبر ۲۲ ..... : یہ الفاظ مجھ کو یاد نہیں۔ اگر ہوں تو تشبیہ مطلق رفع میں ہے گو مشبہ میں رفع روحانی ہو اور مشبہ بہ میں رفع جسمانی مع الروح ہو۔ صحت تشبیہ کے لئے ادنیٰ مشارکت کافی ہے۔ البتہ بخاری میں یہ الفاظ پیش نظر ہیں : " ولیبعثنه الله ۔ " سو اس میں کوئی امر قابل بحث ہی نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۳ ...... : حضرت مہدی علیہ السلام کا بعد اختلاف اس کے کہ وہ بنی ہاشم سے ہوں گے یا کسی اور قوم سے قول فیصل اور آخری کیا ہے۔

جواب نمبر ۲۳۔ احادیث میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی نسبت : " من اہل بیتی ومن عترتی ومن اولاد فاطمة۔ " منصوص ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ بنی ہاشم سے ہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۴ ..... : مرزا : " لا مہدی الا عیسیٰ۔ و امامکم منکم۔ " کے احادیث سے کہتا ہے کہ مہدی کوئی نہیں ہوگا فقط مسیح ہوگا۔ چنانچہ میں مسیح ہوں اس کی کیا محمد توجیہ ہے؟۔

جواب نمبر ۲۴۔۔۔۔: چونکہ احادیث سے قطعاً تواتر و تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت مہدی علیہ السلام کا ثابت ہے اور نیز اجماع اس پر منعقد ہے اس لئے حدیث " لامہدی الا عیسیٰ " بالاجماع (ضعیف و ناقابل حجت ہے۔ صحیح ہوتی تو تب بھی) ماؤل ہے۔ علماء نے چند تاویلیں ذکر کی ہیں جو مناسب معلوم ہو اختیار کر لیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک توجیہ حدیث کی یہ ہے کہ یہ ترکیب مستعمل ہوتی ہے کمال تشابہ کے لئے پس مطلب یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں باعتبار صفات کمال کے ایسا تشابہ ہوگا کہ گویا مہدی عین عیسیٰ علیہ السلام کے ہیں۔

جیسا کسی کا قول ہے شعر۔

من توشدم تومن شدی من تن شدم توجاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اور امامکم منکم میں امام سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام ہیں اور اس سے قبل اس حدیث میں یہ ہے کہ :" کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم "اور امامکم منکم جملہ حالیہ ہے کہ حال واقع ہوگا۔ اس میں تو کوئی وجہ شبہ اتحاد کی بھی نہیں بلکہ مطلب صاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسی حالت میں آویں گے بلکہ تم میں مہدی بھی موجود ہوں گے۔ غرض کسی حدیث سے دونوں کا ایک ہونا ثابت نہیں رہا اپنی نسبت دعویٰ کرنا اس کے متعلق مختصر ملاحظہ کیا جاوے۔

قول مرزا نمبر ۲۵ ۔۔۔۔: بخاری شریف میں عامر بن فہیرہ کا بعد معونہ کے دن مقتول ہونے کے بعد جسد عنصری آسمان پر اٹھایا جانا درج ہے۔ ایک کتاب میں دیکھا ہے امید کہ اس کی صحت باب بخاری وغیرہ سے پتہ دیں اور یہ بھی ثبوت دیں کہ انسان کا آسمان پر جانا ممکن ہے یا نہیں۔ کتاب شرح الصدور ص ۳ ے کا حوالہ بھی لکھا ہے بابت حبیب بن عدی کے۔ چونکہ یہ ایک بڑا مجموعہ سوالات کا ہے اور میں بفضل خدا اور برکت سرور کائنات ﷺ و علمائے شریعت سے اپنے عقائد اہل سنت حنفی المذہب پر بہت معتقد و قائم

ہوں لوگوں کی تکفیر چھوڑ دو اور بعض احباب نے بگڑ جانے اور بعض نے مستقیم رہنے کی وجہ سے
بے تکلف حضور کو دی ہے۔ خدا تعالیٰ عالم ہے کہ یہ امر اطلاع دیانت و ضرورت فرض کی وجہ سے
نہیں۔ اگر حضور ﷺ کل کا جواب تحریر فرما دیجئے تب بھی میں جناب کا مشکور اور اگر بعض کا
تب بھی حضور کا ممنون ہوں۔

جواب نمبر ۲۵۔ بخاری جلد ثانی ص ۵۹۵ میں اس قصہ کے یہ الفاظ
ہیں۔ "قال لقد رأيته بعد ما قتل رفع الى السماء حتى انى لانظر الى السماء بينه و بين الارض ثم وضع" اس میں رفع مع جسم کی تصریح ہے اور شرح الصدور
میرے پاس نہیں ہے نہ اس میں تحقیق کرنے کی حاجت اور ممکنات کے ثبوت کا قاعدہ
طریقہ جواب نمبر ۶ میں مذکور ہو چکا ہے۔ اور استحالہ کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۶۔ اور ایک امر یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے
حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت حسینؓ و علیؓ کے اوپر طعن و تشنیع بہت کیا ہے اور آخر میں
یہ فقرہ لکھ دیا ہے کہ میں تو سچے عیسیٰ کو جو نبی تھے یا حضرت حسینؓ و علیؓ کو جو ہمارے پیشوا ہیں
نہیں کہا ہے۔ بلکہ عیسائیوں کے مسیح کو جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور جس کا قرآن میں
ذکر نہیں ہے کہا ہے اور شیعوں کے حسینؓ اور علیؓ کو کہا ہے۔ چونکہ عیسائیوں نے ہمارے
حضرت کو اور شیعوں نے ہمارے خلفاء ثلاثہ کو بہت برا کہا ہے اسی وجہ سے ہم نے بھی ان
کے مسلمہ و موہومہ صفات موصوف شخصیات ان کے کو کہا ہے۔ آیا یہ جواب اور حیلہ کر کے
حضرت حسینؓ و مسیح علیہ السلام و علیؓ پر کس قدر حملہ جائز ہے؟ یا قطعی ناجائز ہے اگر کوئی
الزام ان پر دیا جاوے تو اس کی کیا صورت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے مقابلہ
میں حق مسیح علیہ السلام خود مصطفیٰ ﷺ نے ایسا حملہ کیا ہے اور علماء اہل سنت نے مقابلہ
شیعان کے ایسا کیا ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔

جواب نمبر ۲۶۔ گو مناظرین کی یہ سنت عادت ہے مگر قرآن مجید کی ایک

آیت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر قبیح ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ "لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء۔ آل عمران ۱۸۱" اس کا شان نزول مفسرین میں مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے صدقات کی ترغیب فرمائی تھی جس پر یہود نے یہ بات کہی۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کا یہ عقیدہ نہ تھا بلکہ محض الزام کے طور پر کہا تھا کہ حضور ﷺ کی ترغیب سے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا حاجت مند ہونا لازم آتا ہے۔ مگر انہوں نے اس قضیہ شرطیہ کو صورت حملیہ میں کہا اللہ تعالیٰ نے اس کی قبح فرمائی۔ گو اس کا بطور قضیہ شرطیہ کے کہنا بھی بوجہ لزوم تکذیب حضور ﷺ کے قابل تقبیح کے ہے۔ مگر اس مقام پر اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ صرف امر اول کی قبح پر اکتفا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا جواب قبیح ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا اس کی تاویل کریں گے کہ مقصود الزام ہے اور کہیں گے کہ انہوں نے آیت میں غور نہیں کیا ہوگا۔ اور خاص کر جب یہ کہنا شخص کی زبان سے اپنے بزرگوں کو برا بھلا کہلانے کا سبب بن جاوے ایسی صورت میں تو دوسری وجہ سے بھی ممنوع ہونے کی پائی جاوے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ الانعام آیت ۱۰۸" اور سلف کے کلام میں ایسے عنوانات نظر سے نہیں گذرے۔

قول مرزا نمبر ۲ ...: چونکہ بعض اوقات بعض مسلمان کہہ دیا کرتے ہیں کہ مرزا کلمہ گو ہے اور اس کو برا نہ کہو اور خاص کر صوفی المشرب میں تو اکثر کو کہا ہی نہیں گیا ہے۔ اس میں حضور کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ مرزا مدعی نبوت و رسالت و مہدیت و مسیحیت وغیرہ کا ہے۔ اور ظاہرا اہانت انبیاء و علماء کی کرتا ہے وغیرہ وغیرہ تو بھی ایسے شخص کی نسبت کیا حکم ہے۔ علماء کی سوا ہیر اس کے مثال و مقتول و بعض بطور وغیرہ ثبت ہیں۔ امید کہ مفصل جواب نمبر وار سے مشرف فرماویں گے اور جس کتاب کا حوالہ دیں باب یا فصل سے مطلع فرماویں۔ چونکہ مرزا بخاری شریف پر اور قول مسلک حضرت ابن عباسؓ پر بہت ناز کرتا ہے۔ اگر زیادہ تر حوالے بخاری شریف اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا حوالہ دیں تو بہتر ہے اور انکار

علماء حق میں بھی ائمہ دین ابن عربی یا جلال الدین سیوطی اور خصوصاً حضرت امام مالکؒ کی بابت
اگر کہیں اقوال ہوویں تو ضرور تحریر فرماویں یا اصحاب مالکؒ سے حوالہ دیں۔ اور مجمع البحار کی
عبارت سے تسلی بخشیں۔ حضور کے جواب کا میں منتظر رہوں گا۔ اگر کاغذات جواب زیادہ ہو
جاویں تو بیرنگ ارسال فرمادیں۔ وجہ صورت ہووے۔ زیادہ والسلام۔ خدا حضور کو سلامت با
کرامت رکھے۔ امید رکھتا ہوں کہ جناب ممدوح کو محروم نہ رکھیں گے۔ محمد وفا شعار۔ کرم خان
نائب محافظ دفتر فارسی صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ محلہ نیلا نمبر ۲۲ فروری ۱۹۰۳ء

جواب نمبر ۲ ... بلا ضرورت تو کسی کو برا کہنا واقعی برا ہے گو وہ شخص
برا ہی کیوں نہ ہو لیکن جہاں بندگان خدا کے دین اور عقیدہ کی حفاظت مقصود ہو ایسے وقت
واجب ہے کہ جس شخص کی وجہ سے دین میں فتنہ ہوتا ہو اس کی غلطیوں کو مسلمانوں پر ظاہر
کرے البتہ سب و شتم فضول حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ
اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ العنکبوت آیت ۴۶" پھر اللہ فرماتے ہیں: "وَقُلْ لِّعِبَادِيْ
يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۔ بنی اسرائیل آیت ۵۳"
اب ہم اس مقام پر مناسب سمجھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بعض اقوال مع
حوالہ نقل کریں۔ ناظرین اگر اہل علم و فہم ہیں تو خود ورنہ علماء محققین کے روبرو ان کو پیش
کر کے تحقیق کر لیں کہ ایسے اقوال کا شریعت میں کیا گناہ اور قائل کا کیا حکم ہے؟۔

قول اول:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص ۲۰ خزائن ص ۲۴۰ ج ۱۸ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

قول دوم: مشتمل بر چند قول ازالہ اوہام ص ۱۵۸، خزائن ص ۲۵،
۱۵۸ ج ۳۔

اب یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم باذن و حکم الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترب میں کمال رکھتے تھے۔ گو الیسع کے درجہ کاملہ سے کم رہے تھے   اگر یہ عاجز اس عمل الترب کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدائے تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا . . . جو شخص اپنے تئیں اس مشغولی میں ڈالے اور جسمانی مرضوں کی رفع دفع کرنے کے لئے اپنی دلی و دماغی طاقتوں کو خرچ کرتا رہے وہ اپنی ان روحانی تاثیروں میں جو روح پر اثر ڈال کر روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہیں بہت ضعیف اور نکما ہو جاتا ہے اور امر تنویر باطن اور تزکیہ نفوس کا جو اصل مقصد ہے اس کے ہاتھ سے بہت کم انجام پذیر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو حضرت مسیح جسمانی بیماریوں کو اس عمل کے ذریعے سے اچھا کرتے رہے مگر ہدایت اور توحید اور دینی استقامتوں کی کامل طور پر دلوں میں قائم کرنے کے بارہ میں ان کی کارروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب قریب ناکام کے رہے۔ حالانکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ازالہ اوہام ص ۳ خزائن ص ۱۰۲ ج ۳ پر لکھا ہے کہ: "میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔" اور بھی اس قسم کے اقوال ہیں جو ان کے اور ان کے متبعین کے تالیفات میں نظر پڑتی ہیں۔ اللہم اعذنا من کل قول او عمل لا یرضیک۔

قول مرزا نمبر ۲۸ ... : حضرت الیاس، یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا صحیح حوالہ تحریر فرمائیں۔

جواب نمبر ۲۸ . . : چونکہ ہمارا استدلال نہیں اس لئے کچھ حاجت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۹ ... : اور حضرت عزیر علیہ السلام کے دوبارہ شہر میں آنے کا اور قریب اور ان سے پھر کہنے یا صحیح کرنے کا قصہ جو مشہور ہے اس کا پتہ صحیح کیا ہے۔

جواب نمبر ۲۹ ...... : قرآن مجید میں بعد قصہ نمرود و حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک قصہ مذکور ہے جس میں صاحب قصہ کا مر جانا پھر بعد سو برس کے زندہ ہونا صراحۃً مذکور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صاحب قصہ حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔ غرض صاحب قصہ کوئی ہو حیات بعد موت ثابت ہے اور حفظ توریت وغیرہ کے قصہ کی تحقیق کی حاجت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۳۰ ..... : اگر کسی مردہ کا زندہ ہونا کسی اولیاء اللہ سے صحت کتاب معتبر ہو تو تحریر فرمائیں۔

جواب نمبر ۳۰ ...... : کچھ حاجت نہیں "تمت الجوابات والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات"۔

خاتمہ عقیدہ جس میں خلاصہ اختلاف مرزا قادیانی و جمہور مسلمین کا بیان ہے

جاننا چاہئے کہ جمہور اہل اسلام کا عقیدہ مشترکہ اس باب میں صرف اس قدر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع الجسم مرفوع الی السماء ہوئے اور پھر مع الجسم آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ مثل دیگر اموات کے میت و مقبور نہیں ہوئے اب اس رفع و نزول کے درمیان کی حالت کو کوئی شخص خواہ حیات کہے یا موت کہے یا حیات بعد الموت کہے اس کو اختیار ہے کوئی شق اصل مدعا سے خارج نہیں۔ اسی بناء پر اگر آیات متضمنہ لفظ توفی و خلت وغیرہا کو معنی موت پر بھی محمول کر لیا جائے تو مدعائے مذکور کو مضر نہیں۔ چنانچہ جواب جملہ ضمن اجوبہ اصول میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس حالت کو اصطلاحاً موت کہا جائے گا تشبیہاً جیسا بعض مفسرین نے توفی کے معنی میں لکھا ہے: "السابع انی متوفیک ای اجعلک کالمتوفی لانہ اذا رفع الی السماء وانقطع خبرہ عن الارض کان

کاالمتوفی ، کبیر" اور حاصل دعویٰ مرزا غلام احمد قادیانی کا دو امر ہیں۔ ایک دعویٰ مسیح ہونے کا۔ دوسرا دعویٰ مہدی ہونے کا۔ اور ان دونوں دعووں پر دو دلیلیں قائم کرتے ہیں۔ ایک تفصیلی، دوسری اجمالی۔ تفصیلی دلیل دونوں دعووں پر جدا جدا اس طرح ہے کہ دعویٰ اولیٰ کی بناء مقدمات ہیں۔

نمبر ۱۔۔۔۔ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔

نمبر ۲۔۔۔۔۔ : بعد وفات پھر کوئی زندہ نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۳۔۔۔۔۔ : پس احادیث نزول میں عیسیٰ مجازی مراد ہے اور وہ میں ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ مقدمہ اولیٰ میں اگر وفات سے مراد قبل رفع و دفن الجسم فی الارض ہے تو بوجہ مخالف ہونے ظواہر آیات و نصوص حدیث و حکم اجماع کے غلط ہے۔ جیسا ضمن اجوبہ مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے اور اگر مطلق وفات ہے تو مضر نہیں کیونکہ مطلق وفات اور رفع الجسم الی السماء میں منافات نہیں جیسا اوپر ذکر ہو چکا اور مقدمہ ثانیہ میں اگر مراد امتناع سے امتناع عادی ہے تو جمہور کو مضر نہیں کیونکہ دلائل یقینیہ سے وقوع خوارق عادات کا ثابت ہے اور اگر امتناع عقلی یا شرعی ہے تو غلط ہے یہ بھی ضمن اجوبہ میں گذر چکا ہے۔ مقدمہ ثالثہ مبنی ہے پہلے دو مقدموں پر سو ان کے انہدام سے یہ بھی منہدم ہو گیا۔ پھر علی سبیل التنزل کہا جاتا ہے کہ اگر بالفرض عیسیٰ مجازی ہی مراد لیا جائے تب بھی تعیین مدعائی کیا دلیل ہے کہ میں ہی ہوں ممکن ہے کہ کوئی اور شخص ہو۔ رہا تشابہ صفات کا سو ایسی تاویلات بعیدہ سے تو سینکڑوں آدمی مرزا غلام احمد قادیانی سے بڑھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشارکت صفاتی رکھنے والے نکل سکتے ہیں اور اگر تعیین پر بعض مکاشفات سے استدلال کیا جائے جیسا کہ تحفہ گولڑویہ میں نقل کیا ہے تو بعد تسلیم صحت روایت اور ان صاحبوں کے صاحب کشف صحیح ہونے اور اس کشف میں غلطی نہ ہونے کے ان مکاشفات کو بوجہ مخالف دلائل شرعیہ کے تاویلات مناسب سے ماؤل کیا جائے گا۔ رہا دوسرا دعویٰ اس کی بناء مقدموں پر ہے۔

نمبر ۱۔ : مہدی و عیسیٰ ایک ہیں۔

نمبر ۲۔ : میں مسیح ہوں نتیجہ نکلا کہ میں ہی مہدی ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ مقدمہ ثانیہ میں دعویٰ اولیٰ ہے جس کا ابطال ابھی ہو چکا ہے اور مقدمہ اولیٰ اس لئے صحیح نہیں کہ احادیث سے صاف دونوں کا جدا جدا ہونا صریحاً ثابت ہوتا ہے اور تاویل حدیث کی اوپر مذکور ہو چکی اور آخر نفی تنازع میں المسیح والمہدی کے لئے احادیث واردہ فی حق المہدی کا انکار کیا جائے جیسا بعضوں کو مقدمہ ابن خلدون سے شبہ پڑ گیا ہے تو اس کے جواب میں احقر کی ایک تحریر ملاحظہ فرمائی جائے جس کو مہتمم مطبع آسی مدراسی لکھوا چکے جریدۃ البیان میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ غرض کہ جب یہ دونوں مقدمے بھی ثابت نہ ہوئے دوسرا ادعا بھی ثابت نہ ہوا اور اگر اجتماع کسوف و خسوف سے جو رمضان میں جو کئی سال ہوئے واقع ہوا تھا اس ادعا میں سہارا ڈھونڈا جائے تو اول تو اس میں یہی کلام ہو سکتا ہے کہ تعیین کی کیا دلیل ہے ممکن ہے کہ یہ علامت قرب خروج مہدی اصلی کی ہو اور وہ بعد چندے متحقق ہو جائے دوسرے یہ کہ حدیث میں جس کیفیت سے خسوف و کسوف کے اجتماع کی خبر آئی ہے بعد قطع نظر ضعف حدیث کے وہ اجتماع ابھی واقع بھی نہیں ہوا۔ دار قطنی میں وہ حدیث یوں مروی ہے۔

"روی الدار قطنی من طریق عمرو بن شمر عن جابر عن محمد عن علی قال ان لمہدینا آیتین لم یکونا منذ خلق اللّٰہ السموات والارض تنکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منہ ولم یکونا منہ خلق اللّٰہ السموات والارض ۔ صفحہ ۱۸۸"

یعنی رمضان کی پہلی تاریخ چاند گہن ہوگا اور نصف ماہ پر سورج گہن ہوگا۔ حاصل یہ کہ دونوں خلاف قاعدہ ہیئت ہوں گے۔ اور جو کسوف و خسوف رمضان میں ہو چکا ہے وہ قواعد ہیئت کے موافق تھا اور اس حدیث دار قطنی میں یہ تاویل کہ اول لیلہ سے مراد اول تواریخ خسوف قمر ہے نہ خود اول تاریخ رمضان کی اس تاویل کو خود الفاظ حدیث "لاول

لیلة من رمضان" صراحۃ رد کرتے ہیں کیونکہ عبارۃ مذکورہ کا ترجمہ: "(یعنی) رمضان کی اول شب" جو شخص سنے گا وہ یقیناً اس تاویل کو باطل کہے گا اور تاویل مذکور پر اس سے استناد کرنا کہ پہلی شب کے چاند کو قمر نہیں کہہ سکتے محض ضعیف ہے بعد قیام قرینہ تعذر معنی حقیقی کے استعمال فی المعنی المجازی کے امتناع کی کیا دلیل ہے؟ اور قرینہ یہاں وہی حدیث کی عبارۃ مذکورہ ہے جیسا ابھی بیان ہوا ہے اور خود قرآن مجید میں بالمعنی العام وارد ہے: "قال تعالیٰ والقمر قدرناه منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم۔" دوسری جگہ فرمایا ہے: "وقدره منازل لتعلموا عدد السنین والحساب۔" اور ظاہر اور محقق ہے کہ سیر منازل کا آغاز حساب بنا بالاول ہی شب سے شروع ہوجاتا ہے پس باوجود اس کے پھر اس حالت میں بھی اس کو قمر ہی کہا گیا' زمخشری کہ لغت وعربیت میں مسلم وماہر ہیں تفسیر میں لکھتے ہیں: "وهی ثمانیة وعشرون منزلا ینزل القمر کل لیلة فی واحد منها لایتخطاه ولایتقاصر عنه علی تقدیر مستوٍ لا یتفاوت یسیر فیها من لیلة المستهل الی الثمانیة والعشرین ثم یستتر لیلتین اولیلة اذا نقص الشهر۔" اس میں لیلۃ المستہل کی تصریح اس عموم کی مؤید ہو رہی ہے۔ اسی طرح حدیث مذکور میں احتمال قرب ظہور پر یہ استبعاد کہ علامت تو اب ہو اور ذی علامت ایک صدی بعد ہو اور اس احتمال کو بے مزگی قرار دینا بھی عجیب ہے' اولاً ایک صدی کا فصل لازم نہیں' تو ممکن ہے کہ اسی صدی میں اس کا وقوع ہو جائے' رہا صدی کے شروع پر ہونا سو اول تو اس پر کوئی حجت قویہ نہیں دوسری نصف سے پہلے پہلے شروع ہی کے حکم میں ہے' ثانیاً گر اس سے زیادہ بھی فصل ہو تو مضر نہیں اور علامت ہونے میں مخل نہیں' احادیث میں قیامت کی جو علامات آئی ہیں اس میں بہت سی علامتیں گذر چکیں اور قیامت اب تک بھی نہیں آئی چنانچہ اہل علم پر مخفی نہیں' اب بعد تقریر عدم الاثبات کے اثبات العدم کے لئے کہتا ہوں کہ جو شخص خالی الذہن ہو کر ان احادیث کو جو حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کی شان میں وارد ہیں یا اگر اصل احادیث نہ سمجھ سکے تو ترجمہ مشکوٰۃ میں ان ابواب کو فہرست میں مستقر دیکھ کر نکال کر ترجمہ ان کا دیکھے گا وہ یقین کے ساتھ سمجھ لے گا اور اس کے نزدیک کالمشاہد

متعین ہو جائے گا کہ ابھی تک ان صفات وعلامت کا مصداق ظاہر نہیں ہوا اور کھینچ تان کرکے کسی کا مصداق بنا لیا جاتا یا بنا دیا تو تمام شریعت مطہرہ سے امن واطمینان اٹھائے دیتا ہے کیونکہ اس قسم کے احتمالات تو نصوص صلوۃ وزکوۃ میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور ملاحدہ نے نکالی بھی ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ اعمال میں تو ان احتمالات کو فاسد باطل قرار دیا جائے اور عقاید میں ان کو صحیح وحق سمجھا جاوے۔ متقدمین و محققین کا تو یہ ہے کہ غرض نفسانی وہوا پرستی کو چھوڑ کر نظر حق طلبی سے کتاب وسنت کو دیکھ کر عقائد واعمال میں ان کا اتباع کیا جائے۔ ورنہ غلبہ ہوائے نفسانی سے حق ہرگز واضح نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت مولانا روی کے چند اشعار یاد آتے ہیں:

تازہ کن ایمان نہ از گفت زبان
اے ہوا را تازہ کردہ در نہان

تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست
چون ہوا جز قفل آن دروازہ نیست

کردہ تاویل حرف بکررا
خویش را تاویل کن نے ذکررا

برہوا تاویل قرآن مے کنی
پست وکژ شد از تو معنی سنی

مانند احوالت بدان طرفہ مگس
کو ہمی پنداشت خودرا ہست کس

از خودی سرمست گشتہ بے شراب
ذرہ خودرا شمردہ آفتاب

وصف بازان راشنیدہ در زمان
گفت من عنقائے وقتم بیگمان

آن مگس بربرگ کاہ وبول خر
ہمچو کشتیباں ہمی افراشت سر

گفت من کشتی ودریا خواندہ ام
مدتی درفکرآن مے ماندہ ام

اینک این دریا واین کشتی ومن
مرد کشتیبان واہل رائے وفن

برسر دریا ہمی راند او عمد
مے نمودش اینقدر بیرون زحد

بود بیحد آن چمن نسبت بدو
آن نظر کو بیند اورا ست کو

عالمش چندان بود کش بینش ست
چشم چندین بحر ہم چندینش ست

صاحب تاویل باطل چون مگس
وہم او بول خر وتصویر خس

گرمگس تاویل بگذارد برائے
آن مگس را بخت گرداند ہمائے

آن مگس نبود کش این عبرت بود
روح اوئی در خور صورت بود

یہ کلام تو تھا ان کی تفصیل ودلیل میں اور ایمانی دلیل اپنے سب دعووں پر یہ پیش فرماتے ہیں کہ اگر میں (مرزا قادیانی) کاذب ہوتا تو اب تک ہلاک کردیا جاتا اور اس باب میں اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: "وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۔ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۔ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۔ الحاقہ آیت ۴۷" میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں اگر مراد مطلق تقول ہے تو

تمام کفار اپنے کفر و شرک میں متقول علی اللہ ہیں چنانچہ ظاہر ہے اور قرآن مجید میں بھی ان کا متقول علی اللہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ : "وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ الاعراف آیت ۲۸ " جیسے کہ اور آیات میں بھی ہے کہ حالانکہ بہتیرے ان میں ہلاک نہیں ہوتے بلکہ ان کی شان میں جابجا اس قسم کی آیتیں فرمائی گئیں ہیں : " سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۔ قلم آیت ۴۵ " اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا : " قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ ۔ مریم آیت ۷۵ " پس یہ تو یقیناً ثابت ہو گیا کہ مطلق تقول مراد نہیں کوئی خاص تقول ہے پھر یہ کہ وہ خاص کیا ہے ؟ سو ظاہر یہ ہے کہ جس دعویٰ کے باب میں یہ آیت آئی ہے یعنی نبوت کا دعویٰ جو حضور نے کیا اور جس حالت میں یہ نازل ہوئی ہے یعنی اس وقت شرائع کی تکمیل نہ ہوئی تھی اور اس لئے دلائل شرعیہ سے ایسے امور میں اتمام حجت نہ ہو سکتی تھی ویسا ہی دعویٰ اور اسی حالت کا مراد ہے پس حاصل آیت کا یہ ہوا کہ جو شخص ایسے وقت میں کہ ابھی حجج شرعیہ سے لوگوں کا التباس رفع نہ ہو سکے نبوت بالمعنی الشرعی کا دعویٰ کرے وہ بمقتضائے حکمت و رحمت خداوندی کہ خلق گمراہ نہ ہو ضرور ہلاک کیا جاوے گا سو اب اگر کوئی شخص تقول کرے اول تو وہ نبوت کا دعویٰ نہیں اور اگر بالفرض کوئی ایسا بھی کرے تو بوجہ تکمیل اصول و فروع شرعیہ کے اس پر بھی احتجاج ہو سکتا ہے اور لوگوں کو بھی بوجہ وضوح دلائل شرعیہ کے التباس و اشتباہ واقع نہیں ہو سکتا۔ پس ایسا تقول مستلزم ہلاک نہیں ہے جب ہلاک لازم ہی نہیں تو اس کی نفی سے تقول کے نفی پر استدلال کرنا باطل ہے پس یہ اجمالی دلیل بھی باطل ہو گئی۔ یہ ملخص ہے مکالمہ قبائین مرزا غلام احمد قادیانی و جمہور کا۔ احقر کے نزدیک منشاء ان کے خیالات کا فساد قوت تخیلہ ہے جو اس باب میں ہو گیا ہے جس کا سبب کبھی طول خلوت بھی ہو جاتا ہے اور کبھی اس میں کچھ کشف بھی ہونے لگتا ہے جیسا شرح اسباب وغیرہ میں مذکور ہے۔ اگر اس سے زیادہ تفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو دوسرے اہل علم کی تصانیف جو اس باب میں لکھی گئی ہیں جیسے سیف چشتیائی و عصائے موسیٰ و صحیفہ الول

نور الشبہات وغیرہ کا مطالعہ کیا جاوے اور امید تو اللہ سے یہ ہے کہ طالب حق و متبع انصاف کے لئے یہ مختصر اوراق ہی انشاء اللہ تعالیٰ کافی شافی ہیں اور سخن پرور کے لئے تو ہزاروں دفتر بھی غیر وافی ہیں ولکن ہذا آخر ما اردنا ایرادہ وکان ہذا التحریر و تمامہ فی یوم عرفہ من ۱۳۲۰ھ وجمع اسبابہ الضروریۃ قبلہ بیوم فی یوم الترویۃ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین فقط۔

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆ ... قادیانیوں کا حکم مرتد کا ہے۔ مرتد مرد یا عورت سے نکاح نہیں ہوتا۔ اس لئے قادیانی لڑکی سے جو اولاد ہوگی وہ ولد الحرام ہوگی۔

☆ ... مرزا قادیانیؒ کے بعد بانگ مرغ بے لغو دعوے "مرغ" کا کرشمہ ہے۔

☆ ... وہ وکلاء جنہوں نے دین محمدی ﷺ کے خلاف قادیانیوں کی وکالت کی قیامت کے دن مرزا غلام احمد قادیانی کے کیمپ میں ہوں گے۔

قائد قادیان

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

الحمدللّٰہ وکفٰی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء۔ اما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی گرانقدر تصنیف ’’قائد قادیان‘‘ ۲۲ شوال ۱۳۳۸ھ کی ہے۔ اس کی پہلی فصل میں مرزا قادیانی ملعون کے اقوال نقل کرکے اس کا رد کیا گیا ہے جو اہل علم کے لئے ایک علمی تحفہ ہے۔ اس میں مرزا قادیانی ملعون کے ۱۲۵ اقوال کا رد لکھا گیا ہے۔ مرزا قادیانی کے اقوال ودعاوی کی تردید کے بعد اسی فصل اول کا ضمیمہ تحریر فرمایا ہے جس میں مرزا قادیانی کے علم واعمال واخلاق کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ فصل ثانی میں رد قادیانیت کی کتب کی فہرست مع مختصر تعارف کے نقل فرمائی۔ حیات مسیح پر لکھے گئے رسائل کا علیحدہ تعارف تحریر فرمایا ہے اور آخر میں مونگیر سے شائع شدہ رسالہ ’’جماعت احمدیہ سے خیرخواہانہ گزارش اور مسیح قادیان کی حالت کا بیان‘‘ کو بطور ضمیمہ اپنی کتاب کا حصہ بنادیا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی یہ تصنیف لطیف رسالہ النور تھانہ بھون میں قسط وار شائع ہوئی۔ ۸۰ سال بعد ’’النور‘‘ سے پہلی بار اسے کتابی شکل میں شائع کرنے پر جتنی خوشی ہو رہی ہے اس کی کیفیت قلم سے بیان کرنا ممکن نہیں۔

فقیر اللہ وسایا

۷؍۶؍۱۴۲۲ھ

۷؍۸؍۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ!

قادیان ایک گاؤں کا نام ہے ضلع گورداسپور پنجاب ہندوستان میں۔ اس رسالہ میں اس گاؤں کے ایک تاکہ مدعی پیشوا کی حالت باطلہ کا اظہار ضرورت بطور نمونہ بہیئت رسالہ مزوج کے تذکرہ ہے جس سے ناظرین کافی تبصرہ حاصل کر کے اپنے دین کی حفاظت کر سکیں: "والرسالة مشتملة على ثلثة فصول .شرفنا الله تعالى بالنفع والقبول ." (کتبہ اشرف علی ۲۲ شوال ۱۳۲۸ھ)

فصل اول در فہرست بعضے اکاذیب و باطیل قادیانی کہ بعضے از آنہا بدرجہ کفر رسیدہ است: "اعاذنا الله تعالىٰ منہما ۔"

قول مرزا نمبر ۱ ... "ضرور تھا کہ قرآن واحادیث کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو علماء اسلام کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا وہ اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کے لئے فتوے دیئے جائیں گے اور اس کی سخت توہین کی جائے گی اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال کیا جائے گا۔"

(اربعین نمبر ۳ ص ۱۷ خزائن ص ۴۰۴ ج ۱۷)

کیفیت قول...... : قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث میں یہ مضمون نہیں محض افتراء علی اللہ و رسول ہے۔

قول مرزا نمبر ۲ . . : "مولوی غلام دستگیر قصوری نے اور مولوی اسمٰعیل

علی گڑھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا اور ضرور ہم سے پہلے مرے گا کیونکہ کاذب ہے مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مر گئے اور اس طرح پر ان کی موت نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا۔"

(اربعین نمبر ۳ص ۱۰ خزائن ص ۳۹۴ ج ۱۷)

کیفیت قول: مرزائیوں کو چیلنج دیا گیا کہ ان کی کتابوں میں یہ مضمون دکھا دیں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ (صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ص ۳)

قول مرزا نمبر ۳ .... "جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی امت میں سلسلہ نبوت جاری رہا اسی طرح آنحضرت ﷺ کی امت میں بھی سلسلہ نبوت جاری رہے گا۔" (نور علی نور ص ۱۲۰ ملخص)

کیفیت قول .... : حدیث : "لا نبی بعدی ۔" و نص خاتم النبیین سے اس کا بطلان ظاہر ہے۔

قول مرزا نمبر ۴..... "توفی کو موت ہی کے معنی میں منحصر سمجھنا۔"

کیفیت قول: تفسیر کبیر میں ہے کہ توفی جنس ہے۔ اس کے تحت میں انواع ہیں۔ موت اور آسمان پر اٹھا لیا جانا رفعک الی فرمانا تعیین نوع کی ہے۔ اس میں تکرار نہیں۔ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۴ ص ۳ اور قرآن مجید کی آیت : "وھو الذی یتوفکم باللیل ۔ الانعام آیت ۶۰ " میں اس کے معنے سلا دینا ہے۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی (ازالہ اوہام ص ۹۴۲ خزائن ص ۶۲۳ ج ۳) میں لکھتا ہے کہ : "مات کے معنے لغت میں نام کے ہیں۔"

آیت کا یہ مطلب ہوا کہ میں آپ کو سلا دینے والا ہوں پھر اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں۔ چنانچہ خازن میں ہے کہ نیند کی حالت میں اٹھا لیا تاکہ خوف لاحق نہ ہو صحیفہ نمبر ۴ ص ۵'۶ اور یہ بات کہ کثرت سے جس معنی میں ہو ہر جگہ اس پر محمول کریں گے خود ہی قاعدہ

غلط ہے۔ اصحاب النار کا لفظ قرآن میں آخرت معذبین بالنار کے معنی میں ہے۔ مگر سورہ مدثر میں ملائکہ کو اصحاب النار کہا گیا ہے جہاں یہ معنے نہیں ہیں۔

قول مرزا نمبر ۵ ۔ " حضرت ابن عباسؓ نے متوفی کی تفسیر ممیت فرمائی ہے۔"

کیفیت قول۔۔ : درمنثور میں بروایت صحیح حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: " رافعك الی ثم متوفیك فی آخر الزمان۔ " (صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ ص ۵)

قول مرزا نمبر ۶۔ : " خدا نے اس امت میں مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔" (دافع البلاء ص ۱۳ خزائن ص ۲۳۳ ج ۱۸) پھر اسی رسالہ (دافع البلاء ص ۳ خزائن ص ۲۲۰ ج ۱۸) پر لکھتے ہیں: " بلکہ یحیٰی نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحیٰی کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔"

کیفیت قول۔۔۔ : اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی سخت اہانت ہے کہ ان کو پاکدامن نہ سمجھا اور یہ کفر ہے۔

قول مرزا نمبر ۷ ۔۔ : ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳ خزائن ص ۱۶۷ ج ۲۲) اسی صفحہ میں ہے علاوہ اس کے " جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔"

کیفیت قول : یہ بالکل نبوت مستقلہ کا دعویٰ ہے۔ جس کو ظلی اور بروزی کی محض آڑ اور تحریف ہے۔

قول مرزا نمبر ۸ ... "قرآن مجید کے وہی معنی لائق اعتبار ہیں جو میں بیان کروں اور حدیث وہی لائق اعتبار ہے جسے میں صحیح کہوں ورنہ ردی میں پھینک دینے کے لائق ہے۔ حاشیہ میں ہے کہ حدیث کا ردی کی طرح پھینکنا اور غیر معتبر ہونا رسالہ اعجاز احمدی کے ص ۳۰، ۳۱ خزائن ص ۱۴۰ ج ۱۹، ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۱۰ خزائن ص ۵۱ ج ۱۷ میں مرقوم ہے۔"

کیفیت قول : کتنا بڑا باطل اور بیہودہ عقل یا عدہ خلاف باطل دعویٰ ہے۔ کیا بجز صاحب وحی کے ایسا دعویٰ کوئی کر سکتا ہے؟ پس ایسا دعویٰ ازخود نبی کا دعویٰ ہے۔

قول مرزا نمبر ۹ ... "(مرزا غلام احمد قادیانی) کہتے ہیں کہ میرے انکار سے کافر ہو جاتا ہے۔" (حقیقت الوحی ص ۱۶۳ خزائن ص ۱۶۷ ج ۲۲)

کیفیت قول : یہ بالکل نبوت مستقلہ کا دعویٰ ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۰ : "خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب اور متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔" (حاشیہ اربعین ۳ ص ۲۸ خزائن ص ۴۱۷ ج ۱۷)

قول مرزا نمبر ۱۱ : "سوال ہوا کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ فرمایا پہلے تمہارا فرض ہے کہ اسے واقف کرو پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو اور اگر کوئی خاموش رہے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب تو وہ بھی منافق ہے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔"

(فتاویٰ احمدیہ ج ۱ ص ۱۸)

کیفیت قول..... : نماز ہر مسلمان کے پیچھے درست ہے تو پھر غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا اس کو کافر سمجھتا ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۲..... : "دعویٰ نبوت کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی کے بعض الہامات و اقوال :

(۱)........ "انا ارسلنا الیکم رسولا شاہدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۱ خزائن ص ۱۰۵ ج ۲۲)

(۲)........ "یٰسین انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم۔ تنزیل العزیز الرحیم۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۷ خزائن ص ۱۱۰ ج ۲۲)

(۳)........ "انا ارسلنا احمد الی قومہ فاعرضوا و قالوا کذاب اشر۔" (اربعین نمبر ۲ ص ۲۹ خزائن ص ۳۸۴ ج ۱۷)

(۴)........ "فکلمنی و نادانی و قال انی مرسلک الی قوم مفسدین وانی جاعلک للناس اماما۔ وانی مستخلفک اکراما۔ کما جرت سنتی فی الاولین۔" (انجام آتھم ص ۷۹ خزائن ص ۷۹ ج ۱۱)

(۵)........ "الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔" (انجام آتھم ص ۶۲ خزائن ص ۶۲ ج ۱۱)

(۶)........ "سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔" (دافع البلاء ص ۱۱ خزائن ص ۲۳۱ ج ۱۸)

(۷)........ "تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔" (دافع البلاء ص ۱۰ خزائن ص ۲۳۰ ج ۱۸)

(۸)...... "مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ: "ھوالذی ارسل رسوله بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کله." (اعجاز احمدی ص ۷، خزائن ۱۱۳ ج ۱۹)

(۹)...... "خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔" (اربعین نمبر ۳ ص ۳۶، خزائن ص ۴۲۶ ج ۱۷)

(۱۰)...... "سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔" (اربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ص ۴۳۵ ج ۱۷)

کیفیت قول......: ان سب اقوال میں رسالت کا دعویٰ ہے جو صریح آیت ختم نبوت کے خلاف ہے۔ اور بعض میں رسالت مستقلہ تشریعیہ کا دعویٰ جو تاویل ظلیت اور بروزیت کو باطل کرتا ہے جیسے قول ۹، ۱۰ میں ہے اور بعض میں مزید تحریف بھی ہے جیسے قول ۸ میں ہے کہ بجائے رسول اللہ ﷺ کے خود کو مصداق بتلایا ہے اور چونکہ قول ۷ کی تکذیب قادیان میں طاعون کے آجانے سے ہو گئی۔ چنانچہ ۱۹۰۳ء میں قادیان میں طاعون آیا اور ۲۸۰۰ کی آبادی میں سے ۳۱۴ مرے جن میں ان کے خاص مرید عبدالکریم سیالکوٹی بھی تھے اور مصداق لوازم رسالت وحی ہے اور لازم کی نفی سے ملزوم کا انتفاء یقینی ہے تو علاوہ نصوص شرعیہ کے خود ان کا یہ قول بانضمام واقعہ طاعون ان کے کاذب ہونے کی کافی دلیل ہے اور اگر طاعون کی پیشین گوئی میں کوئی قید ہے جو معلوم نہیں تو پھر توسیع مکان کے لئے چندہ کیوں مانگا۔ ممکن ہے کہ اس مکان میں رہنے کے بعد بھی اس وجہ غیر معلوم سے چند آنے طاعون ہو تو چندہ بھی برباد گیا اور یہ صریح دھوکہ ہے کیونکہ دینے والا تو اسی خیال سے دے رہا ہے کہ محفوظ رہیں گے۔ تو چندہ کی ترغیب کے وقت اس کو کیوں نہیں ظاہر کیا۔

قول مرزا نمبر ۱۳ ... :

(۱) ... "مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت و انجیل و قرآن کریم پر۔" (اربعین نمبر ۴ ص ۲۵ خزائن ص ۴۵۴ ج ۱۷)

(۲) ... "میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف اور خداوند تعالیٰ کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا تعالیٰ کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔" (حقیقت الوحی ص ۲۱۱ خزائن ص ۲۲۰ ج ۲۲)

(۳) ..... "اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔"

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱ خزائن ص ۴۰۶ ج ۲۲)

(۴) ..... "خدا تعالیٰ نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔" (حقیقت الوحی ص ۱۴۸ خزائن ص ۱۵۲ ج ۲۲)

(۵) .... "اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔" (تتمہ حقیقت الوحی ص ۶۸ خزائن ص ۵۰۳ ج ۲۲)

"اور رسول اللہ ﷺ سے بقول مرزا صاحب تین ہزار معجزے ظاہر ہوئے۔"

(تحفہ گولڑویہ ص ۴۰ خزائن ص ۱۵۳ ج ۱۷)

(۶) "لیکن پھر بھی وہ نام دو نبیوں سے کچھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ یعنی مہدی کا نام ہمارے نبی ﷺ سے خاص ہے اور مسیح یعنی مؤید بروح القدس کا نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ خصوصیت رکھتا ہے اور نبیوں کی پیشین گوئیوں میں یہ تھا کہ امام آخر

الزمان میں یہ دونوں صفتیں اکٹھا ہو جائیں گی۔" (اربعین نمبر ۴ ص ۱۲، خزائن ص ۴۵۰' ۴۵۸ ج ۱۷)

(۷) "له خسف القمر المنير وان لي غسا القمران المشرقان اتنكر۔" ترجمہ: اس کے لئے (یعنی رسول اللہ ﷺ کے لئے۔ زرا ترجمہ کا ادب قائم رکھنا ہے) چاند کا خسوف ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔" (قصیدہ اعجازیہ اعجاز احمدی ص ۷۱ خزائن ص ۱۸۳ ج ۱۹)

(۸) ... "اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گزر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے:
"سبحان الذی اسریٰ۔" (خطبہ الہامیہ ص ۱۹۳، ۱۹۴ خزائن ص ۲۸۸ ج ۱۶)

(۹) ... "لولاک لما خلقت الافلاک۔"
(استفتاء ص ۸۵ خزائن ص ۷۱۲ ج ۲۲)

(۱۰) ..... "انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول له کن فیکون۔"
(حقیقت الوحی ص ۱۰۵، خزائن ۱۰۸ ج ۲۲)

کیفیت قول۔ ... ان سب اقوال میں مضمون مشترک دعویٰ ہے نبوت مستقلہ قطعیہ کا، جو تاویل بروزیت و ظلیت کا مبطل ہے کیونکہ اس تاویل سے تو دوسرے بزرگوں کے لئے بھی ثابت ہو سکتی ہے جس کی نفی قول (۳) میں کی ہے اور قول (۴) میں دعویٰ افضلیت کا ہے حضرت مسیح علیہ السلام سے جو کہ نبی مستقل تھے افضل نہیں ہو سکتا اور دعویٰ افضلیت کے ساتھ ان کی تحقیر و تنقیص بھی ہے اور قول (۵) میں رسول اللہ ﷺ پر افضلیت کا دعویٰ ہے اسی طرح قول (۶) میں کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ جامع کمالات اپنے کو بتایا ہے اور اسی سے ملتا ہوا قول (۷) و (۸) و (۹) میں حضور ﷺ پر اس طرح فضیلت کا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث حضور ﷺ کے باب میں لفظاً تو غیر ثابت اور معنیً ثابت مگر قطعی نہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کے حق میں الہامی جو کہ ان کے نزدیک قطعی ہے کہ ظاہر

ہے کہ فضیلت قطعیہ والا افضل ہوگا فضیلت ظنیہ والے سے اور سب سے بڑھ کر قول (۱۰)
میں تو معراج ترقی یہاں تک پہنچ گئی کہ حق تعالیٰ کی خاص صفت میں شریک ہو گئے اور جو خدا کا
مساوی ہوگا وہ نبی کا مثل کیوں ہوگا؟۔

قول مرزا نمبر ۱۴ ...... : "پھر جب کہ خدا نے اور اس کے رسول نے اور
تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو اس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے تو پھر
شیطانی وسوسہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ کیوں تم مسیح ابن مریم سے اپنے تئیں افضل قرار دیتے
ہو۔" (حقیقت الوحی ص ۱۵۵ خزائن ص ۱۵۹ ج ۲۲)

کیفیت قول ..... : چونکہ کوئی نائب رسول کسی ادنیٰ نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ
سکتا۔ چہ جائے کہ ایک اولوالعزم رسول سے افضل ہو جاوے تو اس میں صاف نبوت
مستقلہ غیر ظلیہ وغیرہ وغیرہ کا دعویٰ ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۵ ..... : "۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ ہر ایک
روک کے دور کرنے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لائے گا۔"
(مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۱۵۸)

"خدا تعالیٰ نے . . . ظاہر فرمایا کہ احمد بیگ کی دختر کلاں انجام کار تمہارے
نکاح میں آئے گی اور .... آخر کار ایسا ہی ہوگا۔" (ازالہ اوہام ص ۳۹۶ خزائن ص ۳۰۵ ج ۳)

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ ان میں سے وہ پیشین گوئی جو مسلمانوں کی قوم
سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں:

(۱) مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو۔ (۲) اور پھر
داماد اس کا جو اس کی دختر کلاں کا شوہر ہے۔ اڑھائی سال کے اندر فوت ہو۔ (۳) اور پھر یہ کہ
مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو۔ (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایام
بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو۔ (۵) اور پھر یہ کہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے

پورے ہونے تک فوت نہ ہو۔ (۶) اور پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں۔ (شہادت القرآن ص ۸۰ خزائن ص ۳۷۶ ج ۶)

کیفیت قول: اس پیشین گوئی کا کاذب ہونا اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ ۱۸۹۲ء میں اس کا نکاح ہوا اور ۱۹۰۸ء میں مرزا غلام احمد قادیانی مرے اور وہ دونوں میاں بی بی ہونے کی حالت پر زندہ رہے اور کاذب ہونے کا نتیجہ وہ خود لکھ رہے ہیں کہ: "میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیشین گوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے اس کی انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجاوے گی۔"

(انجام آتھم ص ۳۱ حاشیہ خزائن ص ۳۱ ج ۱۱)

احمد بیگ کے مرنے سے وسوسہ نہ کیا جاوے کیونکہ مرکب صادق و کاذب سے کاذب ہے اور یوں تو کیف ما اتفق کوئی شخص دس پیشین گوئی کر دے تو کسی نہ کسی کا واقع ہو جانا اتفاقی بات ہے دلیل صدق نہیں۔

قول مرزا نمبر ۱۶ تا ۱۷ ... : پیشین گوئی ہے کہ:

"مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان میں تمام پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس نہ آئیں تو ..." (اعجاز احمدی ص ۳۷ خزائن ص ۱۴۸ ج ۱۹ ملخص)

مرزا قادیانی نے پیر مہر علی شاہ صاحبؒ سے مناظرہ کا اشتہار دیا۔ یہ بھی لکھ دیا کہ:

"اگر میں پیر صاحب اور علماء کے مقابلہ پر ہار جاؤں تو پھر میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔"

(مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۳۳۲ ملخص)

نیز مرزا غلام احمد قادیانی نے مولوی ثناء اللہ صاحبؒ کی نسبت میں آخری فیصلہ کا اعلان دیا اور اس طرح دعا کی کہ:

"اے میرے آقا! اب میں تیرے تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی ہی میں دنیا سے اٹھا لے ... اے میرے

بالکل ! تو اس کو نابود کر دے" (اخبار الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۸ء ، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۷۸)

"مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان پٹیالوی میری زندگی میں مر جائے گا۔" (چشمہ معرفت ص ۳۲۱ ، خزائن ص ۳۳۷ ج ۲۳ ملخص)

کیفیت قول.... : مگر مولوی ثناء اللہ صاحب ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہنچے اور مرزا غلام احمد قادیانی نے بجز اظہار غیض و غضب اور زبردستی کی باتوں کے اور کچھ نہیں کیا۔ (الہامات مرزا ص ۱۰۶ ، ۱۱۰)

اسی طرح پیر مہر علی شاہ صاحبؒ تاریخ مناظرہ سے ایک روز پہلے ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور پہنچے اور ۲۹ تک مرزا قادیانی کے منتظر رہے۔ مگر مرزا غلام احمد قادیانی گھر سے نہ نکلے۔ (حاشیہ فیصلہ آسمانی حصہ ۳ ص ۳۳)

مباہلہ ثانیہ میں مرزا غلام احمد قادیانی پہلے مر گئے اسی طرح مولوی عبدالحق صاحب غزنوی و ڈاکٹر عبدالحکیم خان کے مباہلہ کے بعد وفات ہوا (شہادت آسمانی حصہ ۲ ص ۱۲۴)

قول مرزا نمبر ۱۸.... : شعر فارسی :

ابنک منم کہ حسب بشارات آمدم

عیسی کجا ست تا بنہد پا بمنبرم

[ازالہ اوہام ص ۱۵۸ ، خزائن ص ۱۸۰ ج ۳]

اردو میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ :

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص ۲۰ ، خزائن ص ۲۴۰ ج ۱۸)

آنچہ داد است ہر نبی را جام

داد آں جام را مرا بہ تمام

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بعرفان نہ کمترم زکسے
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین
ہر کہ گوید دروغ ہست لعین

(نزول المسیح ص ۹۹، ۱۰۰ خزائن ص ۴۷۷، ۴۷۸ ج ۱۸)

"ولما ترک یونس بسوء فہمہ الاستقامۃ والاستقلال۔"

(انجام آتھم ص ۲۲۵ خزائن ص ۲۲۵ ج ۱۱)

کیفیت قول ۔۔۔: کھلی اہانت ہے ایک نبی اولوالعزم کی، کیا اس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے؟ اور صریح کھلی ہے اپنی سب انبیاء پر کیونکہ جو سب کمالات انبیاء کا جامع ہوگا سب سے افضل ہوگا اور ایک قول میں اہانت ہے یونس علیہ السلام کی کہ ان کو بدفہم کہا ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۹ ۔۔۔: "مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے۔" (خطبہ الہامیہ ص ۲۱ خزائن ص ۲۱ ج ۱۶)

کیفیت قول : تمام علماء اسلام کی تفسیر کے خلاف اور تواتر کے بھی خلاف۔ کیا رسول اللہ ﷺ شب معراج میں قادیان کی مسجد میں تشریف لائے تھے؟ جس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

قول مرزا نمبر ۲۰ : "جب احمد بیگ کے مرنے کی پیشین گوئی میعاد کے اندر پوری نہ ہوئی تو مرزا غلام احمد قادیانی کو اقرار کرنا پڑا کہ اس وعید کی میعاد میں تخلف ہو گیا۔" (انجام آتھم ص ۳۰ خزائن حاشیہ ص ۳۰ ج ۱۱)

کیفیت قول : مرزا قادیانی کی صریح تصریح کے خلاف ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۱ ... :

(۱)... "انت منی وانا منک ۔" (حقیقت الوحی ص ۷۴ خزائن ص ۷۷ ج ۲۲)

(۲) "ظهورک ظهوری ۔" (تذکرہ ص ۴۰۳ طبع سوم)

(۳)...... "انت منی بمنزلة توحیدی و تفریدی ۔"

(حقیقت الوحی ص ۸۶ خزائن ص ۸۹ ج ۲۲)

(۴) .... "انت منی بمنزلة ولدی" (حقیقت الوحی ص ۸۶ خزائن ص ۸۹ ج ۲۲)

(۵)... "میں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں ۔" (کتاب البریہ ص ۸۵ خزائن ص ۱۰۳ ج ۱۳)

کیفیت قول..... : خدا ہونا یا خدا کا بیٹا ہونا یا خدا کے ساتھ اتحاد کرنا شرعاً و عقلاً ہر شخص جانتا ہے کہ باطل ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۲..... :

(۱)... "یانبی قمرالانبیاء ۔" (حقیقت الوحی ص ۱۰۷ خزائن ص ۱۱۰ ج ۲۲)

(۲) "یا نبی الله کنت لا عرفک ۔"

(الاستفتاء تتمہ حقیقت الوحی ص ۸۵ خزائن ص ۷۰۳ ج ۲۲)

(۳)..... "خدا نے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو پیش کرتے ہیں تحریف معنوی اور لفظی میں آلودہ ہیں اور یا سرے سے موضوع ہیں اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کا اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پاکر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پاکر رد کر دے ۔"

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۰ خزائن ص ۵۱ ج ۱۷)

"ہم اب تک سمجھتے ہیں کہ حکم اس کو کہتے ہیں کہ اس کا حکم قبول کیا جائے اور اس کا فیصلہ گو وہ ہزار حدیث کو بھی موضوع قرار دے ناطق سمجھا جائے ۔"

(اعجاز احمدی ص ۲۹ خزائن ص ۱۴۰ ج ۱۹)

قول مرزا نمبر ۴۳

"میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔ اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔"

(کتاب البریہ ص ۸۵، ۸۶ خزائن ص ۱۰۳ تا ۱۰۵ ج ۱۳)

کیفیت قول

جس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو وہ ایسا قول اپنا عقیدہ کرے اس کا کافر ہونا ظاہر ہے۔

قول مرزا نمبر ۴۴ ...

(۱) "آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے اور کچھ نہ تھا۔" (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۷ خزائن ص ۲۹۱ ج ۱۱)

(۲) "یہ بھی یاد رہے کہ آپ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔" (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۵ خزائن ص ۲۸۹ ج ۱۱)

(۳) "آپ (حضرت مسیح علیہ السلام) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔" (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۷ خزائن ص ۲۹۱ ج ۱۱)

(۴) "آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا کنجریوں (کسبیوں) سے مناسبت اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں ہے۔ ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری (کسبی) کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے اور زناکاری کا عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔"

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۷ خزائن ص ۲۹۱ ج ۱۱)

(۵) "یسوع (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے دادا صاحب داؤد نے تو

ساری مرے کام کئے۔ ایک بے گناہ کو اپنی شہوت رانی کے لئے فریب سے قتل کرایا اور دلالہ عورتوں کو بھیج کر اس کی جورو کو منگوایا اور اس کو شراب پلائی اور اس سے زنا کیا اور بہت سا مال حرام کاری میں ضائع کیا۔" (معیار المذاہب ص ۱۱، خزائن ص ۴۹۰ ج ۹)

کیفیت قول...... : عیاں را چہ بیاں‘ اور جواب الزامی میں بھی اس عنوان کا اختیار کرنا خلاف ایمان ہے۔ اس کا عنوان یہ ہے کہ اگر تمہارا قول مان لیا جاوے تو یہ امور لازم آویں گے۔ نعوذ باللہ منہ اور خصوص جب کہ انجام آتھم میں یہ لکھتے ہیں کہ: "عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزے لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا" پھر لکھتے ہیں کہ: "ممکن ہے کہ اپنی معمولی تدبیر سے کسی شبکور وغیرہ کو اچھا کیا ہو" اور اسی صفحہ میں ہے کہ: "آپ کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے کچھ نہ تھا" اور توہین انبیاء ذی شان یہ صریح ہے کہ یہ الزاماً نہیں بلکہ اسی کو حق سمجھ کر لکھا ہے۔ نیز دافع البلاء کی عبارت جو حاشیہ (۶) میں ہے جس میں یہ قصے نقل کر کے لکھا ہے کہ: "اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزام نہیں کیونکہ پادریوں پر قرآن کا حوالہ حجت نہیں بلکہ خود اپنی تحقیق ہے۔ قرآن سے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں:

"تم الفهرس المختصر الكاشف عن عقائد القائد القاديانی۔ حفظ الله تعالیٰ جميع المسلمين عن امثال هذه الضلال الشيطانی وان اشتقت الى المسبط فی الاطلاع عليها وعلى جوابها فانظر ما فی الفصل الثانی۔"

ضمیمہ فصل اول

یہ تو قائد قادیان کے اقوال و دعاوی تھے جن سے عقائد کا پتہ لگتا ہے۔ اب کچھ نمونے کے طور پر ان کے علم و اعمال و اخلاق کی کیفیت بھی دکھلائی جاتی ہے۔

علم: (۱)...... میں نے ایک کتاب عربی زبان میں الف (مرزا غلام احمد

قادیانی) کی دیکھی ہے جس کا نام یاد نہیں رہا (الہدیٰ) اس میں ایک حدیث کی عجیب مضحکہ خیز شرح کی ہے۔ حدیث یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کو باب لد پر (ایک مقام ہے شام میں) قتل کریں گے۔

انہوں نے اس میں عجیب تحریف کی ہے لکھا ہے کہ:

"لد مخفف ہے لدھیانہ کا۔" (الہدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ ص ۹۲ خزائن ص ۳۴۱ ج ۱۸)

میں نے لدھیانہ میں پادریوں کو مغلوب کیا تھا۔ یہ اس کی پیشین گوئی ہے اس کے صریح جہل ہونے میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے؟۔

(۲)....... دعویٰ کیا ہے کہ:

"دجال ایک شخص کا نام نہیں ہے بلکہ ایک جماعت کا لقب ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ ص ۱۳۵، ۱۵۰ خزائن ص ۲۲۵، ۲۴۴ ج ۱۷)

اور دلیل میں ایک عجیب جہل ظاہر کیا ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث ہے:

"سیکون دجال یختلون الدنیا بالدین۔" اس حدیث کو خدا نے رجال کو دجال سمجھا ہے اور یختلون میں جو ضمیر جمع کی اس کی طرف راجع ہے۔ اس سے اس پر استدلال کیا ہے اور منشاء اس غلطی کا یہ ہوا کہ انہوں نے حدیث کو کنزالعمال سے نقل کیا ہے وہ ٹائپ کا چھپا ہے اس میں حرف (ر) کا سرا ذرا آگے کو مڑ گیا ہے جس سے اس کو (د) سمجھا۔ مگر جس شخص کو ذرا بھی علم سے مناسبت ہوگی وہ کبھی ایسی غلطی نہیں کر سکتا اور طرفہ یہ کہ میرے لکھنے سے حافظ عبدالقدوس مرحوم سابق ایڈیٹر صادق الاخبار بہاولپور نے ان کے خلیفہ (نورالدین) کو اس کے متعلق خط لکھا تھا تو وہاں سے جواب آیا کہ حدیث میں لفظ دجال ہی ہے باقی مولوی صاحبان جو چاہیں کہیں بھلا اس جہل مرکب کی بھی کوئی حد ہے۔ ماشاء اللہ۔ دزدے بہ چنیں شیر یارے چہ لاف میزنی، پھر ہوئے لوگ ان کو ذی علم کہتے ہیں انا للہ، پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز۔

(۳)...... متعدد رسائل میں یہ مضمون منقول ہے کہ اگر میرے بیٹے نے اپنی بی بی کو طلاق نہ دی تو میں اس کو عاق کر دوں گا۔ اس جہل میں عالم کیا طالب علم کا صحبت یافتہ بھی مبتلا نہیں ہو سکتا۔

عمل : (۱) ... "مجھ سے ایک شخص دہلوی کا چوہدری نے جو قادیان میں ایک معتد بہ مدت تک اپنی ایک دنیوی حاجت کے لئے رہے تھے بیان کیا کہ ان کے روبرو عید کے روز ظہر و عصر کو ظہر کے وقت میں بلا عذر جمع حقیقی کیا گیا اور عصر کی نماز کے وقت مسجد میں میز کرسیاں بچھا کر مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے خواص کا فوٹو لینے کا انتظام کیا گیا۔"

(۲) ...... "مجھ سے میرے ایک ہم وطن نے جو کہ ان (مرزا قادیانی) کے مرید تھے بیان کیا کہ میں نے نماز میں وساوس کی شکایت کی تو انہوں نے یہ عمل بتلایا کہ بعد قومہ کے اردو زبان میں اس کے ازالہ کی دعا کیا کرو سبحان اللہ کیسی اچھی نماز کی تعلیم ہے؟۔"

(۳) .... "عبداللطیف رئیس خوست جو حج کو جاتے ہوئے ان (مرزا قادیانی) کے پاس آئے تھے ان کو حج سے روک کر تبلیغ کے واسطے وطن واپس کر دیا جو امیر عبدالرحمٰن خاں صاحب کے وقت میں ہلاک کئے گئے جس کا ذکر خود "تذکرۃ الشہادتین" میں لکھا ہے اور اس فعل کا " يصدون عن سبيل الله ۔ " میں داخل ہونا ظاہر ہے اور اسی عبداللطیف کے قصے میں خود ہی اپنا ایک علمی نمونہ بھی دکھلایا ہے۔ ابو داؤد کی عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں ایک حدیث نقل کی ہے : " بين ممصرتين ..... الخ ۔ "یعنی دو زرد کپڑوں میں نزول فرماویں گے۔ پھر آگے اس پر ایک سوال نقل کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی زرد کپڑے کہاں پہنتا ہے پھر اس کا جواب نہایت پاکیزہ و خوشبودار دیا ہے کہ زرد کپڑوں سے مراد پیشاب اور سر درد ہیں (کہ دونوں کا رنگ زرد ہے) اور میں ان ہی دو امراض میں مبتلا ہوں اس طرح سے یہ مجھ پر صادق آگیا۔ یہ علم اور یہ عقل ہے مسیح الزماں کا۔"

(تفصیلات کے لئے دیکھئے تذکرۃ الشہادتین ص ۴۳ خزائن ص ۲ ج ۲۰)

اخلاق : حسن اخلاق کا شعبہ اعظم وہ ہے جس کو شیخ شیرازی نے اس شعر میں جمع کیا ہے :

مرا شیخ دانائے روشن شہاب
دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خودبیں مباش
دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

یہ تو ماشاء اللہ دونوں تعلیموں کا روز و شب جس بیدردی سے خون کیا جاتا تھا کچھ نہیں ان کی تمام تحریرات میں بے حد تعلیوں اور دعووں سے پُر کی ہوئی ہیں اور اسی طرح اپنی مخالفین کو خصوصاً علماء کو وہ مغلظ گالیاں دی ہیں کہ نقل کرنے کو بھی لوگ خلاف شرافت سمجھتے ہیں۔ عصائے موسیٰ میں گالیوں کی ایک الف ب ت سے بہ ترتیب ہر حرف سے بہت بہت گالیاں شروع ہوتی ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے۔

نتیجہ: ظاہر ہے کہ ایسے اوصاف کا آدمی صلحاء میں بھی داخل نہیں۔ چہ جائیکہ ولی یا مہدی یا نبی ہو۔ نعوذ باللہ! اگر اب بھی کوئی ایسے شخص پر فریفتہ ہو تو بجز "ختم اللہ علی قلوبہم" کے کیا کہا جائے۔

فصل ثانی

در فہرست بعضے کتب رد قادیانی

یہ فہرست مولوی محمد اسحاق صاحب نے خانقاہ رحمانیہ محلہ مخصوص پور مونگیر سے بصورت ایک رسالہ مسمّٰی "حفاظت ایمان کی کتابیں" کے شائع کی ہے جو بحذف اکثر مضامین ذیل میں منقول ہے۔

فہرست موعود

(۱) فیصلہ آسمانی حصہ اول معہ تتمہ

اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے نہایت عظیم الشان نشان کو غلط ثابت کر کے اور ان کی ذاتی حالت کو دکھا کر نہایت روشن طریقہ سے انہیں کاذب ثابت کیا ہے اور ان کے جوابات کی غلطی نہایت روشن طریقہ سے دکھائی ہے۔

(۲) فیصلہ آسمانی حصہ دوم:

اس میں مرزا قادیانی کے چند اقراروں سے انہیں کاذب ثابت کیا ہے اور ان کی عظیم الشان دلیل کا بطلان نہایت محققانہ طور سے کیا ہے۔

(۳) فیصلہ آسمانی حصہ سوم:

اس میں نہایت محققانہ طریقہ سے قرآن مجید و احادیث صحیحہ سے مرزا قادیانی کا کاذب ہونا ثابت کیا ہے اور رسالہ: اعجاز احمدی اور اعجاز المسیح کی حالت دکھا کر ان کی خطرناک حالت پر متنبہ کیا ہے۔ پھر ان کی غلط پیشین گوئیاں دکھا کر قرآن مجید کی متعدد آیات سے مرزا قادیانی کے دعویٰ کی تغلیظ دکھائی ہے۔ خلف فی الوعید کی بحث ایسی تحقیق سے لکھی ہے کہ اب تک متقدمین اور متاخرین کی کتاب میں دیکھی نہیں گئی۔ ۵ سے صفحوں پر صفحات ۱۳۲ ہیں۔

(۴) حقیقت المسیح:

صحیح حدیث سے اور مرزا قادیانی کے حالات سے ثابت کیا ہے کہ وہ مسیح موعود ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس نے (مرزا) سوائے اس کے کہ مسلمانوں کو کافر بنایا اور کچھ نہیں کیا۔

(۵)......... معیار المسیح:

بعض وہ آیتیں جن سے مرزا قادیانی کی صداقت ثابت کی جاتی ہے۔ انہیں سے ان کا کذب ثابت کیا ہے۔

(۶)...... تنزیہ ربانی از تلویث قادیانی۔

اس مختصر رسالہ میں قرآن مجید کی آیتوں اور خود مرزا قادیانی کے اقرار سے انہیں جھوٹا ثابت کیا ہے اور خاص مرزائی نے جو جواب دیا تھا اس کی غلطی اظہر من الشمس کی ہے۔ ان سب رسالوں کے مکرر چھپنے کی سخت ضرورت ہے۔

(۷)... معیار صداقت:

اس میں اصل مضمون وہی ہے جو تنزیہ میں ہے مگر طریقے اور دلائل دوسرے ہیں۔

(۸) شہادت آسمانی۔

اس میں مرزا قادیانی کی آسمانی شہادت کو نہایت تحقیق اور تفصیل سے غلط ثابت کیا
ہے اور ان کی ناگفتہ بہ باتیں دکھائی ہیں۔

(۹) دوسری شہادت آسمانی:

پہلی شہادت آسمانی مختصر تھی۔ یہ ۱۲۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔

(۱۰) صحیفہ رحمانیہ نمبر ۶۔

اس میں مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت مستقلہ جمع کر کے قرآن اور حدیث سے
انہیں کاذب ثابت کیا ہے۔

(۱۱) صحیفہ رحمانیہ نمبر ۷:

اس میں (مرزا قادیانی کا) دعویٰ نبوت کے علاوہ یہ ثابت کیا ہے کہ انہیں افضل
الانبیاء ہونے کا دعویٰ ہے ان کے اقوال نقل کر کے ان کا نتیجہ دکھایا ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت
آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفی ﷺ تک تمام انبیاء کی بعثت بے کار ہوئی کسی
نے شیطان کو ذلیل نہیں کیا مگر مرزا قادیانی نے کیا۔ بھائیو! مرزا قادیانی کی ایسی باتوں میں غور
کرتے جاؤ جن سے ان کی تمامی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱۲) صحیفہ رحمانیہ نمبر ۸ نمبر ۹۔

اس میں رسالہ عبرت خیز ہے جس میں مفتریوں اور صادقوں کی عبرت خیز حالت
دکھا کر مرزا قادیانی کا جھوٹا ہونا ثابت کیا ہے اور نہایت خوبی سے عبدالماجد صاحب کی غلطیوں
کو پردہ پوشی کے ساتھ دکھایا ہے۔ یہ ایک ہی رسالہ مرزا قادیانی کے کذب کو سمجھنے کے لئے
کافی ہے۔ یہ رسالے نہایت شستگی اور کامل تحقیق اور وضاحت سے لکھے گئے ہیں۔ ہر ایک
منصف طالب حق کی ان سے تسلی ہو سکتی ہے اور ایسی قابلیت اور تحقیق سے اعتراضات کئے
گئے ہیں کہ ان کا جواب نہیں ہو سکتا۔ ان میں ہر ایک رسالہ مرزا قادیانی کو کاذب ثابت کرنے
کے لئے کافی ہے۔ اب حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو کرنا اور مرزا قادیانی کے دعویٰ
نبوت کی دلیل پوچھنا بے کار ہے کیونکہ ان رسالوں میں قرآن مجید کے نصوص قطعیہ سے اور
احادیث صحیحہ سے اور خود مرزا قادیانی کے متعدد اقوال سے بخوبی طور سے ان کا کاذب ہونا

ثابت کر دیا ہے۔ اب مرزائیوں سے ان اعتراضات کے جواب کی درخواست کرتا چاہئے۔ اس کے سوا اور تمام گفتگو فضول ہے اب حضرت مسیح کی ممات کا عقیدہ کام نہیں آسکتا۔ ان رسالوں نے قطعی طور سے ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح زندہ ہوں یا مر گئے ہوں مگر مرزا قادیانی ہر طرح کاذب ہے۔ اس کا صادق ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۱۳)........... صحیفہ رحمانیہ نمبر ا:

اس میں جلسہ بھاگل پور کی کیفیت اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے بیان کا خلاصہ ہے۔

(۱۴)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲:

اس میں وہ تقریر ہے جو مولانا سید انور حسین صاحب پروفیسر کالج مونگیر نے جلسہ بھاگلپور میں ختم نبوت پر کی تھی۔

(۱۵)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۳:

اس میں مرزائیوں کے صحیفہ تبلیغیہ نمبر ا کا جواب ہے جس کے بعد مرزائیوں کو صحیفہ نکالنے کی ہمت نہ ہوئی۔

(۱۶)......... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۴:

اس میں لارڈ ہیڈلے کے مسلمان ہونے کی واقعی حالت بیان کر کے خواجہ کمال (مرزائی) کے غلط دعوٰی کا اظہار کیا ہے۔

(۱۷)........ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۰:

اس میں مولوی عبدالماجد (مرزائی) کی بد دیانتی اور فاش غلطیاں دکھائی گئی ہیں۔

(۱۸)......... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۱، ۱۲:

مرزا قادیانی کے دعوٰی نبوت کی تشریح کر کے مولوی عبدالماجد (مرزائی) کی غلطیاں دکھائی ہیں۔

(۱۹) تحکمات ربانی لسنخ القائے قادیانی:

اس میں پوری تحقیق سے القائے قادیانی کا جواب دیا ہے اور عبدالماجد (مرزائی) کی

بد زبانیاں دکھائی ہیں۔

(۲۰) انوار ایمانی :

القاء نے قادیانی میں جو عبدالماجد (مرزائی) نے غلطیاں اور بد زبانیاں کی ہیں ان کا نمونہ اس میں دکھایا ہے اور اصل بات کا جواب دے کر مرزا قادیانی کا کذب ثابت کیا ہے۔

(۲۱). مرزائی ماجد کی پہلی غلطی میں تیس غلطیاں :

اپنے القاء میں جو انہوں نے پہلی غلطی قرار دی ہے اس میں تیس غلطیاں دکھائی گئی ہیں۔ اس وقت تک ۵ رسالے القائے قادیانی کی غلطی کے اظہار میں طبع ہو چکے ہیں۔

(۲۲)...... صواعق ربانی بر مؤلف برق آسمانی

اس میں میاں خلیل احمد مرزائی کے برق آسمانی کا جواب ہے۔

(۲۳)...... تذکرہ حضرت یونس علیہ السلام.

چونکہ مرزا قادیانی نے اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے حضرت یونس علیہ السلام کی پیش گوئی کو بہت پیش کیا ہے۔ اس لئے اس رسالہ میں اس کی پوری حقیقت اور واقعی حالت دکھا کر مرزا قادیانی کے فریب کو ظاہر کیا ہے۔ ابھی چھپا نہیں۔

(۲۴) ...... ابطال اعجاز مرزا :

اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں مرزا قادیانی کے قصیدہ اعجازیہ کی غلطیاں دکھائی گئی ہیں۔ دوسرا حصہ عربی کا قصیدہ ہے۔" قصیدہ اعجازیہ "مرزا قادیانی کے جواب میں۔

(۲۵) دعائے مرزا :

اس میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ مرزا قادیانی کا آخری فیصلہ یعنی اس کا مفتری اور کذاب ہونا خدا کی مشیت کے مطابق ہوا ہے۔

(۲۶)...... مسیح کاذب.

اس میں مرزا قادیانی کی چھ سو پیش گوئیوں کو غلط ثابت کیا ہے اور مرزائیوں کی بد زبانی کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

(۲۷) تنبیہ قادیانی :

مرزا غلام احمد قادیانی کے مدت سے صحبت یافتہ ایڈیٹر اخبار بدر نے بہ تحدی یا سے کچھ لکھا تھا اس کا کافی جواب ہے۔

(۲۸)...... تائید ربانی۔

اس میں ملک منصور مرزائی طالب علم کے رسالہ نصرت یزدانی کا دندان شکن جواب ہے۔

(۲۹) آئینہ قادیانی:

اس میں مرزا غلام احمد قادیانی بانی مذہب جدیدہ کے چند اقوال دکھا کر ان کی تحقیق حالت دکھائی گئی ہے۔

(۳۰)...... حق نما:

اس میں مختصر تمہید کے ساتھ اس مناظرہ لاہور کی کیفیت ہے۔ جس سے مرزا قادیانی گریز کر گئے تھے اور اپنے اقرار سے کاذب وملعون قرار پائے۔

(۳۱)...... حق طالب کی سچی فریاد:

اس میں مرزا قادیانی پر چند لاجواب اعتراض ہیں۔

(۳۲)...... اظہار حق۔

مناظرہ مونگیر کی کیفیت اور بعض رسالوں کی فہرست ہے۔

(۳۳)...... رسالہ ختم نبوت:

نہایت محققانہ طور سے ثابت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد مستقل غیر مستقل ظلی بروزی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا مختصر رسالہ ہے۔

(۳۴)...... النجم الثاقب:

اس کے تین حصے ہیں حصہ اول کے شروع میں مرزا قادیانی کے دعویٰ کو قرآن اور حدیث سے غلط ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد ان کی غلط پیشین گوئیاں اور غلط الہامات کو دکھایا ہے جس سے ان کا کاذب ہونا بالیقین ثابت ہوتا ہے۔ یہ حصہ ۱۴۴ صفحوں پر چھپا ہے۔

(۳۵) النجم الثاقب حصہ دوم:

حصہ دوم میں مرزا قادیانی کی اکیس پیش گوئیوں کو غلط ثابت کیا ہے۔

(۳۶)... اتمام الثاقب حصہ سوم:

حصہ سوم میں ماسٹر عبدالمجید مرزائی کے رسالہ اظہار حق کا جواب دیا گیا ہے۔ ہر ایک حصہ در حقیقت مستقل رسالہ ہے مگر چھپنے کی ضرورت ہے۔

(۳۷)... بوستان محمدت:

اس میں مولوی علاؤالدین احمد صاحب بی اے وکیل کا خط ہے مولوی صاحب نے ماسٹر عبدالمجید صاحب بی اے کے مقابلہ میں مرزا قادیانی پر لاجواب اعتراضات کئے ہیں۔ مذکور یہ پرچہ بھی بدایون میں چھپا ہے۔

(۳۸)..... خیر خواہی و تائید خیر خواہی:

یہ مختصر رسالہ قاضی منشی اشرف حسین صاحب نے ایک احمدی (قادیانی) کے خط کے جواب میں بطور خیر خواہی لکھا ہے اور مؤلف امر از نہانی کی جہالت کو دکھلایا ہے۔ اس کی تائید میں مولوی عزیز الحسن صاحب بدایونی نے اچھا مضمون شائع کیا ہے۔

(۳۹)... جواب حقانی:

قاضی صاحب ممدوح نے اس میں احمدی (قادیانی) مذکور کے دوسرے خط کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

(۴۰)..... تکذیب قادیانی از نشان آسمانی:

اس میں مرزا قادیانی کے اقوال سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۱)....... قہر ربانی بر نشان آسمانی۔

اس میں حکیم خلیل (قادیانی) کے اشتہار کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔

(۴۲)..... دروغ قادیانی مخرب از نشان آسمانی۔

اس میں خلیل (قادیانی) کے اشتہار کے کذب کو نمبروار دکھا کر جواب دیا گیا ہے۔

(۴۳) محاسبہ بلی:

اس میں رسالہ فیصلہ آسمانی کا لاجواب ہونا دکھلا کر مرزائی کی دروغ گوئی کا جواب دیا گیا ہے۔

(۳۴) مرزا غلام احمد کا منصب

اس میں مرزا قادیانی کے اقوال سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

(۳۵) مسیح قادیانی کا فیصلہ:

اس میں بھی اس کے اقوال سے اس کی حالت دکھائی گئی ہے۔

(۳۶) باطل حق کو بعادت:

اس میں نہایت واضح طریقہ سے دکھایا گیا ہے کہ مرزا قادیانی کا مسیح موعود ہونا قرآن و حدیث کی دلیل صحیح سے ثابت نہیں ہو سکتا اور اپنے اقرار سے کاذب ہے۔

یہ رسائل خدام و محبین حضرت مولانا ممدوح (مولانا محمد علی مونگیری) دام فیضہم کے ہیں آخر کے سات رسالے چھوٹے چھوٹے ۱۳۳۰، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳ ہجری میں لکھے گئے ہیں جس وقت مرزائیوں کے دعویٰ کا غل تھا اور سمجھتے تھے کہ ہماری باتیں لاجواب ہیں جب ہماری طرف سے یہ دوڑی کی گئی اور بنظر خیر خواہی مرزا قادیانی کی واقعی حالت دکھائی گئی تو اب یہ حضرات دم بخود ہیں۔ کسی کو غیرت نفسانی اور کسی کو دنیاوی طمع حق بات کے قبول کرنے سے مانع ہے۔

(۳۷) الہامات مرزا:

اس میں مرزا قادیانی کی مخصوص پیشین گوئیوں کو غلط ثابت کر کے اس کا کاذب ہونا ثابت کیا ہے۔

(۳۸) مرقع قادیانی۔

یہ ماہوار رسالہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے جاری کیا تھا سال بھر یا کچھ زیادہ جاری رہا چونکہ مولوی صاحب مرزا قادیانی کے حالات سے خوب واقف ہیں اس لئے خوب ہی ان کی اصلی حالت کو دکھاتا ہے۔ یکم جون ۱۹۰۷ء سے جاری ہوا تھا۔

(۳۹) صحیفہ محبوبیہ:

حکیم نور الدین نے مرزا کی مدح میں ایک رسالہ چھپوا کر والئی حیدر آباد دکن کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ نے یہ صحیفہ ۱۹۰۹ء میں چھاپا ہے۔

(۵۰) ...... فاتح قادیان:

اس میں اس آخری فیصلہ کا بیان ہے جس میں مرزا قادیانی اپنے الہامی اقرار سے کذاب و مفتری ثابت ہوتے ہیں یہ فتح بھی مولوی ثناء اللہ صاحب کے حصہ میں رہی اور مرزا قادیانی کی عاجزانہ دعا بھی قبول نہ ہوئی۔

(۵۱) ..... السیف الاعظم:

مولوی غلام مصطفیٰ صاحب کی تالیف ہے اور سید کرم علی صاحب رئیس اٹک نے اپنی عالی ہمتی سے اسے چھپوایا ہے۔

(۵۲) افادۃ الافہام:

مرزا قادیانی کی مایہ فخر کتاب "ازالہ اوہام" کا نہایت عمدہ اور مبسوط جواب دو جلدوں میں ہے۔ استاد حضور نظام حیدرآباد دکن مولانا محمد انوار اللہ صاحب کی تصانیف سے ہے۔ ۱۳۲۵ھ میں چھپی ہے۔

(۵۳) ...... مفاتیح الاعلام:

اس میں افادۃ الافہام کے دونوں حصوں کے مضامین کی فہرست ہے۔ جس سے مجملاً مرزا قادیانی کی حالت معلوم ہوتی ہے۔

(۵۴) ... انوار الحق:

مولوی حسن علی بھاگلپوری کے تنبیہ الحق کا مدلل جواب ہے۔ ۱۳۲۲ھ حیدرآباد میں چھپا ہے۔

(۵۵) ..... الخبر الصحیح عن قبر المسیح:

اس میں مرزا قادیانی کے اس دعویٰ کی تکذیب کی گئی ہے کہ حضرت مسیح کا مزار کشمیر میں ہے۔

(۵۶) ... سلم الوصول:

اس میں حضور ﷺ کی معراج جسمانی کا ثبوت دیا گیا ہے جس کا مرزا قادیانی منکر ہے۔

(۵۷) ...... الذکر الحکیم نمبر ۳:

اس میں ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب کے وہ خطوط ہیں جن میں انہوں نے مرزا قادیانی سے علیحدہ ہونے کی نہایت معقول وجوہ بیان کئے ہیں۔

(۵۸) .. الذکر الحکیم نمبر ۹۔

اس رسالہ میں مرزا قادیانی کے تمام دلائل و دعوی کی کامل تردید ہے۔

(۵۹) .... اتمام الحجہ عرف کانا دجال:

اس میں مرزا قادیانی کی ہلاکت اور ڈاکٹر عبدالحکیم خان کی فتح کا بیان ہے۔

(۶۰) ..... المسیح الدجال۔

اس میں ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب نے وہ وجوہ بیان کئے ہیں جن سے وہ مرزا قادیانی سے علیحدہ ہوئے اور ان کے ساتھ تعلق رکھنے کو حرام سمجھا۔ اس میں نہایت معقول طور سے مرزا قادیانی کے مکر و فریب ثابت کئے ہیں۔

(۶۱) . عصائے موسیٰ:

مرزا قادیانی کے ایک دوست منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ نے مرزا قادیانی کی خوب حقیقت کھولی ہے اور خوب اعتراضات کئے ہیں۔ یہ رسالہ مرزا قادیانی کے رسالہ ضرورۃ الامام کا جواب ہے۔ بڑا رسالہ ہے مطبع انصاری دہلی میں چھپا ہے۔ اب نہیں ملتا۔

(۶۲) .. .. چودھویں صدی کا مسیح۔

چونکہ اس وقت ناول دیکھنے کا مذاق زیادہ ہو گیا ہے۔ مؤلف نے مرزا قادیانی کے واقعی اور سچے حالات ناول کے طریقہ پر لکھے ہیں تاکہ اہل مذاق دیکھ کر واقف ہوں۔ خوب لکھا ہے۔ مگر اب نہیں ملتا۔

(۶۳)... .. الخلافة فی خیر الامة رد علی النبوة فی خیر الامة

قاسم علی مرزائی نے ایک رسالہ میں لکھا تھا کہ امت محمدیہ میں نبوت قائم رہے گی اور مرزا قادیانی نبی ہے۔ اس کے جواب میں اس رسالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ نبوت نہیں رہی البتہ خلافت رہے گی۔ عمدہ رسالہ ہے۔

(۶۴) .. تردید نبوت قادیانی جواب نبوت فی خیر الامة

یہ بھی قاسم علی (مرزائی) کے اسی رسالہ کا جواب ہے۔ قاسم علی نے اشتہار دیا تھا کہ جو کوئی میرے رسالہ کا جواب دے اسے ایک ہزار روپیہ دیا جائے گا مگر جب جواب دے دیا اور مجیب نے اعلان دیا کہ روپیہ لاؤ اگر جواب میں تردد ہو تو جلسہ کر کے طے کر لو مگر بہت کہا تھی ہزار کا اشتہار تو عوام کے فریب کے لئے تھا کہ اگر کسی نے جواب کی طرف توجہ نہ کی تو پھر غل مچا کر عوام کو بہکائیں گے اور اب اگر راستبازی کا دعویٰ ہے تو دو ہزار روپے دونوں رسالوں کے مؤلف کو دیں ورنہ آئندہ جھوٹی گپوں سے توبہ کریں۔

(۶۵) معیار عقائد قادیانی:

مرزائیوں کے عقائد بیان کر کے ان کا رد کیا ہے۔

(۶۶) مرزائی صاحبان کے چیلنج کا جواب:

یہ پرچہ لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ بھاٹی دروازہ منشی پیر بخش صاحب پوسٹ ماسٹر پنشنر سے طلب کرنا چاہئے۔

(۶۷) کلمہ فضل رحمانی:

یہ کتاب ۱۳۱۴ھ قاضی فضل احمد کورٹ انسپکٹر لودھیانہ مؤلف میزان الحق نے مرزا قادیانی کے رسالہ انجام آتھم و ضمیمہ وغیرہ کے جواب میں لکھی ہے۔

(۶۸) کاشف اسرار نہانی یعنی روئداد مقدمات قادیانی

اس میں مرزائیوں کے مقدمہ بازی کی مفصل حالت لکھی ہے جو ۱۸۹۸ء میں مرزا قادیانی پر دائر ہوا تھا۔

(۶۹) بیان للناس:

مطبوعہ ۱۳۰۹ھ انصاری دہلی۔ اس میں وہ خط و کتابت ہے جو درمیان مولوی عبدالمجید دہلوی اور مولوی محمد احسن مؤلف اعلام الناس حواری مسیح قادیانی ہوئی تھی۔

(۷۰) شفاء للناس:

مطبوعہ ۱۳۰۹ھ انصاری دہلی۔ اس میں مولوی عبداللہ صاحب شاہ جہان پوری نے اعلام الناس کا جواب دیا ہے اور مرزا قادیانی کی حالت پر خوب روشنی ڈالی ہے۔

(۷۱) . نمونہ لیاقت علمی :

اس کا مضمون نام سے ظاہر ہے یعنی جس طرح عبدالماجد بھاگل پوری (قادیانی) کی دیانت اور لیاقت کا نمونہ کئی رسالوں میں دکھایا گیا ہے (محمد حسن قادیانی) امروہی لیاقت کا نمونہ ایک ہی رسالہ میں دکھا دیتا ہے۔

(۷۲) ...... اعلاء الحق الصریح بتکذیب مثیل المسیح :

اس میں بھی مرزا قادیانی کی حالت کو ظاہر کیا ہے کیونکہ پہلے ان کو دعویٰ مثیل مسیح ہونے کا تھا اس لئے اسی دعوے کی تکذیب کی گئی ہے۔

(۷۳) ..... اشاعۃ السنۃ جلد ۱۶ وغیرہ :

اس کے لکھنے والے مرزا قادیانی کے خاص دوست مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں۔ جب تک مرزا قادیانی حد سے نہیں بڑھے یہ ان کے معاون رہے جب ان کے دعوے حد سے بڑھے تو پھر مولوی صاحب نے خوب خبر لی چار برس تک زور شور سے تحریریں ہوتی رہیں۔ اس کا ذکر ۱۳۱۱ھ کے جلد ۱۶ میں مولوی صاحب نے کیا ہے۔ جلد ۱۵ اور ۱۶ وغیرہ دیکھی جائے اس میں آتھم کے مناظرہ کی حالت بھی پوری لکھی ہے۔

(۷۴) ..... اشتہار واجب الاظہار :

مرزا قادیانی نے مسلمانوں کا جلسہ کر کے یہ ظاہر کیا تھا کہ میں دعویٰ نبوت نہیں کرتا۔ مولوی مجھ پر اتہام کرتے ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی امرتسری نے اس میں ان کا دعویٰ نبوت اور توہین انبیاء ثابت کی ہے۔ اسی طرح مولوی صاحب ممدوح کی متعدد تحریریں مرزا قادیانی کے دعوؤں اور ان کی غلطیوں کے اظہار میں چھپی ہیں۔

(۷۵) کتاب اعجاز مسیح پر ریویو :

اس میں مرزا کے رسالہ اعجاز المسیح کی غلطیاں بطور اختصار دکھائی گئی ہیں۔ دو جزکی ہے۔

(۷۶) ..... حفاظت ایمان کی کتابیں :

کی فہرست ہے جس میں مفید مضامین لکھے ہیں جو ناظرین کی خدمت میں پیش کی گئی ہے۔

(۷۷) ...... تنقیح لامت قادیانی بطال امامت قادیانی:

مولانا عبدالرحیم صاحب صادق پوری کے قلم سے لکھی ہے اور مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ کی طرف سے قادیانی کو مفت دی جاتی ہے۔

وہ رسالے جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو ثابت کیا ہے

تمہید

رسائل ذیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و ممات کا تذکرہ ہے اور حیات کو ثابت کیا ہے۔ اسی بحث کو مرزائی حضرات اپنی پناہ خیال کرتے ہیں اور اول اسی مسئلہ کو پیش کر کے ایسی باتیں بناتے ہیں کہ گفتگو کی وسعت آئے۔ چونکہ مرزائی اپنے مرشد مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت و مہدویت وغیرہ ثابت نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس فضول گفتگو کو چھیڑ کر اپنی بات رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر الحمد للہ! ہماری طرف سے اس کا مسالہ (مس) ہی تیار ہے۔ البتہ ہمارے بھائیوں کو چاہئے کہ اس گفتگو میں نہ پڑیں۔ کیونکہ حضرت مسیح کی حیات (یا ممات) کو مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اسے لازم و ملزوم کہنا یا موقوف علیہ ٹھہرانا محض غلط ہے اور یہ غلطی ایسی ہو گئی ہے کہ کسی فہمیدہ پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ نہایت ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مر جانے سے ایسا شخص مسیح موعود کسی طرح نہیں ہو سکتا جس کا کذب قرآن مجید سے صحیح حدیثوں سے ثابت ہو اور وہ اپنے متعدد اقوال سے کاذب قرار پائے اور دوسرے ناشائستہ اقوال اس کے ایسے ہوں جو کسی بزرگ کے نہیں ہو سکتے اور مہدی اور مسیح کی تو بڑی شان ہے۔ پھر ایسا شخص مسیح موعود کیسے ہو سکتا ہے؟۔ مگر میں برادران اسلام کی واقفیت کے لئے چند کتابوں کے نام لکھتا ہوں جو حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و ممات کی بحث میں لکھے گئے ہیں اور مرزا قادیانی کی دلیلوں کو خاک میں ملا کر ثبوت حیات کے پایہ کو چرخ چہارم تک پہنچایا ہے۔ مرزا محمود (پسر مرزا قادیانی) لاہور میں آئے

تھے۔ وہاں کی انجمن تائید اسلام نے انہیں خط لکھا کہ مرزا قادیانی کے دعویٰ کے اثبات میں گفتگو کیجئے مگر صاحبزادے صاحب حضرت مسیح کی حیات و ممات کا تذکرہ چھیڑ کر اورا سے مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کو لازم و ملزوم کہہ کر بھاگ گئے۔ انہیں اس کی بھی خبر نہیں ہے کہ لزوم کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ان دونوں میں لازم کون ہے اور ملزوم کون ہے؟ اگر صداقت کا دعویٰ ہے تو پہلے یہ ثابت کریں کہ حضرت مسیح کی موت کو مرزا قادیانی کا مسیح موعود ہونا لازم ہے یا جو مرزائی اسے موقوف علیہ کہتے ہیں وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کریں مگر یہ بالکل غیر ممکن ہے۔ مرزا محمود تو کیا کوئی مرزائی ثابت نہیں کر سکتا: " ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا۔ " اور اس کلیہ کی ثبوت دہی ہے جو پہلے کہا گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مر گئے تو ایسا شخص ان کا قائم مقام کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ جس کا کاذب ہونا متعدد وجوہ سے اظہر من الشمس ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور پہلو گریز کا نکالا ہے وہ بھی لائق ملاحظہ ہے۔

حضرات! مرزائی جب مقابلہ کے لئے مسیح کی حیات و ممات کی بحث کو اپنی پناہ قرار دیتے ہیں تو ہماری طرف سے محض ان کے سمجھانے اور ان کا عجز دکھانے کے لئے بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے مان لیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مر گئے۔ ہم بحث میں کسی وقت حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو پیش نہ کریں گے نہ کسی اعتراض میں نہ کسی جواب میں۔ مگر یہ حضرات ہمارے اس احسان کو بھی نہیں مانتے کہ ہم نے ان کی خاطر سے بحث کو مختصر کرنے کے لئے حضرت مسیح کی موت کو مان لیا اور اثبات موت کا بار ان پر سے ہلکا کر دیا۔ ہمارے اس کہنے کے بعد کہتے ہیں کہ وفات مسیح کو مان لینا اور فرض کر لینا کام نہیں دے سکتا (یعنی جیسا کہ مرزا محمود نے لاہور میں کہا تھا) اب ان عقل کے دشمنوں سے یہ دریافت کیا جائے کہ کیوں کام نہیں دے سکتا؟ جب ہم کہتے ہیں کہ اسرائیلی مسیح کا ذکر ہم بحث میں نہ کریں گے جب تم کوئی حدیث پیش کرو گے ہم ہرگز نہ کہیں گے کہ یہ حدیث اسرائیلی مسیح علیہ السلام کے باب میں ہے بلکہ یہ کہیں گے کہ جو علامتیں مسیح موعود کی اس حدیث میں آئی ہیں وہ مرزا قادیانی میں ثابت کرو اور جن دلیلوں سے ان کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا ہے ان کا جواب دو۔ مگر یہ کسی مرزائی سے نہیں ہو سکتا اس لئے اپنا عجز پوشیدہ کرنے کے لئے یہ حیلہ

نکالا کہ فرض کر لینا کام نہیں دے سکتا۔ اسے صاحب کیوں کام نہیں دے سکتا جب ہم کہہ
رہے ہیں کہ ہم کسی اعتراض یا جواب میں حضرت مسیح کی حیات کو پیش نہ کریں گے۔ پھر کام
نہ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ سو تعجب کے مرزائیوں کو بھی اس پر بہت خوش ہوتے تاکہ
حضرت مسیح کی موت کو اب تو مانا جاتا ہے پہلے تو وہ کبھی اس کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔ اسے
نا خوشی ہونا یہ ماننا اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم حیات مسیح ثابت نہیں کر سکتے اور مرزا قادیانی نے
جو موت ثابت کر دی تو ہم اسے مان گئے۔ بلکہ محض بطور فرض ہم نے اسے مانا ہے تاکہ فضول
گفتگو میں وقت ضائع نہ ہو۔ ورنہ ہمیں ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کا بڑا ثبوت یہ ہے
کہ رسائل ذیل ہمارے پاس موجود ہیں جن میں حیات مسیح کو ثابت کیا ہے اور کوئی مرزائی ان
کا جواب نہیں دے سکا۔ ان کی فہرست ملاحظہ ہو۔

(۷۸) .. الالہام الصحیح فی حیات المسیح :

یہ رسالہ نہایت قابلیت سے مرزا قادیانی کے ابتدائی وقت میں لکھا گیا ہے نہایت
معقولانہ طریقہ سے حیات مسیح کو ثابت کیا ہے اور مرزا قادیانی کے دلائل کا جواب دیا ہے اس
کے مؤلف نہایت زور سے دعویٰ کرتے تھے کہ اگر مرزا قادیانی یا ان کے خلیفہ نور الدین نے
اس کے جواب میں کچھ بھی قلم اٹھایا تو پھر بیان کا رد کیا جائے گا کہ ہوش جاتے رہیں گے۔
اس رسالہ کے بعد دونوں صاحب دس برس زندہ رہے مگر جواب میں قلم نہیں اٹھ سکے مؤلف
رسالہ مولانا ابو نصیر غلام رسول عرف رسل بابا امرتسری ہیں ۱۳۱۱ھ میں چھپا ہے۔ اب گویا
نایاب ہے۔ مگر الحمد للہ یہاں موجود ہے جس کا جی چاہے آ کر دیکھے۔ (الحمد للہ! دفتر ختم نبوت
ملتان میں بھی موجود ہے۔)

(۷۹) الفتح ربانی :

یہ رسالہ اصل عربی زبان میں ہے اور اس کا ترجمہ اردو میں ۱۳۱۱ھ میں مطبع
انصاری دہلی میں چھپا ہے۔

(۸۰) .. حصر الشارد فی رد ہفوات المولوی عبد الواحد المنقب بہ تشقید
المبانی لرد القادیانی :

اس کے مؤلف مولانا حافظ ابو عبداللہ صاحب چھپراوی مقیم کلکتہ ہیں آپ سے اور مولوی عبدالواحد صاحب مرزائی سے تحریری مناظرہ ہوا ہے۔ مرزائی صاحب بالکل ساکت ہو گئے اور مولانا نے خوب تفصیل سے جواب دیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو ثابت کیا عمدہ رسالہ ہے مگر ابھی تک طبع نہیں ہوا۔

(۸۱)......... شمس الہدایۃ :

یہ ۱۳۲۲ھ میں مطبع مصطفائی لاہور میں چھپا ہے۔ اس کے مؤلف مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب ہیں۔

(۸۲)......... سیف چشتیائی :

اس کا جواب مرزا سے نہ ہو سکا اس رسالہ کے مؤلف بھی پیر صاحب ہیں۔

(۸۳)......... الحق الصریح فی حیات المسیح :

۱۳۰۹ھ میں مطبع انصاری دہلی میں چھپا ہے۔ یہ وہ رسالہ ہے جس کے دلائل کے جواب بالمقابل مرزا قادیانی نہ دے سکے اور دہلی چھوڑ کر قادیان بھاگ گئے تھے اس کے مؤلف مولانا محمد بشیر احمد صاحب سہوانی ہیں۔

(۸۴)......... البیان الصحیح فی حیات المسیح :

یہ رسالہ عمدۃ المطابع لکھنؤ میں چھپا ہے۔

(۸۵)......... شہادت القرآن (باب اول) :

اس رسالہ کے اس باب میں آیات قرآنیہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت کی ہے۔

(۸۶)......... شہادت القرآن (باب دوم) :

اس رسالہ میں مرزا قادیانی کے دلائل ممات کو غلط ثابت کیا ہے۔ یہ باب دوبارہ لاہور میں ۱۳۳۰ھ میں چھپا ہے۔ اس کے مؤلف مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی ہیں۔ ہر ایک باب مستقل رسالہ ہے اور علیحدہ علیحدہ چھپا ہے۔ مرزا قادیانی تمام عمر اس کا جواب نہ دے سکا اور اب کوئی کیا دے گا۔

(۸۷)......... رسالہ مذہب الاسلام :

اس کے آخر میں حیات مسیح علیہ السلام پر عمدہ بحث کی ہے۔ اس کا جواب بھی کسی مرزائی نے نہیں دیا۔ ۱۹۱۳ء میں چھپا ہے۔

(۸۸)......... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۵ :

اس میں مولانا سید انور حسین صاحب پروفیسر کالج مونگیر نے لفظ توفی پر خوب اچھی بحث کی ہے جس سے ممات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے والوں کی کمر ٹوٹ گئی۔

(۸۹)......... رسالہ النجم لکھنؤ جلد نمبر ۱۰ نمبر ۱۳ :

مولوی غلام سرور (قادیانی) اور مفتی صادق (قادیانی) لکھنؤ میں آئے تھے علمائے اسلام نے مرزا قادیانی کے مدعی ہو مسیح موعود ہونے کے دلائل طلب کئے۔ اس سے انہوں نے بالکل گریز کیا۔ مگر حیات و ممات کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے راضی ہوئے مگر وہ بھی بالمقابل گفتگو نہ کر سکے اور یہ کہا کہ لکھ کر قادیان بھیج دیجئے ہم جواب دیں گے۔ مولوی عبدالشکور صاحب مدیر النجم نے نمبر مذکور میں جواب لکھ کر بھیجا مگر اس وقت تک وہاں سے کچھ جواب نہ آیا مگر صاحبزادے (مرزا محمود) صاحب لاہور پہنچ کر پھر اسی مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اسے جناب! مدیر النجم نے تو آپ کی سب باتیں بیان کر اثبات حیات پر مضمون لکھا تھا اس کا جواب کیوں نہ دیا گیا اس وقت مہر سکوت منہ پر کیوں لگی رہی ؟۔

(۹۰)......... موازنۃ الحقائق :

مؤلف رسالہ نے حیات و ممات مسیح کے رسالے دیکھ کر بلا تعصب حاکمانہ فیصلہ کیا ہے زبان فارسی میں' اور حضرت مسیح کی حیات کو ترجیح دی ہے۔ (مؤلفہ مولوی محمد اکبر صاحب کارخانہ پیسہ اخبار لاہور)

(۹۱) ... درۃ الدرانی علیٰ ردالقادیانی :

اس میں بھی حضرت مسیح کی حیات کو ثابت کیا ہے۔ علاوہ اس کے جس قدر عقائد باطلہ و لغویات و کفریات مرزا قادیانی کے قول میں پائے جاتے ہیں' اس کی تشریح اور پوری

تردید عمدہ طور سے کی گئی ہے۔ (مؤلفہ مولوی محمد حبیب اللہ خان مجددی مطبع ہاشمی میرٹھ میں چھپا ہے۔)

یہ چودہ رسالے اس وقت تک میرے علم میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و ممات کے بحث میں لکھے گئے ہیں۔ پھر کسی مولوی مرزائی کی جرأت نہ ہوئی کہ ان کا جواب دے مگر حضرت مسیح علیہ السلام کی ممات کا دعویٰ ہو رہا ہے اور جب کوئی بحث کو کہتا ہے تو حیات و ممات کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں ہمارے علماء نے تو اتنے رسالے اس بحث میں لکھ کر شائع کر دیئے اور مرزا قادیانی کی کتاب کا بھی جواب دے دیا۔ اب تمہیں کسی طرح حق نہیں ہے کہ بغیر ان رسالوں کا جواب دیئے اس بحث کو پیش کرو۔ اس کے علاوہ اب تو تمہارا اول فرض یہ ہے کہ پہلے ان الزامات کو اٹھاؤ جو مرزا قادیانی پر کئے گئے ہیں اور مذکورہ رسالوں میں مندرج ہیں۔ جن سے قطعی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ بموجب قرآن و حدیث مرزا قادیانی کاذب ہیں اور خود ان کے چند اقرار انہیں جھوٹا اور جریدہ سے بدتر ثابت کرتے ہیں۔ ان الزاموں کے اٹھانے کے بعد قرآن و حدیث سے ان کے دعویٰ نبوت کو ثابت کیجئے مگر میں قطعی پیش گوئی کرتا ہوں کہ یہ کسی مرزائی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ نے ان کے کاذب ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے اور وہ اپنی زبان سے کاذب ٹھہر چکے ہیں۔ اب جو کوئی ان کی صداقت میں قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کرے اسے بالیقین سمجھو کہ فریب دیتا ہے یا جاہل ہے آیت کے مطلب کو نہیں سمجھا کیونکہ یہ غیر ممکن ہے کہ جس کے کذب کا فیصلہ خود کلام الٰہی کر چکا ہو جس کا کذب بدیہی طور سے دنیا پر ظاہر ہو گیا ہو پھر وہی کلام بھی دوسرے مقام پر اسے صادق ٹھہرائے آسمان و زمین ٹل جائیں مگر یہ نہیں ہو سکتا۔

مسلمانو! اس پر غور کرو کہ ۹۱ کتابیں (اور اب تو ۱۲۰۰ء میں ۱۵۰۰ سے بھی زائد) مرزا غلام احمد قادیانی کے کذب کے ثبوت میں ہمارے علماء نے لکھی ہیں ان میں سے بہت کتابیں مرزا قادیانی کی زندگی میں لکھی گئی ہیں اور باوجود کہ وہ بڑے لکھنے والے تھے اور اس قدر لکھنے میں منہمک ہوتے تھے کہ نماز کی بھی پرواہ نہیں رکھتے تھے مگر ان کا جواب نہ دے سکے۔ ان کے خلیفہ اول بھی عاجز رہے۔ اس واقعہ سے ہر ایک مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ یہ کتابیں

لاجواب ہیں اور مرزا قادیانی کا کاذب ہونا قطعی اور یقینی ہے پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے۔ اگر کوئی مرزائی کسی مسلمان کے دل میں شبہ ڈالے اسے چاہئے کہ ان کتابوں کو اچھی طرح دیکھے۔ اگر پھر بھی شبہ رہے تو بالضرور ہمیں اطلاع دے۔ انشاء اللہ! یہاں سے اس کا کافی جواب دیا جائے گا اور ان کی تسلی کر دی جائے گی۔

مکرر التماس! میں محض خیر خواہانہ فہرست شائع کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اسے آپ ضرور دیکھیں گے اور ان کتابوں کو منگوانے اور اشاعت کی کوشش کر کے اس کا ثواب عظیم حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ہمیشہ توفیق خیر عنایت کریں۔ آمین!

راقم: خاکسار محمد اسحاق خانقاہ رحمانیہ محلہ مخصوص
پور مونگیر (۲۶۔ شوال یوم پنجشنبہ ۱۳۳۲ھ)

آخری التماس از مشتہر موصوف

میں نے آپ کے روبرو ان کتابوں کی فہرست پیش کی ہے کہ اگر آپ تعالیٰ اللہ امن ہو کر ان کو دیکھیں گے تو اس جدید فتنہ سے آپ کا ایمان محفوظ رہے گا۔ اب میں ان کی خدمت میں التماس کرتا ہوں جو مرزا کی بعض باتوں کو قانون قدرت کے موافق خیال کر کے ان کی سب باتوں پر ایمان لے آئے وہ یہ فرمائیں کہ کیا کوئی جھوٹا بھی سچ نہیں بولتا اور کوئی عمدہ بات نہیں کہتا؟۔ مجھے ہر عقلمند سے امید ہے کہ اس سے انکار نہ کریں گے اس لئے ضرور ہے کہ مدعی نبوت و رسالت کے دعویٰ کی تصدیق اسی وقت کرنی چاہئے کہ جب وہ اپنے خاص دعویٰ میں سچا ہو۔ مرزا قادیانی تو اپنے دعویٰ میں کسی طرح صادق نہیں ہو سکتے۔ اس کے نہایت کافی وجوہ ان رسالوں میں لکھے گئے ہیں جن کی فہرست میں پیش کر چکا ہوں۔ ختم شد التماس

ضمیمہ فہرست مذکورہ جو دوسرے مقامات سے نقل کیا گیا ہے بہ ترتیب سلسلہ مذکورہ اصل فہرست۔ (۹۳)... حدیبیہ والی پیشین گوئی کی صداقت۔ (۹۳)... اعلان الحق از ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب۔ (۹۳)... بقیہ نمبر ہائے الذکر الحکیم علاوہ نمبر ہائے مذکورہ فہرست۔ (۹۵)... جدید شہادت۔ (۹۶)... جدید ہاقرین منصف مزاج۔ (۹۷)...

شہاب ثاقب۔ (۹۸)۔ ایک ہمدرد مخلص کی فریاد۔ (۹۹)... القول الصحیح فی مکائد المسیح۔ (۱۰۰) مرزائی جماعت کا تنزل۔ (۱۰۱) مسیح قادیانی کے جھوٹے الہامات۔ (۱۰۲)... مسیح قادیان کا عالم برزخ میں واویلا۔ (۱۰۳) عبرت خیز۔ (۱۰۴).. حیات مسیح۔ (۱۰۵) اشتہار مرزا محمود کی تشریف آوری۔ (۱۰۶) جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گزارش۔ (۱۰۷).. مسیح قادیان اور توہین انبیاء ذی شان۔ (۱۰۸)... اسلامی اعلان۔ (۱۰۹) .. تبلیغ روحانی۔ (۱۱۰)... انتخاب الصنیع فی تحقیق المہدی والمسیح از احقر۔ (۱۱۱)..... چھپے ہوئے اخبار اہل سنت والجماعت امرتسر۔ (۱۱۲) تغلیط مشاجرہ نبوت قادیانی۔ تمت التتمیمۃ۔

تنبیہ: (۱) . فہرست مذکورہ ضمیمہ مذکورہ کی بعض کتب کی نسبت ماخذ میں غیر مطبوع لکھا ہے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔

(۲) ... بہت سی کتابیں اور بعض کے ملنے کا پتہ خانقاہ رحمانیہ مونگیر محلہ مخصوص پور مولوی محمد اسحاق صاحب سے ملے گا اور بعض کا اور مختلف مقامات سے۔ مثلاً مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے مگر ان حضرات سے لوٹتی لفافے کی درخواست نہ کی جائے بلکہ جوابی کارڈ پر دریافت کیا جائے کہ اگر آپ کو معلوم ہو تو فلاں کتاب کے ملنے کا پتہ بتلا دیجئے۔

. **تسہیل فی المشورہ**: اگر سب کتابوں کا جمع کرنا یا دیکھنا دشوار ہو تو رسائل ذیل تو ضروری دیکھ لینا اور پاس رکھنا چاہئیں۔

ان رسائل کے نام مع خلاصہ مضمون

(۱) مسیح کاذب:

اس میں ۳۴ کذب فاحش مرزا قادیانی کے ہیں۔

(۲) .. معیار المسیح:

ان آیتوں کی شرح جن سے مرزائی مرزا قادیانی کا صدق علامت کرتے ہیں اور اس میں ان کے خصوط منکوحہ آسمانی کے باب میں قابل ملاحظہ ہیں۔

(۳) .... ابطال اعجاز مرزا :

قابل ملاحظہ اہل علم قصیدہ اعجازیہ کے اغلاط دکھائے ہیں۔

(۴) ...... اشتہار مرزا محمود کی شریف آوری :

اس میں ختم نبوت کے دلائل اور خاتم النبیین کی تفسیر ہے۔

(۵) .... جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گزارش ۔

اس مختصر تحریر میں مرزا قادیانی کے اکاذیب متعدد دکھائے ہیں۔

(۶) ...... شہادۃ القرآن مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اثبات حیات۔

(۷) ...... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۳ :

لارڈ ہیڈلے کے اسلام کی تحقیق۔

(۸) .... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۵ :

ختم نبوت و توفی۔

(۹) ...... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۶ و نمبر ۷

دعوی نبوت و جواب دلائل وفات۔

(۱۰) ...... فیصلہ آسمانی حصہ اول :

منکوحہ آسمانی کی کامل بحث ہے اور آخر میں توفی کی تحقیق۔

(۱۱) .... فیصلہ آسمانی حصہ دوم :

اس میں قطع وتین کی بحث اور مدعیان کاذب کا عدم دراز تک باک کرنے ہونا۔

(۱۲/۱۳) .... شہادت آسمانی حصہ اول و دوم :

اس میں خسوف و کسوف رمضان المبارک کے اجتماع سے استدلال کا بہت اچھا جواب ہے۔

(۱۴) .. الذکر الحکیم کے سب نمبر۔

(۱۵)...... اعلان الحق:

(۱۶) . مسیح دجال:

(۱۷)...... انجم الثاقب۔

اس میں بعض اکاذیب مرزا قادیانی کے بیان کیے گئے ہیں۔

(۱۸) معیار صداقت: نکاح والی پیشین گوئی کے جواب۔

(۱۹)...... حفاظت ایمان کی کتابیں:

اس میں ان کتابوں کا تذکرہ ہے جن کا پاس رکھنا نہایت ضروری ہے۔

(۲۰)...... عصائے موسیٰ:

از منشی الٰہی بخش صاحب جو پہلے معتقد تھے۔

ذیل کی پانچ تحریریں جو نہایت مختصر ہیں۔ ان کا تو پاس رکھنا ہر شخص کو بہت ہی آسان ہے وہ یہ ہیں۔

(۲۱)...... جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گذارش:

اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات اور اکاذیب کا بیان ہے۔

(۲۲)...... مسیح قادیان کا عالم برزخ میں واویلا:

اس میں مرزا کے متعلق عبرتناک خواب ہیں۔

(۲۳)...... مسیح قادیان اور تین انبیاء وتحقیقات:

مضمون کے نام سے ظاہر ہے۔

(۲۴)...... اسلامی اعلان:

اس میں مختصراً مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ اور عقائد اور علماء کرام کا فتویٰ اور قادیانی مشن کے مبلغین کی اور ان کے اخباروں کی فہرست اور رسائل رد مرزا قادیانی کی فہرست مع قیمت اور بعض رسائل رد مرزا غلام احمد قادیانی کی فہرست جن کا جواب نہیں ہو سکا اور مرزا قادیانی کی درخواست چندہ توسیع مکان کے متعلق مرزا قادیانی کے بیٹے

بھائی کی طرف ایک خط اور صفحہ آخر میں کچھ اقوال جوہرِ کنِ اسلام ہیں۔

اس مقام پر فصل سوم کے عنوان سے ان پانچ تحریروں میں سے صرف تحریر اول کو بعینہٖ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فصل ثالث در نقل مضمون معنون

جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گذارش

اور مسیح قادیانی کی حالت کا بیان

از مولانا ابو احمد صاحب رحمانی مونگیر

ہم نے نہایت خیر خواہی سے تمام مسلمانوں کو اور خصوصاً جماعت احمدیہ کو مرزا قادیانی کی حالت سے آگاہ کیا اور متعدد رسالے لکھ کر ان کے سامنے پیش کئے مگر افسوس ہے کہ مرزائی جماعت کچھ توجہ نہیں کرتی اور ان کے سرکردہ ہمارے رسالوں کو دیکھنے نہیں دیتے اور ایک جھوٹے کی پیروی میں سرگرم ہے اور نہایت ناجائز طریقوں سے جھوٹ کی اشاعت میں کوشاں ہے اور کچھ خیال نہیں کرتی کہ دنیا میں بہت تھوڑے دن رہنا ہے۔

سخت حیرت یہ ہے کہ مرزا قادیانی اپنے اقلانیہ جھوٹ اور فریب چھپانے کے لئے خدا تعالیٰ پر جھوٹ اور فریب کا الزام لگاتے ہیں اور یہ خوشی سے مان رہی ہے۔ ان کے مولوی نہایت غلط اور شرمناک باتوں کو مرزا قادیانی سے الزام اٹھانے کے لئے اعلانیہ پیش کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے خدا پر الزام آئے گا۔ اور شریعت الٰہی بے کار ہو جائے گی۔ مگر ان کی اس بے رخی اور بے اعتنائی کے ساتھ بھی ہم ان کی خیر خواہی سے باز نہیں رہ سکتے اور مخلوق خدا کو اس عظیم الشان گمراہی سے بچانے کیلئے مستعد ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے اور بھائیوں کو بھی مستعد کرے۔ اس تحریر میں ہم خاص طور سے مرزا قادیانی کی کذب بیانی دکھانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ملتجی ہیں کہ وہ ہادی مطلق مرزائی جماعت کو ہدایت کرے اور راستبازی اور حق پسندی کا جوش ان کے دل میں عنایت فرمائے۔ پہلے اس کو اپنے ذہن

یقین کر لینا چاہئے کہ ہمارا مذہب مقدس اسلام ایسا عالی مرتبہ ہے کہ راستی و سچائی اس کا بڑا جزو ہے۔ ہمارے نبی کریم سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے مختلف اوقات میں فرمایا ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔ یہ کیسا پیارا اور سچا مقولہ ہے جس کی خوبی اور صداقت پر ایک انسان شہادت دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ برگزیدہ اسلامی صفت مرزائیوں کے مرشد میں نہیں پائی جاتی اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت اس سے بعید دور ہے اور بد اخلاقی اور بے باکی ان کی سرشت میں سرایت کر گئی ہے۔ پھر ایسے شخص کو مقدس اور بزرگ ماننا اسلام کی ہتک کرنا اور شعائر نبوی کو پامال کرنا ہے۔ جس میں حدیث رسول اللہ ﷺ کے موجب اسلام کا جزو اعظم نہ پایا جائے اسے بزرگ اور مسیح موعود سمجھنا اور تمام اولیائے کرام سے اسے افضل بتانا کس قدر اسلام پر اور کاملین اسلام پر نکتہ چین اسلام کو مضحکہ کا موقع دیتا ہے۔ نکتہ چین علانیہ کہیں گے کہ جس مذہب کے ایسے بزرگ جنہیں خواجہ کمال (قادیانی) مجدد اور تمام اولیائے امت سے افضل قرار دیں اور ایک جماعت کے مقرر و حل عقد امام میاں محمود (قادیانی) انہیں خدا کا رسول بتائیں وہ ایسے جھوٹے اور کذاب ہوں پھر اور اولیائے امت کا کیا حال ہوگا اور تمام شریعت الٰہی کے معتبر ہونے کی کیا وجہ ہو گی؟۔ حیرت یہ ہے کہ مرزا قادیانی کو جھوٹ بولنے میں اس قدر جرأت ہے کہ نہایت بے اصل اور اعلانیہ جھوٹ کو اس قدر زور اور دعوے سے بیان کرتے ہیں کہ ناواقف کے ذہن میں اس کی صداقت اثر کر جاتی ہے اور اس کے جھوٹے ہونے کا خطرہ بھی اسے نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ بہت سادہ لوحوں اور کج طبیعت حضرات نے انہیں مان لیا اور ماننے کے بعد اس میں سرشار ہو گئے اور بہتوں کو تنخواہیں ملنے لگیں۔ بعض کو بات کی پچ لگ گئی اور بعض مطالب کے پیرو ہو گئے۔ اب مرزا قادیانی کی بد اخلاقی اور کذب بیانی کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

ذرا اس صحیفہ کا پہلا نمبر ملاحظہ کیجئے کہ اس میں کئی جھوٹ مرزا قادیانی کے بیان ہوئے اور کئی پیش گوئیاں جو انہوں نے اپنی سخت مخالفت کے مقابلہ میں کی تھیں وہ جھوٹی ہوئیں۔ پیغام صلح والے (لاہوری مرزائی) اور محمودی پارٹی (قادیانی) آنکھیں کھول کر دیکھیں اور انہیں شمار کریں۔ اس نمبر کے شروع میں سات کتابوں کے نام لکھ کر بتلایا ہے کہ:

پہلے رسالہ میں ۱۵۹ جھوٹ و فریب مرزا قادیانی کے دکھائے ہیں اور دوسرے میں ۹۹ اور تیسرے میں ۱۰۹ اور چوتھے میں ۵۳ اور پانچویں میں ۴۳ اور چھٹے میں ۲۴ اور ساتویں میں ۷۰ اور اس کے بعد ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے مقابلہ کی حضرت اقدس راو پیش گوئی کا جھوٹا ہونا دکھایا ہے اور اس سے کئی جھوٹ مرزا قادیانی کے ثابت کئے ہیں۔ انہیں دیکھئے۔

(۱)......ان (مرزا قادیانی) کا یہ کہنا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم میرے روبرو ہلاک ہوگا۔

(۲)......دنیا میں وہ عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

(۳)......میں اس کی زندگی میں ہرگز نہ مروں گا۔ میں سلامتی کا شہزادہ ہوں۔

(۴)......ڈاکٹر عبدالحکیم مجھ پر غالب نہیں آسکتا۔

یہ چاروں باتیں مرزا قادیانی کی جھوٹی ثابت ہوئیں اور اپنے اقرار سے لعنت کی موت سے مرے کیونکہ مرزا قادیانی کو مرے ہوئے آٹھ برس ہوگئے اور ڈاکٹر صاحب نہایت خیر و خوبی سے اب تک بیٹھے ہوئے تالیف کر رہے ہیں اور مرزا قادیانی کے کذب کو دکھا رہے ہیں۔ اسی صحیفہ کے آخری صفحہ میں تین پیش گوئیوں کا جھوٹا ہونا دکھایا ہے۔ غرض کہ سات جھوٹ اور چار جھوٹی پیش گوئیاں دکھائی گئی ہیں۔ اب ان کو سابقہ رسائل والے جھوٹوں کے ساتھ شمار کر لیجئے اور جمع کیجئے کہ کتنے سو جھوٹ ہوئے؟ اور پھر تھوڑی سی عقل کو دخل دیجئے کہ جھوٹ ایسا جرم ہے کہ اگر ایک جھوٹ بھی کسی کا ثابت ہو جائے تو پھر اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں رہتا اور جو ایسا جھوٹ ہو کہ جس سے خدا پر الزام آئے تو حسب ارشاد خداوندی وہ جھوٹا ہے۔ مرزا قادیانی نے تو ہر قسم کے جھوٹ بولے ہیں۔ پھر ایسا جھوٹا شخص مسیح موعود مانا جائے حیرت ہے کہ حضرت پیر جنہیں خواجہ کامل (مرزائی) مسیح موعود اور تمام اولیاء اللہ سے افضل مانتے ہیں اور بڑے فخر سے ان کی مدح میں یہ مصرعہ پڑھتے ہیں

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کہتے ہوئے انہیں شرم نہیں آتی۔ غیر معتبر اور جھوٹا ہونے کے لئے ایک جھوٹ کا ثبوت کافی ہے اور یہاں تو دو ورق میں اس قدر جھوٹ ثابت کر دیئے گئے اور دکھایا گیا کہ مرزا قادیانی مسیح موعود تو کیا ہوتے صلحاء اور راستبازجماعت میں بھی ان کا شمار نہیں ہو سکتا اور موکھیر

سے لے کر بنگال اور حیدرآباد تک اور حیدرآباد سے قادیان اور لاہور اور پشاور تک ہزاروں دو ورقے شائع کر دیئے مگر کسی قادیانی کی مجال تو نہ ہوئی کہ جواب دے۔ اگر ہم نے غلط کہا ہے تو مرزائی جواب دیں۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔ اس صحیفہ کے نمبر ۳ میں دوسرے طریقے سے ان کا کاذب ہونا ثابت کیا ہے یعنی احادیث صحیحہ سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ شریعت محمدیہ ﷺ میں انبیاء کی توہین تحقیقاً اور الزاماً کسی طرح جائز نہیں ہے اور مرزا قادیانی نے اس ناجائز فعل کا ارتکاب بڑی شدومد سے کیا ہے اور انبیاء کرام کی سخت توہین کی ہے جس سے وہ علانیہ دائرہ اسلام سے علیحدہ معلوم ہوتے ہیں اور اس توہین میں اپنی عادت مستمرہ کے موجب محض جھوٹی باتیں کہی ہیں۔

مثلاً مسیح کی نسبت لکھا ہے کہ:

"حق بات یہ ہے کہ ان سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۶ خزائن ص ۲۹۰ ج ۱۱)

ملاحظہ ہو یہ وہ جھوٹ ہے جس کی شہادت کلام الٰہی دیتا ہے اور ارشاد خداوندی سورہ بقرہ کے دسویں رکوع میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات دیئے اور سورہ مائدہ میں ان معجزات کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

اب مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا کیسا صریح جھوٹ ہے؟ اور یہ جھوٹ الزاماً نہیں بولا ہے بلکہ ان کا یہ کہنا کہ "حق بات یہ ہے" ثابت کرتا ہے کہ اس امر میں ان کے نزدیک جو امر حق ہے اسے بیان کیا ہے۔ اب ان کا حضرت مسیح کے معجزات سے انکار کرنا اور اس انکار کو حق بات کہنا قرآن مجید کی آیات مذکورہ سے صریح انکار ہے۔ مگر چونکہ مسلمانوں کو فریب دینا ہے اس لئے صاف انکار نہیں کرتے باتیں بنا کر فریب دیتے ہیں۔ مولوی عبدالماجد مرزائی سے اسی پر گفتگو ہوئی تھی اور مولانا محمد عبدالشکور صاحب (لکھنوی) نے انہیں ایسا عاجز اور ساکت کر دیا کہ وہ اپنے عجز کے خود مقر ہو گئے اور تمام حاضرین جلسہ نے اس کا معائنہ کر لیا۔ اسی صحیفہ میں ایک جھوٹ یہ بھی دکھایا ہے کہ حضرت مسیح کی نسبت لکھتے ہیں۔

"آپ کے ہاتھ میں سوا مکر و فریب کے اور کچھ نہیں تھا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ حاشیہ خزائن ص ۲۹۱ ج ۱۱)

برادران اسلام! ایک اولوالعزم نبی کی شان کو خیال کریں اور مرزا قادیانی کی اس گستاخی اور بے ادبی کے ساتھ اس جھوٹ کو ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ عالی مرتبہ پیغمبر ہیں' جن کی عظمت و رسالت اور معجزات اور تقرب الٰہی کا ذکر قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا ہے۔ جن کی نسبت مرزا قادیانی کا قول ہے کہ ان کے ہاتھ میں سوا مکر و فریب کے کچھ نہ تھا۔ یہ کیسی صریح ان آیات کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ پر اتہام ہے' جن میں ان کی عظمت و رسالت بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نسبت فرماتے ہیں:

"وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ - البقرہ آیت ۸۷"

یعنی ﴿ہم نے عیسیٰ کو معجزے دیئے اور روح القدس کے ذریعہ سے ان کی مدد کی۔﴾ بعض مقام پر ان کی تعریف اس طرح فرمائی:

"وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ - آل عمران آیت ۴۵"

﴿عیسیٰ (علیہ السلام) دونوں جہان میں صاحب وجاہت اور مقبولان خدا سے ہے۔﴾

برادران اسلام! ملاحظہ کریں کہ جن کی برگزیدہ صفات اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں بیان فرمائے۔ ان کی نسبت مرزا قادیانی نہایت بے باکی سے یہ لکھتے ہیں کہ: "ان کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے اور کچھ نہ تھا"۔ یہ کیسی صریح تکذیب ہے کلام الٰہی کی کسی مسلمان کو ایسی جرأت نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنا کہ الزاماً ایسا کہا ہے محض جہالت یا فریب دہی ہے۔ اول تو انبیاء کی نسبت ایسی گستاخیاں تحقیقاً اور الزاماً ہر طرح منع ہیں۔ حدیث سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ الزام دینے کا یہ طریقہ ہرگز نہیں ہے۔ لیکن ہم اسے خوب جانتے ہیں کہ یہ باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ البتہ مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے اپنے آپ کو اسلام کا مطیع کہتے تھے اور قرآن و حدیث سے

استدلال پیش کرتے تھے۔ مگر اس میں اکی تحریف کرتے تھے جسے اہل علم ہی خوب سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی دلی خواہش کو مسلمانوں سے منوانے کے لئے قرآن مجید کو پیش کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے ہمارا مدعا ثابت ہے۔ ان باتوں کے علاوہ اس تحریر میں اور بھی جھوٹ و فریب بیان ہوئے ہیں۔ ناظرین اس نمبر کو ملاحظہ فرمائیں۔ اب یہاں دوسرے قسم کے جھوٹ آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

مسیح قادیان کے بعض اعلانیہ جھوٹ

جن میں بعض وہ بھی ہیں جو کئی برس ہوئے دکھا کر جواب طلب کیا گیا تھا مگر اب تک یہاں سے قادیان تک سب کا اتفاق ہے۔ جواب سے عاجز ہیں مگر سخت افسوس ہے ان کے حال پر کہ ایسے علانیہ جھوٹ دیکھ کر بھی اس کی پیروی سے علیحدہ نہیں ہوتے مقابلہ پر کبھی دم خود ہو جاتے ہیں کچھ نہیں کہتے کبھی کہتے ہیں کہ حوالہ غلط ہے پوری عبارت نہیں نقل کی اصل کتاب دکھاؤ۔ چونکہ جانتے ہیں کہ ہر وقت ہر شخص کے پاس کتاب موجود نہیں رہتی اس لئے ٹالنے کے لئے بیان کر دیتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ جو حوالے ہم نے مرزا قادیانی کی کتاب سے دیئے ہیں اگر مرزا قادیانی کی کتب میں یہ مطلب نہ ہو تو ہم مجمع میں اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کریں گے اور ہر غلط حوالہ کے عوض ہزار روپے دینے کو موجود ہیں۔ اگر حوالہ غلط نہ ہو اور جو مطلب ہم نے ثابت کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہو تو تمہیں مرزا قادیانی کو جھوٹا ماننا ہوگا۔ میں تمام برادران اسلام سے کہتا ہوں کہ جب کوئی مرزائی ہمارے حوالہ پر الزام لگائے اس سے یہی کہیں اور نہایت زور سے کہیں اب مرزا قادیانی کے جھوٹوں کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

پہلا جھوٹ ... مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ

"مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری ... اور مولوی محمد اسماعیل صاحب علی گڑھی نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا۔"

(اربعین نمبر ۳ ص ۹ خزائن ص ۳۹۴ ج ۱۷)

یہ مرزا غلام احمد قادیانی کا صریح کذب ہے۔ ان دونوں حضرات نے ایسا کہیں نہیں لکھا۔ اگر کسی کو دعویٰ ہے تو بتائے کہ کہاں اور ان کی کس کتاب میں ہے؟۔ دعائی مرزا قادیانی میں یہ بھی استفتاء کیا گیا ہے اور مجیب کے لئے پانچ سو روپے کا اشتہار دیا ہے اور یہ رسالہ صحیفہ رحمانیہ سے بہت پہلے چھپا ہے۔ پھر صحیفہ رحمانیہ نمبر اول میں اس جھوٹ کو دکھایا گیا ہے۔ صحیفہ صفر ۱۳۳۲ھ میں چھپا ہے اور اب ۱۳۳۵ھ ہے (اور اب ۱۴۲۱ھ ہے) مگر اس وقت تک کوئی مرزائی اس جھوٹ کے داغ کو مٹا نہیں سکا اور نہ قیامت تک مٹا سکتا ہے۔

دوسرا جھوٹ۔۔ لکھا ہے کہ۔

"جتنے لوگ مباہلہ کرنے والے ہمارے مقابلہ میں آئے خدا تعالیٰ نے سب کو ہلاک کر دیا۔" (اخبار بدر مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۰۶ء ملفوظات ص ۹۹ ج ۹)

یہ دعویٰ بھی محض غلط اور سراسر جھوٹ ہے۔ صوفی عبدالحق صاحب کے سوا کسی سے مرزا قادیانی نے مباہلہ نہیں کیا اور صوفی صاحب اب تک زندہ موجود ہیں اور مرزا قادیانی کو ہلاک ہوئے آٹھ برس ہو گئے مگر مریدوں کی کذب پرستی کا یہ حال ہے کہ اپنے مرشد کے اس جھوٹے دعوے کو سچ ثابت کرنے کے زور سے اب تک یہی دعویٰ کر رہے ہیں۔

چنانچہ لکھا ہے کہ۔

"کئی ایک مخالفین باتفاق عزت سے مجبور ہو کر اور مباہلہ کر کے اپنی ہلاکت سے خدا کے اس مامور کی صداقت پر مہر لگا گئے۔" (۲۱ دسمبر ۱۹۱۶ء پیغام صلح)

اب دیکھا جائے کہ یہ کیسا اعلانیہ جھوٹ ہے۔ مگر کاذب کی پیروی نے دل کو تاریک اور عقل و ہوش کو بے کار کر دیا کہ متنبہ کرنے کے بعد بھی واقعی بات کی تحقیق نہیں کرتے۔ اس دعویٰ کا جھوٹا ہونا ۱۹۱۳ء میں صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے۔ بایں ہمہ ۱۹۱۶ء میں کس جرأت سے لکھتے ہیں کہ مباہلہ کر کے اپنی ہلاکت سے خدا کے اس مامور کی صداقت پر مہر لگا گئے۔ اگر اور کچھ نہیں دیکھا تھا اور مرزا قادیانی کے جھوٹ کو بھی وہ سچ سمجھے تھے تو صوفی عبدالحق صاحب کو بھی انہوں نے دیکھا یا سنا نہ تھا کہ مباہلہ کرنے والے اس وقت

تک زندہ امرتسر میں موجود ہیں۔ پھر ایسا غلط جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آئی اور یہ بھی خیال نہیں کیا کہ باوجود اس شور وغل کے تمام عمر میں ایک صوفی صاحب سے مباہلہ کی نوبت آئی اور ان کی زندگی میں مرزا قادیانی ہلاک ہوئے اور اس سے ان کے حق کی صداقت پر مہر لگ گئی۔ اب اس غلط بیانی سے سچے واقعہ کے خلاف بیان کرنا کسی صاحب شرم وحیا کا کام ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ خولیہ کمال (مرزائی) کی پارٹی کا جھوٹ ہے جو اشاعت اسلام کا دعویٰ کر کے مسلمانوں سے روپیہ بٹور رہے ہیں۔

لطف یہ ہے کہ ۱۷ جنوری ۱۹۱۸ء کے اہل حدیث میں ان مباہلین کے نام دریافت کئے ہیں جو مرزا قادیانی سے مباہلہ کر کے مر گئے تو بڑی جرأت سے تاریخ مذکورہ کے پیغام صلح میں ان پانچ شخصوں کے نام ہیں جنہوں نے مرزا قادیانی سے کسی وقت مباہلہ نہیں کیا۔ البتہ جس طرح دنیا کے بہت لوگوں نے مرزا قادیانی کے سامنے انتقال کیا اسی طرح ان پانچوں صاحب نے انتقال کیا مگر اس جماعت کے کذب کی دیدہ دلیری اور راستی اور سچائی سے بیزاری قابل ملاحظہ ہے کہ جو جواب دیکھ اپنا اور اپنے مرشد کا جھوٹ معلوم کر چکے مگر عوام ناواقفوں کے سامنے جمع کر کے اپنی سچائی دکھاتے ہیں اور پانچ شخصوں کا نام بتاتے ہیں تاکہ ناواقف یہ سمجھیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے مباہلہ کیا اور مر گئے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے ان لوگوں نے مباہلہ نہیں کیا۔ کیا یہی حضرات اشاعت اسلام کا دعویٰ کر رہے ہیں؟ اور مسلمانوں سے چندہ مانگتے ہیں اور بھولے بھالے سیدھے سادے مسلمان انہیں سچا سمجھ کر چندہ دے رہے ہیں۔

تیسرا جھوٹ: مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ:

"ضرور تھا کہ قرآن کریم اور احادیث کی وہ پیشگوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا وہ اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کے لئے فتوے دیئے جائیں گے۔"

(اربعین نمبر ۳ ص ۱۷، خزائن ص ۴۰۴ ج ۱۷)

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ قرآن و حدیث میں کہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ امام مہدی اور مسیح جب آئیں گے تو مسلمانوں کے دلوں میں ان کی محبت اس قدر ہو گی کہ ہر وقت ان کا ذکر کریں گے اور بلا ان کی خواہش کے بیعت ان سے کرنا چاہیں گے اور کریں گے۔ ملاحظہ ہو:

"البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان۔"

مرزا قادیانی نے مذکورہ قول میں تین باتیں قرآن اور حدیث کی طرف منسوب کی ہیں۔

(۱) ...... یہ کہ علماء کے ہاتھ سے مسیح موعود کو اٹھانے ہوگا۔ یعنی اسے ایذ ایں پہنچیں گے۔

(۲) ...... اسے کافر قرار دیں گے۔

(۳) ...... اس کے قتل کا فتویٰ دیں گے۔

اور یہ تینوں باتیں قرآن و حدیث کی طرف منسوب کی ہیں۔ یعنی قرآن مجید میں یہ تینوں باتیں آئی ہیں اور حدیث میں بھی۔ مگر یہ تینوں دعوے محض غلط ہیں نہ قرآن میں ان دعووں کا پتہ ہے اور نہ حدیث میں۔ اس لئے یہ چھ جھوٹ ہوئے۔ اب جس کو ان کے سچے ہونے کا دعویٰ ہے وہ قرآن و حدیث سے ثابت کرے ورنہ خدا سے ڈر کر ایسے جھوٹے سے علیحدہ ہو جائے۔ آٹھ جھوٹ تو یہ ہوئے۔ اب نواں جھوٹ دیکھئے:

نواں جھوٹ...... : مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ:

"ہمارے نبی کریم ﷺ کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے۔"

(قادیانی اخبار البدر مورخہ ۲۳ نومبر و دسمبر ۱۹۰۲ء ملفوظات ص ۴۲۳ ج ۲)

دیکھئے یہ کیسا بے تکا جھوٹ ہے۔ اب قادیانی پارٹی یا لاہوری پارٹی کوئی اپنے مقتداء کی صداقت ثابت کرے اور کوئی معتبر روایت اس مضمون کی دکھائے۔ یہ اس قسم کے جھوٹ ہیں جن سے قوی ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی جھوٹ بولنے میں ایسا بے باک تھا کہ جب جو

جی چاہا ہے کہہ دیا۔ اب خیال کیا جائے کہ جو شخص ایسا نڈر ہے جو جھوٹ بولے جو تھوڑی سی تحقیق سے معلوم ہو سکتا ہے اس کے اس قول کو کہ مجھے یہ وحی و الہام ہوا ہے کون عقلمند باور کر سکتا ہے؟۔

دسواں جھوٹ......: ۱۲/ اگست ۱۹۰۷ء کو مرزا قادیانی نے اشتہار دیا تھا جس کی سرخی تھی "عام مریدوں کے لئے ہدایت" اس میں لکھا ہے کہ۔

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں وبا نازل ہو تو اس شہر کے لوگوں کو چاہئے کہ بلا توقف اس شہر کو چھوڑ دیں۔"

یہ قول بھی حضور سرور انبیاء علیہ السلام پر افتراء ہے۔ اس افتراء کی ضرورت مرزا قادیانی کی یہ پیش آئی کہ قادیان میں جب طاعون آیا تو مرزا قادیانی باہر بھاگے اس لئے اس بھاگنے کو حضور علیہ السلام کا حکم ظاہر کرنا چاہتے ہیں اب اگر سچائی کے دعویداروں کو کچھ غیرت ہو تو کسی حدیث کی کتاب سے کوئی معتبر روایت اس مضمون کی دکھائیں مگر ہم کہتے ہیں کہ نہیں دکھا سکتے۔

گیارہواں جھوٹ .. : مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ:

"اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہئے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے۔ خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کی نسبت آواز آئے گی کہ: "ہذا خلیفة اللہ المہدی۔" اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے کہ ...... جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں ہے۔ (شہادۃ القرآن ص ۴۱، خزائن ص ۳۳۷ ج ۶)

اس مضمون کو بخاری کی روایت بتانا بھی اس کی شہادت دیتا ہے کہ مرزا قادیانی کی طبیعت میں احتیاط اور راست بازی کا بالکل خیال نہ تھا جو دل میں آگیا وہ زور سے بیان کر دیا اور جس کی طرف چاہا اس کی طرف اپنے خیال کو منسوب کر دیا اگر اتفاقیہ سچ ہو گیا تو مدعا حاصل"

ورنہ باتیں بناتا ہے کہ مشکل نہیں ہیں اور ماننے والے ہر طرح تاویلات ہی لیتے ہیں۔ عیاں را چہ بیان۔
مرزا قادیانی کے مرید اس کی کامل شہادت دیتے ہیں۔ اگر میں غلط کہتا ہوں تو تمام دنیا کے
مرزائی مل کر تلاش کریں اور بخاری کی اس روایت کو دکھائیں۔

اے مرزائیو! کچھ تو سوچو اور اگر اب تک غفلت میں تھے تو اب سوچو کہ ایسے
شخص نے منہ پر دعویٰ نبوت اور مسیحیت و مہدویت و افضل الامۃ کی نہیں بلکہ افضل الانبیاء
اور افضل من عیسیٰ روح اللہ ہونے کا زیب دیتا ہے جو اس قدر دلیر جھوٹا ہو؟ بخاری شریف
مسلمانوں کی ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔ تمام احمدی (قادیانی) مل کر اور جمع ہو کر بتائیں
کہ بخاری کے کس باب میں یہ حدیث ہے۔ اور اگر نہ بتا سکیں تو پس اب توبہ کرنے میں کیوں
دیر کرتے ہیں؟ یہ تو وہ جھوٹ ہیں جن میں نہ کوئی الہام کی غلط فہمی کام آسکتی ہے نہ کوئی شرط
لگ سکتی ہے۔ نہ یمحو اللّٰہ ما یشاء اللہ و یثبت کا پیچ چل سکتا ہے نہ وعدہ ولا یوفی کام دے سکتا
ہے نہ چاند اور سورج کا گہن ہی کو سچا کر سکتا ہے۔ کیا اس نبی کی نبوت کی آسمان اور زمین نے
شہادت دی تھی؟ اس کی نبوت قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہو۔ آخر خدا نے انسان بنایا
ہے کچھ تو غور و فکر سے کام لو۔ کیا مرزا نہیں ہے۔ کیوں تم نقص اسلام کو جانتے ہو اور ان کی
تعداد کو بڑھاتے ہو؟

بارھواں جھوٹ : مرزا قادیانی نے اپنی مدح میں ایک پیشگوئی گھڑی
ہے اور اسے حدیث رسول اللہ ﷺ ٹھہرایا ہے۔ لکھتا ہے کہ
"واضح ہو کہ احادیث نبویہ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت
میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا
جائے گا" (حقیقت الوحی ص ۳۹۰ خزائن ص ۴۰۶ ج ۲۲)
یہ پیشگوئی کسی حدیث میں نہیں آئی مرزا قادیانی نے جاہلوں کے بہکاوے کے
لئے جناب رسول اللہ ﷺ پر افترا کیا ہے۔ اگر ہم غلط کہتے ہیں تو کوئی مرزائی اس روایت کو
کسی معتبر کتاب سے ثابت کر دے۔ مگر نہیں کر سکتا۔ اس قول میں مرزا قادیانی نے اپنے لئے پیشین

کوئی علامت کرنا چاہتے ہیں اور اپنے مریدوں کو خوش کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا اردو محاورے کے لحاظ سے اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ در حقیقت تو وہ عیسیٰ اور ابن مریم نہیں ہوگا مگر دوسروں سے کہلائے گا۔ یعنی لوگوں سے کہے گا کہ مجھے عیسیٰ اور ابن مریم کہو اس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں سے جھوٹ بلوائے گا اور عیسیٰ اور ابن مریم بنے گا اور دوسرے معنے یہ ہیں کہ نام تو اس کا کچھ اور ہوگا مگر کسی وجہ سے لوگ اسے عیسیٰ اور ابن مریم کہنے لگیں گے وہ خود نہیں کہلائے گا۔ اب یہ قول پہلے معنے کے لحاظ سے تو صاف طور سے ایک جھوٹے کی پیشین گوئی ہوئی جیسے دجال کی پیشین گوئی ہے۔ دوسرے معنے کے لحاظ سے مرزا قادیانی اس کے مصداق نہیں ہو سکتے کیونکہ لوگوں نے انہیں خود عیسیٰ اور ابن مریم نہیں کہا بلکہ انہوں نے بہت جھوٹی اور فریب آمیز باتیں بنا کر اپنے کو عیسیٰ اور ابن مریم بنایا ہے تاکہ مسیح موعود کے مصداق بنیں۔ بہر حال جو معنے ہوں۔ کسی حدیث میں یہ پیش گوئی نہیں ہے کہ میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا۔ ایک جملہ اس قول میں یہ ہے کہ نبی کے نام سے موسوم ہوگا۔ یہ جملہ مرزا قادیانی نے بڑی ہوشیاری اور عیاری سے لکھا ہے۔ اب مرزائی حضرات یہ فرمائیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟۔ ظاہراً اردو کے محاورے کے لحاظ سے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ در حقیقت تو وہ نبی یعنی خدا کا رسول نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا نام نبی رکھا جائے گا۔ جس طرح اس وقت لکھنؤ میں ایک مشہور بیرسٹر ہیں ان کا نام "نبی اللہ" ہے جا کر دیکھ لیجئے۔ مگر یہ مطلب اس لئے غلط ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا نام نبی نہیں رکھا گیا بلکہ غلام احمد ان کا نام ہے۔ غرضیکہ یہ اسے نام بھی انہیں نبی کہنا غلط ہے مگر مرزا قادیانی نے یہ جملہ اس لئے تراشا ہے کہ خاص و عام میں مشہور ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ان کی تسکین کے لئے کہتے ہیں کہ وہ حقیقی نبی نہیں ہوگا بلکہ نبی اس کا نام رکھا جائے گا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ہم پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے منکر ہیں بلکہ اسے مان کر ہم نبی کہلانے کے مستحق ہیں۔ ہمیں حدیث میں نبی کہا گیا ہے مگر یہ محض فریب ہے۔ حدیث میں جنہیں نبی کہا گیا ہے وہ واقعی نبی ہیں مگر انہیں رسول اللہ ﷺ

سے پہلے نبوت کا مرتبہ مل چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد انہیں نبوت نہیں ملی۔ جو حضور علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے کے مخالف ہو۔ بہر حال یہ یقینی بات ہے کہ کسی حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں ہے کہ میری امت میں ایسا شخص پیدا ہوگا جس میں یہ تین باتیں ہوں گی یعنی یہ کہ وہ عیسیٰ کہلائے اور ابن مریم بھی اسے لوگ کہیں اور نبی کے نام سے بھی موسوم ہو۔ البتہ صحیح مسلم میں حضرت مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ہے مگر اس میں ۲۷ باتوں سے زائد ایسی بیان ہوئی ہیں جن سے مرزا قادیانی جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۱، ۱۲ کا صفحہ ۲۲، ۲۳ تک ملاحظہ ہو۔ اس حدیث میں پہلے حضرت عیسیٰ کا آنا اور کافروں کا مارا جانا بیان کر کے یاجوج ماجوج کا آنا اور حضرت عیسیٰ کا پہاڑ پر محصور ہونا بیان ہوا ہے۔ پھر ارشاد ہے: " فیرغب نبی الله عیسیٰ واصحابه۔" یعنی اس وقت خدا کے رسول جن کا نام عیسیٰ ہے اور ان کے اصحاب خدا کی طرف متوجہ ہوں گے اور دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نیست ونابود کر دے گا۔ اس کے بعد دنیا کی ایسی عمدہ حالت کی پیش گوئی ہے کہ اس کا ظہور اس وقت تک بھی نہیں ہوا۔ قادیانی مسیح کے وقت کی حالت تو ایسی خراب تھی اور ہے کہ کبھی ایسی نہیں ہوئی۔ اس حدیث میں کسی امتی کا نام نبی یا نبی اللہ ہرگز نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰ کی صفت "نبی اللہ" بیان ہوئی۔

تیرہواں جھوٹ..... لکھتا ہے کہ:

"جاننا چاہئے کہ اگرچہ عام طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ حدیث صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ خدا تعالیٰ اس امت کی اصلاح کے لئے ہر ایک صدی پر ایسا مجدد مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے دین کو نیا کرے گا لیکن چودھویں (صدی) کے لئے یعنی اس بشارت کے بارہ میں جو ایک عظیم الشان مہدی چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا اس قدر اشارات نبویہ پائے جاتے ہیں جو ان سے کوئی طالب منکر نہیں ہو سکتا۔"

(نشان آسمانی ص ۸، خزائن ص ۳۶۸ ج ۴)

مرزا قادیانی نے یہ عظیم الشان دعویٰ کیا اور اکثر عمر رسائل لکھنے میں گزاری مگر

کسی رسالہ میں ان اشاروں کا اجمالی ذکر بھی کہیں دکھایا نہیں گیا۔ اگر کوئی دکھا سکے تو دکھا دیجئے مگر یہ بات قطعاً اور یقیناً جھوٹی ہے کہ چودھویں صدی کے مجدد کے لئے مخصوص اشارے کسی حدیث میں ہیں جو اور مجددوں کے لئے نہیں ہیں۔ اس مضمون کی ایک روایت صرف ابوداؤد میں ہے جس کے معنے کے اشکال سے اگر قطع نظر کی جائے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر مجدد کو پیدا کرے گا۔ جو دین کو بہت کچھ نفع پہنچائے گا۔ حدیث :

"ان اللّٰہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ ابوداؤد ص ۱۳۲ ج ۲"

﴿اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایسا مجدد بھیجے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔﴾

اب قادیانی جماعت بتلائے کہ اس حدیث میں وہ کونسا لفظ ہے جس سے معلوم ہو کہ چودھویں صدی کا مجدد ممتاز ہوگا۔ جو عبارت سمجھ سکتے ہیں وہ تو یہی معلوم کر سکتے ہیں کہ :

(۱) اس حدیث میں صرف اس قدر بیان ہے کہ ہر صدی پر جو دین کو فائدہ پہنچائے گا اس کے سوا کوئی اشارہ اس میں نہیں ہے۔ اس حدیث کے موجب مرزا قادیانی مجدد ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انہوں نے دین اسلام کو کوئی نفع ایسا نہیں پہنچایا۔ جو دوسرے علماء نے نہ پہنچایا ہو بلکہ نہایت نقصان پہنچایا۔ خلاصہ یہ کہ :

(۱) چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دے کر دنیا کو اسلام سے خالی کر دیا۔

(۲) خدا اور رسول ﷺ پر ایسے الزام لگائے جس سے منکرین اسلام کو اس مقدس مذہب پر مسخر کا موقع دیا۔ اس وقت تو یہ چند جھوٹ مسیح قادیانی کے آگئے آئندہ اس سے زیادہ دکھائے جائیں گے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ قادیانیوں کے سردار جھوٹوں کے سر کردہ ہیں انہیں کو خواجہ کمال (مرزائی) مسیح موعود اور تمام صحابہ کرام اور آخر سے افضل کہتے ہیں اور در پردہ وہ ہمارے مقدس بزرگوں کی سخت توہین کرتے ہیں۔

(قادیانی مذہب رسالہ ہذا ص ۳۲۵ اور حاشیہ پر کچھ ہو گیا)

فصل الثالث و خمسہ تحت رسالۃ قائد القادیان حفظنا اللّٰہ تعالیٰ

وجميع اهل الايمان كان ومن كل زيغ وطغيان - آمين بحرمة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ انبياء واهل بيتهم وصحابهم اجمعين ۔

ذنابة الرسالة فى بعض الاشعار المناسبة للمقام

از اخبار اہل حدیث جلد ۱۳ امرتسر جلد ۱۳ یکم جون ۱۹۱۸ء تحت عنوان

"مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت اور اس کا جواب"

وميرزا يدعي وصلا لليلىٰ

وليلىٰ لاتقرله بذاك

از ۱۲ کنز ص ۱۶ رسالہ "مسیح کاذب" تحت عنوان لسان الغیب از صائب

نظرے گو بہ خود را عیسیٰ

نتواں گشت بتصدیق خرے چند

فارسی از ۱۲ کنز ص رسالہ تجلیہ قادیانی

ہوش باید اے مسلمان جہاں کز قادیان

فتنہ در دین محمد مصطفیٰ خواہد شدن

گاہ عیسیٰ گاہ موسیٰ گاہ فخر انبیاء

گاہ ابن اللہ گاہ خود خدا خواہد شدن

منقول از حاشیہ رسالہ تجلیہ قادیانی ص ۲۰ منقول از اشاعت السنہ ۱۲ ارج ۱۴

بعنوان: "اهل البيت ادرى بمافيه" اشعار تصنیف خسر مرزا غلام احمد قادیانی:

ہر گھڑی ہے مال داروں کی تلاش

تاکہ حاصل ہو کسی وجہ معاش

ہو حنیفوں ہی کا یا رافضوں کا ہو

رنڈیوں کا مال یا بھانڈوں کا ہو

کچھ نہیں تفتیش سے ان کو غرض
حرص کا ہے اس قدر ان کو مرض

بدمعاش اب نیک از حد بن گئے
جو مسیلمہ آج احمد بن گئے

اس اخیر مضمون کی مناسبت سے ایک تحریر مرزا قادیانی کے بڑے بھائی کی یادگار جو تبلیغ رسالت میں بھی چھپی ہے گو وہ نظم نہیں مگر اہلبیت (مرزا قادیانی) کی دوسری شہادت ہونے کے سبب مکمل نصاب شہادت تھی اس لئے نقل کی جاتی ہے۔ تحت عنوان "درخواست چندہ خوردار مرزا قادیانی طال عمرہ" بعد دعائے درازی عمر کے واضح ہو کہ میں تمہارے دعوی ہمیشہ سے سنتا ہوں اور دور دراز تک تمہاری خبر پہنچی ہوئی ہے اور لوگ جوق در جوق آتے ہیں مگر افسوس میں تمہارا بڑا بھائی اور بزرگ ہوں میری طرف تم نے کوئی خاص توجہ نہ کی جو تمہاری بلا تعلقی کا ثبوت ہے مگر میں اگر سے دل سے از خود تم کو اطلاع کرتا ہوں کہ میں تمہارے ذاتی عیوب سے قطع نظر تمہاری پیش گوئیوں کو ایک گوز شتر سمجھتا ہوں۔ تم نے تو مولوی ثناء اللہ امرتسری کو فی پیش گوئی سو روپے دینا کیا تھا جو ان کے آنے پر تم گھر سے بھی نہ نکلے مگر میں تم کو فی پیش گوئی ہزار روپے دینے کا وعدہ کرتا ہوں اگر تم اپنی پیش کردہ پانچ پیش گوئیاں بھی مجھے سچی کر دو تو فی پیش گوئی ہزار روپے تم کو دوں گا ورنہ اگر نہ ثابت کر سکو تو صرف تم کو مسلمان ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔ بس ایک ہفتہ تک اس دعوت کا جواب بذریعہ اشتہار جلدی دینا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے نبی ﷺ کو بھی حکم فرمایا ہے: "وآت ذالقربی حقہ" یعنی قریبوں کے حقوق ادا کرو۔ قریبوں کا حق دوسروں سے زیادہ ہے بھلا یہ کیا انصاف ہے کہ کشتی نوح کے آخر صفحہ پر تو ہم کو اپنا شریک اور قرابتی بتاؤ اور یہ ظاہر کرو کہ ہمارے شرکاء مکان دینے کو راضی ہیں دو ہزار روپے چندہ جمع کر لیا ہے حالانکہ ہمیں اس کی کوئی خبر ہی نہیں اور ہم دینا چاہتے ہیں ایسے جھوٹ کا بھی کوئی علاج ہے غرض ان باتوں کے ذکر کو تو ایک دفتر چاہئے جو میں الگ سے کسی وقت تفصیل سے بیان

نزول کا براہ راست میں اس اشتہار کے جواب کا منتظر ہوں۔ (رقیمہ مولوی مرزا امام الدین مدائن کنال مرزا قادیانی مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء مطبوعہ اکمل مطبع پریس)

لطیفہ شریفہ

اشعار بالا کی نقل کے بعد جی چاہا کہ مثنوی معنوی کی طرف بطور تائید کے نہ کہ احتجاج کے: "لان الاحتجاج لم یبق الیہ احتجاج" رجوع کیا جائے ساتھ بار بسم اللہ پڑھ کر بے ساختہ کتاب کھولی، اول ہی صفحہ میں یہ اشعار نکلے (دفتر چہارم ص ۴۰۴) اور سچ تو یہ ہے کہ موضوع بحث کا بالکل فوٹو کھینچ دیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

نفس بعہد است زان او کشتنی ست
او دنی وقبلہ گاہ او دنی ست

نفس ما را لائق ست این انجمن
مردہ را در خور بود گور و کفن

نفس اگرچہ زیرک ست و خوردہ دان
قبلہ اش دنیاست او را مردہ دان

بانگ و صیتے چوکہ آن خامل نشد
تاب خورشیدی کہ آن آفل نشد

رونق و تاب و طرب و سحر شان
گرچہ خلقان را کشد گردن کشان

سحر ہائے ساحراں ہاں جملہ را
مرگ چوبے ہاں کہ آں شد اژدہا

جان انبیا را ہمہ یک لقمہ کرد
یک جہاں پر شب بدآنرا صبح خورد

وھذا آخر الکلام ۔ فی ھذا المرام ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر الانام وعلی آلہ الکرام واصحابہ العظام فقط ۔

یکم ذیقعدہ ۸۳۲۱ھ یوم الاحد ۔

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆ ۔ ☆ ..... کسی مرزائی کو دلدار بنانا ایسا ہے جیسے کسی ہندو، سکھ، چوہڑے کو دلدار بنالیا جائے۔

☆ .. ☆ .. جس شخص نے کہا کہ قادیانی مسلمانوں سے اچھے ہیں وہ خود قادیانیوں سے بدتر کافر ہو گیا۔

☆ .. ☆ ... مرزائیوں کی حیثیت ذمیوں کی نہیں بلکہ محارب کافروں کی ہے اور محاربین سے کسی قسم کا تعلق رکھنا شرعاً جائز نہیں۔

☆ .. ☆ .. ☆

ضروری اعلان

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان سے شائع ہونے والا «ماہنامہ لولاک» جو قادیانیت کے خلاف گرانقدر جدید معلومات پر مکمل دستاویزی ثبوت ہر ماہ مہیا کرتا ہے۔ صفحات 64' کمپوٹر کتابت' عمدہ کاغذ و طباعت اور رنگین ٹائٹل' ان تمام تر خوبیوں کے باوجود زر سالانہ فقط یک صد روپیہ منی آرڈر بھیج کر گھر بیٹھے مطالعہ فرمائیے۔

رابطہ کے لئے

ناظم دفتر ماہنامہ لولاک ملتان

دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ ملتان

خاتم النبیین لا نبی بعدی

الشہاب لرجم الخاطف المرتاب

مع ضمیمہ

شیخ الاسلام

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ

محمد و آلہ و صحبہ اجمعین ۔۔۔

کابل میں نعمت اللہ قادیانی کی سنگساری کے واقعہ سے ہندوستان کے اخباروں میں قادیانیوں کے ارتداد کی بحث پھر تازہ ہو گئی اور ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی زیر بحث آ گیا کہ اسلام میں مرتد کی سزا کیا ہے؟ ۔ مسٹر محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور نے "پیغام صلح" کے ضمیمہ کے طور پر ایک پمفلٹ "نعمت اللہ خاں کی سنگساری" بھی اسی مضمون کے متعلق بڑی تعداد میں شائع کرایا ہے۔ جس میں پورے زور خطابت سے حکومت افغانستان اور علمائے دیوبند کے خلاف (جو افغانستان کے اس فعل کی سب سے بڑھ کر تحسین کرنے والے ہیں) نفرت اور اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

گرچہ مجھے یقین ہے کہ مسلمان اب بہت کچھ قادیانیوں کی فتنہ پردازیوں اور اسلام کے خلاف ان کی دسیسہ کاریوں سے واقف ہو گئے ہیں اور اسی لئے ان کا کوئی پروپیگنڈہ افغانی گورنمنٹ یا علماء دیوبند کے خلاف انشاء اللہ موثر نہیں ہو سکتا۔ تاہم سلسلہ تحریرات جس حد تک پہنچ گیا ہے اسے دیکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اس باب میں توضیح کے ساتھ کچھ عرض کیا جائے۔

اس ضمن میں پہلی بحث جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ قادیانی جماعت کے ارتداد کا مسئلہ ہے۔ اور پھر یہ دیکھنا ہے کہ مرتد کی نسبت اسلام کیا فیصلہ کرتا ہے؟ تو ضروری ہوا کہ اولاً ارتداد کے معنے سمجھ لئے جائیں۔

ارتداد کی تعریف

مرتد کے معنی لغت میں (راجع) یعنی کسی چیز سے لوٹنے اور پھر جانے والے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دین اسلام کو اختیار کر کے اس سے پھر جائے۔

امام راغبؒ ارتداد کے معنی لکھتے ہیں:

"ھو الرجوع من الاسلام الی الکفر۔"

(اسلام سے کفر کی طرف پھر جانا) (مفردات ص ۱۹۲)

محمد علی مرزائی اپنے پمفلٹ میں لکھتے ہیں کہ:

"ارتداد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو قبول کر کے پھر اس سے انکار کر دے اور کہہ دے کہ آپ رسول نہیں ہے۔" (تحریک ختم نبوت کی سنگساری ص ۵)

لیکن یہ بات صاف ہو جانی چاہئے کہ امام راغبؒ کی تعریف میں کفر اور محمد علی (مرزائی) کی تعریف میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے انکار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا رسالت کا انکار اسی وقت سمجھا جائے گا کہ وہ زبان سے کہہ دے کہ میں آپ ﷺ کو رسول نہیں جانتا، یا رسول اللہ ﷺ کی کسی قطعی خبر اور قطعی فرمان کا انکار کرنے سے بھی رسالت کا منکر ٹھہرے گا؟۔

فرض کیجئے! ایک شخص زبان سے اقرار کرتا ہے کہ جناب محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ نماز بھی قبلہ کی طرف پڑھتا ہے۔ زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے۔ مسلمانوں کا ذبیحہ بھی کھاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ میرے خیال میں سورۂ احزاب یا سورۂ نساء قرآن کی سورۃ نہیں۔ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مثلاً خدا کے پیغمبر نہیں (معاذ اللہ) باقی سارے قرآن اور سارے انبیاء کی میں تصدیق کرتا ہوں تو کیا ایسی تصریحات کے باوجود بھی محمد علی (مرزائی) اسے مسلمان سمجھتے رہیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھنے والا تصور کریں گے اور ان بعض انبیاء یا ان بعض اجزائے قرآن کی تکذیب کو خود محمد رسول اللہ ﷺ بلکہ رب محمد کی تکذیب قرار نہ دیں گے؟۔

اگر ایسے شخص کو باوجود زبانی اقرار رسالت کے وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت بلکہ خود خداوند رب العزت کا منکر ہی قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ: " اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ

حنفاً۔ النساء آیت ۱۵۰ " کے تحت میں انہوں نے لکھا ہے:

" اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق سے مراد صرف یہی نہیں کہ اللہ کو مان لیا اور رسول کا انکار کر دیا۔ جیسے دہریہ ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ بعض رسولوں کو مان لیا اور بعض کا انکار کر دیا جیسے تمام اہل کتاب کی حالت ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ کے کسی رسول کا انکار گویا اللہ کا ہی انکار ہے۔" (بیان القرآن ص ۲۰۲)

ان کے مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) لکھتے ہیں کہ:

" کافر کا لفظ مومن کے مقابل پر ہے اور کفر دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے .... اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔"

(حقیقت الوحی ص ۱۷۹ خزائن ص ۱۸۵ ج ۲۲)

لکھتے ہیں کہ:

" وہ جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔"

(حقیقت الوحی ص ۱۶۳ خزائن ص ۱۶۸ ج ۲۲)

تو اس قسم کے اقرار اور تسلیم سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اللہ اور اس کے رسول کے انکار کی صرف یہی ایک صورت نہیں کہ ایک شخص زبان سے صریح طور پر یوں کہے کہ میں خدا کو یا اس کے پیغمبر رسول عربی ﷺ کو نہیں مانتا بلکہ بسا اوقات بعض نہایت ہی قطعی اور ضروری چیزوں کا انکار کرنے والا بھی جن کی اطلاع خدا اور اس کے رسول نے دی ہو خدا اور اس کے رسول ہی کا انکار کرنے والا سمجھا جائے گا جو قرآن کی تصریح اور مرزا قادیانی کے اقرار کے موافق کفر ہے۔

پس جب کہ امام راغبؒ کی تصریح کے موافق اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے اور محمد علی (مرزائی) اور ان کے مسیح موعود کی تصریحات سے یہ ثابت ہو چکا کہ کفر صرف یہی نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا صریح طور پر زبان سے انکار کیا جائے۔ بلکہ

بعض قطعیات اسلام کا انکار کرنا بھی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنا ہے جو کفر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ارتداد یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) .... ایک یہ کہ کوئی مسلمان صریحاً اسلام سے کفر کر بیٹھے۔

(۲)........ دوسرے یہ کہ ایسا نہ ہو۔ مگر بعض ضروریات دین اور قطعیات شرعیہ سے انکار کرے۔

دونوں صورتوں میں ایسا شخص مرتد یعنی اسلام سے نکل کر کفر میں جانے والا ہے۔ (العیاذ باللہ)

کیا مرزا قادیانی اور اس کی امت مرتد ہیں؟

جو لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو مرتد کہتے ہیں ان کے نزدیک معیار ارتداد وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مرزا قادیانی پہلے مسلمان تھے اور جمہور اہل اسلام کے سے عقائد رکھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے بتدریج ایسی باتیں لکھیں اور شائع کیں جن کا ماننا کھلے طور پر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا نہ ماننا ہے وہ اگرچہ بار بار زبان سے یہ بھی اظہار کرتے رہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ قلم اور زبان سے نہایت اصرار کے ساتھ ایسی چیزیں بھی نکالتے رہے جو ان کے پہلے دعاوی کی تکذیب ہیں۔

وہ جب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ قرآن کی تصریح کے موافق خاتم النبیین ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے بعد نبی ہو کر آیا ہوں۔ پھر یہ نبوت جس کا انہیں دعویٰ ہے صرف وہ ولایت و محدثیت نہیں جسے صوفیہ نے (مثلاً شیخ اکبرؒ نے اپنی اصطلاح میں نبوت کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ گروہ اولیاء میں موجود ہوتی ہے۔ گو اس کی وجہ سے وہ انبیاء نہیں کہلاتے اور نہ کبھی آج تک کسی ولی نے حتیٰ کہ اس محدث نے بھی جس کے محدث ہونے کی تصدیق زبان رسالت سے ہو چکی تھی (حضرت عمرؓ) اپنی اس نبوت پر ایمان لانے کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے اور نہ مرزا قادیانی ایسی کھلی نبوت

کے معنی ہیں جو ایک سچا خواب دیکھنے سے بھی کسی مومن صالح کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

"فالاتصاف بکما لات النبوة لایلزم الاتصاف بالنبوة. عنقاء ص ٩٥ ج ١"

پس کمالات نبوت سے متصف ہونا اتصاف بالنبوت کو مستلزم نہیں۔

• "فاخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرؤیا جزء من اجزاء النبوة فقد بقی للناس من النبوة هذا وغیره ومع هذا لایطلق اسم النبوة ولا النبی الا علی المشرع خاصة فحجر هذا الاسم لخصوص وصف معین فی النبوة - فتوحات ص ٣٧٦ ج ٢"

﴿رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتایا کہ خواب (سچا) اجزاء نبوت میں سے ایک جزء ہے تو لوگوں کے واسطے نبوت میں سے یہ جزء (رؤیا) وغیرہ باقی رہ گیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی نبوت کا لفظ اور نبی کا نام بجز مشرع (امر و نہی لانے والے) کے اور کسی پر بولا نہیں جا سکتا تو نبوت میں ایک خاص وصف معین کی موجودگی کی وجہ سے اس نام (نبی) کی ممانعت کر دی گئی ہے۔﴾

"کمن یوحی الیه فی المبشرات وهی جزء من اجزاء النبوة وان لم یکن صاحب المبشرة نبیا فتفطن لعموم رحمة اللہ فما تطلق النبوة الا لمن اتصف بالمجموع فذالک النبی وتلک النبوة التی حجزت علینا وانقطعت فان من جملتها التشریع بالوحی الملکی فی التشریع وذلک لایکون الا لنبی خاصة. فتوحات ص ٥٦٨ ج ٢"

جیسے کسی کی طرف مبشرات کی وحی آئی اور وہ مبشرات اجزاء نبوت میں سے ہیں۔ اگرچہ صاحب مبشرۃ نبی نہیں ہو جاتا۔ پس رحمت الٰہیہ کے عموم کو سمجھو تو نبوت کا اطلاق اسی پر ہو سکتا ہے جو تمام اجزاء نبوت سے متصف ہو۔ وہی نبی ہے اور وہی نبوت ہے جو منقطع ہو چکی اور ہم سے روک دی گئی کیونکہ نبوت کے اجزاء میں سے تشریع بھی ہے جو وحی ملکی سے ہوتی ہے اور یہ بات صرف نبی کے ساتھ مخصوص ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت

بلکہ وہ محدثیت وغیرہ سے آگے بڑھ کر مدعی ہوئے ہیں ایسی نبوت کے جس پر نہ صرف قادیان کو نہ صرف پنجاب کو نہ صرف انڈیا کو بلکہ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کی طرح تمام عالم کو ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ پھر جو کوئی اس دعوت کے پہنچنے پر بھی ایمان نہ لائے وہ دائرہ ایمان و اسلام سے خارج اور جہنمی ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کی دعوت پر ایمان نہ لانے والا بے ایمان اور جہنمی ہوتا ہے بلکہ ان (مرزا قادیانی) کا نہ ماننے والا بعینہ خدا اور رسول کا بھی نہ ماننے والا ہے۔

نہ صرف یہی کہ ان (مرزا قادیانی) کو معمولی نبی تسلیم کر لیا جائے بلکہ اولوالعزم پیغمبر اور خاتم انبیاء بنی اسرائیل سیدنا حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر بھی ان کی فضیلت کا اقرار کیا جائے۔ پھر فضیلت بھی کوئی جزئی فضیلت نہیں۔ بلکہ کلی فضیلت اور ہر شان میں ان سے بڑھ کر مانا جائے اور اگر ہو سکے تو ان سب کے بعد ورادلی زبان سے تشریعی (صاحب شریعت) نبی بھی تسلیم کر لیا جائے۔

ملاحظہ ہوں مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات ذیل۔

"اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے۔ اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔" (انجام آتھم ص ۶۲ خزائن ص ۶۲ ج ۱۱)

"بہرحال جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔"

(فتح الصلی ج ۱ ص ۸، مصنفہ از تشحیذ الاذہان جلد ۶ نمبر ۳ ص ۱۳۵ تذکرہ ص ۶۰۰ طبع سوم)

"علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے۔" (حقیقت الوحی ص ۱۶۳ خزائن ص ۱۶۸ ج ۲۲)

"اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خدا تعالیٰ کے نشانوں کو رد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے تو وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے۔" (حقیقت الوحی ص ۱۶۳ خزائن ص ۱۶۸ ج ۲۲)

"اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔"

(حقیقت الوحی ص ۱۴۹ خزائن ص ۱۵۳-۱۵۴ ج ۲۲)

"خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا۔ جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔" (حقیقت الوحی ص ۱۴۸ خزائن ص ۱۵۲ ج ۲۲)

کافر کس طرح کے رسول کا نہ ماننے والا ہوتا ہے؟

اس کے متعلق مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ:

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔ گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔" (تریاق القلوب حاشیہ ص ۱۳۰ خزائن ص ۴۳۲ ج ۱۵)

"ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی ...... اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے۔ جس میں نئے

احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ۔ صحف ابراھیم وموسیٰ۔" یعنی قرآنی تعلیم تعلیم توریت میں بھی موجود ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر اور نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔" (اربعین نمبر ۴ ص ۶ خزائن ص ۴۳۶ ج ۱۷)

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ :

"فما بقی لاولیاء الیوم بعد ارتفاع النبوة الا التعرف وانسدت ابواب الاوامر الالٰھیة والنواھی فمن ادعاھا بعد محمد ﷺ فھو مدع شریعة اوحی بھاالیه سواء وافق بھا شرعنا او خالف۔ فتوحات مکیه ص۲۹ج۲"

﴿نبوت اٹھ جانے کے بعد آج اولیاء کے لئے بجز تعریفات کے کچھ باقی نہیں رہا اور اوامر و نواہی کے سب دروازے بند ہو چکے۔ اب جو کوئی محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد امر و نہی کا مدعی ہو (جیسے مرزا غلام احمد قادیانی) وہ اپنی طرف وحی شریعت آنے کا مدعی ہے۔ خواہ وہ شریعت ہماری شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔﴾

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ اس عبارت کے ساتھ اس قدر اور اضافہ کرتے ہیں :

"فان کان مکلفاً ضربنا عنقه والا ضربنا عنه صفحاً۔ الیواقیت والجواہر ص۳۸ج۲"

﴿پھر اگر یہ مدعی وحی شریعت مکلف ہے (یعنی مجنون وغیرہ نہیں ہے) تو ہم اس کی گردن ماریں گے اور اگر مکلف نہیں تو ہم اس سے کنارہ کشی کریں گے۔﴾

" قال الشیخ (الاکبر) فی الباب الحادی والعشرین من الفتوحات من قال ان الله تعالیٰ امرہ بشئی فلیس ذلک بصحیح انما ذلک تلبیس لان من الامر قسم الکلام وصفته وذلک باب مسدود دون الناس۔ الیواقیت والجواھر ص۳۸ج۲"

﴿شیخ اکبر فتوحات کے اکیسویں باب میں فرماتے ہیں کہ جو کوئی (بعد نبی کریم ﷺ کے) یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی چیز کا حکم کیا ہے (جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی) تو یہ دعویٰ صحیح نہیں یہ محض تلبیس ہے۔ کیونکہ "امر" کلام کی قسم اور اس کی صفات میں سے ہے اور یہ (کلام کا دروازہ) لوگوں پر بند کیا جا چکا ہے۔﴾

کیا مسٹر محمد علی (مرزائی) اور بے خبری سے ان کی تائید کرنے والے یہ عبارتیں پڑھ رہے ہیں؟ کیا یہی وہ صوفیوں کی اصطلاحی یا مجازی یا لغوی نبوت ہے؟ جس کا ثبوت دیا کی حدیث یا شیخ اکبر کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کیا قادیانیوں کا یہی ظلی اور بروزی نبی ہے جو اصلی اور حقیقی نبیوں سے بڑھ گیا ہے؟ کیا اصلی نبی کا نام رکھ دینے سے اصل حقیقت پر پردہ پڑ سکتا ہے؟ اور کیا یہ سخت حیرت انگیز اور مضحکہ خیز منطق نہیں ہے کہ کسی پرانے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا دوبارہ آنا تو یہ آیہ خاتم النبیین کے خلاف ہو۔ لیکن پچھلے نبیوں پر فضیلت کلی رکھنے والا ایک نیا نبی قادیان میں آ جائے یہ ختم النبیین کے خلاف نہ ہو؟ گویا آنحضرت ﷺ کے وجود باجود نے مفضول انبیاء کے آنے کا سلسلہ تو بند کر دیا لیکن ان سے اعلیٰ اور افضل انبیاء کی تشریف آوری کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کاش کہ قرآن میں بھی خاتم النبیین کی آیت کے ساتھ فاتح النبیین کی کوئی آیت ہوتی۔ اور جس صراحت اور تکرار کے ساتھ حضور ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی پیچھے آنے والے نبی کے متعلق ہوتا کہ امت کو زیادہ کام ان ہی پچھلوں سے پڑتا تھا اور یہ ان پہلوں سے افضل بھی تھے۔

کیا مرزائیوں میں کوئی بھی خوف خدا رکھنے والا نہیں؟ کیا ان کے دلوں پر مہر ہو چکی ہے؟ کیا ان کے قلوب پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں؟ جو ایسی ایسی صریح عبارتوں کے بعد بھی ایک مفتری علی اللہ کو نبی تسلیم کئے چلے جاتے ہیں۔ عجیب تماشا ہے کہ اس مفتری نے اپنے تئیں نبی ثابت کرنے کے لئے؟ قسم کے قصہ میں اور محمدی بیگم کے آسمانی نکاح میں من اللہ خدا، اور اس کی قضا مبرم تک کو جھوٹا کر دیا۔ مگر وہ [illegible] جو

آج علماء دیوبند پر خدا کو جھوٹا کہنے کا محض فرضی الزام رکھ کر اپنے لئے اور نئی لعنت خرید رہی ہے۔ اس مفتری کا صدا لا کلمہ پڑھتی جاتی ہے جو اپنی سچائی کا ثبوت ہی جب پیش کر سکتا ہے جب پہلے خدا کو جھوٹا ثابت کر دے:

"کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ۔ کہف آیت ۵"

شاید محمد علی (مرزائی) کو علماء دیوبند کے آئینہ اعتقاد میں اپنا چہرہ نظر آ گیا ہے جو معاذ اللہ خدا کے جھوٹ بولنے کی تصویر سامنے آ گئی: "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ"۔ ق ۳۷"

خوب سمجھ لو کہ جھوٹے حیلے اور بیہودہ عذر تراش کر ختم نبوت جیسے قطعی اور اسلام کے بنیادی عقیدہ کی تکذیب کرنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور صدق و راست بازی اور قرآن کریم کے وحی الٰہی ہونے سے انکار کرنا ہے:

"فَاِنَّهُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ۔ الانعام آیت ۳۳۔"

(یہ لوگ تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم خدا کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔)

اور جیسا کہ ابتداء میں عرض کر چکا ہوں کہ ارتداد یہ ہے کہ آدمی اسلام کا اقرار کرنے کے بعد پھر اس سے صریحاً انکار کرنے لگے یا ایسی قطعی اور صاف چیزوں کا انکار کر بیٹھے جو انکار رسالت کو مستلزم ہو۔

ارتداد کی اس قسم خفی کا نام یعنی یہ کہ آدمی زبان سے اسلام کا نام بھی لیتا رہے اور کلمہ بھی پڑھتا رہے مگر نامعقول تحریفات اور ناقابل قبول تاویلات باطلہ سے قطعیات کے انکار پر بھی تلا ہو۔ سلف کی زبان میں "زندقہ" ہو گیا ہے اور جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے زنادقہ کا حکم بھی وہی عام مرتدین کا سا ہے۔

اس تمام تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرزا قادیانی جس کی ختم نبوت کو رد کرنے والی تصریحات ہم نقل کر چکے ہیں اسلام کے ایک قطعی عقیدہ کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مرتد اور زندیق ہے اور جو جماعت ان تصریحات پر مطلع ہو کر ان کو صادق سمجھتی رہے اور اس کی

جماعت میں لڑتی رہے وہ بھی یقیناً مرتد اور زندیق ہے خواہ وہ قادیان میں سکونت رکھتی ہو یا لاہور میں۔ جب تک وہ ان تصریحات کے غلط اور باطل ہونے کا اعلان نہ کرے گی خدا کے عذاب سے خلاصی پانے کی اس کے لئے کوئی سبیل نہیں۔

یہاں تک ہم نے مرزا قادیانی اور ان کے اذناب کے ارتداد کا صرف ایک سبب بیان کیا ہے کیونکہ محمد علی مرزائی نے اپنے پمفلٹ میں اسی کا تذکرہ کیا تھا۔ دوسرے موجبات ارتداد مثلاً توہین انبیاء علیہم السلام وغیرہ سے عمداً اغماض کیا گیا ہے۔ شاید اس خدمت کو میرا کوئی دوسرا بھائی انجام دے گا اور بہت سے بزرگ مجھ سے پہلے بھی فی الجملہ انجام دے چکے ہیں۔

آپ یقین کیجئے کہ ہم کو مرزا قادیانی یا کسی ایک کلمہ گو کے کافر اور مرتد ثابت کرنے میں کوئی خوشی نہیں ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ نہ ہم غیر مقلدین کو کافر کہتے ہیں نہ تمام شیعوں کو نہ سارے نیچریوں کو حتی کہ ان بریلویوں کو بھی کافر نہیں کہتے جو ہم کو کافر بتاتے ہیں اور ہماری تمنا تھی کہ کوئی صورت ایسی نکل آتی کہ مرزائیوں کی تکفیر سے بھی ہم کو زبان آلودہ نہ کرنی پڑتی۔ لیکن ان کے ملحدانہ دعاوی نے جن سے بارگاہ رسالت میں سخت گستاخی ہوتی ہے اور کسی طرح ختم نبوت کا ستون کھڑا نہیں رہ سکتا۔ ہم کو مضطر کر دیا ہے کہ بادل نخواستہ ان کی گمراہی سے لوگوں کو بچائیں کہ جو زہر دودھ یا مٹھائی میں مخلوط ہو گیا ہو وہ سخت خطرناک ہے۔

جو عبارتیں مرزا قادیانی کی میں اوپر نقل کر چکا ہوں کیا ان کے مطالعہ کے بعد اس مسئلہ کا اعلان نہیں ہو جاتا کہ جو کوئی ان کو نبی اور مسیح موعود نہ مانے وہ دائرہ ایمان و اسلام سے خارج ہے۔ اب تم خود دنیا کی مردم شماری کر لو کہ تمہارے کافر بنائے ہوئے غیر مسلموں کے سوا کتنے آدمی مسلمان رہ جاتے ہیں؟۔ حالانکہ یہ کروڑوں غیر مسلم (فی زعمکم) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار بھی کرتے ہیں اور سارے احکام بجا لاتے ہیں۔

مسٹر محمد علی مرزائی اپنے اس فقرہ میں:

" لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرنے والے کو کافر کہنا بڑی

خطرناک غلطی ہے۔ خواہ مرزا محمود کریں یا مولوی کفایت اللہ صاحب۔"

(تشحیذ الاذہان [illegible] ص ۴)

کیا دونوں مولوی سے پہلے مرزا قادیانی کا احترام کریں گے؟ اور ان کی تحریر پر عمل کر کے "ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مؤمنا۔ النساء آیت ۹۴" کی تلاوت ترک کریں گے۔؟

ایک طرف تو آپ کے مسیح موعود (مرزا قادیانی) سارے جہان کے کلمہ پڑھنے والوں کو بجز چند لاکھ نفوس کے مسلمانی سے نکال رہے ہیں اور دوسری طرف آپ شاید ہر اس شخص کو جو مسلمانوں کو سلام کرے (خواہ وہ ہندو ہو یا یہودی یا نصرانی یا دہریہ) مومن تسلیم کرتے ہیں۔ یہیں سے نبی قادیانی اور امتی دونوں کی شریعت فہمی اور قرآن دانی کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ قادیانی بڑے نمازی ہیں۔ قرآن بہت پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں۔ مگر اس پر بھی وہ مسلمان نہیں، تو بڑی حسرت اور حیرت کا مقام ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک ایسی ہی بدبخت قوم کا تذکرہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحیحین کی احادیث میں فرمایا ہے کہ جو قرآن کی تلاوت بھی کریں گے اور بظاہر سچے مسلمانوں سے بھی زیادہ نمازیں پڑھیں گے، روزے رکھیں گے مگر ان کا قرآن ان کے حلقوم سے آگے نہ بڑھے گا اور وہ اسلام میں سے ایسے ہی نکل چکے ہوں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کو قتل کر دوں گا۔

حق تعالیٰ شانہ اپنی پناہ میں رکھے اور اس دنیا سے ایمان پر اٹھا لے کہ یہ مقام بڑے خوف اور عبرت کا ہے۔

مرزائیوں کو بڑا فخر ہے اور بعض سادہ لوح آزاد منش مسلمان بھی ان کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں کہ وہ تبلیغ اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں جو کسی دوسری جماعت مسلمین سے نہ ہو سکی۔ یعنی یورپ میں اسلام پھیلاتے ہیں۔ ملاؤں کو تو کبھی

ہونے سے روکتے ہیں۔ آریوں وغیرہ کے مقابلہ پر سینہ سپر ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان کا یہ فخر اور منقبت اگرچہ سمجھدار مسلمان اس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ جس چیز کی وہ اشاعت اور حمایت کرتے ہیں وہ صحیح اسلام نہیں ہے بلکہ یا تو وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کی تبلیغ ہوتی ہے اور یا مرزا قادیانی کا ترمیم کیا ہوا اسلام' جسے انھوں نے بہت سے اصول و فروع کاٹ کر تو جوانان یورپ یا یورپ کی ذہنی پرایمان لانے والوں کے اہوا و ظنون کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ لیکن میں اس سے قطع نظر کر کے علی سبیل التنزل کہتا ہوں کہ ان کا یہ سب امتیاز اور فخر اور خدمات اسلام کو تسلیم کرنے کے بعد بھی ان کا مومن اور ناجی ہونا ضروری نہیں ہے۔

صحیح مسلم کے ابواب ایمان میں اس شخص کا واقعہ پڑھئے جو رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ہمرکاب جہاد میں تھا اور جس نے وہ خدمت اور اعانت اسلام اور مسلمانوں کی کی تھی جس کا اعتراف صحابہؓ نے حضور ﷺ کی جناب میں ان الفاظ سے کیا ہے:

"ما اجزأ منا الیوم احد کما اجزأ فلان۔"

﴿آج کے دن ہم میں کوئی بھی ایسا کافی نہیں ہوا جیسا کہ فلاں آدمی ہوا ہے۔﴾ مگر لسان نبوت سے باوجود ان خدمات جلیلہ کے ارشاد ہوا

"اما انہ من اہل النار۔" ﴿یاد رکھو وہ دوزخی ہے۔﴾

(مسلم ج۱ ص۷۲ باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ عن سہل بن سعد)

حضور نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

"ان اللہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر۔"

﴿بے شک حق تعالیٰ اس دین کو مدد پہنچاتا ہے بدمعاش آدمی سے۔﴾

(مسلم ج۱ ص۷۲ باب غلظ تحریم قتل الانسان کتاب الایمان عن ابی ہریرۃ)

جامع صغیر میں حدیث ہے کہ:

"سیشد ھذا الدین برجال لیس لہم عند اللہ خلاق۔ السراج المنیر شرح جامع الصغیر ص۲۲۷ ج۳"

﴿قریب ہے کہ اس دین کی تائید اور تقویت ایسے لوگوں کے ذریعہ سے ہو جائے گی جن کے لئے خدا کے یہاں حصہ نہیں ہے﴾

عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ایسی جماعت کے متعلق جو قرآن کو اور رسول اللہ ﷺ کو سب کو مانتی تھی صرف "قدر" کا انکار کرتی تھی۔ فرمایا:

"اذا لقيت اولئك فاخبرهم انى برى منهم و انهم برآؤ منى والذى يحلف به عبدالله بن عمر لوان لاحدهم مثل احد ذهبا فانفقه ما قبل الله منه حتى يؤمن بالقدر۔"

﴿جب تم ان سے ملو تو کہہ دو کہ میں (عبداللہ بن عمرؓ) ان سے علیحدہ ہوں اور وہ ہم سے بے تعلق ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی عبداللہ بن عمر قسم کھا سکتا ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس احد (پہاڑ) کے برابر سونا ہو پھر وہ اسے خرچ کر ڈالے تب بھی اللہ ہرگز اسے قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئے﴾

ابو طالب سے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی حمایت اور اعانت ایسی نازک ترین ساعت میں کس نے کی ہو گی؟ لیکن وہ ساری خدمات اور جانبازیاں بھی اس کو جہنم سے نہ بچا سکیں۔

روایات بالا کو پڑھ کر کس کی ہمت ہے کہ قادیانیوں کی محض نام نہاد خدمات اسلامیہ کو دیکھ کر ان کے مومن یا ناجی ہونے کا فتویٰ دیدے اور ان کے عقائد کفریہ کی طرف کچھ التفات نہ کرے۔

عہد رسالت میں منافقین کا گروہ بھی اپنے کو مسلمان کہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر قسمیں کھا کر گواہی دیتا تھا۔ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کا اظہار کرتا تھا۔ مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتا تھا اور ان کا ذبح بھی کھاتا تھا لیکن اس پر بھی ان کو جھوٹا اور بے ایمان کہا گیا اور مسلمانوں کو ان کے مکائد سے بچتے رہنے کی ہدایت کی گئی۔ کیونکہ ان کے دوسرے قرائن و احوال اور مخاطبات سریہ ان کے دعوائے ایمان کی تکذیب کرتے تھے: "وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ۔ محمد

آیت - ۳" اور ان کا دل ایمان سے خالی تھا اور وہ لوگ بھی ہمارے یہاں کے پنجابی نبی کی امت کی طرح اندر ہی اندر اسلام اور مسلمانوں کی جڑ کاٹتے رہتے تھے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ پنجابی نبی اور اس کی امت نے تنگ ظرفی سے اسلام کے خلاف بعض عقائد کا اعلان بھی کر دیا اور اس لئے وہ منافق کے بجائے مرتد کے حکم کے تحت میں آ گئے اور امیر افغانستان ان کو منافقین کی سی مہلت نہ دے سکے۔ اگر قادیانی پارٹی منافقین میں شامل ہو کر افغانی حدود تعزیر سے بچنا چاہتی ہے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ جہار (اعلانیہ) اپنے خبیث عقائد کا اقرار کرنا چھوڑ دے۔ پھر ان کے دلوں کا معاملہ خدا کے اور یوم آخرت کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ غالباً مرزا محمود نے جو مشورہ نعمت اللہ کے واقعہ کے بعد اپنی پارٹی کو دیا ہے اس میں اسی نفاق کی تعلیم کی طرف ایک قدم اٹھایا ہے۔

محمد علی (مرزائی) کو اس کی بڑی فکر ہے کہ :

"اگر علماء دیوبند قادیانیوں کو کافر بتاتے ہیں سنیوں کو شیعہ اور شیعوں کو سنی۔ مقلدوں کو غیر مقلد اور غیر مقلدوں کو مقلد۔ علی ھذا القیاس دیوبندیوں کو بریلوی اور بریلویوں کو دیوبندی کافر قرار دیتے ہیں۔ اس صورت میں تو کوئی مسلمان نہ رہے گا اور ایک دوسرے کو مرتد سمجھ کر قتل کر دیں گے۔"

(نعمت اللہ خان کی سنگساری ص ۱۰ (تلخیص))

لیکن اول تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر اور مرتد اور واجب القتل سمجھتا ہے۔ دوسرے واقعات آپ کے اس خطرہ کی تردید کرتے ہیں کیا اس وقت تک افغانستان میں مرتد قتل نہیں کئے گئے؟۔ پھر بھی خدا کے فضل سے کوئی موقعہ ایسا پیش نہیں آیا کہ کوئی مسلمان محض فرضی جرم ارتداد پر کسی جگہ قتل کر دیا گیا ہو۔ اور اگر کسی جگہ آئندہ ایسا ہی کیا گیا تو آپ دیکھ لیں گے کہ اس کا خون بحول اللہ و قوتہ رنگ لائے بدون نہیں رہے گا۔

محمد علی (مرزائی) کو ایسا لکھتے وقت اسلام کے نام اور اپنی نام نہاد اسلامیت کی شرم کرنی چاہیے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کو اور وہ سب لوگ مسلمانوں کو کافر

سکتے ہیں۔ تو کیا اس اختلاف کے وقت یہود و نصاریٰ کے کافر کہنے سے آپ کو اپنے مزعوم اسلام میں کچھ تردد ہو جاتا ہے۔ یا آپ کے ہاتھ میں کوئی معیار ایسا دیا گیا ہے جس پر آپ اپنے اسلام اور ان کے کفر کو پرکھ سکتے ہیں؟۔

اسی طرح کیا قرآن و سنت نے کوئی معیار صحیح و محکم ہمارے ہاتھ میں ایسا نہیں دیا کہ ہم مدعیان اسلام کے اختلاف کے وقت ہر ایک کے کفر و ایمان کو اس پر کس کر دیکھ لیں؟۔ تو صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر و مرتد کہتا ہے یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں کوئی کافر و مرتد نہیں یا سارے کافر و مرتد ہی ہیں۔

(الصحت اللہ کی سنگساری ص ۱۰ ملخص)

خدا نے اگر تم سے نور ایمان چھین لیا ہے تو کیا عام انسانوں کو جو نور فہم عطا ہوتا ہے وہ بھی سلب کر لیا گیا ہے؟۔ تم کو دکھائی دیتا ہے کہ جب مرزائی افغانستان میں قتل کئے جاتے ہیں تو بہائی اور بہائی شاہ ایران اور ترکوں کے حکم سے کیوں قتل نہیں کئے جاتے؟۔

یہ سوال یا تو آپ کو کب اللہ والے سید محفوظ الحق سے کیجئے۔ اور یا شاہ ایران اور ترکی پارلیمنٹ سے اور یا ان ملعونین مرتدین سے جو کابل کے قلمرو میں اس علم کے باوجود کہ وہاں خالص اسلامی حدود و تعزیرات کی تلوار چمکتی رہتی ہے ارتداد کا جھنڈا اٹھا کر لے گئے۔ اور انجام کار آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ان کو حق تعالیٰ کے غضب و انتقام کا مورد بننا پڑا۔

کیا اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے؟

اب میں دوسرے مسئلہ کی طرف آتا ہوں۔ وہ یہ کہ اسلام میں مرتد کی سزا کیا ہے اور افغانستان کا فعل کس حد تک اصل قانون اسلام پر منطبق ہو سکتا ہے؟۔ اسلامی اصول کے موافق کسی مسئلہ شرعی کے اثبات کے لئے چار دلیلیں ہو سکتی ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع مجتہدین، قیاس و استنباط۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ کا ثبوت چاروں طریقوں سے ہو۔ اور نہ ہر ایک دلیل ہر مسئلہ میں کارآمد ہو سکتی ہے۔ تاہم مسئلہ زیر بحث (قتل مرتد) میں اتفاق سے چاروں دلیلیں جمع ہو گئی ہیں۔

چونکہ بارہا کہا گیا ہے کہ قتل مرتد کا ثبوت قرآن کریم سے پیش کرو (حالانکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت جس کے نہ ماننے سے مسلمان خارج از اسلام ہو جاتے ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع وغیرہ سب کو چھوڑ کر صرف ایک دو صوفیوں کی نا تمام عبارتوں سے ہی ثابت ہو جاتی ہے)۔ اس لئے ہم نے بمد وجوہ اتمام حجت کے لئے مناسب سمجھا ہے کہ اولاً مرتد کے بارہ میں قرآن ہی کا فیصلہ سنایا جائے۔

مرتدین کے حق میں قرآن کا فیصلہ

یوں تو قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں۔ جو مرتد کے قتل پر دلالت کرتی ہیں لیکن ایک واقعہ جماعت مرتدین کے حکم خدا قتل کئے جانے کا ایسی تصریح اور ایضاح کے ساتھ قرآن میں مذکور ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں تاویل کی ذرا گنجائش نہیں۔ نہ وہاں محاربہ ہے۔ نہ قطع طریق۔ نہ کوئی دوسرا جرم۔ صرف ارتداد اور تنہا ارتداد ہی وہ جرم ہے جس پر حق تعالیٰ نے ان کے بے دریغ قتل کا حکم دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو جب خدا نے فرعون کی غلامی سے نجات دی اور فرعونوں کی دولت کا مالک بنا دیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ٹھہرے ہوئے وعدہ کے موافق حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر کوہ طور پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے چالیس راتیں خدا کی عبادت اور لذت مناجات میں گذاریں اور توراۃ شریف آپ کو عطا کی گئی۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور ادھر سامری کی فتنہ پردازی نے بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت کو آپ کے پیچھے راہ حق سے ہٹا دیا: "وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ۔ طه آیت ۸۵" یعنی سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر کھڑا کر دیا۔ جس میں سے کچھ بے معنی آواز بھی آتی تھی۔ بنی اسرائیل جو کئی صدی تک مصری بت پرستوں کی صحبت بلکہ غلامی میں رہے تھے اور جنہوں نے عبور بحر کے بعد بھی ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بے ہودہ درخواست کی تھی کہ:

"اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ - الاعراف آیت ۱۳۸"

﴿ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنا دیجئے۔ جیسے ان کے معبود ہیں۔﴾

وہ سامری کے اس بچھڑے پر مفتون ہو گئے اور یہاں تک کہہ گذرے کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے جس کی تلاش میں موسیٰ بھول کر ادھر ادھر پھر رہے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی جانشینی کا حق ادا کیا اور اس کفر و ارتداد سے باز آجانے کی ہدایت کی۔

"يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ - طٰہٰ آیت ۹۰"

﴿اے لوگو! تم اس بچھڑے کے سبب فتنہ میں ڈال دیئے گئے ہو حالانکہ تمہارا پروردگار (تمہارا) رحمان ہے تو تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔﴾

لیکن وہ اپنی اسی سخت مرتدانہ حرکت پر جمے رہے۔ بجائے توبہ کے یہ کہا کہ:

"لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى - طٰہٰ آیت ۹۱"

﴿ہم برابر اسی فعل پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ خود موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف واپس آئیں۔﴾

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پروردگار نے اطلاع کی کہ تیری قوم تیرے پیچھے فتنہ (ارتداد) میں پڑ گئی۔ وہ غصہ اور غم میں بھرے ہوئے آئے۔ اپنی قوم کو سخت سست کہا۔ حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی بازپرس کی۔ سامری کو بڑے زور سے ڈانٹا اور ان کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر راکھ کر دیا اور دریا میں پھینک دیا۔

یہ سب ہوا۔ لیکن ان مرتدین کی نسبت خدا کا کیا فیصلہ رہا۔ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے گوسالہ پرستی اختیار کر لی تھی؟ تو دنیا میں تو ان کے لئے خدا کا فیصلہ یہ تھا۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ - الاعراف آیت ۱۵۲"

﴿جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ضرور ان کو دنیا میں ذلت اور خدا کا غضب پہنچ

﴿جب وہ نادم ہوئے اور معلوم کر لیا کہ وہ واقعی بہک گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہ فرمائے گا اور ہم کو نہ بخشے گا تو ہم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔﴾

لیکن اس توبہ نے بھی ان کو دنیا کی عقوبت سے نہیں بچایا۔ جیسا کہ اب بھی بعض اقسام مرتد کے متعلق علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ وہ توبہ کے بعد بھی حداً قتل کیا جائے گا۔ خواہ توبہ آخرت کے عذاب کو اس سے اٹھا دے۔

اسی طرح گوسالہ پرستوں سے بھی اگرچہ دنیا میں حد کی تعزیر ساقط نہیں ہوئی۔ لیکن قتل کئے جانے کے بعد خدا نے احکام اخروی کے اعتبار سے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ اور ان قاتلین کی بھی جنہوں نے اپنے اقرباء کے ارتداد کے معاملہ میں مداہنت کی تھی:

"ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ البقرہ آیت ۵۴"

﴿یہ تمہارے خالق کے یہاں تمہارے حق میں بہتر ہے پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی کیونکہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔﴾

محمد علی (مرزائی) جن کی تفسیر پر مرزائیوں کو بڑا ناز ہے لکھتے ہیں کہ:

"سينالهم غضب من ربهم وذلة في الحيوة الدنيا وكذلك نجزي المفترين" کے بعد " والذين عملوا السيئات ثم تابوا من بعدها وامنوا ان ربك من بعدها لغفور رحيم۔" واقع ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے بعد جرم معاف ہو جاتا ہے۔ (بیان القرآن ص ۵۳۲)

لیکن ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جو مرتد توبہ کے بعد بھی حداً تعزیراً قتل کیا جائے جیسا کہ عبادِ عجل کئے گئے۔ اس کے حق میں یہ معافی کی آیت ایسی ہے۔ جس طرح سارق کے بارہ میں: "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ المائدہ آیت ۳۸" کے بعد: "فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ المائدہ آیت ۳۹" سے

اس کی معافی کی طرف اشارہ ہے اگرچہ مرتد کی سزا دنیا میں اس سے ساقط نہیں ہوئی۔

بنی اسرائیل واقعہ عجل سے یہ بات مکمل واضح ہو گئی کہ مرتدین کی ایک جماعت کو جس کی تعداد ہزاروں سے کم نہیں تھی حق تعالیٰ نے محض ارتداد کے جرم میں نہایت اہانت اور ذلت کے ساتھ قتل کرایا اور ارتداد کو بھی اس درجہ کا قرار دیا گیا کہ توبہ بھی ان کو خدائی سزا سے محفوظ نہ کر سکی۔ بلکہ توبہ کی مقبولیت بھی اسی سزا کی مقبولیت پر مرتب ہوئی۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ موسوی شریعت کا ہے۔ امت محمدیہ ﷺ کے حق میں اس سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ پہلی امتوں کو جن شرائع اور احکام کی ہدایت کی گئی ہے اور قرآن نے ان کو نقل کیا ہے۔ وہ ہمارے حق میں بھی معتبر ہیں۔ اور ان کی اقتداء کرنے کا امر ہم کو بھی ہے جب تک کہ خاص طور پر ہمارے پیغمبر ہماری کتاب اس حکم سے ہم کو علیحدہ نہ کر دیں۔

چند انبیاء و مرسلین کے تذکرہ کے بعد جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں نبی کریم ﷺ کو خطاب ہوا ہے کہ :

”اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ ۔ الانعام آیت ۹۰“

﴿یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت کی تو آپ بھی ان کی ہدایت پر چلئے﴾

یہ خطاب فی الحقیقت ہم کو سنانا ہے۔ خود محمد علی (مرزائی) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

”قرآن شریف میں کسی انسان کا ذکر ہو یا کسی قوم کا سب مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ہے۔“ (بیان القرآن ص ۵۳)

پس اس قاعدہ سے بنی اسرائیل کے مرتدین کو قتل کئے جانے کے حکم میں بھی تعلیم ہم ہی مسلمانوں کو ہوئی۔

مرتد کا فیصلہ سنت رسول اللہ ﷺ سے

نصوصاحب کہ دوسری آیت کی معیت میں خود رسول اللہ ﷺ کا ما ہو تمام فیصلہ

بھی (جو "لتبین للناس ما نزل الیہم۔ النحل آیت ۴۴" کے تحت میں داخل ہے) یہی ہوا کہ۔

"من بدل دینه فاقتلوه" (جو اپنا دین بدلے اسے قتل کر دو۔)
(صحیح بخاری ص [illegible])

محمد علی (مرزائی) نے بخاری کی اس حدیث کے ساتھ خوب ٹھٹھا کیا ہے۔ اور اس طرح اپنے دل کی گندگی کا اور بدباطنی کا اظہار کرتے ہیں کہ۔

"یہاں دین سے کیا مراد ہے۔ کیا ہر ایک دین کو بدلنے والا واجب القتل ہے تو یہودی سے کوئی نصرانی بنے یا ہندو سے عیسائی وہ بھی واجب القتل ہوگا۔"
(تحریک احمدیت ص ۹ ملخص)

کیا محمد علی (مرزائی) ایمان سے کہہ سکتے ہیں کہ جب وہ یہ لکھ رہے تھے خود ان کا ضمیر اندر سے ان پر لعنت نہیں کر رہا تھا؟ کیا واقعی طور پر وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ایک لفظ کا بھی کوئی ایسا مطلب لینا جائز سمجھتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہو کہ ہر شخص جو اپنا پرانا مذہب چھوڑ کر اسلام میں آ جائے اسے تم قتل کرتے جاؤ۔ یہاں تو آپ مٹی ڈالنے پر سوامی دیانند سے بھی گوئے سبقت لے گئے۔ جس وقت آپ کے دل میں یہ سوال آیا تھا کہ حدیث میں جو مسلمانوں کو خطاب ہے "من بدل دینه فاقتلوه" اس میں کونسا دین خدا کے رسول کی مراد ہے تو اس کے جواب میں قرآن کی آواز پر کان دھرا ہوتا جو کہتا ہے کہ:

"ان الدین عند اللہ الاسلام۔ آل عمران آیت ۱۹"
(بلاشبہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔)

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه۔ آل عمران آیت ۱۹"
(جو کوئی اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔)

مگر آپ کے دل میں تو وہ خدا کا دین ہے ہی نہیں۔ اس لئے آپ مجبور ہیں کہ قرآن سے دین کی طرف جائیں (الا تباع بتوسیع بمانیہ)

بہر حال حدیث صحیح نے مرتد کے معاملہ میں خواہ وہ مرد ہو یا عورت جو فیصلہ کر دیا کہ وہ واجب القتل ہے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ حضورؐ نے کمال بلاغت سے من ارتد نہیں فرمایا کہ شاید کسی کو شبہ ہوتا کہ یہ صرف اس کے حق میں ہے جو مثلاً یہودیت وغیرہ کسی مذہب باطل کو چھوڑ کر اسلام میں آیا تھا پھر او مرتی لوٹ گیا بلکہ من بدل دینہ فرمایا کہ واجب القتل ہونے کے لئے خدائی دین کو تبدیل کرنا کافی ہے ضرورت نہیں کہ جس مذہب سے آیا تھا اس میں لوٹ کر جائے۔

خدائے عزوجل اور رسول خدا ﷺ

دونوں کا فیصلہ مرتد کے متعلق

یہاں تک تو آپ نے مرتد کے بارہ میں خدا اور رسول ﷺ کا الگ الگ فیصلہ سنا اب یکجائی بھی سن لیجئے:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ پر رسول اللہ ﷺ نے یمن کا علاقہ تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں اپنے اپنے علاقہ میں کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت معاذؓ حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس بغرض ملاقات آئے دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس بندھا کھڑا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مرتد ہے یعنی پہلے یہودیت سے اسلام لایا پھر یہودی بن گیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت معاذؓ سے کہا کہ تشریف رکھئے۔ انہوں نے فرمایا نہیں میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک یہ قتل نہ کر دیا جائے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی۔ معاذ بن جبلؓ نے فرمایا: "قضاء اللہ ورسولہ" یعنی یہ اللہ کا اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۲۳ ج ۲)

زنادقہ کے متعلق حضرت علیؓ کا فیصلہ

یہ تو آپ نے "دو صحابیوں" کا ذکر سنا جو غالباً آپ کے خیال میں ملاؤں سے بھی زیادہ تنگ نظر ہوں گے۔ اب ذرا چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کی (اول آپ کے) ایک نظیر بھی ملاحظہ کیجئے

"عن عکرمۃ قال اتی علیؓ بزنادقۃ فاحرقھم فبلغ ذلک ابن عباسؓ فقال لو کنت انا لم احرقھم لنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ ولقتلتھم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ۔ صحیح بخاری ص۱۰۲۳ ج۲"

(حضرت علیؓ کے پاس چند زندیق لائے گئے۔ انہوں نے ان کو جلا دیا۔ یہ خبر ابن عباسؓ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو جلاتا نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب (آگ) سے کسی کو سزا مت دو۔ البتہ میں ان کو قتل کرتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔)

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں روایات نقل کی ہیں۔ جن میں تصریح ہے کہ یہ زندیق مرتدین تھے۔ پھر بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"ومن الزنادقۃ الباطنیۃ وھم قوم زعموا ان اللہ خلق شیئاً ثم خلق منہ شیئاً آخر فدبر العالم باسرہ۔ ویسمونھا العقل والنفس الی قولہ ولھم مقالات سخیفۃ فی النبوات وتحریف الآیات وفرائض العبادات۔ فتح الباری ص۲۳۹ ج۱۲"

(اور زندیق میں سے باطنیہ فرقہ ہے (جن کے عقائد کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نبوت اور تحریف آیات، عبادات میں ان کے اقوال نہایت لغو (بیہودہ) ہیں۔)

اس سے ظاہر ہوا کہ جس کو فقہا زندیق کہتے ہیں وہ مرتد ہی ہے، اور زندیق و مرتدین کا حکم آپ کو معلوم ہو چکا۔

قتل مرتد کا فیصلہ اجماعِ ائمہ اسلام ہے؟

قرآن و سنت کے بعد تمام ائمہ اسلام کا متفقہ فیصلہ بھی قتل مرتد کے متعلق سن

کیجئے۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقد اتفق الائمة علی ان من ارتد عن الاسلام وجب قتله وعلی ان قتل الزندیق واجب وهو الذی یسر الکفر ویتظاهر بالاسلام ۔ میزان ص ۱٦٥ ج ۲"

(تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ جو شخص اسلام سے پھر جائے یا زندیق ہو اس کا قتل واجب ہے اور زندیق وہ ہے جو اندرونی کفر کے باوجود اسلام سے تظاہر کرتا رہے۔)

اس عبارت کو پڑھ کر یہ آیت بھی تلاوت فرمائیے:

"وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۔ النساء آیت ۱۱۵"

(جس کسی نے رسول کی مخالفت کی ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اور مومنین کے راستے کے سوا کسی اور راستے پر چلا تو ہم اس کو حوالے کریں گے اس چیز کے جس کو وہ اختیار کرتا ہے اور داخل کریں گے دوزخ میں اور وہ برا ٹھکانا ہے۔)

قتل مرتد کے متعلق قیاس شرعی اور عقل سلیم کا کیا حکم ہے

چونکہ مضمون اندازہ سے زیادہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے قرآن، سنت، اجماع پیش کرنے کے بعد چند الفاظ حافظ ابن قیمؒ کے نقل کرتا ہوں جن سے معلوم ہوگا کہ کافر حربی اور مرتد کا قتل کیا جانا عقل سلیم اور قیاس صحیح کا تقاضا ہے۔ فرماتے ہیں:

"فاما القتل فجعله عقوبة اعظم الجنایات کالجنایة علی الانفس فکانت عقوبة من جنسه وکالجنایة علی الدین بالطعن فیه والارتداد عنه وهذه الجنایة اولیٰ بالقتل وکف عدوان الجانی علیه من کل عقوبة اذا بقاءه بین اظهر عباده مفسدة لهم ولا خیر یرجی فی بقاءه ولا مصلحة فاذا

حقن دمه وامسك لسانه وكف اذاه والتزم الذل والصغار وجريان احكام الله ورسوله عليه واداء الجزية لم يكن في بقائه بين اظهر المسلمين ضرر عليهم والدنيا بلاغ ومتاع الى حين وجعله ايضا عقوبة الجناية على الفروج المحرمة لما فيها من المفاسد العظيم واختلاط الانساب والفساد العام ۔ اعلام الموقعين ص ۱۶۸ ج ۲"

خدا تعالیٰ نے کئی طرح کی سزائیں مقرر کی ہیں۔ ان میں سے قتل سب سے بڑے جرم کی سزا ہو سکتی ہے۔ مثلاً کسی بے گناہ کو ہلاک کر دینا یا کسی عورت کی آبرو ریزی کر کے منہ کالا کرنا یا دین حق پر طعن کرنا اور اس سے پھر جانا۔ اور جب قتل عمد کی سزا قتل ہے تو دین مرتد کرنے کی سزا بطریق اولیٰ قتل ہونی چاہئے کیونکہ ایک نفس کا ہلاک دین کی تباہی سے زیادہ قبیح نہیں ہے۔ پس اس شخص کا وجود جو دین حق پر طعن کرے یا اس سے پھر جائے مسلمانوں کی جماعت کے اندر بڑی خرابی کا باعث ہے جس کے باقی رکھنے میں کسی بھلائی اور بہتری کی امید نہیں کی جا سکتی ہاں اگر وہ طعن کرنے والا اپنی زبان کو روک لے اور اپنی شرارت سے باز رہے اور مسلمانوں کو دکھ نہ دے اور ذلیل ہو کر اور خدا اور رسول کے احکام کے سامنے پست ہو کر رہنا پسند کرے۔ تو اس چند روزہ زندگی میں اس کے لئے گنجائش ہے۔

یہاں تک ہم نے اول زمانہ سے قتل مرتد کا تواتر کے ساتھ ثبوت پیش کر دیا ہے اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو آئندہ اس کی مزید تشریح کی جائے گی۔

یہ بات رہ گئی ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن کی وہ آیات پیش کی ہیں جن میں مرتد کے اعمال حبط ہونے یا ان پر لعنت ہونے یا آخرت میں غضب اور عذاب ہونے کا ذکر ہے ان آیات میں ساتھ ہی ساتھ اس کے قتل کئے جانے کا حکم مذکور نہیں۔

لیکن اس میں تو نئے یا پرانے مرزائیوں کو بھی تردد نہ ہوگا کہ قتل عمد کی سزا اسلام میں قتل ہے کہ حق تعالیٰ نے جس جگہ قرآن میں یہ فرمایا ہے

"ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها وغضب الله عليه ولعنه واعد له عذابا عظيما ۔ النساء ۹۳"

﴿اور جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا تو آخرت میں اس کی سزا جہنم ہو گی جس میں ہمیشہ رہنا ہو گا اور اس پر اللہ غضب اور لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے خدا نے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔﴾

تو اس کا بدلہ صرف یہ قرار دیا ہے کہ اس کو دوزخ میں خلود ہو گا اور اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اس پر ہے اور خدا نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ تو کیا اس جگہ صرف اخروی سزا مذکور ہونے سے مرزائیوں کے مایۂ ناز مفسر کے نزدیک قاتل کو بھی دنیا میں آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟۔ اگر یہی آپ کی قرآن فہمی اور نکتہ سنجی ہے تو اچھے ہم فدا اسلام اور اس کے فلسفہ کو آپ دنیا میں خوب نیک نام کریں گے۔

اگر آپ قاتل کی نسبت فیصلہ کرنے میں آیت مذکورہ کے ساتھ قرآن کی دوسری آیات کو بھی ملاتے ہیں تو مرتد کے متعلق فیصلہ کرتے وقت ایسا کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟۔

آپ کتنی ہی کوشش کیجئے اور احادیث و آثار سے بھاگ کر قرآن کی پناہ لیجئے۔ مگر قرآن آپ کو ضرور دھکے دے گا اور آپ کے خیال فاسدہ کے منہ پر طمانچے مارے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے بھاگنے والے کے واسطے خداوند تعالیٰ کے یہاں کوئی پناہ نہیں ہے۔

مرتد کی نسبت اسلامی حکومت کا فیصلہ

قرآن، حدیث، اجماع، قیاس کے فیصلوں کے بعد ایک خالص اسلامی حکومت (افغانستان) کا فیصلہ بھی وہی ہونا تھا جو ہوا۔ لیکن جب سے دولت عالیہ افغانیہ کی سب سے بڑی شرعی عدالت نے نعمت اللہ قادیانی کو اس کے ارتداد کے جرم میں نہایت ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کرایا ہے مرزائی امت نے اس خالص اسلامی قانون کی تنفیذ اور رسول اللہ ﷺ کی ایک محکم سنت کے احیاء کے خلاف سخت شور و ہنگامہ بپا کر رکھا ہے۔ کبھی وہ افغانستان کے مقابلہ پر امریکہ اور یورپ کو ابھارتے ہیں۔ کبھی ہندوؤں سے فریاد کرتے ہیں۔ کبھی آزاد و مشرک لیڈروں کو اکسانا چاہتے ہیں اور سب سے آخر میں رائے عامہ سے اپیل کی جاتی ہے۔ [illegible] کہ قتل مرتد کا قانون نہ تو یورپ و امریکہ کی حکومتوں کا

سنایا ہوا ہے اور اس کا ذکر نہیں پایا کسی اور دنیوی انجمن کی منتظمہ کمیٹی نے اس کی منظوری میں رائے دی گئی ہے۔ اور نہ ہی پبلک کے غوغائے عام یا دونوں کی کثرت کو اس کے پاس کئے جانے میں کچھ دخل ہے۔ وہ تو ایک آسمانی فیصلہ ہے جو خدا کے ان وفادار بندوں کے ہاتھوں سے نافذ پذیر ہوتا ہے جن کی نسبت قرآن حکیم میں یہ ارشاد ہوا ہے :

"فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ - يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ - ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۔ مائدہ آیت ۵۴"

﴿ تو قریب ہے کہ خدا لائے گا ایک ایسی قوم کو جن کو وہ محبوب رکھتا ہے اور وہ خدا کو محبوب رکھتی ہے کافروں کے مقابلہ میں غالب اور مومنین کے سامنے خاکسار، جو جہاد کرے گی خدا کے راستہ میں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے گی یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہے دے ﴾

وہ ایک فرمان رسالت ہے جس کا امتثال ان ہی سعید روحوں کا حصہ ہے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے باغیوں کی سرکوبی کے لئے سارے جہان میں سے چن لیا ہے اور جن کو اس نے محض اپنے افضال سے " أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ - الفتح آیت ۲۹ " کا تمغہ مرحمت فرمایا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس دور فتن میں جب کہ الحاد اور دہریت کی رو کے خلاف کوئی کام کرنے کی بہت ہی کم جرأت ہو سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت امیر غازی ایدہ اللہ بنصرہ نے اس سنت سنیہ کو زندہ کر کے بارگاہ الٰہی اور قلوب مومنین میں وہ عزت پیدا کر لی ہے جو انسانوں کی دی ہوئی اور بادشاہوں کی تسلیم کی ہوئی عزتوں سے بالاتر ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو شخص جس گورنمنٹ کے قانون کو قبول کرتا اور اس کی حمایت کرتا ہے اس کی پشت پر اس گورنمنٹ کی ساری طاقت ہوتی ہے۔ یقینی ضرور ہے کہ جو بادشاہ خدائی قانون کی حمایت اور تنفیذ کرے خدائی طاقت اس کی حامی اور سرپرست ہو۔ اسی لئے ہم کو یقین رکھنا چاہئے کہ اعلیٰ حضرت امیر غازی جس وقت تک قانون الٰہی کو بلا خوف " لومة لائم " اجرا فرماتے رہیں

گے۔ خدائی طاقت ان کو ہر شیطانی طاقت کے مقابلہ میں مظفر و منصور کرے گی:

"فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَالْمَلٰئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۔ تحریم آیت ۴"

آج تاجدار افغانستان نے اقامت حدود الٰہیہ سے قرن صحابہؓ کی یاد تازہ کر دی اور رسول کریم ﷺ کی روح مبارک کو خوش کرنے میں اس بات کی مطلق پروا نہیں کی کہ دنیا ان کو وحشی سمجھے گی یا جاہل۔

انہوں نے بڑی دلیری کے ساتھ اسلام کے حقیقی حسن و جمال اور قدرتی سادگی و خوب صورتی سے پردہ اٹھا دیا اور اس نے مادی خوب صورتی اور مصنوعی رنگ و روپ سے اس کو بے نیاز ثابت کر دیا جس میں اسلام کے نادان دوست یا اعداء دشمن اسے پیش کر رہے تھے۔

امیر کابل جیسے خالص خود مختار اسلامی فرمانروا سے اسلام کی یہ خدمت کچھ زیادہ عجیب نہیں۔ لیکن تعجب اور تعجب سے زیادہ مسرت ہم کو اس بات پر ہے کہ غلام ہندوستان کے اسلامی اخباروں کو (جن میں معزز زمیندار اور سیاست خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) حق تعالیٰ نے ایسی سیدھی سمجھ اور متوازن جرأت اور صراط مستقیم پر چلنے کے لئے بصیرت کی وہ روشنی عطا فرمائی ہے۔ جس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اسلام کی اصلی ہیئت اور فتنہ عظیمہ مرزائیت کے کفریات اور بد نتائج کا مشاہدہ کرنے کے لئے غافلوں اور بے خبروں کی آنکھوں کے سامنے اجالا کر دیا ہے۔

مسلمان قوم کے حق میں یہ بڑی مبارک فال ہے کہ اس کے موقر اخبار تجارتی مقاصد اور لومة لائمین کی پروا نہ کر کے ٹھیک ٹھیک اسلامی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کریں اور ان کی حمایت پر علیٰ وجہ البصیرۃ کمربستہ ہوں۔

ان اخباروں کی روش افغانستان کے اس فعل کی تائید و تحسین میں حق پرست مسلمانوں پر یہ ثابت کر رہی ہے کہ یہ اخبار محض کسب زر کا آلہ نہیں بلکہ اسلام کے بہترین خادم ہیں۔ جو چاہتے ہیں کہ مدت سے بھٹکے ہوئے آزاد مسلمانوں کے جذبات و محسوسات کی ترین کو کچھ پیچھے ہٹا کر اسی سیدھی لائن پر کھڑا کر دیں۔ جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے

صحابہؓ نے عرب کی زمین پر بٹھائی تھی۔

لاہوری پارٹی کے امیر (محمد علی مرزائی) تو لکھتے ہیں کہ

"افغانستان کے ایک فعل نے اسلام کی ترقی کو دس سال اور پیچھے ڈال دیا۔"

(تحفہ ندوی سنگساری ص ۱۰۰)

مگر میں انہیں خوش خبری سناتا ہوں کہ دس سال نہیں۔ اس نے تو لوالامر مسلمانوں کو نہایت ہی مسلک آزادی کی طرف ترقی کرنے سے تیرہ سو سال پیچھے ہٹا دیا ہے۔

مرزائیوں کو بڑی فکر ہے کہ افغانستان کا یہ فعل جب اسلام کی طرف منسوب ہوگا تو غیر مسلم قومیں اسلام سے نفرت کرنے لگیں گی اور یہ سمجھ جائیں گی کہ اسلام صرف تلوار کے زور سے قائم رکھا جا سکتا ہے اور یہ ایک بڑی روک اشاعت اسلام کے راستہ میں ہوگی۔

لیکن قرون اولیٰ کا تجربہ ہم کو یہ بتلاتا ہے کہ جب صدیق اکبرؓ اور دوسرے خلفاءؓ کے عہد میں ارتداد کا فیصلہ حضور ﷺ کے حکم کے موافق تلوار کی نوک سے کیا جاتا تھا حتیٰ کہ بعض اوقات سرزمین عرب کا وسیع رقبہ مرتدین کے خون سے رنگین ہو گیا۔ اس وقت اشاعت اسلام کی رفتار ترقی اس قدر سریع اور حیرت میں ڈالنے والی تھی کہ جسے حضور ﷺ کے ایک عظیم الشان معجزہ کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے میں ثابت کر چکا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے حکم "من بدل دینه فاقتلوه" کی تعمیل میں ایک لمحہ کا توقف بھی روا نہ رکھتے تھے۔ لیکن مرزائیوں کے لئے یہ کس قدر تعجب اور غصہ کا مقام ہوگا کہ ان ہی صحابہؓ کے عہد میں جوق در جوق کفار اسلام کے حلقہ بگوش بنتے گئے۔ نہ تو وہ قتل مرتدین کو دیکھ کر اسلام سے بدگمان ہوئے اور نہ انہوں نے حاملین اسلام سے نفرت کی۔ بلکہ وہ یہ دیکھ کر کہ مسلمان حکمرانوں کے زیر سایہ جہاں تمام یہود و نصاریٰ اور دوسری غیر مسلم اقوام اس طرح آزادانہ زندگی بسر کرتے اور اپنے مذہبی وظائف کو بلا روک ٹوک بجا لاتے ہیں۔ کسی مرتد کا بیدریغ قتل کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان صرف ایک ہی چیز کے خواہاں ہیں اور وہ یہ کہ ان کے دین میں زہر یلے جراثیم کی تولید نہ ہونے پائے۔ اور کبھی ہو جائے تو اس کو ترقی اور تعدیہ کا

موقع نہ ملے۔ جراثیم ارتداد کو فنا کرنا فی الحقیقت سچے ایمانداروں کی حفاظت کرنا ہے۔

مرتد کا وجود ایک مجسم فتنہ ہے جس سے کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے خیالات میں تشویش اور ان کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو سکتا ہے۔

جو لوگ صدر رسالت میں اپنے آدمیوں کو " آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ ۔ آل عمران آیت ۷۲" کا مشورہ دیتے تھے۔ ان کی غرض بھی "لعلهم يرجعون" ہی تھی یعنی یہ کہ کچھ معقول مسلمانوں کو اسلام سے پھرتے ہوئے دیکھ کر سچے مؤمنین کو بھی جھوٹ اور باطل کی طرف آنے کی ترغیب ہو گی۔ یا کم از کم یہ خیال کریں گے کہ آخر کچھ تو وجہ ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے منحرف ہو گئے ہیں۔ ان کے دلوں میں بھی ایک طرح کا تردد اور تذبذب پیدا ہو جائے گا۔

اسی لئے اسلام نے ارتداد کے مہلک جراثیم کو تباہ کر ڈالنے کے لئے پوری قوت استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔

بہتر ہے کہ مرتد کو اولاً سمجھاؤ۔ اس کے شبہات کا ازالہ کرو۔ اگر وہ خدا کی کھلی کھلی آیات دیکھنے اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی اپنی معاندانہ ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ اور اپنی ہوا و ہوس یا اوہام باطلہ کی پیروی سے باز نہ آئے تو مسلمانوں کی جماعت کو اس کے زہریلے وجود سے پاک کر دو کہ " تبین رشد من الغی۔ " کے بعد دین میں کوئی اکراہ نہیں ہے: " لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۔ الانفال آیت ۴۲ "

ایک شخص اتفاقاً گھوڑے سے گر پڑا۔ ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ہڈی کے ریزے ادھر ادھر گھس گئے۔ سول سرجن کا کام یہ ہے کہ ہڈی کو جوڑے، زخم صاف کرے، پٹی باندھے اور مرہم لگائے۔ لیکن اگر کسی تدبیر سے زخم مندمل نہ ہو سکے بلکہ اس کے سرایت کرنے اور باقی ٹانگ کو بھی خراب اور مسموم کر ڈالنے کا اندیشہ ہو تو کیا اس وقت اس سول سرجن کا یہ ایک مشفقانہ فرض نہیں ہو جاتا کہ وہ ٹانگ کے مسموم حصہ کو کاٹ کر پھینک دے اور فاسد عضو بدن پہ یہ سمجھ کر بے جا رحم نہ کھائے کہ گھوڑے سے گرنا اور ٹانگ ٹوٹ جانا اور مریض کا زخم

مندمل نہ ہوتا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس وقت سول سرجن کا فرض یہ دیکھنا نہیں کہ آیا مریض نے اپنے اختیار سے مرض کو پیدا کیا ہے یا بے احتیاطی کی طور پر پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ اپنے اختیار کو دیکھتا ہے جسے وہ مریض کے بقیہ اعضاء کو بچانے کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ ارتداد ایک سخت زہریلا مادہ ہے جو جسم مسلم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ خدائی سول سرجن جب اس کی تحلیل یا علاج کی تدبیر سے تھک جاتے ہیں تو: " آخر العلاج السیف " کے قاعدہ سے اس عضو فاسد کو کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔ اور ایسا کرنے کے وقت خدا کی طرف سے: "وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ - النور آیت ۲" اور: "وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ - توبہ آیت ۷۳" کے مخاطب ہوتے ہیں۔

کسی سخت آپریشن کا مشاہدہ کرنے سے بعض اوقات نازک دل عورتیں یا بعض ضعیف القلب مرد بھی غش کھا کر گر پڑتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی کمزور دل ڈاکٹر اس سے متاثر ہو کر آپریشن چھوڑ بیٹھے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ڈاکٹر رحم دل ہے بلکہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے منصب سے معزول کر دینے کے قابل ہے۔

ہم کو خدا کا بڑا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے موجودہ عہد احتفاظ میں امیر غازی امان اللہ خان اور ان سے پہلے ان کے والد مرحوم کو وہ اختیارات بخشے اور ان اختیارات کے استعمال کی توفیق مرحمت فرمائی جو جسم مسلم کو نجاست ہی کی آلائشوں سے پاک کرنے اور اصلاح پر لانے کے لئے ضروری تھے۔ اگر بفرض محال یہ صحیح بھی ہو کہ امیر صاحب کے اس فعل سے اشاعت اسلام میں کچھ رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو اس میں پھر بھی کوئی شبہ نہیں کہ حفاظت اسلام میں اس سے بڑی بھاری مدد ملے گی اور شاید قادیان کی کسی چوتھی بکری کو اب مدت تک یہ ہوس نہ ہوگی کہ اعلانیہ افغانیوں کے اسلام یا ان کی متحدہ قومیت میں سینگ مار کر کابل کے نیک خلف سے شہادت کا فخر حاصل کرے۔

مرزا محمود (قادیانی) ہو یا محمد علی (لاہوری) ان کو چاہئے کہ وہ دل جمعی یا سوراجی ہندو مسلمانوں کو اتنا بیوقوف نہ سمجھیں کہ وہ سب کے سب امیر کابل کو آپ کے کہنے سے اتنا سفاک اور جاہل سمجھ لیں گے کہ وہ دول غیر کے تمام سفراء کو اس قدر مامون و مصئون

رکھنے اور افغانی ہندوؤں کو ہندوستانی ہندوؤں سے زیادہ آزادی اور طمانیت عطا کرنے کے باوجود مشق تیغ آزمائی یا جبر و اکراہ اسلام پھیلانے کے لئے قادیان کی ایک بکری (نعمت اللہ) پر شمشیر چلا کر خوش ہوتے ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ کسی آدمی کو عمداً قتل کر ڈالنا بڑی سخت چیز ہے۔ مگر قرآن نے جس کو فتنہ کہا ہے وہ قتل سے بھی بڑھ کر سخت ہے: "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ البقرہ آیت ۱۹۱" "وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ البقرہ آیت ۲۱۷"

یہ فتنہ دین حق سے ہٹنے یا ہٹائے جانے کا فتنہ ہے۔ جس پر: " وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔ مائدہ آیت ۴۹" میں متنبہ کیا گیا ہے اور جس کو حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کے مرتد گوسالہ پرستوں کو مخاطب کرتے ہوئے: " يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ۔ طٰہٰ آیت ۹۰" سے تعبیر فرمایا تھا اور جو ان کفار کا ہمیشہ مطمح نظر رہتا ہے۔

جن کی نسبت قرآن میں کہا گیا ہے:

"وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً۔ النساء آیت ۸۹"

﴿وہ چاہتے ہیں کہ جیسے وہ خود کافر ہیں تم کافر ہو کر ان کے برابر ہو جاؤ۔﴾

"وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا۔ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ۔ البقرہ آیت ۱۰۹"

﴿بہت سے اہل کتاب از راہ حسد یہ آرزو رکھتے ہیں کہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا ڈالیں۔﴾

"وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا۔ البقرہ آیت ۲۱۷"

﴿وہ ہمیشہ تم سے اس لئے جنگ کرتے رہیں گے کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔﴾

اسی فتنہ کے روکنے اور مٹانے کے لئے وہ جہاد جانفروز جہاد بالسیف مشروع

کیا گیا جس کا خیال مسلمانوں کے دلوں سے محو کرنے کے لئے لاہوری پارٹی کا لغوی اور محمودی پارٹی کا بروزی نبی مبعوث ہوا ہے۔ پڑھو: "وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔ البقرہ آیت ۱۹۳"

﴿دشمنان اسلام سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ کا وجود نہ رہے اور خدا کا دین ہی غالب ہو کر رہے۔﴾ (جیسا کہ: "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ الفتح آیت ۲۸" سے مفہوم ہوتا ہے۔)

صحیح بخاری میں ابن عمرؓ سے اور سنن ابن ماجہ میں عمران بن حصینؓ سے منقول ہے کہ اس فتنہ سے مراد ارتداد کا فتنہ ہے۔ (دیکھو فتح الباری ص۰ ۳ ج ۱۳) اور اسی طرح اشارہ صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت میں موجود ہے۔

پس اسلام کا سارا جہاد و قتال خواہ ہجوم کی صورت میں ہو یا دفاع کی صرف مرتد بنے یا بنانے والوں کے مقابلہ میں ہے۔ جس کی غرض یہ ہے کہ فتنہ ارتداد یا اس کے خطرہ سے مؤمنین کی حفاظت کی جائے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مرتدین کا جو مجسم فتنہ ہیں استیصال ہو اور مرتد بنانے والوں کے حملوں اور تدبیروں اور ان کی شوکت و قوت کو جس سے وہ مسلمانوں کے ایمان کو موت کی دھمکی دے سکتے ہیں ہر ممکن طریقہ سے روکا جائے یا توڑا جائے۔

چنانچہ کفار اگر جزیہ دے کر اسلامی رعایا بنے یا مسلمانوں کے امن میں آجائے لیا بھی مصالحت اور معاہدہ کی وجہ سے مسلمانوں کو عملاً مطمئن کر دیں کہ وہ ان کے دین میں کوئی رخنہ اندازی نہ کریں گے اور ان کے غلبہ اور شوکت کی وجہ سے مسلمانوں کو مرتد بنائے جانے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا تو ایسی اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانا جائز نہیں۔

"حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ التوبۃ آیت ۲۹"

﴿یہاں تک کہ وہ جزیہ ادا کریں ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔﴾

"وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ۔ التوبۃ آیت ٦"

﴿اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو تم اس کو پناہ دیدو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔﴾

"وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ . الانفال آیت ۶۱"

﴿اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ اور خدا پر بھروسہ کرو۔﴾

"فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا - النساء آیت ۹۰"

﴿پھر اگر وہ تم سے علیحدہ رہیں اور نہ لڑیں اور صلح کی خواہش ظاہر کریں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں تم کو کوئی راستہ نہیں دیا۔﴾

"وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ . التوبۃ ۱۲"

﴿اگر عہد و پیمان کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر زبان درازی کریں تو لڑو تم کفر کے سرداروں سے۔﴾

پس جہاد بالسیف خواہ تعدی ہو (یعنی بطریق حفظ تقدم) یا دفاعی (یعنی بطریق چارہ سازی) صرف مومنین کی حفاظت کے لئے ہے۔ اور یہ ایک ایسا فطری حق ہے جس سے کوئی عاقل اور مہذب انسان منصفوں کو محروم نہیں کر سکتا۔ اس لئے احکام جہاد کی نسبت جو قرآن میں بکثرت موجود ہیں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ . البقرہ آیت ۲۵۶" اور "أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ . یونس آیت ۹۹" کے معارض ہیں۔ بلکہ کہا جائے گا کہ دین میں کوئی اکراہ نہیں۔ البتہ جو فتنے دین میں رخنہ ڈالنے ہوں ان کے روکنے میں ضرور اکراہ ہے۔ یعنی جہاں تک مسلمانوں کی طاقت میں ہوگا فتنہ کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے سر نکالے یا نشو و نما پائے۔

اگر اسلام کی اسی حفاظت خود اختیاری کے معنی اس کا زور شمشیر پھیلایا جانا ہے تو

میں اقرار کرتا ہوں کہ بیشک اس کی حفاظت کے لئے شمشیر استعمال ہوتی ہے اور ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھوں سے جنہیں خدا ایسی قوت اور توفیق دے گا استعمال ہوتی رہے گی: "الجهاد ماض الی یوم القیامة - مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۶، سنن ابی داؤد ج ۱ ص حاشیہ ۳۴۷ کتاب الجهاد" خود قادیان کا متنبی اپنے قلم کی چوں چوں سے کتنا ہی اس تلوار کی جھنکار کو پست کرنا چاہے۔

ہم بحمد اللہ! خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام کے بہت سے دانا دشمنوں نے اس امر کی حمایت میں کہ اسلام ہرگز بزور شمشیر نہیں پھیلا موٹی موٹی کتابیں لکھی ہیں۔ اور کیسی خوب صورتی اور دانائی سے ایک سچی بات کہہ کر دوسری سچی بات (جہاد بالسیف) کی اہمیت اور وقعت کو مسلمانوں کے دلوں سے محو کرنا چاہا ہے اور اسلام کے بہت سے نادان دوست بھی ان کی اس منافقانہ ہمدردی کا شکار ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنی اصلاح کی قینچی سے مسئلہ جہاد کے پرزے کتر ڈالے ہیں۔ لیکن یاد رکھئے کہ حق کبھی باطل کا گرویدہ نہ ہوگا کسی کی تجہیل و تحمیق سے ڈرتا ہے۔ اور نہ کسی کی مکاری اور چرب لسانی سے کھچتا ہے۔ وہ بلا خوف تردید کہتا ہے کہ تم حقیقت جہاد سے جاہل ہو اور خدائے قدوس کی انتہائی وفاداری اور اس کی راہ میں شجاعانہ سر فروشی کو اگر تم وحشیانہ حرکت اور مذہبی دیوانگی سے موسوم کرتے ہو تو ہم اپنی دیوانگی اور تمہاری فرزانگی کی نسبت مولانا روم کی زبان میں صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں:

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را
دوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد
اوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

بہر حال قتل مرتد یا جہاد بالسیف کا حکم مسلمانوں کو فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے جس کا اول مخاطب امام صاحب اقتدار ہوتا ہے۔ جن ممالک میں مسلمانوں کا امام صاحب اقتدار نہ ہو وہاں عام مسلمان اس قسم کے احکام کے مکلف نہیں ہیں (جیسے ہندوستان ہے) کیا علیہ ہندوستان کے مرتد غیر مسلم اقوام کو تحت الحفاظت کے قتل سے خوف کھانے کی کوئی

وجہ نہیں۔ یعنی خود افغانستان کی غیر مسلم رعایا یا مستامنین کو بھی جیسا کہ مشاہدہ کیا جا رہا ہے کوئی خطرہ نہیں۔ لاہوری پارٹی کے (مرزائی) امیر کی سمجھ میں ابھی تک یہ فلسفہ نہیں آیا کہ :

"ایک ہندو پیغمبر اسلام ﷺ کو نعوذ باللہ جھوٹا سمجھ کر حکومت افغانستان کے ماتحت آزاد ہے۔ ایک عیسائی یا یہودی آپ ﷺ کو نعوذ باللہ مفتری قرار دے کر حکومت افغانستان کے کسی عہدہ پر بھی فائز ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان یہ کہہ کر کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں یہ نہیں۔ (یعنی خاتم النبیین کا تعویل باطل کے پردہ میں انکار کر کے) واجب القتل ہو جاتا ہے۔" (تحفہ افغانی کے بیدار ی ص ۸)

مجھے افسوس ہے کہ ایسی سیدھی اور موٹی سی بات امیر جماعت احمدیہ کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی؟۔ وہ کروڑوں انسان جو برٹش قلمرو سے باہر رہتے ہیں۔ اور انہوں نے آج تک انگریزوں کی حکومت اپنے اوپر قبول نہیں کی آزاد ہیں۔ کہ جو چاہیں قانون اپنے لئے بنائیں اور جس طرح سے چاہیں زندگی بسر کریں۔ انگریزی حکومت کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن وہ شخص جو برٹش حکومت اور برٹش قانون کو قبول کر کے انگریزی رعایا بن چکا ہے وہ چاہے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دے اور سڈیشن یا انارکی پھیلائے اور حکومت کے قانون کو توڑے۔ ساتھ ہی زبان سے یہ بھی کہتا رہے کہ میں انگریزوں کی وفادار رعایا میں سے ہوں حکومت اس سے اغماض نہیں کر سکتی۔ حکومت اگر اس کے لئے پھانسی یا حبس دوام کی سزا تجویز کرے تو یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ جب کروڑوں آدمی دنیا میں انگریزی حکومت سے باہر ایسے موجود ہیں جو انگریزی قانون اور اس کی حکومت کو قطعاً نہیں مانتے۔ اور حکومت ان سے کوئی تعرض نہیں کرتی تو کیا وجہ ہے کہ رعیت ہونے کا اقرار کرنے والے شخص کو سڈیشن کے جرم میں اس قدر سخت اور سنگین سزا دی جا رہی ہے۔

خوب سمجھ لو کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو وہ اس کے حلقہ حکومت میں آ گیا۔ اور اس نے اسلام کے پورے قانون کو اپنے حق میں قبول کر لیا۔ اب اگر وہ اسلام کا زبانی دعویٰ رکھتے ہوئے اسلام سے نکلنا چاہتا ہے اور اس کے قانون کو توڑنا چاہتا ہے۔ اور خاتم النبیین کی رعیت بننے کے بعد کسی کذاب کو جدید نبی مان کر لی تحقیقت آپ ﷺ کے دعوائے خاتم

متعین کو بھلاتا ہے وہ اسلام کا باغی ہے۔ یعنی اسلام ہی کی طرف سے وہ یقیناً کسی سزا کا مورد ہوگا۔ جس کے مورد وہ غیر مسلم نہیں ہیں جو ابھی تک اسلام کے حلقہ میں داخل ہی نہیں ہوئے اور جو " فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ کہف آیت ۲۹" کی تہدید آمیز آزادی سے ابھی تک متمتع ہو رہے ہیں۔ امیر جماعت احمدیہ سوال کرتے ہیں کہ

" اگر مسلمان خود تمہیں اپنے ملکوں میں یہ قانون بنائیں گے کہ کسی غیر مسلم کو ان کے ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں تو اس کے بالمقابل کیا عیسائی طاقتیں اسی قسم کا قانون اسلام کے خلاف بنانے میں حق بجانب نہ ہوں گی کہ ان کی حکومت میں تبلیغ اسلام کی اجازت نہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی کہ تبلیغ اسلام کا کام دنیا میں قطعی طور سے رک جائے گا۔" (تحفہ ملاقات ندوی ص ۱۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اپنے اقتدار سے کسی شخص کو مرتد بنائے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہی قانون افغانستان میں بہت پہلے سے رائج ہے اب اگر اسی کے جواب میں محمد علی (لاہوری) یا مرزا محمود (قادیانی) کے مشورہ سے غیر مسلم حکومتیں اپنی قلمرو میں تبلیغ اسلام کو روک دیں تو اگرچہ ہم مسلمان اپنے اس عقیدہ کے مطابق کہ آج دنیا میں صرف ایک مذہب اسلام ہی سچا اور عملی اور عالمگیر مذہب ہو سکتا ہے ان کی اس حرکت کو حق بجانب نہیں کہہ سکتے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ وہ ایسا کر گذریں تو ہم ان کو روک بھی نہیں سکتے نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف گو غیر مسلموں کا سلسلہ رک جائے گا تو دوسری جانب پرانے مسلمانوں کا اسلام سے نکلنا بھی بند ہو جائے گا اور میں خیال کرتا ہوں کہ موجودہ دولت کی حفاظت غیر موجود دولت کی تحصیل سے اہم اور مقدم ہے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور ضعیف سے ضعیف سلطنت کی غیرت بھی اس کی اجازت نہیں دے گی کہ وہ اپنے حاصل شدہ حقوق و فوائد کی حفاظت کیلئے ترک تعرض کرنے و بڑی سے بڑی طاقت کی ٹکر اٹھانے سے پہلو تہی کرے۔ خاص کر جب ثابت ہو جاتی ہے کہ اس تحفظ کے سلسلہ میں اس کے سپاہیوں کا نقصان غنیم کے سپاہیوں سے بہت زیادہ ہوگا۔

پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام سچے دین والوں کے ایمان کی حفاظت میں اپنی غیرت اور

مضبوطی تو دکھلا دے۔ اس خوف سے کہ اس کو دوسری جگہ بعض غیر حاصل شدہ فوائد سے محروم ہونا پڑے گا اپنے حاصل شدہ حقوق کی حفاظت سے دست بردار ہو جائے۔

مرزا محمود قادیانی اور محمد علی مرزائی مع اپنی ذریات کے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر عیسائی طاقتوں سے ایسا قانون بنوا دیں اور تبلیغ اسلام کے قانون روک دیئے جانے کا نعرہ اور قتل مرتد کے جواب میں قتل کئے جانے والے تو مسلموں کا خون اپنی گردن پر اٹھالیں۔ لیکن وہ یہ امید ہرگز نہ رکھیں کہ افغانی حکومت ان کی ان دھمکیوں سے مرعوب ہو کر اپنا اسلامی قانون بدل ڈالے گی اور ان کو یہ موقع دیا جائے گا کہ افغانستان کے نہایت ہی پکے اور سچے مسلمانوں میں ایک جھوٹے نبی کا نام لے کر اور غیر مسلموں کے ایجنٹ بن کر تفرقہ اندازی کرتے پھریں۔ محمد علی (مرزائی) کہتے ہیں کہ:

"اسلام کی فتح اس میں نہیں کہ مسلمان ملکوں میں دوسرے مذہب کی تبلیغ بند رہے۔ بلکہ اسلام کی فتح یہ ہے کہ اسلام کے مخالف اپنی ساری مادی طاقتوں کو خرچ کر لیں اور جس قدر اسلام سے لوگوں کو نکالنے کے لئے لگا سکتے ہیں لگا لیں اور آخر دیکھ لیں کہ کس طرح پر وہ ناکام رہتے ہیں۔" ([illegible] ص ۱۱)

بیشک اس نتیجہ کا ہم کو بھی یقین ہے اور خدا کی مہربانی اور امداد سے ہم کو پورا وثوق ہے کہ اسلام کے خلاف سب دجالانہ کوششیں اندرونی ہوں یا بیرونی آخر کار ناکام ہو کر رہیں گی۔ لیکن اس یقین اور وثوق سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس برائی کی جس کوشش کو ظہور میں آنے سے پہلے روکنے پر قادر ہوں تو روک لیں اور جس بدی کو نمودار ہونے سے پہلے ہی ہم ختم کر سکتے ہیں ختم نہ کریں۔

اسلام صرف بہادر ہی نہیں، حکیم بھی ہے۔ وہ اپنی بہادری کے جوش میں اور آخری فتح کے یقین پر احتیاطی تدابیر اور حفاظتی وسائل کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ بطور انجام بینی جہاں تک ممکن ہو فتنہ کے آنے سے پہلے ہی سد لگاتا ہے اگر اس پر بھی فتنہ کسی طرح نہ رک سکے تو پھر بہادری سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور اس صورت میں انجام یہی ہوتا ہے کہ حق کی فتح اور باطل کا سر نیچا ہو۔

حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین پر چڑھائی کی۔ لیکن جب انہوں نے مانعین زکوٰۃ سے (حکم زکوٰۃ نہ ماننے کی وجہ سے) قتال کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ مانع آئے کہ تم کلمہ پڑھنے والوں کے ساتھ قتال کیسے کرو گے؟ آپ نے فرمایا کہ۔

"واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔"

﴿خدا کی قسم میں ضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔﴾ (بخاری ص ۱۰۲۳ ج ۲)

چنانچہ حضرت عمرؓ اور دوسرے معترضین کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور حق تعالیٰ نے ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ سے فتنۂ ارتداد کا استیصال کرا دیا۔ اور حق کو وہ فتح و نصرت نصیب ہوئی کہ بعد میں صحابہؓ ابوبکرؓ کے اس کارنامہ پر رشک کرتے تھے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ مانعین زکوٰۃ اگر خلیفہ کے مقابلہ میں چڑھ کر آئے تھے تو کیا حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ اس کی واقفیت سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو روکتے تھے۔ کیا انہوں نے: " فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْئَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰہِ - الحجرات آیت ۹" قرآن میں نہیں پڑھا تھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ یہ لوگ باغی ہیں اور خلافت کے مقابلہ پر انہوں نے چڑھائی کی ہے۔ اس لئے ان سے لڑنا ضرور ہے۔ جو جواب زیادہ صاف ہوتا ہے کہ اگر کوئی جماعت مسلمان ہونے کے بعد نماز یا زکوٰۃ یا اسلام کے کسی قطعی حکم کے ماننے سے انکار کرے گی تو اس سے ضرور قتال کیا جائے گا۔ تاکہ قضیہ دو راہ راست پر نہ آجائے۔

ہاں! حنفیہ نے قتل مرتد کے حکم سے عورت کو مستثنیٰ کیا ہے۔ اگرچہ حبس دوام کا حکم وہ بھی دیتے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ جرم ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی جرم کی دو سزائیں مجرمین کے احوال کے تفاوت کی بناء پر ہیں۔ جیسے پیچھے ثابت کر چکا ہوں کہ ارتداد اسلام سے بغاوت کا نام ہے۔ تو کیا حکمت و انصاف کی بڑی بڑی عدالتی گورنمنٹوں کے یہاں بھی بغاوت کے جرم کی سزا ہر ایک مجرم کے حق میں یکساں ہے؟۔

پس اگر امام ابوحنیفہؒ نے بعض نصوص کے اشارہ سے دو مجرموں کے لئے ایک ہی

جرم کی دو سزائیں تجویز کی ہیں تو اس پر کیا اعتراض ہے؟۔ کیا شریعت میں آمہ (لونڈی) اور حرہ کی حد میں فرق نہیں ہے۔ حالانکہ جرم ایک ہی ہوتا ہے۔ کیا ایک ہی فعل زنا زانی کے محصن اور غیر محصن ہونے کے فرق سے الگ الگ سزاؤں کا موجب نہیں ہے؟ اسی پر مرتد اور مرتدہ کے جرم ارتداد اور اس کے مدارج کو قیاس کرلو۔ یعنی مرتد اور مرتدہ کی سزاؤں کے تفاوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سزا جرم ارتداد کی نہیں ہے۔ زیادہ توضیح چاہو تو ندوہ اور محترم مولانا سراج احمد صاحب اور مولانا میرک شاہ صاحب کے مضامین کا مطالعہ کرو۔

اب میں مضمون ختم کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ اس کے جواب میں مجھے بہت سی گالیاں دی جائیں گی۔ لیکن میری پھر بھی یہی دعا ہوگی کہ خدائے قادر و توانا مرزائیوں کو ارتداد کی دلدل سے نکال کر دنیا و آخرت کی سزا سے بچائے۔ اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے۔ اور بادشاہ اسلام امیر افغانستان کو اجرائے حدود اسلامیہ اور محافظت حقوق مسلمین کی پیش از پیش توفیق مرحمت فرمائے:

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ۔ وَاعْفُ عَنَّا۔ وَاغْفِرْ لَنَا۔ وَارْحَمْنَا۔ أَنتَ مَوْلَانَا۔ فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔"

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تازیانۂ عبرت یعنی
ضمیمہ الشہاب

"حامداً ومصلیاً"

خدا کا شکر میں کس زبان سے ادا کروں جس نے میرے ناچیز رسالہ "الشہاب" کو عام و خاص میں وہ حسن قبول عطا فرمایا جس کا مجھے لکھتے وقت کچھ بھی اندازہ نہ تھا۔

الشہاب کی اشاعت شروع ہوئی اور چاروں طرف سے اس کی مانگ ہونے لگی۔ شکریہ اور تحسین کے بہت سے خطوط آئے۔ مسلمانوں کو توقع سے بڑھ کر فائدہ پہنچا اور حق تعالیٰ نے باطل پرستوں کے دلوں میں ایک ہیبت ڈال دی کہ آج ڈیڑھ ماہ سے زائد اس کی اشاعت کو ہوا لیکن مرزائیوں کی کوئی پارٹی بھی جواب سے عہدہ برآ نہ ہو سکی۔

رسالہ کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر مرزائی دانت پیس رہے ہیں اور ان کے سینوں پر آرے چل رہے ہیں۔ لیکن جس طرح انہیں قبول حق کی توفیق نہیں ہوئی جواب دینے کی ہمت بھی نہیں ہو سکی۔

البتہ آج ۹ جنوری ۱۹۲۵ء کو ایک رسالہ مسٹر محمد علی مرزائی امیر جماعت احمدیہ لاہور کا اتفاقاً ہمارے ہاتھ آیا جو سزائے ارتداد کے متعلق ان کے پہلے رسالہ کی صدائے بازگشت سے زیادہ نہ تھا۔ اس رسالہ پر ۲۲ دسمبر کی تاریخ پڑی ہے۔ اور دیوبند سے ۱۹ نومبر کو "الشہاب" خود ان کے نام روانہ ہو چکا تھا لیکن آپ اپنے رسالہ کے بالکل آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"مضمون یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ رسالہ الشہاب ملا" گویا دیوبند سے لاہور ایک ماہ سے زائد میں رسالہ پہنچا۔"

بہرحال آپ (محمد علی [illegible]) نے [illegible] کا خلاصہ چند الفاظ میں یوں ہو سکتا

ہے کہ: "کسی شرعی مسئلہ کے اثبات کے لئے تین چیزیں ہیں۔ قرآن' حدیث' اجتہاد ائمہ۔"

اجتہاد ائمہ میں خطا ہو سکتی ہے۔ حدیث بھی غلط روایتوں اور غلط فہمیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن رہ گیا جو محفوظ ہے۔ پس اس کے خلاف جو چیز آئے گی رد کر دی جائے گی۔ اور خلاف کا مطلب بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کے مزعوم معنی اور تفسیر کی رو سے جس مسئلہ میں قرآن خاموش بھی ہو اس کے متعلق صحیح سے صحیح اور ناطق سے ناطق حدیثیں بھی یہ کہہ کر نظر انداز کر دی جائیں گی کہ ان کا ذکر قرآن میں ان کی بتائی ہوئی تفسیر کے موافق نہیں ہے۔

اس طرح تمام مسائل اور مباحث کا فیصلہ اس ایک اصول سے ہو جاتا ہے اور کسی قسم کی کدو کاوش کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس تمہید کے بعد آپ نے وہ آیات قرآنیہ پیش کی ہیں جن میں مرتد کے قتل کئے جانے کا حکم نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اس کے قتل نہ کرنے کا ذکر ہے۔ بلاشبہ ان کا یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص: "وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۔ النساء آیت ۹۳" کو پیش کر کے یہ کہنے لگے کہ قتل عمد کی سزا بھی قتل نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں باوجودیکہ قتل عمد کا ذکر کیا گیا مگر ساتھ کے ساتھ قاتل کی سزا قتل نہیں بتائی گئی۔

اس کے جواب میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں سزا دینا اور نہ دینا دونوں سے سکوت ہے۔ اور دوسری جگہ قرآن میں: "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۔ البقرہ آیت ۱۷۸" فرما کر قاتل کی سزا بتلادی گئی۔

ٹھیک اسی طرح ان کو سمجھنا چاہئے کہ "فاقتلوا انفسکم" بھی جو مرتدین ہی کے متعلق قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے اس میں ہم کو تعلیم دے دی گئی کہ مرتدار کی سزا اللہ کے نزدیک قتل ہے۔

آپ نے میرے استدلال قرآنی پر پیچ و تاب تو بہت کھائے اور علماء کو گالیاں بھی دیں جو بس نبی (مرزا قادیانی) کے امتی کے لئے باعث زیبا ہیں۔ جو نا تم اخلاق سب و شتم اور

امن و خمن کی تکمیل حق کے لئے شاید مبعوث ہوا تھا۔ لیکن آیت قرآنی: "ذالکم خیر لکم عند بارئکم" کا کوئی مطلب پھر بھی نہ بتلا سکے۔ آپ نے میرے استدلال پر جو سوالات کئے ہیں ان کا نمبروار جواب سنئے۔

سوال نمبر ۱: ....کیا گوسالہ پرستی سے بنی اسرائیل مرتد تھے؟ اگر یہ صحیح ہے تو کسی قوم کا عقیدہ خواہ کچھ ہو یا عملی طور پر کسی تعلیم سے انحراف پر ارتداد کا فتویٰ صادر ہو سکتا ہے۔ اور کیا آج لاکھوں مسلمان جو قبر پرستی اور کئی قسم کی: "من دون اللہ" پرستش میں مبتلا ہیں۔ ان پر ارتداد اور کشتنی کا حکم صادر ہو سکتا ہے؟۔

جواب نمبر ۱: ...... کیا ایمان لانے کے بعد گوسالہ پرستی جس کے ساتھ یہ بھی اعلان ہو کہ "ھٰذَآ اِلٰـھُکُمْ وَاِلٰـہُ مُوْسٰی فَنَسِیَ. طٰہٰ آیت ۸۸" اس کے ارتداد ہونے میں بھی آپ کو کچھ تردد ہے؟۔ پھر تو کھلی بت پرستی بھی آپ کے نزدیک کفر نہیں ہوگی۔ کیا قبر پرست یہ کہتے ہیں کہ یہ قبر یا صاحب قبر ہی مسلمانوں کا اور حضرت محمد ﷺ کا معبود ہے۔ (معاذ اللہ)

سوال نمبر ۲: ....قرآن شریف میں صاف مذکور ہے کہ سامری کو جو اس ساری شرارت کا بانی تھا قتل نہیں کیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ حکم شریعت کو سب سے بڑے مرتد پر کیوں نہ صادر کیا گیا؟۔ کیا وہ اس قوم کا سوا دی تھا اور اس لئے حکم شریعت سے مستثنیٰ تھا۔

جواب نمبر ۲: ...... سامری اس شرارت کا ایسا ہی بانی تھا جیسا آنحضرت ﷺ کے عہد میں عبداللہ بن ابی: "رئیس المنافقین لقصہ افک۔" کا بانی اور: "وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ۔ النور آیت ۱۱" کا مصداق اعظم تھا۔ مگر آپ کو شاید یہ خبر نہ ہو کہ حسب روایت صحیحہ اس پر حد قذف جاری نہ کی گئی۔ حالانکہ حضرت حسان بن ثابتؓ وغیرہ مؤمنین پر حد قذف جاری ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ منافقین سب سے بڑھ کر شرارتیں کرتے ہیں۔ لیکن اپنے نفاق کی وجہ سے دنیا میں قانونی گرفت سے اپنے کو بچاتے رہتے ہیں۔ جھوٹ بولنے اور بات بنا دینے میں ان کو کوئی باک نہیں ہوتا ساری کارروائی کر کے بھی قانونی زد سے اپنے کو بچا لیتے ہیں۔ جیسے کہ لاہوری پارٹی باوجودیکہ مرزا قادیانی کی ان کتابوں کے حرف

بحرف صحیح وصادق ہونے پر ایمان رکھتی ہے۔ تو دعاوی نبوت پر مشتمل ہیں۔ مگر از راہ خدع و فریب زبان سے یہی کہتی ہے کہ ہم ان کو نبی نہیں مانتے۔ سامری کا نفاق ان سے بھی زیادہ عریق تھا۔ وہ شروع ہی سے مومن نہ تھا بلکہ ایک پکا منافق تھا جو ملت موسوی کی گھات میں رہتا تھا گویا وہ اس عہد کا عبداللہ بن ابی تھا۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی روح المعانی میں بہت سے اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں:

" وبالجملة كان عندالجمهور منافقايظهر الايمان ويبطن الكفر۔ روح المعانی ص ۸۹ ج ۵ " پس جیسا کہ میں رسالہ "الشہاب" میں بتلا چکا ہوں منافق کے احکام کھلے ہوئے مرتد سے علیحدہ ہیں۔ اس لئے سامری ان مرتدین کے ذیل میں نہیں آیا۔ ہاں اس کے تمرد سے محفوظ کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اس کو یہ سزا دی: " فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۹۷"

سوال نمبر ۳: .... اگر: " فاقتلوا انفسكم۔ " کے یہ معنی درست ہیں کہ شرک کرنے والے لوگوں کو قتل کر دو تو اس شرک میں ساری قوم مبتلا ہے۔ اس کے بعد جس قوم یعنی اسرائیل کا ذکر ہے وہ کہاں سے آئی تھی۔

جواب نمبر ۳: .... یہ آپ ثابت کیجئے کہ گوسالہ پرستی میں ساری کی ساری قوم مبتلا تھی۔ لفظ قوم تو بارہا قرآن میں ایسے واقعات کے ذیل میں استعمال ہوا ہے جن کا تعلق مخصوص جماعت یا افراد سے تھا۔

سوال نمبر ۴: .... قرآن شریف میں ان کی توبہ قبول کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اور اسی واقعہ کا ذکر کر کے یہ بھی فرمایا ہے: "ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ البقرہ آیت ۵۲ " (ہم نے تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر گزار بنو) اگر قتل کر دیئے گئے تو وہ معافی جس پر شکر گزاری کا حکم ہوتا ہے اور جو اسی دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے کیا تھی؟۔

جواب نمبر ۴: .... اگر اس آیت میں ان ہی مقتولین کی معافی کا ذکر ہے تو

چنانچہ نجات اخروی کے اعتبار سے ان کی توبہ مقبول ہو چکی اور جب اس کی مقبولیت کی اطلاع باقی قوم کو دی گئی تھا ہی تعلقات کی بنا پر ان کو بھی شکر گذار ہونا ہے۔

اگر کسی کے ماں' باپ' بھائی' بہن کا جرم حق تعالیٰ معاف کر دے اور اس سے اپنا عذاب اٹھالے تو کیا یہ ایک طرح کا احسان اس شخص پر نہیں ہے؟۔ دیکھو: "یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ، البقرہ آیت ۴۰" میں ان بنی اسرائیل کو خطاب ہو رہا ہے جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں موجود تھے۔ اور جس انعام کا ان پر ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً فرعون کے ہاتھ سے نجات دلانا' دریا سے پار کرنا وغیرہ وغیرہ وہ ان بنی اسرائیل سے متعلق نہیں بلکہ ان کے اسلاف سے متعلق تھا۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھ لو۔ اور اگر آپ کے نزدیک دنیا میں ہی ان کا جرم معاف ہو چکا تھا تو: "اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا، الاعراف آیت ۱۵۲" کس طرح صحیح ہو گا کیا خدا تعالیٰ ایک جرم معاف کر کے پھر اسی پر سزا بھی دیتا ہے۔

سوال نمبر ۵ :.......... کیا یہ صحیح ہے کہ راغب جیسے امام لغت نے: "فاقتلوا انفسکم" کے معنی یہ بھی لکھے ہیں: "قیل، عنی بقتل النفس اماطة الشہوات" یعنی قتل نفس سے مراد شہوت کا دور کرنا ہے تو وہ تصریح اور ایضاح کہاں رہی جس کا مولوی صاحب کو دعویٰ تھا۔

جواب نمبر ۵ :.......... راغب نے یہ معنی خود اختیار نہیں کئے کسی اور کا قول نقل کیا ہے۔ وہ بھی بصیغہ تمریض اور یہ پتہ نہیں کہ اس کا قائل کون ہے۔ اور کس رتبہ اور درجہ کا ہے۔ ایک ایسے مجہول قائل کے غیر معروف قول کے مقابلہ میں کیا۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا، الاعراف آیت ۱۵۲" سے آپ دست بردار ہو جائیں گے؟۔ کیا: "اماطة الشہوات" اور نفس کشی بھی خدا کا غضب اور ذلت ہے ایسے غیر ناشی عن الدلیل احتمالات کسی مضمون کی صراحت اور وضوح کو باطل نہیں کر سکتے۔

یہ تو امیر جماعت احمدیہ لاہور کی قرآن دانی کا حال تھا۔ اب حدیث فہمی کا نمونہ

دیکھئے میں نے سنت رسول اللہ ﷺ کے ذیل میں چند احادیث تولیہ مگر پیش کی تھی۔ آپ (محمد علی مرزائی) فرماتے ہیں کہ یہ تو نبی کریم ﷺ کے اقوال وارشادات ہیں۔ سنت رسول اللہ ﷺ تو آپ کا عمل ہوتا ہے۔ عمل دکھاؤ۔

بلاشبہ جو لوگ احادیث رسول اللہ ﷺ سے گھبرا کے اور بھاگتے ہیں خدا کی لعنت سے کچھ ایسے خبطی ہو جاتے ہیں کہ موٹی موٹی چیزوں کے سمجھنے کا مادہ بھی ان میں نہیں رہتا اور دنیا کی ذلت اور آخرت کی رسوائی سب کو بھول جاتے ہیں۔ کسی لوئی طالب علم سے پوچھ لیا ہوتا کہ علمائے حدیث واصول صرف فعل رسول اللہ ﷺ ہی کو سنت کہتے ہیں یا حضور ﷺ کے قول کو بھی؟ بلکہ اگر قول و فعل میں معارضہ ہو تو قول کو فعل پر ترجیح دیتے ہیں۔

امیر جماعت احمدیہ کا اعمال اور قول و فعل میں امتیاز اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی صحیح حدیث "قضاء الله و رسوله" کو قرآن کے مقابل محض کا ایک فعل قرار دیتے ہیں اور پھر کھسیانے ہو کر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ مذکور نہیں۔ ہمیں کیا علم ہے کہ اس مرتد نے اور کیا کچھ کیا تھا۔ گویا آپ کا جہل (بلکہ تجاہل) بھی بخاری کی صحیح حدیث کو رد کر سکتا ہے؟

یہ امتی تو اپنے نبی سے بھی بڑھ گیا۔ کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی تو کسی حدیث کو رد کرنے کے لئے اپنی وحی کی آڑ پکڑتے تھے۔ لیکن آپ (محمد علی مرزائی) کے یہاں ایک چیز کا نہ معلوم ہونا بھی اس کے رد کرنے کے لئے کفایت کرتا ہے۔

اجماع امت جو میں نے امام شعرانیؒ کی کتاب سے نقل کیا تھا اس کا جب کچھ جواب نہ بن پڑا تو فرماتے ہیں کہ: "یستتاب ابدا" اور: "لاقتل الا بحراب" اس کے معارض ہے۔

مگر یہ نہ بتایا کہ یہ جملے اجماع کے مخالف کس طرح ہیں۔ جن بعض لوگوں کی رائے یستتاب ابدا کی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر مرتد قتل سے پہلے ارتداد سے توبہ کرلے 'پھر مرتد ہو گیا پھر توبہ کرلی اور اسی طرح کرتا رہا تو توبہ قبول ہوتی رہے گی۔ اجماع اس پر ہے کہ مرتد واجب القتل ہے اور ان حضرات کے نزدیک جب توبہ قبول ہو جاتی ہے تو وہ

بعد توبہ مرتد ہی نہیں رہتا پھر کیوں قتل کیا جائے۔ فی الحقیقت یہ جملہ ان علماء کے مقابلہ میں ہے جو فرماتے ہیں کہ تیسری دفعہ مرتد ہونے والے کی توبہ بھی قبول نہیں۔

نوٹ: " لا قتل الا بالحراب " جس جگہ لکھا ہے وہیں اس کی تفصیل بھی موجود ہے کہ حراب سے بالفعل جنگ کرنا مراد نہیں اور آپ خود بھی: " اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ سورة المائدة آیت ۳۳" کی تفسیر میں تسلیم کر رہے ہیں کہ ہر جگہ حراب کے معنی جنگ کرنے کے نہیں ہوتے اور اس کے شواہد قرآن شریف سے پیش کرتے ہیں۔ (دیکھیے بیان القرآن ص ۹۱۵)

قیاس شرعی جو میں نے حافظ ابن قیمؒ سے نقل کیا تھا اس کا آپ نے کچھ ذکر نہ کیا بلکہ اس کی جگہ ایک دوسری عبارت جو میں نے اس سیاق میں نہیں لکھی تھی نقل کر دی اور افسوس کہ اس کا بھی کچھ جواب نہ دے سکے۔

میرے مضمون میں ایک جگہ " آخر الحیل السیف " عربی کا یہ جملہ آگیا تھا جسے کاتب نے خط میں لکھ دیا آپ اسے آیت قرآنی سمجھ کر قرآن میں تلاش کر رہے ہیں۔ حالانکہ بہتر ہوتا کہ آپ اسے کاملی کے اصول فقہ میں تلاش کرتے۔ آپ کہتے ہیں کہ جس طرح خلیفۃ المسلمین کو یورپین طاقتوں کے دباؤ سے قتل مرتد کا قانون بدلنا پڑا ان علماء کو بھی ذلیل ہو کر ایک دن ایسا کرنا پڑے گا۔

مگر آپ کو یہیں سے سمجھ لینا چاہئے تھا کہ علماء ربانیین کو حق تعالیٰ نے کیا جرأت اور قوت قلبی بخشی ہے کہ جو چیز آپ کے ادعاء کے موافق یورپین طاقتوں کے دباؤ سے خلیفۃ المسلمین تک کو ماننی پڑی ہے اسے آج تک ہندوستان کے محکوم مولویوں نے نہ مانا تم تمام علماء کو مرزا قادیانی کی طرح ذلیل اور ڈرپوک نہ سمجھو۔ بحول اللہ وقوتہ ایسے علماء ہمیشہ کثیر تعداد موجود رہیں گے جو تلواروں کی چمک اور بندوقوں کی کڑک کے نیچے بھی حق کا اظہار کرتے رہیں گے۔

اور خدا نہ کردہ اگر افغانستان بھی ایک قانون اسلامی کو تبدیل کر دے گا تو (علماء) جب بھی تبدیل نہ کریں گے۔ آپ نے تو آخر میں چند سوالات جو پمفلٹ میں کئے تھے پھر

امادہ کیا ہے لیکن ان سب کا جواب یہ ہے کہ ناظرین کرام ایک مرتبہ ازراہ مہربانی پھر رسالہ "الشہاب" کو پڑھ لیں۔

انشاء اللہ تمام وساوس شیطانیہ کے لئے لاحول کا کام دے گا۔ اور کوئی ضروری سوال ایسا نہ ملے گا جس کا جواب اس میں موجود نہ ہو۔ میں تطویل کی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ آپ نے عملاً میرے رسالہ کے سارے مضامین کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور جن ایک دو امور کی نسبت یہ دو ایک ورق سیاہ کئے ہیں اس کی شافی اور مبسوط بحث ہمارے رسالہ میں پہلے سے موجود ہے: " وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ "

تم ہزار بار بدا کہو لیکن جو کاری ضرب "الشہاب" نے تمہاری اصلی بنیاد پر لگائی ہے وہ خدا کے فضل سے بے اثر نہیں گئی۔ جن کروڑوں مسلمانوں کو آپ کے مرزا قادیانی نے دائرہ اسلام سے نکالا تھا وہ اس رسالہ سے اطمینان پا رہے۔ اور دنیا میں جو چند نفوس مرزا قادیانی نے مسلمان چھوڑے تھے ان کے دلوں میں حق تعالیٰ نے ایسا رعب ڈال دیا ہے کہ وہ اب "الشہاب" کے کسی مطالعہ کرنے والے سے اپنے ارتداد کو نہیں چھپا سکتے۔

ایک طرف اگر مرزائی اور آریہ اور عیسائی چند جاہلوں کو مرتد بنا رہے ہیں تو دوسری طرف خدا تعالیٰ حق کا نور پھیلا رہا ہے۔ بہت سے عاقلوں کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں اور بہت سے لوگ اسلام کی فطری کشش سے اسلام کی طرف جذب ہوتے جاتے ہیں۔

"كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۔ بنی اسرائیل آیت ۲۰"

تم جلتے رہو اور غیظ کھاتے رہو۔ ہماری طرف سے یہ جواب ہے۔

"قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔

آل عمران ایت ۱۱۹"

الراقم شبیر احمد عثمانی دیوبندی

۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۲ھ

خاتم النبیین لا نبی بعدی

صدائے ایمان

شیخ الاسلام

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

الحمد للہ وکفی وسلام علی خاتم الانبیاء۔ اما بعد!

قادیانیوں کے ایک مضمون کے جواب میں دارالعلوم دیوبند کے کچھار کے ایک شیر اور پاکستان کے پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے یہ مضمون تحریر کیا۔ جس کا نام "صدائے ایمان" تجویز ہوا۔ یہ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ کی تحریر ہے اور جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ میں ٹھیک بہتر سال بعد دوبارہ شائع کرنے کی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سعادت حاصل کر رہی ہے۔

فالحمد للہ اولاً وآخراً

فقیر اللہ وسایا

۱۴۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امابعد! رسول کریم ﷺ کی ذات مبارک کچھ ایسی کفر توڑ ہے کہ ہر شخص جس کے دل میں کفر کی کوئی رگ ہو آپ ﷺ سے دشمنی رکھتا ہے اور آپ ﷺ کی مقدس ذات پر حملہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی ترقی میں اس کا زوال اور آپ ﷺ کی زندگی میں اس کی موت ہے۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو اسلام سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ قرآن کریم پر اپنا یقین ظاہر کرتے ہیں۔ درود پڑھتے ہیں اور سلام بھیجتے ہیں باوجود اس کے رسول کریم ﷺ کی ذات پر حملہ کرنے سے نہیں ڈرتے اور ایسے عقائد و خیالات پھیلاتے ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کی شان مبارک کی سخت تنقیص ہوتی ہے اور اس طرح عوام الناس کے دلوں سے آپ ﷺ کی محبت کم کرکے اپنی محبت و تعظیم کا سکہ بٹھانا چاہتے ہیں۔

دیکھو قادیان کا متنبی سرور کائنات جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات کی کل تعداد تین ہزار بتلاتا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ص ۴۰ خزائن ص ۱۵۳ ج ۱۷)

لیکن خود اپنے معجزات کی تعداد دس لاکھ بیان کی ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶ خزائن ص ۷۲ ج ۲۱)

گویا سید الانبیاء ﷺ اپنی عظمت و شان میں اس متنبی سے تین سو تینتیس درجہ کم ہوئے (العیاذ باللہ)

قرآن کریم میں خداوند قدوس نے ہمارے حضور ﷺ کی نسبت فرمایا ہے:

"انا فتحنا لک فتحا مبینا۔ الفتح آیت ۱"

یہ مفتری اس کو بھی برداشت نہ کرسکا اور صاف لکھ دیا کہ :

"فتح مبین، "کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گذر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود (یعنی خود اس مفتری) کا وقت ہو۔" (خطبہ الہامیہ ص ۱۸۸ مخزائن ص ۲۸۸ ج ۱۶)

گویا حضور ﷺ کی فتح اگر مبین تھی تو اس مفتری کی فتح اتبین ہے اور وہ ظاہر تھی تو یہ اظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ کی نسبت فرمایا

" ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۔ الفتح آیت ۲۸ "

﴿وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ سب ادیان پر اس کو غالب کر دے۔﴾

یہ مفتری کہتا ہے کہ : "اس آیت کا مصداق تو میں ہوں اور قرآن میں یہ میری خبر دی گئی ہے۔"

غرض اس نے قسم کھائی ہے کہ جو بزرگی اور سیادت ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے ثابت ہوگی اس کو کسی نہ کسی طرح کم کر کے یا جھوٹ اور غلط ثابت کر کے رہوں گا۔ حق تعالیٰ نے تمام انبیاء اور بذریعہ انبیاء کے ان کی امتوں سے عہد لیا تھا کہ جو کوئی ان میں سے خاتم الانبیاء کا زمانہ پائے ان پر ایمان لائے اور ان کی تائید و حمایت کے لئے کمربستہ رہے۔

اسی لئے سرور کائنات خاتم الانبیاء حضور ﷺ نے صحیح حدیث میں فرمایا کہ :

"اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع سے چارہ نہ تھا۔"

لیکن یہ سب باتیں صرف قرآن و حدیث کے ماننے والوں کی عقیدت و بصیرت میں اضافہ کرنے والی تھیں۔ خداوند کریم کا ارادہ یہ ہوا کہ امام الانبیاء و سید المرسلین ﷺ کی سیادت و امامت کے عقیدہ کو محض کاغذی دستاویزوں یا زبانی شہادتوں اور خوش عقیدہ مسلمانوں کے حلقوں تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس کے لئے ایک خارق عادت مظاہرہ کیا

جائے جس کے سامنے موافق و مخالف کو طوعاً و کرہاً سر تسلیم جھکا لینا پڑے اس کی صورت یہ قرار دی کہ جب دنیا میں اسلام و کفر یا بلفظ دیگر حق و باطل کی فیصلہ کن معرکہ آرائی اور بالکل آخری کشمکش کا وقت آ جائے۔ اس وقت انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو خاتم مطلق و سید حق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نائب اور امت محمدیہ کا قائد بنا کر نہایت اکرام و اجلال کے ساتھ آسمان سے زمین پر لایا جائے۔ آپ زمین پر نزول فرما کر یہودیت کا استیصال اور نصرانیت کی اصلاح فرمائیں' باطل کو محو کریں' حق کو پھیلائیں' گھر گھر میں اسلام کا غلغلہ بلند کریں۔ اور یہ سب کچھ اپنا نام لے کر نہیں بلکہ اس سید و آقا کے نام سے ہو جس کے آپ نائب بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اس وقت آپ اپنی رسالت کی طرف کوئی خصوصی دعوت نہ دیں گے بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف مخلوق کو بلائیں گے' اور انجیل کے دستور و آئین پر نہیں' خالص قرآن و سنت کے احکام پر بندوں کو چلائیں گے جن لوگوں نے ان کو خدا بنا لیا تھا ان کو بتائیں گے کہ میں خدا کا ایک عاجز بندہ ہوں بلکہ اس کے سب سے بڑے بندے اور رسول کا تبع بن کر اور ایک طرح ان کی امت میں شامل ہو کر آیا ہوں۔ اس وقت آشکارا ہو گا کہ جو عہد انبیاء سے لیا گیا تھا اس کی نوعیت کیا تھی۔ دنیا دیکھ لے گی کہ ہمارے حضور ﷺ کی اور اس امت محمدیہ مرحومہ کی وہ شان ہے کہ جو مقدس و مکرم وجود اس قدر تعظیم و تکریم سے آسمان رفعت پر اٹھایا گیا تھا۔ آج ان کی خاطر آسمان سے اترتا ہے اور خالص ان کی کتاب و سنت کا اتباع کر کے بتلا رہا ہے کہ بڑے اونچے مقام والے بھی بارگاہ محمدی سے انتساب اور آئین محمدی کی پیروی کو اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔

سبحان اللہ! وہ منظر کیسا عجیب اور کیسا قابل فخر ہو گا جب سرور کائنات ﷺ کی سروری اور انبیاء پر آپ ﷺ کی فضیلت و سیادت اس خارق عادت طریق سے علیٰ روس الاشہاد ظاہر ہو گی۔ ایک مومن محمدی کے لئے کون سا موقع اس سے زیادہ مسرت و انبساط کا ہو سکتا ہے۔ شاید اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوا کہ

"کیف انتم اذا نزل ابن مریم ... الخ۔"

﴿تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم علیہ السلام تمہارے اندر نزول فرمائیں گے۔﴾

شیخ اکبرؒ نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ آخرت میں بھی مسیح علیہ السلام کا حشر دو مرتبہ ہوگا۔ ایک دفعہ انبیاء و رسل کے زمرہ میں اور ایک مرتبہ امت محمدیہ ﷺ کے ذیل میں۔ (واللہ اعلم) خیال کرو کہ اس صورت میں ہمارے دین اور ہمارے پیغمبر ﷺ (فداہ امی وابی) کا کس قدر اعزاز و اکرام ہے اور وہ وقت نئے اور پرانے عیسائیوں کے لئے کس قدر ذلت اور رسوائی کا ہوتا ہے۔

قادیان والوں کو یہ بھی ناگوار ہوا کہ کسی وقت ان کے سفید فام عیسائی آقاؤں کو خود حضرت مسیحؑ آسمان سے اتر کر اس طرح خفیف و رسوا کریں۔ انہوں نے فوراً قادیان سے ایک جھوٹا مسیح کھڑا کر دیا تاکہ آسمان سے اس سچے مسیحؑ کو اترنے نہ دیں۔ ٹھیک اسی طرح جو تم نے سنا ہوگا کہ ایک "پرندہ" رات کو اس غرض سے پاؤں اوپر کر کے سوتا تھا کہ کہیں آسمان گرنے لگے تو اس کو اپنے پاؤں پر روک سکے: "یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ۔ الفتح آیت ۱۵"

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز سرور کائنات ﷺ کی اس نمایاں شان امامت و سیادت کا جلوہ دنیا کو دیکھنے نہ دیں گے کہ حضرت مسیحؑ آسمان سے آئیں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک اعلیٰ ترین نائب اور وفادار جرنیل کی حیثیت سے امت محمدیہ میں شامل ہوں اور اپنے شخص کو درمیان سے بالکل الگ کر کے اعلان کریں کہ:

"میں سارے جہاں کو محمدی پرچم کے نیچے جمع کرنے اور ان کے دشمنوں کو ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔"

کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے بڑے نبی کو آسمان پر نہ اٹھایا تو حضرت مسیحؑ کی عزت ان سے بڑھ کر کیوں کی جائے کہ وہ جائے قبر میں دفن کئے جانے کے آسمان پر ہیں اور اتنے زمانہ تک نہ مریں؟۔ لیکن ان کو رہا شنوں کو یہ معلوم نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ایک آسمان پر نہیں' تمام آسمانوں سے بھی اوپر لے گیا۔ اور حضرت مسیحؑ کو آسمان پر لے جا کر مسیحؑ و سالم رکھنا بھی ان ہی محمد ﷺ کے طفیل میں ہوا تاکہ

وقت موعود پر ان کی تبلیغ کا فرض ادا کرنے کے لئے اسی عزت کے ساتھ اتارے جائیں جس عزت کے ساتھ چڑھائے گئے تھے۔

پس فی الحقیقت ان کا آسمان پر لے جایا جانا۔ دوبارہ زمین پر لانے کے لئے تھا اگر رتبہ پر محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت و سیادت اور اس امت کے خیر الامم ہونے کا مظاہرہ مد نظر نہ ہوتا تو نہ حضرت مسیح کو آسمان پر (جو موطن کون و فساد نہیں ہے) لے جانے کی ضرورت تھی اور نہ اتنے طویل زمانہ تک زندہ رکھنے کی!

مسلمان جانتے ہیں کہ تمام آسمان فرشتوں سے آباد ہیں اور کتنی طویل مدت سے فرشتے ایک حالت پر ان کا ان موجود ہیں۔ لیکن صرف اتنی بات سے انبیاء و رسل پر ان کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ چاند 'سورج' ستارے آج تک یکساں حالت پر زمین سے کس قدر بلند مقام پر ہیں۔ کیا ان ستاروں کو انبیاء علیہم السلام سے جو اسی زمین پر پیدا ہوئے 'جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کیں اور آخر اسی زمین کے نیچے دفن کئے گئے' افضل کہا جائے گا؟۔ اس پر بھی اگر کوئی جاہل عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے " رفع الی السماء " سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اٹھانے دو! اس کی حماقتوں اور ہماری مصلحت بینیوں سے حقائق واقعیہ بدل نہیں جاسکتیں اور نہ کسی کو اس بات کا موقع دیا جاسکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی موت سے فائدہ اٹھا کر تو مسیح بن بیٹھے۔

مرزا محمود نے بہت زور و شور کر بیان کیا ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے مکہ میں اتنی اتنی تکلیفیں اٹھائیں اور صحابہ نے ایسی ایسی قربانیاں کیں جن کا عشر عشیر بھی حضرت مسیح اور ان کے حواریوں سے ظاہر نہیں ہوا۔ (گو قادیانی مسیح جو تمام شانوں میں اپنے کو اصل مسیح سے علاوہ کرتا ہے اس کا عشر عشیر بھی نہ دکھلا سکا۔) پھر کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت محمد ﷺ تو آسمان پر نہ اٹھائے جائیں اور حضرت مسیح اٹھا لیے جائیں۔ خدا کو کیا ضرورت تھی کہ وہ یہودیوں سے ڈر کر اپنے نبی کو آسمان پر اٹھا لیتا وہ اسی زمین میں ہی ان کی حفاظت کر سکتا ہے اور اس کے دشمنوں کو تباہ کر سکتا تھا۔

بلاشبہ ہمارے آقا و سید محمد رسول اللہ ﷺ نے نہایت طویل مدت تک جو تکالیف

ہوتیں ان سے آپ کا مرتبہ کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے

"کما قال صلی اللہ علیہ وسلم فی الحدیث نحن معشر الانبیاء اشد بلاء ثم الامثل فالامثل۔" اور جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں اور حضور کے اسی علو مرتبت کے آثار وثمرات میں سے یہ ایک اثر اور ثمرہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے زمرہ میں شریک کرنے کے لیے آسمان پر محفوظ رکھا گیا پس مسیح کا آسمان پر اٹھانا اگر کوئی عزت وفضیلت کی چیز ہے اور بے شک ہے تو وہ عزت وفضیلت بھی نتیجہ اور فرع وفرع کے اعتبار سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی۔

رہا یہ کہنا کہ آسمان پر لے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی کیا زمین پر خدا حفاظت نہ کر سکتا تھا؟ تو کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ ابراہیم علیہ السلام کو عراق سے شام لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟۔ کیا اللہ اس پر قادر نہیں تھا کہ ان کو وطن عزیز ہی میں رہنے دیتا اور اس سرزمین سے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم سب شہروں سے زیادہ مجھ کو محبوب ہے" الگ نہ کرتا اور سب دشمنوں کو وہیں رہتے ہوئے زیر کردیتا اور دوستوں کو وہیں کھینچ لاتا؟۔ اس طرح کے سوال ہزاروں ہو سکتے ہیں جن سب کا جواب حافظ شیرازی نے دیا ہے کہ:

حدیث از مطرب ومی گو ورازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت این معمہ

پس تمام سچے ایمان داروں کو لازم ہے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کریں اور ان عظیم الشان فتنوں کی شب دیجور میں قرآن مجید وسنت کی روشنی سے علیحدہ نہ ہوں بہت سے لٹیرے ڈاکو چور اپنے گھات میں لگے ہیں تم سے دولت ایمان چھین لیں اور بظاہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کا دم بھرتے ہوئے بہت ہوشیاری سے اندر ہی اندر تمہارے دلوں سے ان چیزوں کو نکالنے اور اپنی عظمت ومحبت کا نقش جمانے میں کامیاب ہو جائیں لیکن اللہ کی توفیق اور عام مومنین کی فراست سے امید ہے کہ وہ بہیر وہزار سال تک فرق کریں گے اور ان عیاروں کو اپنے ملعون مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

مسلمانو! ہوشیار و بیدار رہو۔ ان دجالوں کے مغالطات میں مت آؤ۔ قرآن و سنت کی حبل متین کو مضبوط تھامے رکھو اور اپنے سید و آقا سرور کائنات ﷺ کے نائب اعظم حضرت مسیح کو آسمان سے آنے دو کہ ان کا آنا عیسائیت یہودیت اور ہر قسم کے کفر کا جنازہ ہے۔ ان کی زندگی دجالوں کے لیے پیام موت ہے۔ اسی لیے یہ دجال صفت ہمیشہ ان کی آمد کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹاتے رہے ہیں۔ تم ان کی آمد پر یقین رکھو۔ کیونکہ یہ چیز قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہو چکی ہے۔

ہاں! ان کی آمد سے پہلے اپنی سر توڑ کوششوں اور مجاہدانہ قربانیوں سے ثابت کر دو کہ ہم: " وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ - الجمعہ آیت ۳ " کی اسی سچے مسیح کے ہراول ہیں جو سارے جہان کے سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک جرنیل اعظم کی حیثیت سے دنیا کو علم اسلام کے نیچے جمع کرنے والا ہے۔

واللہ الموفق والمعین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ

سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین۔ !!!

جمادی الاخریٰ - ۱۳۲۵ھ

شیزان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے!

شیزان کی مشروبات ایک قادیانی طائفہ کی ملکیت ہیں۔ افسوس کہ ہزارہا مسلمان اس کے خریدار ہیں۔ اسی طرح شیزان ریستوران جو لاہور، راولپنڈی اور کراچی میں بڑے زور سے چلائے جا رہے ہیں۔ اسی طائفے کے سربراہ شاہ نواز قادیانی کی ملکیت ہیں۔ قادیانی شیزان کی سرپرستی کرنا اپنے عقیدہ کا جزو سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کی آمدنی کا سولہ فیصد حصہ چناب نگر (سابقہ ربوہ) میں جاتا ہے۔ جس سے مسلمانوں کو مرتد بنایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد ان ریستوران کی مستقل گاہک ہے۔ اسے یہ احساس ہی نہیں کہ وہ ایک مرتد ادارہ کی گاہک ہے اور جو چیز کسی مرتد کے ہاں پکتی ہے وہ حلال نہیں ہوتی۔ شیزان کے مسلمان گاہکوں سے التماس ہے کہ وہ اپنے اصول دین پر نظر ثانی کریں۔ جس ادارے کا مالک ختم نبوت سے منحرف قادیانی چوچلوں کا معتقد ہو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانے اور سواد اعظم اس کے نزدیک کافر ہو اور جہاں ننانوے فیصد ملازم قادیانی ہوں ایک روایت کے مطابق شیزان کی مصنوعات میں چناب نگر کے بہشتی مقبرہ کی مٹی ملائی جاتی ہے۔

اے فرزندان اسلام!

آج فیصلہ کر لو کہ شیزان اور اسی طرح کی دوسری قادیانی مصنوعات کے مشروبات نہیں پیئو گے اور شیزان کے کھانے نہیں کھاؤ گے۔ اگر تم نے اس سے اعراض کیا اور خورد و نوش کے ان اداروں سے باز نہ آئے تو قیامت کے دن حضور ﷺ کو کیا جواب دو گے؟۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ تم اس طرح مرتدوں کی پشت پناہی کر رہے ہو۔

(آغا شورش کاشمیری)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ خاتم الانبیاء۔ امابعد!

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کی شہرہ آفاق تصنیف ترجمان السنۃ جلد سوم ص ۵۲۱ سے ۵۹۳ تک کا حصہ "حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام" کی شخصیت، حیات، رفع ونزول کے مباحث پر مشتمل ہے۔ علیحدہ کتابی شکل میں "نزول عیسیٰ علیہ السلام" کے نام پر بھی بصورت خلاصہ مجلس اشاعت شائع ہوا۔ اس کو کتاب ہذا کا حصہ بنایا جارہا ہے۔

قرآن، سنت اور عقل کی روشنی میں اس کے مباحث ایمان پرور ہیں۔ مطالعہ فرمائیں گے تو قلب وجگر، ایمان وایقان کو جلاء نصیب ہوگی۔

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ کی ایک اہم سرگذشت کے متعلق چند جدید علمی اور منصفانہ نکات قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی بڑی علامت ہے اس لئے اس کو عالم کے تعمیری نظم و نسق کی بجائے تخریب عالم کے نظم و نسق پر قیاس کرنا چاہئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حیات طیبہ میں رفع و نزول کی سرگذشت بے شک عجیب تر ہے لیکن اس پر غور کرنے سے قبل سب سے پہلے یہ سوال سامنے رکھنا چاہئے کہ یہ مسئلہ کس دور اور کس شخصیت کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ دنیا کے روزمرہ معمولی واقعات بھی زمانہ اور شخصیتوں کے اختلاف سے بہت مختلف ہو جاتے ہیں اور ان کی تصدیق و تکذیب میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی زمین پر ایک خطہ زمین ایسا بھی ہے جہاں مہینوں کی رات اور مہینوں کا دن ہوتا ہے اور ان ہی سمندروں میں ایک سمندر ایسا بھی ہے جس پر مسافر موسم سرما میں خشکی کی طرح سواریوں پر چلتے ہیں اسی طرح انسانوں کا اختلاف بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ شجاعت و حماقت اور دانائی و فرزانگی کے وہ بعید سے بعید کارنامے جو رستم و اسفندیار [illegible] اور چنگیز خان اور لینن وغیرہ کے حق میں بے تامل قابل تصدیق سمجھے جاتے ہیں وہ عام انسانوں کے حق میں بڑے تامل کے بعد بھی مشکل قابل تصدیق ہو سکتے ہیں۔ پس صرف عام

انسانوں کے حالات کے لحاظ سے یا صرف اپنے دور اور اپنے زمانہ کے حالات پر قیاس کر کے کسی صحیح واقعہ کا انکار کر دینا کوئی معقول طریقہ نہیں ہے۔

لہٰذا مسئلہ نزول پر بحث کرنے کے وقت بھی سب سے پہلے اس پر غور کر لینا ضروری ہے کہ یہ واقعہ کس دور اور کس زمانہ سے پھر کس شخصیت سے متعلق ہے۔ جب آپ ان دو سوالوں پر محققانہ نظر ڈالیں گے تو پوری وضاحت سے ثابت ہوگا کہ یہ واقعہ تخریب عالم یعنی قیامت کے واقعات کی ایک کڑی ہے اور تخریب عالم کا ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو عالم کے تعمیری دور کے واقعات سے ملتا جلتا ہو۔ پس اگر تخریب عالم کے وہ سب واقعات جو تعمیری دنیا کے بعد کے واقعات سے مختلف ہونے کے باوجود قابل تصدیق ہیں تو پھر اس ایک واقعہ کی تصدیق میں آپ کو تامل کیوں ہے؟۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور اس کی تخریب کے دونوں واقعات ایسے عجائبات پر مشتمل ہیں کہ جو انسان ان دونوں چیزوں سے غائب ہے وہ صرف اپنے موجودہ حالات کی دنیا دیکھ کر ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ عالم کی تخلیق کے واقعات پر ذرا نظر ڈالیں زمین کس طرح بنائی گئی پھر کس طرح بچھائی گئی۔ آسمان کس طرح بنائے گئے۔ آدم کس طرح پیدا ہوئے۔ ان کا جوڑا کس طرح پیدا ہوا۔ پھر کس طرح خلافت ارضی قائم ہوئی۔ اسی طرح بہت سے واقعات ہیں جو ایک سے ایک عجیب تر ہیں اور ان سب ہی کے بیان کی ذمہ داری خود قرآن کریم نے اپنے سر رکھی ہے۔ اگر آپ ان میں سے ایک واقعہ بھی عالم کے تعمیری دور کے نظم ونسق سے ملا کر دیکھیں تو آپ کو ان میں سے ایک واقعہ کے فہم میں بھی سخت الجھن پیش آئے گی اور اسی بناء پر ایک جماعت نے تو سرے سے تخلیق عالم ہی کا انکار کر کے قدم عالم کا راستہ لے لیا ہے۔ مگر آپ کے نزدیک کیا اس کا یہ طریقہ کار صحیح ہے؟۔

اسی طرح جب آپ تخریب عالم کے واقعات پر نظر ڈالیں گے تو وہ بھی عجیب و غریب ہی نظر آتے ہیں۔ یعنی کبھی نہ پھٹنے والے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ آفتاب و ماہتاب اور یہ تمام روشن ستارے بے نور ہو کر گر پڑیں گے اور کبھی جنبش نہ کرنے والے یہ بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے نظر آئیں گے اور یہ سارا کا سارا عالم ہستی عدم

شکل اور صرف خبر ہی کے تحت آجائے گا۔ یہ اور ان جیسے اور بہت سے عقل سے بالاتر واقعات
کے بیان کی ذمہ داری بھی خود قرآن کریم ہی نے اٹھائی ہے۔ اب اگر آپ ان کی تصدیق کا
فیصلہ موجودہ عالم کے واقعات کے پیش نظر کرنے بیٹھ جائیں تو کیا آپ کوئی صحیح فیصلہ کر
سکیں گے۔ لیکن ہاں! جب آپ عالم کی تخلیق اور اس کی تخریب کے دونوں مرحلے ملا کر
دیکھیں گے تو دونوں آپ کو بالکل یکساں صورت میں نظر آئیں گے۔

پس چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ بھی عالم کے درمیانی
واقعات کا مسئلہ نہیں بلکہ تخریب عالم کے واقعات کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس لئے اپنی جگہ وہ
بھی معقول ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تمام مردوں کے زندہ ہو کر ایک میدان میں جمع ہونے
کا زمانہ قریب آرہا ہو تو اس سے قبل صرف ایک زندہ انسان کا آسمانوں سے زمین پر آنا کون
سی بڑی بات ہے؟ بلکہ اس طویل گمشدگی کے بعد یہ جسمانی نزول مجموعہ عالم انسانی کے
جسمانی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک عجیب اور مکمل پیغام ہے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی
شان میں ارشاد ہے "وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی
ایک عظیم علامت ہیں۔ در منثور میں حضرت ابن عباسؓ اور حسنؓ اور قتادہؓ سے منقول ہے
کہ اس آیت کا مصداق قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہے۔

اس کے بعد جب آپ اس پر غور کریں گے کہ یہ پیشگوئی جس شخصیت کے
متعلق ہے وہ شخصیت کسی عام عرفی صفت کے تحت کوئی بشر ہے یا ان سے کچھ الگ ہے تو آپ کو
یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ صرف عام انسانوں ہی سے نہیں بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت
میں بھی سب سے الگ اور سب سے ممتاز خلقت کا بشر ہے۔ جتنے انسان ہیں وہ سب مذکر و
مؤنث کی دو صنفوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسے انسان ہیں
جن کی تخلیق صرف ایک صنف انسانی سے وجود میں آئی ہے۔ پھر اس میں تمثل جبرئیل اور
نفخہ کا عمل اور تکلم فی المہد کے واقعات اور بھی عجیب تر ہیں۔ ان کے معجزات دیکھئے تو وہ بھی
کچھ نرالی شان رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ہر معجزہ ایسا ہے جس میں "باذن اللہ" کی قید لگانی پڑتی
ہے۔ ان کے گزشتہ دور حیات میں ملکیت کا اتنا غلبہ ہے کہ کھانے پینے کے سوا شادی و

ف

نکاح کا کوئی نظم و نسق ہی نہیں ملتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے گویا وہ ان سب ضروریات سے منزہ و
مبرا اوج کے ایک فرشتہ ہیں۔ پھر جب ان کی ہجرت کا مرحلہ سامنے آتا ہے تو یہاں بھی ان
کی شان سب سے نرالی نظر آتی ہے۔ یعنی ان کی ہجرت کسی خطہ ارضی کی جائے اس عالم کی
طرف ہوتی ہے جو ملکوت اور ارواح کا مستقر ہے۔ غرض ان کی حیات کے جس گوشہ پر
نظر ڈالئے وہ ملکوتیت کا ایک مرقعہ نظر آتا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے جو لقب ان کو عطا فرمایا
ہے۔ وہ بھی سب سے ممتاز ہے اور اس نوع کا لقب ہے جس سے ان کی زندگی کی یہ سب
خصوصیات اجمالی طور پر بیک نظر سامنے آجاتی ہیں یعنی "روح اللہ" اور "کلمۃ اللہ" کیونکہ بنی
آدم جتنے بھی ہیں ان سب کی روحیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اور اسی کے حکم "کن" سے آئی ہیں
مگر یہاں اس روح کی آمد میں کوئی ظاہری واسطہ بھی نہ تھا اور جو واسطہ تھا وہ ایسا ہی تھا جس کے
موجود ہونے سے عالم قدس کی طرف ان کی نسبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تمام کا تمام وہ
تذکرہ حیات ہے جو ان کے آسمانوں پر جانے سے قبل سے متعلق ہے۔ اب آپ نازل ہونے
کے بعد ان کے حالات پر نظر ڈالیں تو وہ پہلی زندگی کے بالکل برعکس ہیں۔ یہاں ان کے تمام
معاملات میں دنیا کا مرتب نظم و نسق ملتا ہے حتیٰ کہ نکاح و ولادت کا بھی اور اس سے بھی بڑھ کر
ان کی حیثیت ایک امام و امیر کی ثابت ہوتی ہے۔ گویا وہ انسانوں میں بھی کوئی معمولی طبقہ کے
انسان نہیں بلکہ اس اعلیٰ طبقہ کے انسان ہیں جن کی قیادت میں اسفل طبقہ کے انسان ترقی
کر کے اعلیٰ طبقہ کے انسان بن سکتے ہیں۔ غرض ان کی حیات کے یہ دو دور تمام تر قدرت کے
ان عجائبات سے مشابہ ہیں جو عالم میں دست قدرت کے براہ راست پیدا کردہ ہیں وہ ایک
وقت بن باپ پیدا ہو کر آغاز عالم کے واقعات میں حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ ہیں:
"إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ . آل عمران آیت ۵۹" اور اتنی طویل غیبت کے
بعد عالم کے خاتمہ پر جسمانی نزول فرما کر علامات قیامت میں بھی شمار ہیں: "وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ
لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا . الزخرف آیت ۶۱" اگر ایک طرف اپنی پہلی حیات میں
آسمانوں پر جا کر وہ فرشتوں سے مشابہ ہیں تو دوسری طرف نزول کے بعد موت اور پھر
آنحضرت ﷺ کے پہلو میں مدفون ہو کر عام انسانوں کی صف میں بھی داخل ہیں۔ اگر پہلی

زندگی میں ان کا معجزہ احیاء ہوتی ہے تو نزول کے بعد دوسرے دور حیات میں اماتت دجال یعنی قتل دجال ہے۔ ان کی یہ تمام سوانح حیات قرآن کی بیان کردہ ہے۔ چنانچہ سورہ نساء آیت ۱۵۹: " وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ ...... الخ۔ " آئندہ ان کی وفات ان کے نزول کی شاہد ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تشریح آئے گی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک انسان کا آسمانوں پر زندہ جانا اور زندہ رہنا اور آخر زمانہ میں پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ اتر آنا۔ نہ عام انسانوں کی سنت ہے اور نہ زمانہ کے عام واقعات کے موافق ہے۔ لیکن اگر آپ یہ دو باتیں ملحوظ رکھیں کہ یہ مسئلہ تخریب عالم کا ایک مقدمہ ہے اور یہ بھی اس شخصیت کے متعلق جس کے دیگر حالات زندگی بھی عالم کے عام دستور کے موافق نہیں تو پھر بنظر انصاف اس میں آپ کو کوئی تردد نہ ہونا چاہئے۔ قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے تشبیہ دیکر یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کی ہستی کو عالم کے درمیانی سلسلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اگر ان کے حالات کو قیاس کرنا ہی ہے تو تخلیق عالم کے حالات پر قیاس کر کے دیکھو تمہارا سب تعجب جاتا رہے گا۔

اصل یہ ہے کہ مادی عقول کے نزدیک کچھ یہی ایک مسئلہ نہیں ہے جو زیر انکار آرہا ہو بلکہ عالم غیب کے تمام حقائق ہی زیر انکار ہیں۔ اور در حقیقت یہ عقل و نقل کی اصولی جنگ کا ثمرہ ہے ارباب عقل یہ سمجھتے ہیں کہ اخبار انبیاء علیہم السلام سب خلاف عقل ہوتے ہیں اور اصحاب نقل یہ سمجھتے ہیں کہ جو بات بھی عقلی ہو وہ سب شریعت کے خلاف ہوتی ہے' یہ نزاع و جدل در حقیقت عقل و شرع کا صحیح مفہوم متعین نہ کرنے سے پیدا ہو رہا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"کون نہیں جانتا کہ قرآن و سنت نے جا بجا عقل کی تعریف فرمائی ہے بلکہ اپنی دعوت کا مخاطب ہی صرف اہل فہم اور اہل عقل کو قرار دیا ہے۔ مجنون اور بچے اس کی دعوت کے احاطہ سے ہی باہر ہیں لیکن جب بعض اہل بدعت نے بعض کلامی مسائل کو جو در اصل قرآن و سنت کے بھی خلاف تھے اصول دین میں داخل کر دیا اور اس کا نام عقلیات رکھا تو اب اہل شرع کو عقلیات کے نام ہی سے ایسی نفرت پیدا ہو گئی جو شخص بھی عقلی استدلال کرتا نظر

آج ان کے نزدیک یہ حق اور باطل پرست سمجھا جاتا اور دوسری طرف جب عقلا نے ان شرعی سے وہ مسائل سنے جو صریح عقل اور یقینی تاریخ کے خلاف تھے۔ اس پر ان کا یہ دعویٰ سن کر یہ قرآن وحدیث کے بیان کردہ ہیں تو ان کے دلوں میں نفس قرآن وسنت ہی کے متعلق خلاف عقل ہونے کی بدگمانی بیٹھ گئی۔ حتیٰ کہ اب جو قرآن وسنت سے استدلال کرتا ان کے نزدیک قانون فطرت اور تقاضائے عقل کا مخالف ہوتا۔ یہاں غلطی دونوں فریق کی ہے عقلا کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے تحقیق کئے بغیر ہر خلاف عقل بات کا نام شرع کیوں رکھ دیا؟۔ اور علماء کی کوتاہی یہ ہے کہ انہوں نے جو عقل صحیح کا متناقض تھا اس کو شرع کے مفہوم میں کیسے داخل کر دیا؟۔ حالانکہ شریعت کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو عقل سلیم کے نزدیک قابل انکار ہو یا محالات کی تعریف میں آتا ہو لیکن جب کسی ابتدائی غلطی پر کچھ مدت گزر جاتی ہے تو وہ غلطی راسخ ہوتے ہوتے عقائد کا رنگ پیدا کر لیتی ہے اور جو کسی صحیح حقیقت پر نتائج و آثار مرتب ہوتے ہیں وہی اس غلطی پر مرتب ہونے لگتے ہیں۔ اس لئے اگر مسائل پر گفتگو کرنے سے قبل عقل وشرع کا صحیح صحیح مفہوم متعین کر لیا جائے تو عقلاء اور علماء کے درمیان بحث وجدل کا یہ وسیع میدان بہت تنگ ہو سکتا ہے۔ علماء ہر خلاف عقل بات کو شرع کے مفہوم میں داخل کرنے کی سعی کرنا ترک کر دیں اور عقلا شرع کی ہر بات پر خلاف عقل ہونے کی بدگمانی دل سے نکال ڈالیں اور عقل وفکر کا کوئی صحیح معیار مقرر کر لیں۔" (کتاب النبوت ۴۳)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ مسئلہ آپ کو تسلیم نہیں ہے تو پھر آپ کو بھی ایک فیصلہ کرنا ہوگا کہ عالم کے تخلیق و ترتیب کے دوسرے تمام واقعات بھی قابل تسلیم نہیں ہیں اور اگر وہ سب قابل تصدیق ہیں تو پھر یہ مسئلہ بھی قابل تصدیق ماننا ہوگا۔ صرف اس لئے آغاز عالم کے تعمیری واقعات سے آپ کی زندگی کا اب کوئی تعلق باقی نہیں رہا یہ مستقبل بعید کے تخریبی واقعات کے موجودہ دور سے انسانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ان سب سے صرف نظر کر کے بحث کا رخ صرف مسئلہ نزول میں منحصر کر دینا اپنے نفس کو بھی مغالطہ میں رکھنا ہے اور دوسروں کو بھی مغالطہ میں ڈالنا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جزئی معاملات کی اہمیت

واضح رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اس لحاظ سے بھی سب میں ممتاز ہے کہ ان کے جزئی جزئی واقعات کو بھی قرآن کریم نے اصولی معاملات کی سی اہمیت دی ہے۔ مثلاً ان کی ولادت کا معاملہ یہ ایک جزئی معاملہ ہے مگر ان کی ولادت کو بھی قرآن کریم نے بڑی اہمیت سے ذکر کیا ہے۔ یعنی فرشتہ کا بصورت بشری آنا اور اپنی آمد کی غرض و غایت بتانا۔ اس پر حضرت مریم کا ناکتخدائی کی حالت میں تعجب فرمانا پھر فرشتہ کا جواب اور اس کے بعد ان کے گریبان میں پھونک مارنا یہ سب تفصیلی ذکر ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی والدہ کا دردِ زہ بھی' پھر ولادت اور اس پر لوگوں کی چہ میگوئیاں بھی' ظاہر ہے کہ ان سب معاملات میں سے کس معاملہ کو اصولی اور بنیادی کہا جا سکتا ہے؟۔ مگر کیا ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی ہے جس کو آپ صرف ایک جزئی معاملہ کہہ کر چل سکتے ہوں اور جس پر عقیدہ رکھنا کوئی ضروری بات نہ ہو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے اہم واقعہ کو صرف ایک جزئی معاملہ کہہ کر آپ کیونکر عقائد کی فہرست سے خارج کر سکتے ہیں۔

مسئلہ نزول کی حیثیت کتب عقائد میں

یہی وجہ ہے کہ شروع سے لے کر آج تک کتب عقائد میں اس مسئلہ کو بھی دیگر عقائد کے ساتھ ساتھ ایک عقیدہ ہی شمار کیا ہے۔ حتیٰ کہ محدثین نے جو مؤلفات ترتیب دی ہیں گو ان کو عقائد کی شکل پر مرتب نہیں فرمایا ان کے مقاصد دوسرے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود امام مسلم نے جن کی کتاب کو لحاظ ترتیب بخاری شریف پر بھی فوقیت دی گئی ہے۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کو ابواب ایمان کا ایک جز قرار دیا ہے پھر یہ کتنی کوتاہ نظری ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ چونکہ ایک جزئی مسئلہ ہے۔ اس لئے اس کو عقائد اور ایمانیات کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ معجزات کی بحث میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ! اس پر اور بسوط بحث کریں گے کہ رسولوں کی اخبار پر ایمان رکھنا یہ جزئی مسئلہ نہیں بلکہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ رہا خاص نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ تو اس کو اس حیثیت کے علاوہ رسالت اور قیامت کے

مسئلہ سے بھی مدار راست تعلق ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آنے والی ہے۔ یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ذات و صفات، قضاء و قدر، حشر و نشر اور رؤیت باری تعالیٰ وغیرہ جن مسائل کو بے چون و چرا عقائد میں داخل سمجھا گیا ہے۔ ان میں تو کافی اختلافات بھی ملتے ہیں چنانچہ معتزلہ ان سب مسائل میں اہل سنت والجماعت سے اپنا علیحدہ خیال رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اشاعرہ و ماتریدیہ کے مابین بھی بعض مسائل میں ضرب المثل اختلاف موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان مسائل کو کسی نے عقائد کی فہرست سے خارج نہیں کیا۔ اس کے برخلاف نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ ہے جس میں سلف سے لے کر آج تک ائمہ دین میں سے کسی کا اختلاف ثابت نہیں پھر اس کو عقائد کی فہرست سے کس طرح خارج کیا جا سکتا ہے۔ حیرت ہے کہ معتزلہ جو مذکورہ بالا مسائل میں اہل سنت سے کچھ اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور امت کے ساتھ متفق ہیں جیسا کہ زمخشری نے کشاف میں اس کی تصریح کی ہے۔ ابن عطیہ لکھتے ہیں کہ: "تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قرب قیامت میں جسم عنصری پھر تشریف لانے والے ہیں۔ جیسا کہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے۔" (تفسیر بحر محیط ص ۴۷۳ ج ۲)

مسئلہ نزول کی حیثیت احادیث میں

اس بارے میں اگر حدیثوں پر نظر ڈالیں تو تیس صحابہؓ سے تقریباً سو حدیثوں میں باسالیب مختلفہ اس مسئلہ کو مکرر قسمیں کھا کھا کر دہرایا گیا ہے۔ (ان صحابہؓ کے اسماء مبارکہ یہ ہیں جن کی تفصیل روایات دیکھنی ہوں تو رسالہ " التصریح بما تواتر فی نزول المسیح " مؤلفہ محترم جناب مولانا محمد شفیع صاحبؒ مفتی پاکستان ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ابو ہریرہ (۲) جابر بن عبداللہ (۳) نواس بن سمعان (۴) ابن عمر (۵) حذیفہ بن اسید (۶) ثوبان (۷) مجمع (۸) ابو امامہ (۹) ابن مسعود (۱۰) ابو نضرۃ (۱۱) سمرۃ (۱۲) عبدالرحمان بن جبیر (۱۳) ابو الطفیل (۱۴) انس (۱۵) واثلہ (۱۶) عبداللہ بن سلام (۱۷)۔

ابن عباس (۱۸)۔ اوس (۱۹) عمران بن حصین (۲۰) عائشہ (۲۱) سفینہ (۲۲)۔ حذیفہ (۲۳) عبداللہ بن مغفل (۲۴) عبدالرحمن بن سمرہ (۲۵)۔ ابو سعید الخدری (۲۶)۔ جابر (۲۷)۔ مجمع (۲۸) الحسن (۲۹)۔ عروہ بن رویم (۳۰)۔ کعب (۳۱) الامام جعفر رضی اللہ عنہم اجمعین

اس بڑے ذخیرہ میں سے چالیس حدیثیں تو ایسی ہیں جن کی تصحیح و تحسین محدثین نے صراحت کے ساتھ ثبت فرما دی ہے اور بقیہ کے متعلق گو صراحتاً ان سے تحسین منقول نہ ہو لیکن کوئی صاف جرح بھی ثابت نہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس پیشگوئی کا درجہ کیا ہے؟ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ متواتر حدیث کی جو بڑی سے بڑی مثال پیش کی گئی ہے۔ اس پیشگوئی کا پلہ کسی طرح بھی اس سے ہلکا نہیں ہے۔ پھر جب کتب سابقہ پر نظر ڈالی جائے تو یہاں انجیل بھی احادیث نبویہ کے ساتھ اس درجہ مطابق ملتی ہے کہ اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور یہ یقین بدیہی بن جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول صرف اسی شریعت کا مسئلہ نہیں بلکہ جملہ ادیان سماویہ کا ایک ایسا متفق عقیدہ ہے جس میں اصول دین کی طرح کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔

مسئلہ نزول کی حیثیت انجیل میں

پھر اس مسئلہ کی حقیقت ایک عام اور مجمل پیشگوئی کے سمجھ لینے میں کتنی بڑی فرو گذاشت ہوگی۔ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳ میں ہے "اور جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا اس کے شاگردوں نے خلوت میں اس کے پاس آکر کہا ہم سے یہ کہہ کہ یہ کب ہوگا اور تیرے آنے کا اور زمانہ کے آخر ہونے کا نشان کیا ہے؟" یسوع نے جواب میں ان سے کہا خبردار کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔ اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہیں سنو گے۔ خبردار مت گھبرانا! کیونکہ ان سب باتوں کا ہونا ضرور ہے۔ پر اب تک آخر نہیں ہے کہ قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھ آئے گی اور کال اور مریاں پڑیں گی اور جگہ جگہ بھونچال

آئیں گے یہ سب دکھ مصیبتوں کا شروع ہے۔"

انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۳ تا ۳۰: "اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں۔ دیکھو میں نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا ہے۔ پس اگر وہ تم سے کہیں کہ دیکھو وہ بیابان میں ہے تو باہر نہ جانا۔ دیکھو وہ کوٹھڑیوں میں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جیسے بجلی پورب سے کوند کر پچھم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا۔ جہاں مردار ہے وہاں گدھ جمع ہو جائیں گے اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا اور اس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔"

انجیل لوقا باب ۲۱ آیت ۲۶ میں اتنی زیادتی اور ہے: "اور ڈر کے مارے اور زمین پر آنے والی بلاؤں کی راہ دیکھتے دیکھتے لوگوں کی جان میں جان نہ رہے گی..... اور جب یہ باتیں ہونے لگیں تو سیدھے ہو کر سر اوپر اٹھانا۔ اس لئے کہ تمہاری مخلصی نزدیک ہوگی۔" انجیل مرقس و لوقا میں۔

انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳۲، ۳۳

"اب انجیر کے درخت کی ایک تمثیل سیکھو جونہی اس کی ڈالی نرم ہوتی ہے اور پتے نکلتے ہیں تم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے۔ اسی طرح جب تم ان سب باتوں کو دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک ہے بلکہ دروازہ پر ہے۔"

اعمال باب ۱، آیت ۹

"اور وہ یہ کہہ کے ان کے دیکھتے ہوئے اوپر اٹھا لیا گیا اور بدلی نے اسے ان کی نظروں سے چھپا لیا اور اس کے جاتے ہوئے جب وہ آسمان کی طرف تک رہے تھے: دیکھو دو مرد سفید

پوشاک پہنے ان کے پاس کھڑے تھے اور کہنے لگے۔ اے جلیلی مردو! تم کیوں کھڑے آسمان
کی طرف دیکھتے ہو۔ یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح
تم نے اسے آسمان کو جاتے دیکھا ہے پھر آئے گا۔"

مسئلہ نزول کی حیثیت قرآن کریم میں

خداتعالیٰ کی سب سے آخری کتاب قرآن کریم ہے۔ جب اس پر نظر ڈالیں تو اس
میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی یہی حیثیت ثابت ہوتی ہے۔ رہا ان کے رفع
جسمانی کا مسئلہ تو اس کو تو قرآن کریم نے اہل کتاب کے مقابلہ میں اپنی جانب سے ایک فیصلہ
کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آتی ہے: "وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا۔ النساء آیت
۱۵۹" یعنی اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ
لے آئے۔ آیت بالا میں اس کی تصریح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے۔ نیز یہ
کہ آئندہ زمانہ میں کسی شبہ کے بغیر اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا ہے یہی وجہ ہے کہ ابو ہریرہؓ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی صحیح حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر
اس پیشگوئی کو تم قرآن کریم کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو آیت بالا کو پڑھ لو۔ اس کی مزید تشریح
آئندہ آئے گی اور اس مغالطہ کو بھی دور کر دیا جائے گا کہ نزول کا لفظ قرآن کریم میں کیوں
نہیں آیا۔ پس جب یہ مسئلہ جو کتب سابقہ سے لے کر احادیث نبویہ اور خود کتاب اللہ میں اس
تواتر کے ساتھ ثابت ہے عقائد کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہے تو پھر اور کس
مسئلہ کو عقائد میں شمار کیا جا سکتا ہے؟۔ تعجب ہے کہ یہاں کتب سماویہ کو اس پر جتنا اصرار ہے
ہماری عقول کو اس سے اتنا ہی انکار ہے۔ فالی اللہ المشتکی

مسئلہ نزول کی اہمیت اور اصول دین سے اس کا تعلق

موجودہ دور کے مبصرین کی نظر یہاں ایک اور واضح حقیقت سے بھی چوک گئی ہے
وہ صرف اس بحث میں الجھ کر رہ گئی ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر صرف ایک پیشگوئی

ہے اور جس طرح دیگر پیشگوئیاں نہ صرف صداقت رسول کا ایک معیار ہوتی ہیں یہ بھی اسی نوع کی ایک پیشگوئی ہے۔ لہذا جو امت اس رسول کی تصدیق پہلے سے کر چکی ہے اس کے حق میں اس کی اہمیت کیا ہے؟ اور اسی غلط فہمی میں انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اصل دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کو یہ علم ہی نہیں کہ اس پیشگوئی کو ایک اصولی اہمیت بھی حاصل ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کی دو مرکزی جماعتوں کا نقطہ ضلالت یہی پیشگوئی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:

"کتب سابقہ میں دو مسیح کی آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت کی' جس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور دوسری مسیح ضلالت کی' جس کا مصداق دجال ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو یہود نے ان کو تو مسیح ضلالت کا مصداق ٹھہرایا اور اس لئے ان کی ایذا رسانی اور قتل کے درپے رہے اور جب مسیح ضلالت ظاہر ہوگا۔ یعنی دجال تو اس کو مسیح ہدایت کا مصداق ٹھہرائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام یہود دجال کی اتباع کر لیں گے۔ اس کے برعکس نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گو مسیح ہدایت کا مصداق تو مانا مگر حد سے بڑھا کر ان کو اقانیم ثلاثہ کا ایک جز بنا لیا۔ اب یہاں ان دونوں بڑی بڑی جماعتوں کو جو بسیط ارض پر پھیلی پڑی ہیں ایک مسیح کی آمد کا انتظار لگ رہا ہے یہود کو تو اس لئے کہ ان کے نزدیک مسیح ہدایت کی جو پیشگوئی کی گئی تھی اس کا ظہور ابھی باقی ہے۔ لہذا مسیح ہدایت کو آنا چاہئے اور نصاریٰ کو اس لئے کہ ان کے زعم میں وہی مسیح دوبارہ آکر مخلوق کا حساب لیں گے اور یہی دن قیامت کا دن ہوگا۔"

(الجواب الصحیح ص ۳۲، ۸۴ ملخص)

اس مسئلہ پر بحث کے وقت اگر اس اہم تاریخ کو بھی سامنے رکھ لیا جاتا تو یہ واضح ہو جاتا کہ اس پیشگوئی کی حقیقت نہ صرف ایک پیشگوئی کی ہے اور نہ ایک جزئی واقعہ کی بلکہ اس کا تمام تر تعلق اصول دین کے ساتھ ہے کیونکہ رسالت اور قیامت کے دونوں مسئلے اصولی مسئلے ہیں اور اس مسئلہ کو ان دونوں سے گہرا تعلق ہے۔ یہاں یہودیوں کی یہ گمراہی کتنی اصولی گمراہی تھی کہ انہوں نے مسیح ہدایت یعنی خدا تعالیٰ کے ایک سچے رسول کو مسیح ضلالت یعنی

دجال ٹھہرا لیا تھا۔ اور نصاریٰ کی یہ گمراہی بھی کتنی اصولی تھی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے ایک
رسول کی آمد کو خدائی آمد اور اس کی آمد کے دن کو قیامت کا دن سمجھ رکھا تھا۔ ان دو اصولی
غلطیوں کی اصلاح پر دنیا کی ان دو بڑی بڑی امتوں کے ایمان کا دارومدار ہے۔ اس لئے آنحضرت
ﷺ نے ان کی آمد کی پیشگوئی کی بڑی اہمیت محسوس فرمائی ہے جو کسی اصولی معاملہ کی کی جاسکتی
ہے اور مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت کی تفصیلات بیان فرمادی ہیں کہ پھر آئندہ ان دونوں کے
ظہور کے وقت ان کی شناخت میں دونوں قوموں کو کوئی مغالطہ نہیں لگ سکتا یہود آنکھوں سے
دیکھ لیں گے کہ جس کو انہوں نے "مسیح ضلالت" سمجھا تھا (والعیاذ باللہ!) درحقیقت وہ مسیح
ہدایت تھے اور نصاریٰ کو یہ خوب ثابت ہو جائے گا کہ جس کو انہوں نے خدائے تعالیٰ کا شریک
ٹھہرا لیا تھا درحقیقت وہ اس کا ایک بندہ اور اسی کی مخلوق تھا اور ان کی آمد قیامت کا دن نہیں
بلکہ اس کی ایک بڑی علامت تھی اور ساری غلطیاں خود عیسیٰ علیہ السلام ہی کی زبان سے دور کر
دی جائیں گی تاکہ اختتام عالم سے قبل اتحاد ملل کے راستے میں جتنی رکاوٹیں ہو سکتی تھیں وہ
ایک ایک کر کے سب دور کر دی جائیں اور ملل سماویہ کی وحدت کا وعدہ پوری صفائی اور
صداقت سے پورا ہو جائے۔ "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت تاریخی نظر میں

یہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان انبیاء علیہم السلام میں سے نہیں ہیں۔
جن کا تذکرہ تاریخ نے محو کر ڈالا ہو بلکہ ان اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں جن کا تذکرہ ہر
دور میں بڑی اہمیت کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اہل کتاب کے دو بڑے بڑے گروہ ان کی ایک ایک
علیحدہ تاریخ رکھتے ہیں اور خود اہل اسلام کے پاس بھی ان کی ایک منقح تاریخ موجود ہے۔
یہود کی تاریخ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے قتل کر ڈالا ہے۔ اس لئے ان کے
نزدیک تو ان کی حیات اور دوبارہ تشریف آوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہ گئے نصاریٰ تو وہ
ان کی دوبارہ تشریف آوری کے قائل ہیں مگر وہ اسی دن کو قیامت کا دن سمجھتے ہیں اور مجمل
طور پر ان کے سولی چڑھائے جانے اور زندہ ہو کر آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بھی قائل ہیں۔

اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ وہ قتل ہوئے اور نہ سولی دیئے گئے بلکہ زندہ اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ اور قیامت سے پہلے پھر اسی جسم عنصری کیساتھ تشریف لائیں گے اور مدینہ طیبہ میں جوار آنحضرت ﷺ میں وفات کے بعد مدفون ہوں گے۔ اب ایسے اولوالعزم رسول کے متعلق یہ حق کس کو پہنچتا ہے کہ وہ کوئی ایسی جدید تاریخ بنائے جو دنیا میں کسی جماعت کو بھی مسلم نہ ہو۔ مثلاً یہ کہنا ہے کہ وہ سولی پر چڑھائے گئے پھر نیم مردنی کی حالت میں اتار لئے گئے تھے پھر کہیں جا کر اپنی طبعی موت سے مر گئے اور آخر کشمیر یا کسی اور شہر میں جا کر ایسی گمنامی کی حالت میں مدفون ہو گئے جس کی اطلاع کسی کو نہیں ہو سکی۔ اس جلیل القدر رسول کی اس جدید تاریخ کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسا آج کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے متعلق بیان کرے کہ آپ ﷺ کی وفات اور دفن کا سب افسانہ غلط ہے بلکہ جب کفار نے آپ ﷺ کو زیادہ ستایا تو آپ ﷺ اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور آئندہ پھر تشریف لانے والے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی عاقل ایسا ہے جو اس رسول اعظم کی اس جدید تاریخ پر غور کرے اور اس کے دلائل سننے کے لئے تیار ہو۔ ہمارے نزدیک ایک مسلم فوت شدہ رسول کے زندہ آسمانوں پر جانے کی تاریخ میں اور ایک مسلم زندہ آسمانوں پر موجود رسول کے متعلق ان کی موت اور دفن کی جدید تاریخ میں کوئی فرق نہیں نہ وہ عقلاً کے نزدیک قابل توجہ ہے نہ یہ قابل التفات ہو سکتی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کی اہمیت تاریخ کی نظر میں

یہ بات کتنی عجیب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خود بھی اولوالعزم ہیں۔ ان کی امت بھی تسلسل کے ساتھ کسی انقطاع کے بغیر اب تک چلی آ رہی ہے پھر ان کی موت اور ان کی قبر کا صحیح صحیح حال آج تک ان سب پر کیسے مخفی رہ گیا بالخصوص یہود جو ان کے قتل کے مدعی تھے وہ اس اہم واقعہ سے کیسے غفلت اختیار کر سکتے تھے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول ہونے کے لئے ان کی قبر کی نشاندہی ان کے لئے سب سے کھلا ہوا ثبوت تھی۔ مگر یہاں نہ تو یہود ان کی قبر کا پتہ نشان بتا سکتے ہیں اور نہ اس بارے میں نصاریٰ کے پاس ہی کوئی صحیح علم ہے اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کے درمیان جو مدت ہے وہ تقریباً چھ سو سال کی مدت ہے۔ یہ اتنی طویل مدت نہیں کہ اس میں کسی ایسی اولوالعزم تاریخی شخصیت کی قبر اتنی لاپتہ ہو جائے کہ نہ اس کے ماننے والوں بلکہ پوجنے والوں کو معلوم ہو اور نہ اس کے دشمنوں کو۔ اس امت میں نہ معلوم کتنے اولیاء اللہ گزر چکے ہیں جن کی وفات پر اس سے کہیں زیادہ مدت گزر چکی ہے مگر ان کی قبریں آج تک تازہ یادگاریں معلوم ہوتی ہیں پھر عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور ان کی قبر کی ایسی گمنامی یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تشریف لا کر ان کے حق میں کبھی موت کا ایک حرف نہیں فرمایا اور نہ ان کی قبر کا کہیں نشان بتایا۔ ورآنحالیکہ یہ مسائل آپ کی آنکھوں کے سامنے زیر بحث چل رہے تھے۔ اس کے برعکس فرمایا تو یہ کہ وہ دوبارہ تشریف لائیں گے اور ابھی ان کی وفات نہیں ہوئی اور قبر بتائی تو مستقبل بعید میں اپنے پہلو کے قریب مدینہ طیبہ میں اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے تردید الوہیت کے موقعہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معمولی سے معمولی حالات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ مثلاً ان کا کھانا کھانا "کانا یاکلان الطعام۔ المائدہ آیت ۷۵" مگر ان کی الوہیت کے خلاف جو سب سے واضح ثبوت تھا یعنی یہ کہ وہ مر چکے ہیں اس کو ایک جگہ بھی عیسائیوں کے مقابلہ میں ذکر نہیں فرمایا اور نہ کبھی آپ کی زبان مبارک سے یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو مدت ہوئی وفات ہو چکی ہے۔ پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ بارہا عیسائیوں کے ساتھ آپ کے مکالمات ہوئے ہیں۔ پھر اس تحقیقاتی دور میں جہاں جبل ایورسٹ (Evarest) پر رسائی ہو چکی ہو فرعون کی لاش دستیاب ہو چکی ہو اور سفینہ نوح علیہ السلام کے نشانات معلوم کئے جا چکے ہوں وہاں کیا اس مقدس رسول کی قبر گم رہ سکتی تھی؟۔ ان حالات میں بھی اگر اپنی جانب سے ہم ان کی موت اور قبر کی نشاندہی کے مدعی بنتے ہیں تو تاریخی دنیا میں اس کی کیا قدر و منزلت سمجھی جا سکتی ہے۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی تھی تو نصاریٰ اور اہل اسلام خاص طور پر ان ہی کی حیات کے قائل کیوں ہیں؟

یہاں تھوڑا سا غور اس پر بھی کر لینا چاہئے کہ اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو پھر تمام انبیاء علیہم السلام میں سے ایک ان ہی کی خصوصیت کیا تھی کہ ان ہی کے معاملہ میں نصاریٰ سے لے کر اہل اسلام تک ان کی حیات اور ان کے نزول کے تسلسل کے ساتھ قائل چلے آرہے ہیں۔ چلئے نصاریٰ اگر اپنی فرط عقیدت سے کسی بے اصل بات کا دعویٰ کر ڈالیں تو جائے تعجب نہیں مگر یہاں ان علماء اسلام کے لئے اس کا کیا محل ہو سکتا تھا۔ جو ہمیشہ تردید الوہیت میں سرگرم رہے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں کسی کے قلم سے ایسے کلمات بھی نکل گئے ہیں کہ اگر کہیں اتنی بڑی تہمت ان کے سر نہ رکھی جاتی تو وہ کلمات ہرگز ان کے زیر قلم نہ آسکتے تھے پھر کسی غلطی کا اگر امکان تھا تو چلئے یہ کسی خاص فرد میں ہو سکتا تھا۔ لیکن جمہور امت اور صحابہ و تابعین پھر ائمہ دین اور مفسرین و شارحین سب ہی کا ایک بدیہی البطلان غلطی پر متفق ہو جانا کیونکر قرین قیاس مانا جا سکتا ہے۔ چلئے اگر یہ مسئلہ الہیات کے دقیق مسائل یا حیات برزخی کے بالاتر از فہم کیفیات کی طرح کوئی بلند پایہ مسئلہ ہوتا تو بھی کسی غلط فہمی کا امکان تھا۔ مگر ایک شخص کی موت و حیات کا مسئلہ تو کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہ تھا جس کے فہم میں کوئی دشواری تھی یا اس میں اختلاف رائے کی کوئی گنجائش تھی یہ تو عام انسانوں سے لے کر انبیاء علیہم السلام کی جماعت تک کی ایک عام سنت بشری تھی پھر انبیاء علیہم السلام کی تمام جماعت میں سے ان ہی کی موت میں غلط فہمی کیوں پیدا ہو گئی اور حیرت در حیرت یہ کہ وہ آنحضرت ﷺ کے دور میں بھی صاف نہ ہو سکی بلکہ اور مستحکم ہوتی رہی۔ پس اگر حقیقت حال یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے تو پھر کسی تاریخ سے یہ ثبوت پیش کرنا لازم ہوگا کہ کم از کم مسلمانوں میں اس کے خلاف ان کی حیات کے عقیدہ کی بنیاد کب سے پڑی۔ لیکن یہاں تو ہم جتنا صحابہ و تابعین اور ان سے اوپر احادیث مرفوعہ کی طرف نظر کرتے چلے جاتے ہیں اتنا ہی ہم کو رفع و نزول کا ثبوت اور بہم پہنچتا چلا جاتا ہے اور

اس کے برعکس آخر میں موت کے عقیدہ کی بدعت ہے جس کسی فرد نے ایجاد کی ہے تاریخ انگلی رکھ کر اس کا نام و نشان بتاتی ہے اور ہمیشہ اس کو مسلمانوں کے خلاف عقیدہ کا شخص شمار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اس مدت میں جو مدعی مسیحیت گزرے ہیں وہ بھی اپنے دعویٰ سے پہلے تمام عمر اس بارے میں عام امت کے ساتھ ہی نظر آتے ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ جب زمین ہموار ہو گئی اور انہوں نے خود مسیح ہونے کا دعویٰ شروع کیا تو پھر جس عقیدہ پر ان کی ساری عمر گزری تھی اسی کو انہوں نے مشرکانہ عقیدہ ٹھہرا دیا بلکہ اس سے بڑھ کر اس مضمون کی صحیح سے صحیح حدیثوں کے متعلق ردی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے مکروہ ترین الفاظ بھی لکھ مارے ہو ما۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ، اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر وفات پا چکے ہیں تو ان کے متعلق حدیث و قرآن میں کہیں موت کا صاف لفظ کیوں نہیں

اس مقام پر یہ دقیقہ بھی قابل فروگذاشت نہیں ہے کہ ایک انسان کی موت کا واقعہ کون سا پیچیدہ واقعہ ہے جس کے بیان کرنے میں ایک معمولی سے معمولی انسان کو بھی کوئی دشواری ہو سکتی ہے۔ اگر قرآن کریم کسی ایک جگہ بھی صراحت کے ساتھ یہ لفظ فرما دیتا کہ "ان عیسیٰ مات" یعنی عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں تو بس اسی ایک لفظ سے ساری بحثیں ختم ہو جاتیں اور سے وجہ لفظ توفی پر دفتر کے دفتر خرچ کر کے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہتی کہ توفی لغت عرب میں موت کے ہم معنی ہے۔ افسوس ہے کہ لفظ توفی کے موت کے معنی میں حجت کرنے کے لئے تو عمریں صرف کی گئیں مگر اس پر کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہ کیا گیا جب عربی زبان میں موت کے لئے دوسرا صاف لفظ موجود تھا تو پھر یہاں موضع اختلاف میں اس صاف اور سیدھے لفظ کو چھوڑ کر ایسے مشتبہ لفظ کو کیوں اختیار کیا گیا ہے جو دعویٰ کا ثبوں کے بعد بھی موت میں منحصر نہیں ہو سکا بالخصوص جبکہ عیسائی یہ ڈنکا بجا رہے ہوں کہ وہ اللہ تھے۔ والعیاذ باللہ تو کیا یہ بات سیدھی اور صاف نہ تھی کہ اللہ کا سب سے پہلا نام "الحیی" ہے اور عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں۔ سورہ آل عمران میں جو

نصاریٰ ہی کی تردید کے لئے آخری سن میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو "الحیی القیوم" کہہ کر ان کی تردید کی گئی مگر ساری سورت میں ایک بار بھی عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں موت کا لفظ نہ بولا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ عام انسانوں کی موت پر قیاس کرنا صحیح نہیں

یہ اچھی طرح واضح رہنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ صرف عام انسانوں کی موت پر قیاس کر کے طے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عام انسانوں کی حیات و موت سے قومی تاریخ یا مذہبی عقیدہ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں طویل گمشدگی کو بھی موت کا قرینہ بنا لیا جاتا ہے لیکن ایک ایسے اولوالعزم نبی کی وفات کا مسئلہ جس کی حیات و موت کی بحث دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ سے چل رہی ہو پھر جس کی حیات کے واضح اور مستحکم دلائل بھی موجود ہوں اس کو صرف عام انسانوں پر قیاس کر کے کیسے طے کیا جا سکتا ہے۔ یہ بالکل اتنا ہی غیر معقول ہے جتنا کہ کسی ایسے زندہ شخص کی طویل گمشدگی سے اس کی موت کا حکم لگا دینا جس کی حیات کی شہادت معتبر اخبارات کے ذریعے بھی اور خود اس کے بیانات سے بھی مسلسل موصول ہو رہی ہو۔ یہاں کوئی عاقل ایسا نہیں ہو گا جو ان حالات میں صرف اس کی مدت سفر کے غیر معمولی طوالت کی وجہ سے اس کے ترکہ تقسیم کا دعویٰ کسی عدالت میں دائر کر سکے اور نہ کوئی عدالت یہاں اس کی وراثت کی تقسیم کا حکم دے سکتی ہے۔

خوب یاد رکھو جہاں کوئی معاملہ خاص دلائل کی روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔ وہاں صرف عام قیاسات سے کوئی حکم لگانا کھلی ہوئی غلطی ہے۔ مثلاً آج جبکہ فرعون کی لاش پختہ ثبوت کے ساتھ دریافت ہو چکی ہے تو اب کوئی شخص اس بناء پر اس کا انکار کرتا کہ ایک غرق شدہ لاش کا وہ بھی سینکڑوں سال کے بعد صحیح و سالم برآمد ہونا چونکہ عام دستور کے خلاف ہے۔ اس لئے فرعون کی لاش کا برآمد ہونا بھی قابل تسلیم نہیں یا قابل یقین نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قیاس کی عقل و تاریخ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی وفات کا مسئلہ بھی ہے یعنی صرف عام قیاسات اور عام دلائل پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کا معاملہ قرآن و حدیث کے واضح سے واضح اور مستقل طور پر علیحدہ بیان میں آچکا ہے۔

حیات و موت کا مسئلہ دنیا کے عام واقعات میں شامل ہے پھر قرآن و حدیث میں اس کی اہمیت کیوں ہے؟

اس امر پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ حیات و موت دنیا کے عام واقعات میں شامل ہیں بہت سے انبیاء علیہم السلام فوت ہوئے اور بہت سے ظالم امتوں کے ہاتھوں شہید بھی ہوئے۔ اسی طرح مستقبل میں بہت سے مبارک اور نامبارک افراد اور اشخاص کے ظہور کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں۔ مگر آخر ان سب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور ان کی حیات کے مسئلہ کی اہمیت کیا تھی کہ کتب سابقہ سے لے کر قرآن کریم تک نے اس کے بیان و ایضاح کا اہتمام کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی بار بار ان کے متعلق نزول کی پیشگوئی فرمائی اور اس کی اتنی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جتنی کہ کسی اور دوسرے شخص کے متعلق نہیں فرمائیں۔ یقیناً اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کا تعلق آئندہ زمانہ سے ابھی باقی ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح فوت ہو چکے ہوتے تو جس طرح ان کی موت اور سوانح موت کی تفصیلات سے سکوت اختیار کر لیا گیا تھا۔ یہاں بھی سکوت اختیار کر لیا جاتا مگر چونکہ ان کا ابھی دوبارہ تشریف لانا باقی تھا۔ اس لئے آپ نے ان کی آمد کی تفصیلات کا خاص اہتمام فرمایا ہے تاکہ جن کے متعلق پہلی بار دو بڑی قومیں گمراہ ہو چکی تھیں دوسری بار اب وہ اپنی غلطیوں کو صاف طور پر سمجھ جائیں اور اجتماعی حیثیت سے جس طرح وہ پہلی بار کفر پر جمع ہو گئی تھیں۔ اس مرتبہ ایمان پر جمع ہو سکیں اور : "وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۔" کی پیشگوئی پوری آب و تاب سے پوری ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ واضح اور شافی بیان جس طرح کہ اس امت پر ایک احسان عظیم ہے اسی طرح دوسری امتوں پر بھی ہے کہ ان کو صرف آپ ﷺ کے طفیل میں حضرت عیسیٰ علیہ

اسلام کی صحیح معرفت اور ان پر صحیح ایمان کا سامان میسر آگیا۔ اسی سے آنحضرت ﷺ کے فضل و برتری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مسائل جو آج تک الجھے ہوئے چلے آرہے تھے وہ آپ ﷺ کے دور میں کس طرح سلجھتے چلے جارہے ہیں۔

ناقہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ جن کی پہلی آمد امتوں کے فتنے کا موجب بنی ان کی دوسری آمد سے ہدایت کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اس کی ذمہ داری اگر تمام تر امتوں پر عائد ہوتی ہے تو ان کی دوبارہ آمد میں خطرہ کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ذمہ داری خود ان ہی پر عائد ہے۔ والعیاذ باللہ! تو یہ براہ راست خدا کے ایک معصوم رسول پر حملہ ہے اور صحیح معنی میں یہود کی اتباع ہے۔ ہمارے بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ ان کی دوبارہ تشریف آوری در حقیقت اس عمیق حکمت کے اظہار کے لئے ہے کہ یہ بات عالم آشکارا کر دی جائے کہ جن کو جماعتوں نے مرکز ضلالت ٹھہرایا تھا یہ ان کی شقاوت تھی۔ در حقیقت وہ مرکز ہدایت تھے اور اس طرح جہاں ایک طرف ان کی بزرگی ثابت ہو دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی عظمت شان بھی ظاہر ہو۔ کہ اب جو جہان بھر کے ناقہم تھے وہ آپ کے دور میں کتنے بافہم بن چکے ہیں۔

خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ نزول کی اہمیت

یہ امر بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور اب وہ دوبارہ تشریف نہیں لائیں گے تو حدیثوں میں نزول کی پیشگوئی خاص اسی نام و نسبت کے شخص کے متعلق کیوں کی گئی ہے اور کیوں صاف طور پر دنیا کے دستور کے موافق اس کا وہی نام ذکر نہیں کیا گیا جو اس کا اصل نام تھا؟۔ نیز یہ سوال بھی اہم ہے کہ کسی ایک حدیث میں ان کے متعلق ولادت کا سیدھا لفظ کیوں نہیں فرمایا گیا تاکہ یہ بات صاف ہو جاتی کہ جو شخص آئندہ آنے والا ہے وہ عام انسانوں کی طرح کسی وقت پیدا ہو گا اور وہ مسیح اسرائیلی نہیں بلکہ کوئی اور دوسرا انسان ہے بالخصوص جبکہ امام مہدی اور دجال جو بھی مبارک وہ نامبارک دو انسان آئندہ ظاہر ہونے والے تھے ان کے حق میں ولادت ہی کا صاف لفظ

بولا گیا ہے اور ان کی وہی نام و نسبتیں ذکر فرمائی گئی ہیں جو ان کی اصل نام و نسبتیں تھیں۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر مسیح ابن مریم در حقیقت فوت ہو چکے تھے اور ان کی جائے کوئی اور شخص جن کا نام تک اس امت میں پیدا ہونے والا تھا تو اس کے حق میں کہیں ولادت کا لفظ بولا نہ جاتا اور کسی ایک حدیث میں بھی اس کے اصل نام و نسبت کی تصریح نہ کی جاتی اور کہیں اس کے اصل شہر اور محل پیدائش کا پتہ نہ بتایا جاتا بلکہ ہر ہر مقام پر وہی نام و نسبت وہی شہر وہی تمام صفات اور وہی حلیہ ذکر کیا جاتا جو در حقیقت مسیح اسرائیلی کا تھا۔ کیا جس نام و نسبت والے شخص کے متعلق عیسائی قوم دوبارہ آمد کا انتظار کر رہی تھی اسی نام و نسبت والے شخص کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کر کے عیسائیوں کی کھلے طور پر تائید کرنی نہیں ہے؟۔ اس انداز بیان کا مطلب ایک سیدھی بات کو خوامخواہ الجھا دینا اور ہدایت کی جائے اور گمراہی میں مبتلا کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ!

پس اگر صرف اسی ایک بات پر غور کر لیا جاتا کہ حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بار بار کیوں نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور کیوں ایک مرتبہ بھی ولادت کا لفظ نہیں بولا گیا اور کیوں تمام مقامات پر اسی اسرائیلی رسول علیہ السلام کے نام نسبت اور شکل و شمائل کو ذکر کیا گیا ہے اور کیوں اس کا اصل نام و نسبت ذکر نہیں کیا گیا تو یہ بات بالکل صاف ہو جاتی کہ یقیناً وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں جو ایک بار پہلے آ چکے ہیں اور وہ زندہ ہیں اور آئندہ زمانہ میں جن کو نازل ہونا ہے۔ حدیثوں کے اس واضح بیان کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں حدیثوں کی تاویل کرنا اور ان کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک پیدا ہونے والا انسان شمار کرنا ٹھیک اسی طرح تحریف ہوگا جیسا امام مہدی علیہ السلام یا دجال کے بارے میں ولادت کے صاف لفظ کو ہو جانے کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ امام مہدی علیہ السلام اور دجال بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان سے نازل ہوں گے۔ پس جس طرح امام مہدی علیہ السلام کے حق میں بجائے نزول کی بجائے امت کو ان کی ولادت ہی کا انتظار ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کی پیدائش کی بجائے ان کے اترنے ہی کا انتظار ہونا چاہئے۔ ہم کو اس کا کوئی حق نہیں کہ حدیثوں میں جہاں صاف طور پر نزول کا صاف لفظ آ چکا ہے۔ وہاں ہم اس کے معنی ولادت کے

اور جہاں ولادت کا صاف لفظ موجود ہے۔ اس کے معنی نزول کے کر ڈالیں۔

غیر مؤقت پیشگوئیوں کا انکار یا تاویل دونوں خطرناک اقدام ہیں

جو پیشگوئیاں مؤقت نہیں ہیں ان کے متعلق قبل از وقت تھک کر یہ کہنا کہ مسلمانوں کا مسیح و مہدی جب آج بھی نہ آیا تو پھر کب آئے گا؟ بالکل کفار کے اس قول کے مشابہ ہے جو انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں قیامت کے بارے میں کہا تھا:

"وَيَقُولُونَ مَتٰى هُوَ - قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا - بنی اسرائیل آیت ۵۱"

حقیقت یہ ہے کہ اسلام چونکہ قیامت تک باقی رہنے والا مذہب ہے۔ اس لئے اس کی پیشگوئی کا دامن بھی قیامت تک وسیع رہنا چاہئے۔ بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پوری ہو چکیں پھر کچھ حصہ ہے جو صحابہ کے زمانہ میں پورا ہوا۔ اس کے بعد بھی طرح ہر دور میں ان کا ایک ایک حصہ پورا ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں آپ کی پیشگوئی کا کوئی نہ کوئی حصہ آنکھوں کے سامنے نہ آتا رہا ہو۔ ۴۷ء میں ہنگاموں کی سرگزشت بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اگر آپ کو پڑھنی ہو تو آپ ان الفاظ میں پڑھ لیجئے۔ جو صحیح مسلم میں موجود ہیں "ایک زمانہ آئے گا جس میں ایسی جنگ ہوگی کہ قاتل کو یہ خبر نہ ہوگی کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور مقتول کو یہ علم نہ ہوگا کہ وہ کس جرم میں قتل کیا جا رہا ہے۔ ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان ہنگاموں میں قتل کا یہی نقشہ تھا کہ ایک انسان دوسرے انسان اور ایک جماعت دوسری جماعت کے قتل کے درپے تھی اور کسی کو اس تحقیق کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ اس کا موافق ہے یا مخالف' قتل کرنے والا کس گناہ میں دوسرے کو قتل کر رہا ہے اور مقتول کیوں مفت مارا جا رہا ہے؟"

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کی پیشگوئیوں کو صرف گذشتہ زمانہ میں ختم کر دینا اور مستقبل میں پوری ہونے والی پیشگوئیوں کا قبل از وقت انتظار کر کے تھک جانا اور ان کے انکار پر آمادہ ہو جانا درحقیقت یہ آپ ﷺ کی عموم بعثت کا انکار ہے کیونکہ اگر آپ ﷺ کی

بعثت قیامت تک کے لئے ہے تو پھر اس کی صداقت کے نشانات بھی دنیا کے ہر دور کے انسان کے سامنے آتے جائیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کی پیشگوئیاں آپ ہی کی حیات طیبہ میں پوری ہوں گی بلکہ بعض یعنی کچھ کا لفظ فرمایا ہے :

"وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْنَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ۔ یونس آیت ٤٦"

"وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۔ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ يَعِدُكُمْ ۔ المؤمن آیت ۲۸"

اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی آپ قبل از وقت انتظار کر کے خود ٹھوکر کھا جائیں اور پھر صریح حدیثوں کی الٹی سیدھی تاویلیں کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں جو دنیائے عالم میں تمہیں مضحکہ اور سارے دین میں شبہ کا باعث بن جائیں کیونکہ جب دین کے ان واضح الفاظ کی یہ حقیقت ثابت ہو تو پھر کیا اطمینان کیا جا سکتا ہے کہ ذات و صفات اور حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے واضح الفاظ کی صحیح حقیقت کیا ہوگی اور اس طرح پورے کے پورے دین پر کیا اطمینان باقی رہ سکتا ہے؟

قرآن کریم میں نزول کا مسئلہ بھی رفع جسمانی کی طرح صاف طور پر کیوں ذکر میں نہیں آیا

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور مقتول نہ ہونے کا تذکرہ صرف یہود کے اسباب لعنت کے بیان کے ضمن میں آگیا ہے۔ اس ضمن میں قرآن شریف نے یہ نقل کیا ہے کہ یہود واقع کے خلاف ان کے قتل کرنے کے مدعی ہیں اور نصاریٰ کو بھی یہ تحقیقی باتیں بتاتے ہیں مگر اجمالاً ان کے رفع کے قائل ہیں۔ اس لئے یہاں قدرتی توجہ صرف یہی مسئلہ تھا کہ وہ مقتول ہوئے یا نہیں اور اگر مقتول نہیں ہوئے تو آسمان پر اٹھائے گئے یا نہیں۔ رہا ان کے نزول کا مسئلہ تو وہ کسی مقام پر بھی زیر بحث نہیں تھا۔ پھر ہم کو کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ نزول یا عدم نزول کا

مسئلہ بھی اہل کتاب نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تھا۔ لہٰذا جب یہ مسئلہ کہیں آپ کے سامنے زیر بحث ہی نہیں آیا ورنہ قرآن کریم ہی کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو اب صراحت کے ساتھ نزول کا لفظ ذکر ہوتا تو کیسے ہوتا۔ ہاں! اگر نزول کا مسئلہ بھی اس وقت کہیں زیر بحث آجاتا تو جس طرح یہاں رفع کا لفظ صراحت کے ساتھ مذکور ہوا تھا۔ نزول کا لفظ بھی یقیناً اسی طرح صراحت کے ساتھ ذکر ہو جاتا لیکن جب یہ مسئلہ کہیں زیر بحث آیا ہی نہیں تو اب قرآن کریم میں صراحتہً لفظ نزول کا مطالبہ کرنا کتنی بڑی بے انصافی ہے اور اگر بالفرض یہ لفظ مذکور ہو بھی جاتا جب بھی حیلہ جو طبیعتوں کو فائدہ کیا تھا؟۔ آخر صحیح سے صحیح حدیثوں میں یہ لفظ بار بار آیا اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے قسموں کے ساتھ آیا مگر پھر ان کو کیا فائدہ ہوا؟۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یعنی آمد ثانی کا مسئلہ خواہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو مگر اس وقت وہ زیر بحث ہی نہ تھا۔ ہاں قومی تاریخ کے لحاظ سے جو فرقہ ان کے رفع جسمانی کا قائل تھا وہ ان کی آمد ثانی کا بھی منتظر تھا اور اب تک ہے اور جو ان کے قتل کا مدعی تھا ان کے نزدیک ان کی آمد ثانی کی بحث ہی کیا ہو سکتی تھی۔ پس اگر یہاں قرآنی فیصلہ ان کے رفع کا ہو جاتا ہے تو ان کے نزول کا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے اور اگر تحقیق یہ ہو کہ وہ مقتول ہو گئے (والعیاذ باللہ) تو پھر ایک شخص کے دوبارہ آمد کی بحث ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر قرآن کریم کی کسی آیت میں رفع کے صاف لفظ کی طرح نزول کا لفظ مذکور نہیں تو اس سے مسئلہ نزول کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا پھر خاص نزول کا لفظ مذکور ہونا ہی کیوں ضروری ہے؟۔ جبکہ قرآن کریم یہ تصریح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابھی وفات نہیں پائی اور قیامت سے پہلے تمام اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا باقی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور ابھی تک اس کو موت نہیں آئی ضرور ہے کہ وہ زمین پر نازل ہو۔ تاکہ اہل کتاب ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں اور وہ اپنی مقررہ مدت عمر پوری کر کے دنیا کی آنکھوں کے سامنے وفات پا کر مدفون ہوں۔ اسی لئے حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث روایت کر کے فرماتے ہیں کہ اگر اس پیشگوئی کو تم قرآن کریم کے الفاظ میں دیکھنا چاہو تو سورہ نساء کی یہ آیت پڑھ لو ” وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔"

آیت بالا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے لئے جو سب سے زیادہ صاف اور واضح لفظ ہو سکتا تھا وہ قبل موتہ کا لفظ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ جس زندہ شخص کی اب تک وفات ثابت نہیں ہوئی۔ اس کی حیات کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت کیا ہے۔ یہاں جو شخص ان کی موت کا مدعی ہو یہ فرض اس کا ہے کہ وہ ان کی موت ثابت کرے۔ پھر آیت بالا میں خاص اہل کتاب کے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام کو ان پر اس وقت بھی صحیح ایمان حاصل ہے۔ لہذا جن کا ایمان لانا قابل ذکر ہو سکتا تھا وہ صرف اہل کتاب کا ایمان ہے۔ اب اگر فرض کر لو کہ اہل اسلام بھی نصاریٰ کی طرح ان کے سولی پر چڑھنے کو تسلیم کرتے ہوں یا یہود کی طرح ان کے مردہ ہونے کے قائل ہوں تو پھر اہل اسلام کا ایمان بھی ان پر صحیح ایمان نہیں رہتا۔ اہل کتاب اگر اس بارے میں ایک غلطی پر ہیں تو اہل اسلام بھی دوسرے اعتبار سے غلطی میں مبتلا ہیں پھر اس تخصیص کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ قرآن کریم نے جہاں ان کی موت کی صاف نفی فرما کر یہ بتایا ہے کہ ابھی آئندہ زمانہ میں اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا باقی ہے اسی طرح دوسری طرف یہ بھی تصریح کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان پر شہادت دینا باقی ہے۔ ان دونوں باتوں کے لئے ان کی تشریف آوری لازم ہے کیونکہ شہادت شہود سے مشتق ہے۔ لہذا عیسیٰ علیہ السلام جب تک کہ پھر تشریف لا کر ان میں موجود نہ ہوں ان پر گواہی کیسے دے سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: "وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔ المائدہ آیت ۱۱۷" یعنی میں ان پر گواہ تھا جب تک کہ میں ان میں موجود رہا اور جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگران حال تھا۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دو زمانے گزرے ہیں ان میں سے آپ کی شہادت کا زمانہ صرف وہ ہے جس میں کہ آپ ان کے اندر موجود تھے اور دوسرا زمانہ جس میں کہ آپ ان میں موجود نہ تھے وہ آپ کی شہادت سے خارج ہے۔ تو آئندہ اہل کتاب پر آپ کی شہادت کے لئے دوبارہ آپ کی تشریف آوری ضروری ٹھہری۔

اسی لئے حضرت ابو ہریرہؓ اس آیت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی دلیل فرماتے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ صحابی جلیل القدر تو نزول کی پیشگوئی کو قرآنی پیشگوئی کہتا ہے ایک بدنصیب جماعت وہ ہے جو اس کو حدیثی پیشگوئی بھی کہنے کو تیار نہیں: "وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ۔"

قرآن کریم کے رفع جسمانی اور حدیث کے نزول جسمانی کے اہتمام فرمانے کی حکمت

حجیت حدیث کے مضمون میں ہم یہ بات پوری وضاحت سے لکھ چکے ہیں کہ حدیث و قرآن کے مابین متن و شرح کی سی نسبت ہے۔ آیات قرآنیہ اور تشریحات حدیثیہ پر آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں گے۔ یہ حقیقت آپ کو اتنی ہی روشن ہوتی چلی جائے گی۔ اسی لئے آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ جہاں کہیں قرآن کریم کسی مصلحت کے پیش نظر کسی مسئلہ کا ایک پہلو اپنے بیان میں لے لیتا ہے تو فوراً اس کا دوسرا پہلو حدیث لے لیتی ہے اور اس طرح مسئلہ کے دونوں پہلو صاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور در حقیقت حدیث کے بیان کرنے کا منشاء بھی یہی ہے۔ مثلاً جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے صنف رجال میں ایک جدید قسم فاحشہ کی ایجاد ڈالی تو قرآن کریم نے اس عمل کی حرمت کا تذکرہ بھی صرف رجال یعنی مردوں ہی میں فرمایا اور صنف نساء میں بے وجہ اس عمل کی حرمت پر زور دینا اپنے انداز بلاغت کے خلاف سمجھا۔ ظاہر ہے کہ جب اس ماحول میں اس نوع کا وجود ہی نہ ہو تو پھر اس کا تذکرہ کر کے خواہ مخواہ ذہنوں کو اس طرف متوجہ کیوں کیا جائے لیکن چونکہ شرعی نظر میں ان دونوں عملوں کی حرمت یکساں تھی۔ اس لئے حدیث نے صنف نساء میں اس کی حرمت کا اسی شدومد سے اعلان کیا جس طرح کہ قرآن کریم نے صنف رجال میں اس کی حرمت کا اعلان کیا تھا اور اس طرح دونوں صنفوں کے احکام وضاحت سے ہمارے سامنے آ گئے۔ ہمارے اس بیان سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ اس عمل کے حرمت کی قرآن کریم میں صنف رجال کی تخصیص اور حدیث میں صنف نساء کی تخصیص کا سبب کیا ہے؟۔ اسی طرح

ماہواری عذر کے ایام میں صنفِ نساء کے ساتھ حدود اعتزال اور اختلاط کا مسئلہ ہے۔ یعنی اس زمانہ میں عورتوں سے کس حد تک الگ رہنا چاہیے اور کہاں تک ان سے اختلاط رکھا جا سکتا ہے۔ یہاں یہود نے تو اجتناب نجاسات کے باب میں اتنا مبالغہ کر رکھا تھا کہ ان ایام میں وہ اپنے گھروں میں بھی داخل نہ ہوتے تھے اور نصاریٰ نے اتنی لاپرواہی اختیار کر لی تھی کہ نجاسات سے اجتناب کرنے کا ان کے ہاں باب ہی نادر و تھا۔ (الجواب الصحیح ج ۲ ص ۲۲۳)

جب اس مسئلہ کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوال ہوا تو چونکہ یہاں قرآن کریم نے اپنے بیان میں اعتزال کا پہلو لے لیا تھا اور یہی ضعفِ بشری کے مناسب بھی تھا اور صاف فرما دیا تھا کہ: "فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ۔ البقرہ آیت ۲۲۲" ان ایام میں عورتوں سے الگ رہو تو اس کے جواب میں آپ نے اپنے قول و عمل سے فوراً حدودِ اختلاط بیان فرما دیئے۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۳ میں ہے کہ جب آیت: "فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ۔" نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اصنعوا کل شیء الا النکاح۔" یعنی ان ایام میں ہم بستری کے علاوہ سب کچھ جائز ہے۔ اب اندازہ فرمائیے کہ قرآن کریم نے تو لفظ اعتزال کا فرمایا تھا پھر آپ ﷺ نے اس کی تشریح میں حدودِ اختلاط کیوں بیان فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حدودِ اعتزال اس وقت تک متعین ہی نہیں ہو سکتی تھیں جب تک کہ حدودِ اختلاط بیان میں نہ آ جائیں: "وبضدها تتبین الاشیاء۔" لہٰذا یہاں وہ حدیثیں جو ان ایام میں امہات المومنین کے ساتھ آپ کے اختلاط کے متعلق روایت کی گئی ہیں۔ اسی روشنی میں پڑھنی چاہئیں تاکہ یہ بات پورے طور پر حل ہو جائے کہ ان میں آپ نے اس تاکید کے ساتھ اس کی عملی وضاحت کی کیا ضرورت سمجھی تھی۔ غرض جہاں بھی قرآن کریم نے مسئلہ کے عموم کے باوجود کسی وقتی مصلحت سے اس کا ایک پہلو بیان میں لے لیا ہے وہاں اس کا دوسرا پہلو فوراً حدیث نے لے لیا ہے اور در حقیقت حدیث کے بیان ہونے کا یہی منشاء بھی ہے۔ اسی مقام سے حدیث کی اہمیت اور اس کی ضرورت کا اندازہ کر لینا چاہئے۔

اس مقدمہ کے ذہن نشین کر لینے کے بعد جب آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معاملہ پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جب قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے رفع کا مسئلہ وضاحت سے آچکا تھا تو یہاں حدیث کا فرض بھی ہونا چاہئے کہ وہ اسی ضابطہ کے ماتحت رفع کے بعد نزول کا مسئلہ جو اس کا دوسرا پہلو ہے پورے طور پر روشن کر دے۔ اسی لئے نزول کا دوسرا پہلو حدیثوں میں اتنی تفصیل وتاکید سے قسمیں کھا کھا کر بیان کیا اور اس کو مختلف صحابہؓ اور مختلف مجلسوں میں پیرایہ پیرایہ اتنا واضح فرما دیا کہ ایک طرف تو عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں کسی شبہ کا محل باقی نہیں رہا۔ دوسری طرف قرآن کریم کے لفظ رفع کی ایسی تشریح ہو گئی کہ اب اس میں کوئی سا ابہام بھی باقی نہ رہا۔ اب آپ قرآنی لفظ رفع اور حدیث کے لفظ نزول کو جتنا ملا ملا کر پڑھیں گے اتنا ہی ان کے رفع جسمانی اور نزول جسمانی کا مسئلہ آپ کے سامنے کھلتا چلا جائے گا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص جسم کے ساتھ اترے گا وہ یقیناً جسم ہی کے ساتھ اٹھایا گیا ہے اور جو جسم کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ اس کو یقیناً دوبارہ اپنے جسم ہی کے ساتھ اترنا چاہئے۔

اب یہ عقیدہ بھی حل ہو گیا کہ حدیثوں میں جس کثرت کے ساتھ نزول کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کثرت کے ساتھ رفع جسمانی کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا اور اسی طرح قرآن کریم میں جس صراحت کے ساتھ رفع جسمانی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس صراحت کے ساتھ نزول کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب قرآن کریم ان کے رفع کی تصریح فرما چکا تھا تو اب حدیث کی نظر میں یہ مسئلہ تو ایک طے شدہ مسئلہ تھا۔ اس کے تکرار کی ضرورت کیا تھی۔ اس لئے حدیثوں میں ان کے دوسرے پہلو پر یعنی نزول پر زور دیا گیا اور اسی پہلو پر زور دینا مناسب بھی تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جتنی تفصیلات ثابت ہو چکی ہیں کیا اس کے بعد بھی یہاں تاویل کرنا معقول ہے؟!!!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ ہر ممکن تشریح کے ساتھ معرض بیان میں آچکا ہے۔ یعنی آپ کا اسم مبارک آپ کا نام ونسب اور اس میں نسب نامہ کی خصوصیت یعنی صرف ماں سے آپ کی پیدائش آپ کا حلیہ مبارک۔ اس شہر کا نام جہاں آپ کا نزول ہوگا

اور پھر خاص اس جگہ کا نام بھی جہاں آپ کا نزول ہوگا۔ نزول کا وقت اور اس وقت آپ کا مکمل نقشہ۔ نزول کے بعد پہلی نماز میں آپ کا امام یا مقتدی ہونا۔ آپ کا منصب۔ آپ کی خدمات مفوضہ۔ آپ کی مدت قیام۔ آپ کے دور کی حیرت انگیز فراوانی اور عدل و انصاف۔ آپ کی زندگی کے اہم کارنامے "آپ کی شادی کرنا اور اولاد ہونا حتیٰ کہ آپ کا وفات پانا اور آپ کے مدفن کی مکمل تحقیق۔ اب انصاف سے فرمایئے کہ اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے آپ کو اور کن تفصیلات کا انتظار ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی واقعہ کی تعیین و تشریح کے لئے اس سے زیادہ آخر اور کیا طریق اختیار کیا جائے۔ آج دنیوی مقدمات میں صرف مدعی اور مدعی علیہ اور ان کے باپ دادوں کے نام ان کی تعیین کے لئے کافی سمجھے جاتے ہیں اور آئندہ مقدمہ کی تمام کارروائی اسی معین شدہ شخص سے متعلق سمجھی جاتی ہے اسی طرح خطوط' بلٹے۔ منی آرڈر اور رجسٹریاں وغیرہ صرف شہر اور اس شخص کے نام لکھ دینے سے اس کو تقسیم کردی جاتی ہیں۔ حیرت ہے کہ جب دنیا کے ہر چھوٹے بڑے شعبہ میں معمولی درجہ کی تعیین کافی سمجھی جاتی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اتنی مفصل تاریخ کیوں ناکافی ہے؟۔ اچھا فرض کر لیجئے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ آپ خود اپنی عبارت میں ادا کرنا چاہیں تو ذرا آپ وہ اور کس طرح ادا کریں گے کہ اس کے بعد اس میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ اگر درحقیقت اس پیشگوئی کا مصداق رسول اسرائیل کی بجائے خود اسی امت کا کوئی فرد ہو جو اسی امت میں پیدا ہونے والا ہو جس کا نہ یہ نام ہو نہ یہ نسب نامہ نہ یہ حلیہ نہ یہ جائے نزول نہ یہ منصب اور نہ یہ کارنامے تو کیا اس بیان کو ایسے شخص کے حق میں ایک معمہ کی بیان نہ کہا جائے گا۔ کیا آج کسی شخص کی پیدائش کا معمولی مسئلہ کوئی ادنیٰ زبان دان شخص بیان کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اسی طرح اس کو مجاز و استعارہ کی بھول بھلیاں میں ادا کرے گا۔ چہ جائیکہ ایک رسول اور رسول بھی جو افصح العرب والعجم ہو۔ پھر اگر دنیوی معاملات میں بادشاہوں سے لے کر فقراء اور اولیاء سے لے کر رسولوں تک کی پیدائش کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کئے جاتے تو پھر مجاز و استعارہ کی یہ ساری داستان کہانی خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیوں گھڑی جاتی ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معاملہ میں سب سے زیادہ اہم لفظ رفع کا ہے توفی کا لفظ قرآن کریم کی نظر میں اتنا اہم نہیں

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معاملہ میں سورہ آل عمران میں تین لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ توفی، رفع الی اللہ اور تطہیر اور سورہ نساء میں جہاں ان کے مقدمہ پر خاص طور پر بحث کی گئی ہے۔ وہاں صرف رفع الی اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ان تینوں الفاظ میں تطہیر کا لفظ توفی ورفع کے تابع ہے کیونکہ کفار سے ان کی تطہیر کا مقصد ان سے ان کی علیحدگی تھی اب وہ خواہ کسی صورت سے بھی ہو اس لئے قابل بحث دو ہی لفظ ہیں۔ توفی، رفع الی اللہ ان دو میں سے جس لفظ کو ان کے مقدمہ میں بصیغہ ماضی ذکر کیا گیا ہے۔ وہ صرف لفظ رفع کا ہے جس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ توفی اور رفع کے دو وعدوں میں سے رفع کا وعدہ تو آنحضرت ﷺ کے دور سے پہلے پہلے پورا ہو چکا تھا اور اسی لئے اس کو بصیغہ ماضی ادا فرمایا گیا ہے اور کسی آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ توفی بمعنے موت کا وعدہ بھی اس وقت پورا ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کو بصیغہ ماضی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ ہاں! سورہ مائدہ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی اپنی زبان سے توفی کا لفظ کو بصیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے۔ مگر حسب تصریح قرآن کریم وہ ان کے مقدمہ کے ذیل میں نہیں ہے بلکہ اس سوال کے جواب میں ہے جو محشر میں ان سے ہوگا اور ظاہر ہے کہ قیامت سے قبل ان کی موت واقع ہونا سب کو مسلم ہے لیکن جہاں قرآن کریم نے ان کے مقدمہ پر بحث کی ہے اور ان کے معاملہ کے انکشاف کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ وہاں صرف لفظ رفع ہی استعمال فرمایا ہے اور توفی کا لفظ ذکر نہیں فرمایا جیسے کہ سورہ نساء میں ہے: " وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا - بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ - آیت ۱۵۷ " یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالٰی نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اگر توفی کے معنے موت ہوتے اور ان کی موت واقع ہو چکی ہوتی تو ضروری تھا کہ یہاں: " بل توفاہ الیہ - " فرمایا جاتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں اصل فیصلہ کن لفظ رفع کا ہے اسی لئے مقدمہ کے

فیصلہ میں خاص طور پر اسی لفظ پر زور دیا گیا ہے اور توفی کے لفظ کو اہمیت نہیں دی گئی۔ اس لئے یہاں جنہوں نے لفظ توفی کی لغوی تحقیق پر اپنا وقت خرچ کیا ہے وہ بالکل ضائع کیا ہے کیونکہ توفی خواہ کسی معنی میں بھی مستعمل ہو مگر قرآن کریم نے اپنے فیصلہ میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دی کیا یہ امر قابل غور نہیں ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو آخر ہر مقام پر اس حقیقت کا اخفاء کیوں کیا گیا ہے اور کیوں صاف الفاظ میں یہ نہیں فرما دیا گیا۔"
وما قتلوہ یقینا بل مات۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ پوری تفصیلات کے ساتھ زیر بحث آچکا ہے یہاں ان کے معاملہ میں ایک ایک لفظ پر علیحدہ بحث کرنا معقول نہیں

یہ بات بھی بڑی اہمیت کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معاملہ قدرے مشترک طور پر ایک قوی تواتر رکھتا ہے کتب سابقہ سے لے کر قرآن کریم اور احادیث نبویہ تک اس کے جزئی جزئی واقعات کی تفصیل آچکی ہے۔ یہاں کتب لغت اٹھا کر صرف نزول یا صرف لفظ رفع یا صرف توفی کے الفاظ پر علیحدہ علیحدہ بحث کرنی صرف ایک بے معنی بحث ہے بلکہ ایک حقیقت کے مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ ان کے بارے میں جتنے تفصیلی واقعات معرض بیان میں آچکے ہیں ان کی روشنی میں ان الفاظ کے معنی متعین کئے جائیں کیونکہ الفاظ صورت واقعہ کے بغیر ایک وسیلہ ہوتے ہیں۔ یہاں واقعہ سے قطع نظر کر کے الفاظ میں مجاز و استعارہ کی بے وجہ بحث کھڑی کر دینی حد درجہ غیر معقول ہے۔ پس کسی لفظ کے معنی حقیقی یا مجازی متعین کرنے کے لئے صرف لغت کی عام بحث شروع کر دینی صحیح طریقہ نہیں بلکہ پہلے اس کے استعمال کا محل اور دوسرے قرائن اور خارجی حالات پر نظر ڈالنی بھی ضروری ہے۔ مثلاً لفظ اسد عربی زبان میں اس کے معنے "شیر" ہیں اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ عربی اردو محاورات میں ایک بہادر شخص کو بھی

مجازاً شیر کہہ دیتے ہیں۔ اب کسی سے صرف "ھذا اسد" کا جملہ سن کر یہی رٹ لگائے جانا کہ اس جملہ کا مقصد صرف کسی بہادر شخص کی طرف اشارہ کرنا ہے اور اس محاورہ کے لئے دواوین عرب اور شعراء کے کلام سے استدلال کرتے چلے جانا کتنی بڑی غلطی ہے۔ بسا اوقات اس کے متکلم کے لئے باعث ہلاکت بھی بن سکتی ہے۔ یہاں اس بحث سے پہلے یہ تحقیق کرنی ضروری ہوگی کہ یہ جملہ کس مقام پر کہا گیا ہے۔ بستی میں یا جنگل میں' کسی عام مجمع میں یا کسی بیابان میں۔ سیاق کلام کسی کی مدح و ثناء کا ہے یا خوف و ہراس کا۔ اب اگر یہ جملہ جنگل میں کسی شخص کی زبان سے نکلتا ہے جس کے سامنے شیر کھڑا ہے۔ اس کی آواز کانپ رہی ہے اور جسم لرز رہا ہے تو اس وقت انصاف فرمایئے کہ لفظ "اسد" کے مجازی معنی یعنی بہادر انسان مراد لینا اور اس کے لئے ہزاروں اشعار پڑھ ڈالنا اور کہے چلے جانا کہ اس شخص کی مراد شیر نہیں بلکہ ایک بہادر انسان کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ کیا ایک صحیح العقل انسان کا کام ہو سکتا ہے؟۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر بحث معاملہ میں بھی ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھنا لازم ہے جو صحیح طریقوں سے ثابت ہیں پھر جب اس طرف بھی نظر کی جائے گی کہ قرآن و حدیث میں جو جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ الفاظ کسی دوسرے شخص کے حق میں بیک وقت آج تک استعمال نہیں کئے گئے تو یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا معاملہ ہی سب سے جداگانہ معاملہ ہے۔ چنانچہ لفظ توفی اور رفع کا علیحدہ علیحدہ استعمال قرآن کریم میں آپ کو بہت جگہ نظر آئے گا لیکن ایک ہی شخصیت کے بارے میں یہ دونوں لفظ ایک ہی سیاق میں کسی دوسری شخصیت کے متعلق آپ کو کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں یہ ہر دو لفظ اس طرح سے فرما دیئے گئے ہیں: "یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ۔ آل عمران آیت ۵۵" ان کے علاوہ کسی کے حق میں ان دونوں لفظوں کو جمع نہیں کیا گیا۔ اسی طرح نزول کا لفظ بھی محاورات میں بہت جگہ آپ کی نظروں سے گزرے گا لیکن نزول کے ساتھ رفع اور رفع کے ساتھ نزول' پھر نزول کی اتنی تفصیلات کسی ایک مقام پر بھی کسی کے حق میں آپ کی نظروں سے نہیں گزری ہوں گی۔ نہ کسی لغت میں' نہ شعراء کے کلام میں' نہ کسی آیت میں اور نہ کسی حدیث میں۔ پس جب آپ ان جملہ امور

پر غور کریں گے کہ حدیث و قرآن میں جو الفاظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ وہ کسی غیر کے لئے ایک وقت ایک جگہ جمع نہیں کئے گئے تو پھر صرف ایک یہی نتیجہ نکلا ہو کر آپ کے سامنے آجائے گا کہ ان کا معاملہ بھی یقیناً سب سے الگ معاملہ ہے۔ یہاں ایک ایک لفظ کو علیحدہ علیحدہ سے کر بحث کرنا یا اس میں مجاز و استعارہ کی آڑ لینا کتنا بیجا ہے؟ سوال صرف یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں قرآن و حدیث میں ایک وقت یہ سب الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اسی کے ساتھ اس کے یہ تفصیلی سوانح حیات بھی موجود ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی ان میں لغوی موشگافیوں اور مجاز و استعارہ کی تاویلات کی گنجائش نکل سکتی ہے؟۔

اسلام صرف علمی مذہب نہیں بلکہ سلف صالحین سے اس کی عملی صورت بھی منقول چلی آتی ہے۔ لہٰذا محض کتب لغت کی حدود سے اس کی کوئی اور شکل بنالینا درست نہیں

یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام صرف ایک علمی مذہب نہیں ہے جس کو صرف دماغی کاوشوں نے پیدا کیا ہو بلکہ وہ ایک عملی شکل و صورت کے ساتھ عملاً بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے۔ ہمارے دین کا تمام تر تعلق اوپر سے ہے ہم نیچے سے کسی نئے دین تراشنے کے مجاز نہیں۔ اس کے بانی آنحضرت ﷺ تھے آپ سے صحابہؓ نے اس کے شعبہ اعمال اور اس کے بنیادی عقائد کو سیکھے آپ ﷺ نے ان پر خود بھی ایمان رکھا اور ان ہی پر بعد کی امت کو ایمان رکھنے کی وصیت فرمائی اور پھر کسی درمیانی انقطاع کے بغیر اسی طرح دین سپرد ہوتا رہا ہے۔ ادھر حفاظت الٰہیہ کا یہ عجیب کرشمہ تھا کہ بحث و تمحیص کا جو مرحلہ تھا وہ سب تبع تابعین کے ماحول تک میں ختم ہو چکا تھا۔ یہ وہ قرن ہے جس کے متعلق خیریت کی شہادت خود لسان نبوت سے نکل چکی ہے۔ اس لئے جب کسی دینی مسئلہ پر بحث کی جائے تو اس کو محض دماغی کاوش اور لغت کی مدد سے از سر نو شروع کر دینا ایک بنیادی غلطی

ہے۔ یہاں ریفرینڈم کے اصول کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کام خود انبیاء علیہم السلام کا بھی نہیں اس کو قدرت نے براہ راست خود اپنے ہی دست قدرت میں رکھا ہے۔ ان کی بھی مجال نہیں کہ کلام ایزدی کے بغیر وہ ایک نقطہ کا اضافہ یا ایک نقطہ کی ترمیم کر سکیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ. یونس آیت ۱۵"

جب ہمارے کھلے کھلے احکام ان لوگوں کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید نہیں وہ تم سے یہ فرمائش کرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا کم از کم اس میں کچھ رد و بدل کر دو۔ ان سے کہہ دو کہ میرا تو ایسا مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی رد و بدل کر سکوں میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے۔

اس ترمیم و تبدیلی کا انحصار کچھ الفاظ ہی پر نہیں ہے بلکہ اس کے معانی کو بھی شامل ہے اور وہ لفظی ترمیم سے زیادہ شدید ہے۔ یہود و نصاریٰ نے دونوں قسموں کی تحریفیں کی تھیں۔ تورات کے الفاظ میں بھی اور ان کے معانی میں بھی۔ قرآن کریم چونکہ آخری کتاب تھی اس لئے وہ دونوں قسموں کی تحریفوں سے محفوظ ہے۔ لفظی ترمیم کا تو یہاں کوئی امکان ہی نہیں۔ رہی معنوی ترمیم و تحریف تو امت کے بعض ملحد فرقوں نے گو اس میں یہود کو بھی مات دے دی ہے مگر اس کی معنوی حفاظت کی وجہ سے وہ اصل دین پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکی اور ہر دور میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کیا جاتا رہا ہے۔ پس اگر کوئی شخص آج یہ دعویٰ کرنے لگے کہ نمازیں پانچ نہیں صرف دو ہیں اور اس کے لئے وہ اپنی تراشیدہ دلائل کا ڈھیر لگا دے تو بالکل بے سود سعی ہے۔ اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ امت اوپر سے بھی صرف دو ہی نمازیں پڑھا کرتی تھی۔ بلکہ اس کو یہ بھی بتانا ہوگا کہ پانچ نمازوں کی فرضیت اگر غلط ہے تو پھر اس کی بنیاد کس دن سے قائم ہوئی۔ اسی طرح مسئلہ جنت و دوزخ، فرشتے اور جنات وغیرہا کی حقیقتیں صرف لفظی بحثوں سے نئی نئی بنا کر پیش کرنا بھی غلط ہیں کیونکہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلقہ آیات پر غور کرنے سے قبل یہاں ان کے مقدمہ کی پوری وہ روئیداد جو قرآن کریم نے نقل فرمائی ہے اور فریقین کے بیانات پیش نظر رکھنا ضروری ہیں

قرآن کریم پر غور کرنے سے قبل یہاں یہ غور کر لینا بھی ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جو مسئلہ زیر بحث آیا ہے وہ کیا مسئلہ ہے اور وہ کیوں زیر بحث آیا ہے۔ جب آپ اس طرف توجہ فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سورہ نساء میں جس امر کی اہمیت محسوس کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو قوم کل تک خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا گہوارہ بنی ہوئی تھی آخر کیوں ایک لخت وہ ان تمام نعمتوں سے محروم کر دی گئی اور کیوں لعنتوں کی جائے لعنت کا مورد بن گئی۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے ان کے ان پے در پے جرائم کا ذکر کیا ہے جو ایک سے ایک بدتر تھے اور جس کی کہ یہ قوم عادی بن چکی تھی جو جرائم ان کے یہاں شمار کئے گئے ہیں۔ ان میں کچھ تو ان کے حیاناک اقوال ہیں اور کچھ زشت افعال۔ ان کے زشت افعال میں خدا تعالیٰ کے مقدس انبیاء علیہم السلام کا قتل کرنا ہے اور ان کے حیاناک اقوال میں معصومہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان طرازی اور ان کے نبی صفت فرزند مطہر کے متعلق قتل کرنے کا دعویٰ کاذب ہے۔ اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ یہاں یہود ملعون کا بیان کیا ہے اور پھر ان بیانات ہی کی روشنی میں قرآنی فیصلہ پر غور کرنا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی حیثیت چونکہ ایک حکم اور فیصلہ کی ہے اس لئے ہم کو یہ امر خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جس معاملہ کے متعلق قرآن کریم نے فیصلہ فرمایا ہے۔ اس میں فریقین کے بیانات کیا نقل کئے ہیں۔ یہاں کسی ایک حرف کا اپنی جانب سے اضافہ کرنا جو مقدمہ کی جان ہو قرآن پر خیانت یا عجز کا بڑا اتہام ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہر عدالت کے لئے یہ کتنا ضروری ہے کہ وہ فریقین کے بیانات نہایت احتیاط کے ساتھ ضبط کرے اور بالخصوص یہ جو اجزاء کسی فریق کے مقدمہ کی اصلی روح ہوں۔ ان کو پورے طور

یہ الفاظ جس طرح اوپر سے منقول ہوتے چلے آتے ہیں اسی طرح ان کے معانی بھی اوپر ہی
سے مفہوم اور معلوم ہوتے چلے آئے ہیں اسی طرح ختم نبوت اور نزول مسیح علیہ السلام کے
الفاظ کا حال ہے۔ یہ بھی امت میں ہمیشہ سے منقول ہوتے چلے آئے ہیں اور ہر دور میں اس
کے صرف یہی ایک معنی سمجھے گئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں بنے گا اور
اسی کے ساتھ یہ بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آنے والے ہیں اب ذرا
اس پر غور فرمایئے کہ ایک طرف نبی کی آمد کی ممانعت بھی منقول ہے اور اسی کے ساتھ
اسرائیلی رسول کی آمد بھی منقول ہے۔ اب اگر کوئی صرف اپنی دماغی کاوش سے یہ سمجھ بیٹھ
جائے کہ جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام بھی نہیں۔ اگر عیسیٰ علیہ
السلام آئیں گے تو وہ نبی بھی آئیں گے تو اس کا حاصل صرف اپنی دماغی کاوش سے اپنے علمی
دین بنانا ہوگا اس کو منقول شدہ دین نہیں کہا جا سکتا اور اگر فرض کر لو کہ ہماری امت صحیح نہیں تو
پھر آپ کو کسی تاریخ سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ فلاں تاریخ سے اس غلط عقیدہ کی بنیاد قائم ہوئی
ہے مگر یہاں اسلامی تاریخ تو درکنار اگر اس بارے میں دوسرے اہل مذاہب سے آپ اس
امت کا عقیدہ پوچھیں تو وہ بھی کسی تردد کے بغیر آپ کو بتائیں گے کہ ان کے نزدیک کوئی
نبی نہیں ہوگا۔ ہاں اولی عیسیٰ علیہ السلام اسرائیلی رسول آئیں گے۔ اس وقت یہ بحث
نہیں ہے کہ یہ عقیدہ خلاف قیاس ہے یا نہیں اور نزول کے اور خاتم کے لغت میں معنی کیا ہیں
اور ختم نبوت اور نزول میں کس طرح تطبیق کیا ہے۔ بلکہ بحث صرف یہ ہے کہ امت میں ان
الفاظ کے معنی کیا سمجھے جاتے رہے ہیں تو آپ صرف اسی ایک مذکورہ بالا نتیجہ پر پہنچیں گے۔
یہی وجہ ہے کہ تفسیروں میں اور شروح حدیث میں کتب عقائد میں غرض دین کے تمام معتبر
ذخیرہ میں اسی حقیقت کو واضح کیا ہے اور اسی حقیقت کے ماتحت ہر مدعی نبوت اور ہر مدعی
مسیحیت کی تکفیر و تردید کی گئی ہے۔ لہٰذا یہاں صرف مجاز و استعارہ یا تمام منقول یا محض تحریف
الفاظ سے کوئی نئی حقیقت تراشی گئی جو آج تک امت کے بیان کردہ حقیقت کے برعکس ہو
دین محمدی کہلانے کے قابل نہیں اس کو نیا دین کہنا چاہئے۔

پر واضح کر دے آج بھی اگر کوئی عدالت فریقین کے بیانات قلمبند کرنے میں ایک تقصیر کر جائے تو اس کے حق میں یہ کتنا بڑا سنگین جرم شمار ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک جو بات یہاں صورت واقعہ کو آسانی سے حل کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ہم فریقین کے بیانات کو حاشیہ آرائی کے بغیر دیکھیں۔ اس کے بعد کسی تاویل کے بغیر قرآنی فیصلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس قاعدہ کے موافق جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ سامنے رکھتے ہیں تو جو بیان ہم کو یہاں یہود کا ملتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے۔ رہا یہ کہ کس غرض سے ان کا قتل کیا ہے اور کس آلہ سے قتل کیا ہے۔ اس کو انہوں نے نہ یہاں بیان کیا ہے اور نہ یہ باتیں ان کے نزدیک کچھ اہم معلوم ہوتی ہیں جس بات پر انہوں نے اپنے بیان دعویٰ میں زور دیا ہے وہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کی تشخیص و تعیین ہے۔ دوم ان کے قتل کرنے کا پورا جزم و یقین ہے اس لئے مقتول کے صرف نام یا لقب ہی پر انہوں نے کفایت نہیں کی بلکہ خاص طور پر ان کی خاص مادری نسبت کا بھی ذکر کیا ہے یعنی والد کے بغیر پیدائش اور اس سے بھی زیادہ یہ کہا ہے کہ یہ شخص وہی ہے جو "رسول اللہ" کہلاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی جس جرأت کا بیباکانہ ذکر کیا ہے وہ قتل کا جزم ہے۔ چنانچہ اس کو بھی انہوں نے لفظ "إنا" سے ذکر کیا ہے جو عربی زبان میں جزم و یقین کے لئے مستعمل ہے تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اگر کوئی تو اپنے فعل قتل میں کوئی شبہ ہے اور نہ اس مقتول کی ذات میں کوئی شبہ ہے جس کے قتل کا ان کو دعویٰ تھا اس سے زیادہ کوئی اور بات یہاں نقل نہیں کی گئی۔ اس لئے قرآنی فیصلہ بھی ہم کو صرف اسی بیان کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔

نصاریٰ کے متعلق یہاں قرآن کریم نے صرف اتنا ہی کہا ہے کہ وہ یقینی طور پر کوئی بات نہیں کہتے مختلف باتیں مانتے ہیں اور چند وجوہات کی بناء پر حقیقت کا ان کو کچھ پتہ ہی نہیں ہے اس لئے صرف اٹکل کے تیر چلانے کے سوا ان کے لئے چارہ کار ہی کیا ہے۔ ہاں! اجمالی طور پر ان کا یہ خیال ضرور تھا کہ وہ اپنے جسم عنصری یا روحانی کے ساتھ آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ اب ظاہر بات ہے کہ قرآنی الفاظ کے مطابق جو بات یہاں قابل توجہ نظر آتی ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف ذات و شخصیت ہے یہود کہتے تھے کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا

ہے اور نصاریٰ اس خیال میں تھے کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ ان کی روح کے متعلق نہ یہاں کوئی تذکرہ ہے اور نہ روح کا تذکرہ معرض بحث میں لایا جا سکتا ہے کیونکہ روح کا معاملہ ایک غیبی معاملہ ہے وہ انسان کے ادراک سے بالاتر بات ہے۔ اس پر نہ یہود کوئی حجت قائم کر سکتے ہیں اور نہ قرآنی بیانات کو وہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے حسب تصریح قرآن کریم ان کے دعویٰ ہی میں روح زیر بحث نہ تھی تو نفیہ میں اس کا ذکر کیسے آسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قتل کا فعل جسم پر وارد ہوتا ہے روح پر وارد نہیں ہو سکتا۔ لہذا ان کے مقابلہ میں جب قرآنی نفیہ یہ ہو کہ وہ مقتول نہیں ہوئے بلکہ مرفوع ہوئے ہیں تو یہاں رفع سے جسم ہی کا رفع مراد ہوگا نہ کہ روح کا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور ان کے عزت سے مرجانے کی جدید داستان

یہاں ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا تھا۔ ان کے سر پر کانٹوں کا تاج بھی رکھا منہ پر تھوکا بھی اور جو کچھ نہ کرنا تھا وہ سب کچھ بھی کر لیا تھا۔ (والعیاذ باللہ) حتیٰ کہ جب ان کو پورا یقین ہو گیا کہ انہوں نے ان کو درحقیقت مار ڈالا ہے تو ان کو سولی سے اتارا مگر ان میں زندگی کی کوئی رمق باقی تھی آخر وہ چھپ کر کشمیر وغیرہ کے کسی اور غیر معروف شہر میں آکر اپنی موت سے مر گئے تھے۔ اس جماعت کے نزدیک یہود کا یہ گمان تھا کہ جو شخص بھی صلیب کے ذریعہ مارا جاتا ہے وہ لعنتی موت مرتا ہے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول ہونے کی بجائے ان کا ملعون ہونا ثابت کریں۔ اس لئے ان کے نزدیک یہ از بس ضروری تھا کہ ان کی موت صلیبی موت ہو تاکہ وہ ان کے لعنتی ہونے کا ثبوت بن سکے۔ اس جماعت کو یہود کے یہ سب جرائم مسلم ہیں یعنی ان کو سولی دینا اور تمام اہانت کے اسباب کا ارتکاب کرنا حتیٰ کہ ان کو اس نوبت میں پہنچا دینا ان کے حق میں زندگی کا کوئی امکان بھی باقی نہ رہے اور یہاں قرآنی تردید کا حاصل صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں گو اسباب موت

سب پورے ہو چکے تھے مگر ان میں کچھ جان باقی رہ گئی تھی۔ اس لئے وہ صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ کہیں جا کر خود اپنی موت سے مرے ہیں۔ اس لئے ان کی موت لعنتی موت نہیں ہوئی بلکہ ان کو بڑی عزت کی موت نصیب ہوئی ہے۔ اور ان کے بڑے درجے بلند ہوئے۔ ان کے نزدیک : " بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔ " کی تفسیر یہی ہے۔

اب اگر واقعہ در حقیقت یہی تھا جو اس جماعت کا خیال ہے تو یہاں حسب ذیل امور قابل غور ہیں :

(الف) اگر در حقیقت یہود کا دعویٰ یہاں ان کی صلیبی موت کا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن نے ان کے بیان میں صلیب کا دعویٰ نقل نہیں کیا اور کیوں قتل کا ایک عام لفظ نقل کیا ہے۔

(ب) اور کیا وجہ ہے کہ جبکہ ان کا تمام زور صلیبی موت کے متعلق تھا تو تردید میں صرف نفی قتل پر زور دیا گیا ہے اور کیوں ایک ایسے غیر متعلق جرم کی نفی پر زور دیا گیا ہے جس کی نفی سے ان کے دعویٰ کی تردید کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یعنی فعل قتل' ظاہر ہے کہ یہ ایک عام جرم ہے جو صلیب اور غیر صلیب ہر آلہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ قتل کی نفی پر تو زور دے دینا اور ایک عام جرم کی نفی پر زور دینا یہ کہاں تک مناسب ہے۔

(ج) پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے اگر ایک بار صلیب کا انکار بھی کیا تو وہ بھی ایسے محل پر کیا ہے جو اس کا صحیح محل نہ تھا۔ یعنی جب قرآن کریم ان کی لعنتی موت تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کی بجائے ان کی موت کو عزت کی موت قرار دیتا ہے تو پھر بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کو مقابل ما کر ذکر کرنا چاہیے تھا اور یوں کہنا تھا کہ : " وما صلبوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ ۔ " مگر کتنی حیرت کی بات ہے کہ یہاں بھی قرآن کریم نے خاص صلیب کی بجائے صرف ایک عام فعل قتل کی نفی فرمائی ہے اور یوں فرمایا ہے کہ : " وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔ "

(د) ۔۔۔ اس تفسیر کی بناء پر یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ جو چیز موقعہ واردات پر واقع ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ کشمیر یا اور کسی طرف چلے گئے تھے۔ رہا ان کی موت کا مسئلہ

تو اگر ان کی موت کشمیر جا کر واقع ہوئی تو یہ سالوں بعد کا معاملہ ہے۔ جن کی وجوہات یہاں صورت حال بتانے کے لئے ضروری تھی اس کو کیوں حذف کر دیا گیا ہے اور صاف طور پر یہ کیوں نہیں فرمادیا گیا کہ یہود نے ان کو سولی نہیں دی بلکہ وہ زندہ کشمیر وغیرہ کہیں چلے گئے تھے تاکہ یہ بات واضح ہو جاتی کہ صلیبی موت سے بچنے کی ان کی شکل کیا ہوئی۔ پس اصل حقیقت کا تو تذکرہ نہ کرنا اور موت کی ایک عام صفت کا بیان کرنا یہ کس درجہ بے تکی اور غیر متعلق بات ہے۔

(۲) اس کے علاوہ کہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اصل بات ان کی طبعی موت تھی تو یہاں " بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ " کی جگہ " بل توفاہ اللہ " کہنا زیادہ مناسب تھا تاکہ ثابت ہو جاتا کہ وہ صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ طبعی موت سے مرے ہیں اور جب اپنی طبعی موت سے مرے ہیں تو رفع درجات کا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ پس اگر صورت حال کا انکشاف ہوتا ہے تو وہ اسی صورت سے ہوتا ہے کہ یہاں ان کی طبعی موت کا ذکر کیا جائے۔

لیکن آیت بالا میں یہاں ان تینوں الفاظ میں سے کوئی لفظ نہیں ہے۔

(۱) نہ یہ: "وما صلبوه يقيناً بل رفعه الله اليه"

(۲) نہ یہ: "وما قتلوه يقيناً بل اذهبه الله الى الكشمير"

(۳) نہ یہ: "وما قتلوه يقيناً بل توفاه الله"

اب اگر ہم اس جماعت کے خیالات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو ہم کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ سرے سے یہود کا اصل دعویٰ ہی یہاں مذکور نہیں یعنی خاص صلیب دینا کیونکہ ان کے بیان کے مطابق ان کی لعنتی موت ہونا اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے۔ جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ان کی موت صلیب کے ذریعہ واقع ہوئی ہے۔ اس لئے یہاں ان کے دعوے میں قتل کے عام جرم کا نقل کرنا مدعیین کے دعویٰ سے بھی اور ان کے مقاصد سے بھی بالکل خلاف ہے۔ اسی طرح جب ہم قرآن کریم کے فیصلہ پر نظر کرتے ہیں تو یہاں بھی واقعہ کی اصل صورت بالکل مبہم نظر آتی اور صورت حال کا کچھ انکشاف نہیں ہوتا کیونکہ یہاں ان

کے کشمیر جانے کا ذکر ہے نہ ان کے کہیں وفات پانے کا کوئی تذکرہ ہے۔ اس لئے اس کا کوئی انکشاف نہیں ہوتا کہ ملزمین جس کے قتل کے اس شدومد کے ساتھ مدعی تھے، اگر وہ شخص مقتول نہیں ہوا تو آخر پھر کدھر گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے متعلق جو نہ صرف ان کے زیر حراست آچکا تھا بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے مرنے پر چکا تھا صرف یہ کہہ دینا کہ وہ سولی پر نہیں مرا تھا بلکہ عزت کی موت مرا تھا نہ یہ تشفی بخش تھا۔

ہاں اگر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے اس کو فلاں مقام پر پہنچا دیا تھا اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا جاتا کہ مدعیان کے لئے اس مغالطہ لگنے کا باعث کیا تھا تو بے شک صورت حال پر روشنی پڑ سکتی تھی لیکن صرف یہ کہہ دینا کہ ان کی عزت کی موت واقع ہوئی ہے بے معنی فیصلہ ہے اور بالکل بعید از قیاس بھی ہے کیونکہ جو لوگ ان کے قتل کے مدعی تھے وہ مصر تھے اور اس بارے میں ان کو اتنا یقین تھا کہ اپنے بیان میں اس کے متعلق شک اور یقین کے جتنے طریقے وہ استعمال کر سکتے تھے سب استعمال کر چکے تھے۔ اب اگر قرآن کریم یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ تم نے ان کو سولی پر چڑھا دیا تھا مگر جب وہ سولی سے مردہ سمجھ کر اتارے گئے تھے تو وہ پورے طور سے نہیں مرے تھے اگرچہ تم کو مردہ معلوم ہوتے تھے پھر بعد میں ان کو کسی غیر جگہ لے جا کر خود ہم نے ان کو موت دی تھی، یہ بیان ایسا خلاف قیاس ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے خاص کر جب کہ ان کی موت تسلیم کر لی جائے جو لوگ یقینی اسباب قتل کا ارتکاب کر چکے تھے ان سے یہ کہنا کہ وہ ان اسباب سے نہیں مرے بالکل ایسی ہی مضحکہ خیز بات ہوگی جیسے کوئی قاتل اپنی صفائی کے بیان میں یہ کہے کہ مقتول کے پیٹ میں چھرا تو میں نے ہی گھونپا تھا مگر مقتول اس کی وجہ سے نہیں مرا بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے مرا ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ قاتل کے یقینی آلہ قتل کے استعمال کرنے کے بعد ان حالات میں جبکہ موت کا ظاہری سبب وہی ہو۔ کوئی عدالت اس کے اس عذر کو معقول نہیں سمجھے گی بلکہ اس کی سماعت مقتول کے حق میں ایک ظلم تصور کرے گی پھر یہاں سولی کا جرم تسلیم کر لینے کے بعد اور وہ بھی اس حد تک کہ ملزمین کے نزدیک اس کی موت یقینی ہو چکی ہو خالق کائنات کا یہ فیصلہ دینا کہ وہ تمہارے مارنے سے نہیں مرے بلکہ ہمارے مارنے سے مرے ہیں ان کے مقابلہ میں کیا اثر

انداز ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس بعید از قیاس دعوے کے لئے کوئی قرینہ بھی یہاں ذکر
نہیں کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں اگر اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہی نکلے گا
کہ اپنے دشمن کی ہلاکت جو ہر شخص کا مقصد ہوتا ہے یہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے
ہاتھوں سے پورا کر دیا تھا دشمنوں کے مقابلہ میں۔ اب یہ بحث کھڑی کر لی کہ ان کی یہ موت
بڑی عزت کی موت تھی ہمارے نزدیک زخموں پر نمک پاشی سے کم نہیں ہے۔

یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ حسب بیان قرآن کریم یہود
کے جرم کی جو نوعیت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں تھی وہی نوعیت دوسرے انبیاء علیہم
السلام کے ساتھ بھی تھی۔ یعنی قتل۔ دونوں مقامات پر قرآن کریم نے ایک ہی لفظ قتل کو
استعمال فرمایا ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے کو اس نے تسلیم
نہیں کیا اور دیگر انبیا علیہم السلام کے حق میں تسلیم کر لیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ جب یہاں
مدعین بھی ایک ہی قوم تھی اور دعویٰ بھی ایک تھا تو پھر صرف ایک عیسیٰ علیہ السلام کی
خصوصیت کیا تھی کہ ان کے حق میں ان کے رفع روحانی یا عزت کی موت کی تصریح ضروری
سمجھی گئی ہے اور دیگر انبیا علیہم السلام کے حق میں ان کی موت کے متعلق ایک کلمہ تک نہیں
فرمایا گیا۔ حالانکہ یہود کا مقصد ان کے قتل کرنے سے بھی اس کے سوا اور کیا تھا کہ ان کے
نزدیک یہ سب مقدس گروہ بھی لعنتی تھا۔ والعیاذ باللہ!

کیا اس سکوت کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ ان کے معاملہ میں رفع روحانی یا رفع
درجات تسلیم نہیں کیا گیا۔ والعیاذ باللہ! حقیقت یہ ہے کہ روحانی رفع یا عدم رفع کا مسئلہ نہ
یہاں زیر بحث تھا اور نہ یہ مسئلہ کسی کے حق میں خواہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا دیگر انبیاء علیہم
السلام زیر بحث آنے کے قابل ہے۔

پھر اگر یہاں رفع سے رفع روحانی مراد ہوتا تو کیا اس کے لئے صرف: " بل
رفعه الله " کا لفظ کافی نہ تھا۔ یہاں لفظ الیہ کا بے ضرورت کیوں اضافہ کیا گیا ہے؟۔

صلیبی موت کا لعنتی ہونا اور اس کے مقابلہ میں عزت کی موت کا افسانہ اسلام میں بالکل بے اصل بلکہ غیر معقول ہے

ذلت و رسوائی اور عزت کی موت کا یہ سارا افسانہ اس پر مبنی ہے کہ صلیبی موت کے لعنتی موت ہونے کی شریعت کی نظر میں کوئی اصلیت بھی ہو لیکن اگر یہ تخیل ہی بے بنیاد ہے تو پھر نہ قرآن کریم کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہو سکتی ہے اور نہ کسی [illegible] پر اپنے نتیجے فیصلہ کو مبنی کر سکتا ہے۔ جب اس پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لعنتی موت کا اسلام میں کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یہاں کفار جتنے ہیں وہ سب کے سب ملعون ہیں۔ خواہ زندہ ہوں یا مردہ، سولی پا کر مریں یا کوئی کھا کر۔ آخر جب ملعون قرار دیئے گئے تو کیا یہ لعنت ان کے دم کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئی۔ یقیناً حیات سے لے کر موت اور موت سے لے کر قیامت اور قیامت سے جہنم تک ان کے دم کے ساتھ لگی رہے گی۔ جس طرح اسلام میں موت کے اچھے اور برے ہونے کا تعلق انسانوں کے اعمال پر رکھا گیا ہے نہ کہ کسی خاص قسم قتل پر اور یہی بات معقول بھی ہے۔ یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ ایک پاکباز انسان اگر سولی پر مارا جائے تو وہ صرف اس خاص قسم کے قتل کی وجہ سے لعنتی بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بکثرت انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہود کے جرم قتل کا اعتراف کر لینے کے باوجود ان کی عزت کی موت ہونے کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور نہ اس بیکار بات کی طرف توجہ کی ضرورت تھی بلکہ جس بات کی اہمیت محسوس فرمائی وہ یہ ہے کہ یہ وہ مقدس جماعت ہے جس کے قتل کا وبال یہ ہے کہ جو جماعت کل تک نعمت کا گہوارہ بنی ہوئی تھی اب وہ مورد لعنت بن گئی ہے۔ تعجب ہے کہ یہاں سیاق کلام تو یہود کے ملعون ہونے کے اسباب بیان کرنے کا تھا اور اس میں بے چارے اور الٹا عیسیٰ علیہ السلام کے ملعون نہ ہونے کی بحث شروع کر دی گئی۔

رفع کا لفظ قرآن کریم میں ایک جگہ بھی لغوی موت کی تردید کے لئے مستعمل نہیں

حق کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ لفظ رفع کے معنے پر بھی غور کر لینا چاہئے کیا یہ لفظ عرف قرآنی میں کہیں عزت کی موت کے لئے استعمال ہوا ہے؟ جہاں تک ہم نے قرآن کریم اور کتب لغت پر نظر کی ہے ہم کو اس لفظ کے معنی کہیں لغوی موت کے بالمقابل عزت کی موت دینے کے ثابت نہیں ہوئے بلکہ اس لفظ کا استعمال غیر ذی روح میں بھی ہوتا ہے جہاں موت کا احتمال ہی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: "رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔"

رفع کے معنی قرآن و لغت میں

یہاں لفظ "رفع" آسمانوں کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح اس کا استعمال زندوں اور مردوں میں یکساں نظر آتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب آیات ذیل پر نظر فرمایئے!

(۱) ... "وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔ الزخرف آیت ۳۲"

(۲) ... "يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ المجادلہ آیت ۱۱"

(۳) ... "وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ۔ الاعراف آیت ۱۷۶"

(۴) ... "وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ مریم آیت ۵۷"

(۵) ... "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ الانشراح آیت ۴"

(۶) ... "وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ۔ یوسف آیت ۱۰۰"

ان تمام آیتوں میں رفع کا لفظ انہی معنی میں استعمال ہوا ہے مگر کسی ایک جگہ بھی

اس کے معنی عزت کی موت کے مراد نہیں ہیں بلکہ مردوں میں اس کا استعمال ہی نہیں ہوا۔ یہاں ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا مسئلہ گویا صرف لفظ رفع سے پیدا ہو گیا ہے اور اس لئے ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ رفع کا لفظ رفع جسمانی کے لئے کہیں آیا ہے یا نہیں۔ در حقیقت یہ بحث کا رخ پلٹنے کے لئے صرف ایک چال ہے۔ اصل سوال یہ تھا کہ یہ لفظ عزت کی موت کے لئے کہیں استعمال ہوا ہے یا نہیں اور چونکہ یہ معنی کہیں ثابت نہیں۔ اس لئے بحث کا رخ بدلنے کے لئے ذہنوں کو ایک دوسرے سوال کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے تاکہ اصل سوال کی طرف کسی کا ذہن متوجہ ہی نہ ہو سکے۔

اصل بات یہ ہے کہ رفع کا لفظ صرف بلند کرنے اور اٹھانے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس میں نہ جسم کی خصوصیت ہے نہ روح کی بلکہ وہ غیر ذی روح میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جسم کا رفع اس لئے مراد لیا گیا ہے کہ یہاں زیر بحث جسم ہی کا معاملہ تھا۔ یہود اس کے قتل کے مدعی تھے اور نصاریٰ اس کے رفع کے۔ پس جب یہاں روح زیر بحث ہی نہ تھی تو رفع سے روح کا رفع مراد ہو کیسے سکتا تھا۔ اس مقام کے علاوہ قرآن کریم میں کسی جگہ اور کسی شخص کے متعلق یہ بحث نہیں چلی کہ وہ قتل کیا گیا ہے یا اپنے جسم کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ اس لئے کسی اور جگہ خاص جسم کے رفع کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ پس انسانوں میں جن کے جسم مشاہدہ میں ہوتے ہیں جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو چونکہ وہاں ان کے جسم کے رفع کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے وہاں معنوی رفع یعنی درجات کی بلندی مراد ہوتی ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ اس لفظ کا استعمال ہر قسم کی بلندی کے لئے ہوتا ہے جسم کی ہو یا معنوی' جیسا موقع اور محل ہوگا اس کے مطابق اس کے معنی مراد لئے جائیں گے۔ یہی حال لفظ توفی کا ہے وہ بھی زندوں اور مردوں دونوں میں یکساں مستعمل ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں لفظ توفی' رفع نزول اور اس کی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ اس کے ساتھ یہاں قومی تواریخیں بھی موجود ہیں۔ پس یہ مسئلہ قومی تاریخ اور آیات و احادیث کی روشنی سے ثابت ہوا ہے۔ یہ سمجھنا بڑی غلطی ہے کہ یہ مسئلہ صرف لفظ رفع کی پیداوار ہے جیسا کہ آیت نمبر ۹ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین کے

جسمانی رفع کا معاملہ صرف لفظ رفع سے پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے دوسرے خارجی قرائن بھی تھے اور یہاں تو قرائن نہیں بلکہ دلائل موجود ہیں اور وہ بھی واضح سے واضح اور مستحکم سے مستحکم۔ خلاصہ یہ کہ جب ایک طرف لغتی موت کا افسانہ بے بنیاد ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف رفع کا استعمال بھی عزت کی موت یعنی لغتی موت کی تردید کے لئے نہیں ملتا تو پھر آیت بالا کی یہ تفسیر کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا قرآن کریم سے اور اس کی تردید

اب ذرا اس پر بھی نظر ڈالتے چلئے کہ خاص عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کا سولی دیا جانا۔ ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا۔ ان کے منہ پر تھوکا جانا اور طرح طرح سے ان کی توہین و تذلیل کرنا کیا یہ تاریخ قرآن کریم کو مسلم ہے ؟۔

یہاں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کریم نے جب یہود کے ملعون ہونے کے اسباب کا تذکرہ کیا ہے تو خاص عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ میں کس سبب کا ذکر کیا ہے۔ آیت " وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ...... الخ - النساء آیت ۱۵۷ " معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں صرف ان کا یہ کہنا کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے ان کے لعنت اور لعنت کا سبب بن گیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ان کی جانب سے وہ تمام بدترین اور توہین و تذلیل کی حرکات ناشائستہ سرزد ہو چکی تھیں جو ابھی ذکر ہو چکیں تو ان تمام مکروہ افعال کا ذکر نہ کرنا اور صرف ایک دعویٰ قتل کو نقل کرنا کیا یہ معقول ہو سکتا ہے۔ عقل ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کر سکتی کہ اگر اس مسئلہ میں ان مکروہ افعال کا ان سے صدور ہوا تھا اور ان تمام مظالم اور جرائم پر پردہ ڈال دیا جاتا اور صرف ایک دعویٰ قتل کو ان کے سبب لعنت میں ذکر کیا جاتا اور اس سے کہیں بڑھ کر اسباب لعنت کے ذکر سے سکوت کر لیا جاتا۔ ہمارے نزدیک دشمنوں اور مجرموں کے حق میں اس سے بڑھ کر فیاضی کی مثال ملنا ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ سورہ مائدہ میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ تو ان میں ایک بڑا انعام یہ بھی شمار کیا ہے: " وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ ۔ "اور یہ انعام بھی قابلِ یاد ہے جبکہ ہم نے بنی اسرائیل کو تم سے دور روکے رکھا اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا تھا اور سب بیہودہ سلوک ان کے ساتھ کر لئے تھے تو کیا بنی اسرائیل کی اس دسترس کے بعد عربی ادب و لغت کے لحاظ سے مذکورہ بالا جملہ استعمال کرنا صحیح ہے۔ دوم پھر کیا یہ دردناک مظالم اور تذلیل و توہین کا سلوک اس قابل ہے کہ ان کے عجیب و غریب معجزات اور نزول مائدہ جیسے انعامات کے پہلو بہ پہلو ایک انعام بنا کر اس کو ذکر کیا جائے۔

تیسرے سورہ آلِ عمران میں یہ ارشاد ہے:

"وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۔ آل عمران آیت ٥٤"

یہود نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے ان کے مقابلہ میں خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

آیتِ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ جب یہود بے بہبود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی تدبیریں کیں تو ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر فرمائی اور یہ ظاہر ہے کہ جب قدرت خود ضعیف انسان کی تدبیر کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائے تو پھر کسی کی ضعیف یا قوی تدبیر کیا چل سکتی ہے؟۔ یہ بات الگ ہے کہ جب قدرت تدریج و امہال کے قانون کے ماتحت کسی گرفت کا ارادہ ہی نہ فرمائے تو کچھ مدت کے لئے انسان اپنی سب تدبیروں میں کامیاب نظر آئے لیکن اگر قدرت بھی ان تدابیر کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائے تو کیا پھر اس رسوائی و ذلت کی کوئی مثال مل سکتی ہے جو یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں ناقصوں نے اپنی جانب سے تراش لی ہے اور کیا اب دشمنوں کے مقابلہ میں قرآن کریم کا یہ دعویٰ کرنا کہ " وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۔ "اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بڑھ کر تدبیر کرنے والا ہے۔ قابلِ مضحکہ نہیں ہے۔ (معاذ اللہ!)

لفظ مکر کے معنی عربی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں

یہ خوب واضح رہنا چاہئے کہ یہاں قرآن کریم نے یہود کے مقابلہ میں جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ مکر ہے جس کے معنی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں۔ پس اس لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں کوئی تدبیر ایسی ہونی چاہئے جس کا دشمنوں کو علم بھی نہ ہو سکے اور نتیجہ کے لحاظ سے وہ اس درجہ ناکام بھی رہیں کہ پھر ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا " خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ " ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ کے ہجرت کے واقعہ میں لفظ مکر کا استعمال بھی ہوا ہے ہر دو مقامات پر تدبیر الٰہی اور اس کا موازنہ اور آنحضرت ﷺ کی شان برتری کا اس میں ظہور

اس قسم کا ایک جملہ قرآن کریم میں ہم کو آنحضرت ﷺ کے ہجرت کے متعلق بھی ملتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: " وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ الانفال ۔ ۳ " ادھر تو وہ خفیہ سازش کر رہے تھے اور ادھر خدا خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور خدا سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

یہاں بھی قریش کی سازش کا ذکر ہے پھر اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے خفیہ تدبیر فرمانے کا تذکرہ ہے اور آخر میں پھر وہی کلمہ دہرایا گیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کہا گیا تھا یعنی: " وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ "

عجیب بات ہے کہ ہجرت کے لئے جب آنحضرت ﷺ گھر سے نکلے تو یہاں بھی کفار محاصرہ کر چکے تھے اور یہاں بھی آپ ﷺ حضرت علیؓ کو اپنی جائے چھوڑ گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمانوں پر ہجرت کرنے لگے تو یہاں بھی دشمن گھیرا ڈال چکے تھے اور یہاں بھی ایک شخص ان کی جائے دشمنوں کے ہاتھوں میں موجود تھا قرآن کریم نے دونوں مقامات پر اپنی تدبیر اور کفار کی غلط فہمی کو اسی لفظ "مکر" سے ادا فرمایا ہے۔ ان دونوں

ہجرتوں میں جب خداوندی تدبیر کا موازنہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو تدبیر
آنحضرت ﷺ کے حق میں ظاہر ہوئی وہ دشمنوں پر ایک عذاب کاری ضرب تھی۔ ان دونوں
مقامات پر خدا تعالیٰ کے یہ دونوں رسول دشمنوں کے نرغے میں سے صاف نکل گئے اور کسی
کا بال بیکا نہ ہو سکا مگر غور فرمائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے دشمنوں کے
علم میں اسی سرزمین پر صحیح و سالم موجود رہنا اور ہر معرکہ میں ان کو شکست دیتے رہنا آخر ۸ھ
میں اپنے آبائی وطن کو فتح کر لینا بجز قریش کے لئے سوہان روح ہو سکتا تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کا آسمانوں پر چلے جانا یہود پر شاق نہیں ہو سکتا؟۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے معاملہ میں ایک مقتول لاش بھی موجود تھی مگر اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے
نہ ہونے میں بہت سے شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ مسئلہ زیر بحث آ گیا تھا کہ مقتول
وہی حضرت مسیح علیہ السلام ہیں یا کوئی دوسرا شخص مگر یہاں حضرت علیؓ سب کے جانے
پہچانے شخص تھے۔ یہاں قریش کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کسی شبہ کے بغیر ان
کے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ ان سے ذرا فاصلہ پر ان کا سر کاٹنے کے لئے
موجود بھی ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسی ہمہ رأفت و رحمت جب دوبارہ اپنے وطن
لوٹ کر تشریف لائیں گے تو یہاں ان کے دشمنوں کے حق میں قتل مقدر ہوا۔ حتیٰ کہ
یہودی ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور آنحضرت ﷺ جب لوٹ کر
اپنے وطن مکرمہ پہنچے تو آپ کے دشمنوں کے حق میں یہ مقدر ہوا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں
اور پھر وہی آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہو کر آپ پر اپنی جانیں قربان کریں۔ ذرا
اس پر بھی غور فرمائیے کہ آنحضرت ﷺ کی دائمی فتح و نصرت کے لئے ایک بار آپ کی ہجرت
اور ہجرت کے بعد پھر اسی مقام پر فاتحانہ واپسی مقدر ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں
بھی اگر پہلے ان کی ہجرت پھر اپنے وطن اصلی کی طرف واپسی مقدر ہو تو اس میں تعجب کیا
ہے۔ یہاں اگر فرق ہے تو صرف دار الہجرت ہی کا تو ہے۔ یعنی وہاں دار الہجرت آسمان مقرر ہوا
اور یہاں مدینہ طیبہ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ دونوں مقامات برابر تھے۔ ہاں اگر
فرق تھا تو خود روح اللہ اور عبد اللہ کی جانب سے تھا روح اللہ اور خلقت اللہ کی طبعی کشش

آسمانوں کی طرف تھی آخر جو نفخہ جبرئیل سے ظاہر ہوئے وہ جاتے تو اور کہاں جاتے عبداللہ کی طبعی کشش زمین کی جانب تھی۔ اس لئے اگر وہ کسی خطہ زمین کی طرف نہ جاتے تو اور کہاں جاتے؟ بے شک خدا تعالیٰ قادر تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بھی آسمانوں پر اٹھا لیتا لیکن کیا یہ اس آخری رسول کی شان کے مناسب ہوتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر آسمانوں پر تشریف لے گئے تو ان کے بعد دوسرا رسول اعظم دنیا کو نصیب ہو گیا لیکن آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو امت کا نگہبان کون ہوتا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر دوبارہ تشریف لائیں گے تو ان کو اس امت میں شامل ہونے کا دوسرا وہ شرف حاصل ہوگا جس کی اولوالعزم انبیاء علیہم السلام تمنائیں رکھتے تھے۔ لیکن اگر آنحضرت ﷺ دوبارہ تشریف لاتے تو آپ کو کون سا دوسرا شرف حاصل ہوتا؟ پھر روح اللہ اگر آسمانوں پر گئے تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے بلائے گئے اور آنحضرت ﷺ جب آسمانوں پر بلائے گئے تو صرف تشریف و تکریم کے لئے بلائے گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر گئے تو چوتھے آسمان تک گئے اور آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے تو ساتوں آسمان طے کر کے وہاں تک پہنچ گئے جہاں جاتے جبرائیل علیہ السلام کے بھی پر جلتے تھے۔ ان دونوں ہجرتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مقام پر امام رازی کے قلم سے کیا اچھا جملہ نکل گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں جو شرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میسر ہوا وہ عروج تھا اور جس شرف سے آنحضرت ﷺ نوازے گئے اس کا نام معراج ہے۔ میں کہتا ہوں جی ہاں! وہ روح اللہ تھے اور یہ عبداللہ ہیں۔

"اللهم صل وسلم و بارك على عبدك ورسولك سيدنا محمد صاحب المعراج والبراق والقلم وعلى آله واصحابه تسليما كثيرا۔"

گو ان دونوں ہجرتوں میں اللہ تعالیٰ کی شان: "عزیز حکیم۔" دونوں جگہ عیاں تھی اور دونوں مقامات میں اس کا جو ظہور ہوا وہ کامل ہی تھا مگر کیا جو تدبیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے جلوہ گر ہوئی وہ خاتم الانبیاء ﷺ کے لئے مناسب تھی۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا اور آخر کار کشمیر وغیرہ میں جا کر کہیں اپنی طبعی موت سے مر جانا تسلیم کر

میں تو اس کے لئے نہ تو قرآنی الفاظ میں کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی دنیا کی تاریخ اس کی شہادت دے سکتی ہے اور نہ اس میں خدائی تدبیر کا کچھ ظہور ہوتا ہے اور نہ اس عقیدہ پر یہود کے دعویٰ کی کوئی معقول تردید ہو سکتی ہے کیونکہ جب سولی کے ساتھ جملہ موت کے مقدمات تسلیم کر لئے جائیں اور گفتگو صرف اتنی رہ جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قبر نے دبا لیا یا کسی گمنام مقام میں لے جا کر خود تم نے دبا دیا تو اب یہ گفتگو ایک عبث گفتگو ہے۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ جو بات دشمن چاہتے تھے وہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے خود پوری فرما دی۔ والعیاذ باللہ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب و رفع کی تحقیق
قرآن کی روشنی میں

اسی طرح صلیب کے تسلیم کر لینے کے بعد یہاں نصاریٰ کی بھی کوئی تردید نہیں نکلتی کیونکہ جب اصولی طور پر عیسیٰ علیہ السلام کا سولی چڑھنا تسلیم کر لیا جائے اور رفع جسمانی کا قرآن کریم خود اعلان فرما دے تو اب ان کے ساتھ بھی جو اختلاف رہے گا وہ صرف نظریات ہی کا رہے گا اور صلیب پرستی کی یہ ایک بنیاد قائم ہو جائے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ آیت کے اصل مفہوم پر غور کیا جائے اور جو مطلب کسی تاویل کے بغیر اس سے ظاہر ہوتا ہو اس کا اعتقاد رکھا جائے۔ پہلے ایک بار پوری آیت پڑھ لیجئے:

"وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا - بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا - النساء۔ آیت ۱۵۷، ۱۵۸"

اور ہم نے ان کو سزا میں مبتلا کیا ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے حالانکہ انہوں نے نہ قتل کیا اور نہ ہی ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو

یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

آیت بالا کے مطالعہ کے بعد جو بات پہلی بار سمجھ میں آجاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی تھے اور اس بارے میں وہ اپنے پورے جزم و یقین کا اظہار کرتے تھے لیکن نصاریٰ چونکہ باہم خود مختلف تھے۔ اس لئے مختلف باتیں کہتے تھے ان ہر دو فریق کے مقابلہ میں قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ دونوں کے دونوں غلطی پر ہیں۔ یہود کا دعویٰ قتل تو سراسر غلط ہے۔ اس لئے اس کو دوبارہ رد کیا گیا ہے تاکہ جتنا زور انہوں نے اپنے قول قتل کرنے پر صرف کیا تھا اتنا ہی اس کے انکار پر صرف کیا جائے۔ رہ گئے نصاریٰ تو وہ قدرے مشترک طور پر ان کے مصلوب ہونے کے آج تک قائل ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ گو وہ کسی بات کے مدعی نہ ہوں مگر ان کے اس غلط خیال کی تردید بھی کر دی جائے۔ اس لئے یہود کے دعویٰ قتل کے ساتھ ساتھ صلیب کی بھی نفی کر دی گئی اور اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا گیا کہ ان کو اور کچھ علم نہیں ہے وہ صرف اٹکل کے تیر چلاتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو قوم اپنے یقین کا دعویٰ رکھتی ہو صرف اس کی تردید کر دینا اس کے لئے کچھ تشفی بخش نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کی غلط فہمی کے اسباب بھی بیان نہ کر دیئے جائیں۔ اس کو : ''وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ'' سے بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہاں قدرت کی طرف سے کچھ ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے تھے جس کی رو سے حقیقت حال ان پر مشتبہ ہو گئی تھی۔ ایک طرف چونکہ صبح کا وقت قریب تھا اس لئے اس ارادہ کی تکمیل میں ان کو خود عجلت تھی دوسری طرف اس قسم کے ہنگاموں میں جو ایک طبعی وحشت ہوا کرتی ہے وہ بھی ان پر سوار تھی اس لئے اپنی دانست میں گو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے قتل کا قصد کیا تھا مگر ان مشتبہ کن حالات کی وجہ سے وہ اس ارادہ میں ناکام رہے اور ان کی توجہ اس طرف قائم نہ رہ سکی کہ وہ کس کو قتل کر رہے ہیں اور اس کی کھلی شہادت یہود و نصاریٰ کا باہم اختلاف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت حالات ضرور کچھ ایسی پیچیدہ بن گئی تھی کہ حس و مشاہدہ کا یہ صاف واقعہ بھی مبہم ہو کر رہ گیا تھا اور پیچیدگی کی وجہ سے قرآن نے واقعہ کے انکشاف کی

طرف توجہ فرمائی ہے ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل دوسرے انبیاء علیہم السلام کے متعلق بھی یہود اسی جرم کے ارتکاب کا دعویٰ کرتے تھے لیکن چونکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں وہ اپنے دعوے میں صادق تھے اس لئے قرآن کریم نے ان کی کوئی تردید کی ہے اور نہ ان کے معاملہ میں کسی شبہ و اشتباہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں پڑنا قرآن کریم نے پسند نہیں فرمایا۔ اور نہ یہ احکم الحاکمین کی شان کے مناسب تھا اور غالباً لطف کرم الٰہی کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ خفیہ تدبیر کو کچھ خفیہ ہی رہنے دیا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر درحقیقت مقتول کی لاش ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے بلکہ کوئی دوسرا ان کا شبیہ شخص تھا جو عجلت میں غلطی سے قتل کر دیا گیا تھا تو یہ بتانا چاہئے کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام جو یقیناً ان کی زیر حراست آچکے تھے آخر وہ کدھر نکل گئے اگر ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا تو ماننا پڑتا ہے کہ پھر مقتول کی جو لاش موجود تھی وہ عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے اپنے فیصلہ میں قتل کی نفی کے بعد یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا تھا اس لئے زمین پر ان کی تلاش کرنا عبث ہے لیکن ایک ضعیف انسان چونکہ نہ اس قدرت کا تصور کر سکتا ہے اور نہ اس عظیم حکمت کو پا سکتا ہے۔ اس لئے یہاں خاص طور پر اپنی ایسی دو صفتوں کا تذکرہ فرما کر بحث کو ختم کر دیا ہے جن کے اقرار کے بعد کوئی استبعاد باقی نہیں رہتا۔ یعنی: "وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔"

یعنی اللہ کی ذات بڑی توانا اور بڑی حکمت والی ہے۔ اس کے سامنے یہ سب باتیں آسان ہیں۔ اس واضح فیصلہ سے جس طرح یہود کی کھلی ہوئی تردید ہو گئی اسی طرح نصاریٰ کے مذہب کی تمام بنیاد بھی منہدم ہو جاتی ہے کیونکہ جب صلیب کا سارا افسانہ ہی بے سروپا ثابت ہوا تو اب کفارہ کا اصولی عقیدہ بھی خود بخود باطل ہو گیا۔ اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ اسی حد پر ختم ہو چکا تھا اور مستقبل زمانہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق باقی نہ رہا تھا تو آئندہ آیت میں اس کی دوسری تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی لیکن چونکہ یہاں ایک اور مشکل تر سوال سامنے آگیا تھا اور وہ یہ کہ اگر وہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں تو پھر کیا وہ آسمانوں ہی پر وفات پائیں گے۔ اس لئے اس کی بھی وضاحت کر دی گئی اور پوری قوت

کے ساتھ اس کا اعلان کر دیا گیا کہ ابھی ان کو طبعی موت نہیں آئی بلکہ موت سے قبل اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے یقیناً وہ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور اب خدا تعالیٰ کی وہ خفیہ تدبیر بھی عالم آشکارا ہو جائے گی اور یہ علامت ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنے جسم کے ساتھ تشریف لاتے ہیں تو یقیناً جسم کے ساتھ ہی اٹھائے گئے تھے :

"وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا - النساء آیت ۱۵۹"

اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰ علیہ السلام) ہوں گے ان پر گواہ۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو ہریرہؓ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث بیان فرماتے تو یہ بھی فرماتے کہ یہ پیشگوئی صرف حدیثی نہیں قرآنی ہے اور یہ آیات بالا پڑھ کر سناتے۔ اب یہ مسئلہ بالکل سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ حدیثوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بار بار بیان فرمانے کی اہمیت کیوں محسوس کی گئی ہے یہ ظاہر ہے کہ رفع جسمانی چونکہ عام انسانوں کی سنت نہیں تھا اس لئے اس کی تفہیم کے لئے اس حقیقت کے ذہن نشین کرنے کی بڑی اہمیت تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ابھی وفات نہیں ہوئی اور ابھی ان کو آسمان سے اترنا ہے اور بہت سی خدمات مفوضہ ادا کرنی ہیں اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا ہے اور دجال جیسے ایمان کے غارت گر کو قتل کرنا ہے اور بالآخر خدا تعالیٰ کی زمین کو شر و فساد سے پاک کر کے عام انسانوں کی سنت کے مطابق وفات پانا ہے اور خاتم الانبیاء ﷺ کے پہلو میں دفن ہونا ہے۔ یہ ہے قرآنی بیان اور قرآنی بے لاگ فیصلہ۔ اب یہاں ان کی موت کا دعویٰ کرنا ٹھیک ٹھیک یہودیوں کی اتباع ہے اور ان کو مصلوب مان لینا یہ نصاریٰ کی کھلی موافقت ہے۔ کیونکہ اگر ہم عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر کسی غیر معلوم مقام پر جا کر ان کی موت مان لیتے ہیں تو اس کا حاصل صرف یہ ہو گا کہ یہود و نصاریٰ کی وہ غلط باتیں جن کی قرآن کریم نے پوری تردید فرمائی تھی۔ ہم نے دونوں کو مان لیا ہے اور اس کے بعد ان کے ساتھ ہمارا

اختلاف صرف نظریات کا اختلاف رہ جاتا ہے بسود کے ساتھ تو اس لئے کہ ان کی موت کے وہ بھی قائل تھے فرق صرف یہ رہے گا کہ یہ موت لعنتی تھی یا عزت کی اور نصاریٰ کے ساتھ اس لئے کہ جب وہ سولی دیئے گئے تو اب اس کی حقیقت امت کی تطہیر اور کفارہ تھی یا کچھ اور ' ظاہر ہے کہ ان امور کے اصولاً تسلیم کر لینے کے بعد یہ نظریاتی اختلافات بالکل بے نتیجہ ہیں۔ ہماری مذکورہ بالا تفسیر کی بناء پر دونوں قوموں کے عقائد کی بیخ و بنیاد ہی اکھڑ جاتی ہے اور قرآن کریم پر اپنی جانب سے کسی حاشیہ آرائی کی کوئی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے کے بعد جملہ اہل اسلام کے نزدیک بھی وفات پائیں گے زیر اختلاف ان کی گزشتہ موت ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اہل اسلام جہاں ان کے رفع کے قائل ہیں اسی کے ساتھ نزول کے بعد ان کی موت کے بھی قائل ہیں۔ اس بارے میں ہمارے علم میں ایک شخص کا اختلاف بھی نہیں یوں تو ان کی ولادت بلکہ ان کی زندگی کا ہر ہر گوشہ ان کی تردید الوہیت پر برہان قاطع ہے لیکن صرف ان کی موت کا عقیدہ مستقل اس کی ایک ایسی واضح دلیل ہے جس کے بعد ان کی الوہیت کی تردید کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ لہٰذا ان کی ولادت اور موت تسلیم کرنے کے بعد اگر ایک ہزار بار بھی ان کے رفع الی السماء کا اقرار کر لیا جائے تو اس میں عیسائیوں کے مسئلہ الوہیت کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر بالفرض یہاں ابن عباسؓ یا کسی اور شخص سے ان کی موت منقول ہوتی ہے تو اس کو اجماع امت کے خلاف سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تحقیق

پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابن عباسؓ سے انی متوفیک کی تفسیر انی ممیتک مروی ہے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہی ثابت ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی موت آنی ہے مگر اس کا انکار کس کو ہے۔ زیر بحث تو یہ ہے کہ وہ موت ان کو آ چکی اور کیا وہ فی الحال مردوں میں شامل

گئیں اور اب دوبارہ نہیں آئیں گے۔ دوسرے کہا جو لکھا ہے کہ یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور نہ امت مسلمہ میں کسی اور معتمد عالم سے بلکہ ابن عباسؓ سے باسناد قوی یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے اور نزول کے بعد پھر وفات پائیں گے اور یہی تمام امت کا عقیدہ ہے۔

امام بخاریؒ کی کتاب التفسیر میں حل لغت کا حصہ خود ان کا تصنیف کردہ نہیں بلکہ امام ابو عبیدؒ کا ترتیب دادہ ہے

یہاں سے ملحدوں کو ایک مغالطہ یہ بھی لگ گیا ہے کہ ابن عباسؓ کی ذکر کردہ بالا تفسیر چونکہ امام بخاریؒ کی کتاب میں موجود ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ امام بخاریؒ کا مختار بھی یہی ہے عجیب بات ہے کہ جب امام بخاریؒ ہی کی کتاب میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث بھی موجود ہے تو پھر کس دلیل سے یہ سمجھ لیا گیا کہ اس موت سے گزشتہ موت مراد ہے بلکہ جب خود حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ ثابت ہے کہ یہ موت نزول کے بعد والی موت ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی اس موت سے وہی مراد ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ان ہی کی کتاب میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اقرار بھی موجود ہے۔

پھر ان ملحدوں کو اتنا علم بھی نہیں کہ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں جو لغات اور تراکیب نحویہ نقل فرمائی ہیں یہ خود ان کی جانب سے نہیں ہیں بلکہ ان کی جانب سے صرف وہی حصہ ہے جو انہوں نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت فرمایا ہے اصل بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے پاس ابو عبیدؒ کی کتاب التفسیر موجود تھی۔ امام موصوف نے اس پوری کتاب التفسیر کو کسی تنقید و انتخاب کے بغیر جگہ جگہ اٹھا کر اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے۔ لہٰذا جتنے اقوال مرجوحہ اصل کتاب میں موجود تھے وہ کی سب کے سب یہاں نقل ہو گئے ہیں۔ لہٰذا یہ سمجھنا بالکل بے اصل ہے کہ امام بخاریؒ نے خاص طور پر ابن عباسؓ کی اس تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابو عبیدؒ کی کتاب التفسیر میں چونکہ ابن عباسؓ کا یہ قول مروی تھا۔ جب امام بخاریؒ نے ان کی پوری کتاب التفسیر ہی کو اپنی کتاب میں کسی انتخاب

کے بغیر نقل کر دیا تھا تو یہ جزء بھی چونکہ ابو عبید کی کتاب میں موجود تھا اس لئے وہ بھی یہاں نقل ہو گیا ہے۔ اہل علم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کتاب التفسیر میں بہت سے مقامات پر حل لغات میں تسامح بھی ہوا ہے اقوال مرجوحہ بھی نقل ہو گئے ہیں اور ان کی ترتیب میں بھی اچھا خاصہ اختلال واقع ہو گیا ہے لیکن امام بخاریؒ خود ان جملہ نقائص سے بری ہیں۔ اس کی ذمہ داری اگر عائد ہوتی ہے تو ابو عبید پر عائد ہوتی ہے۔ امام بخاریؒ کی کتاب کی علو صحت کے متعلق جو دعویٰ ہے وہ ان احادیث مرفوعہ کے متعلق ہے جو اس میں اسناد کے ساتھ امام نے از خود روایت فرمائی ہیں نہ کہ ان اقوال کے متعلق جو اسناد کے بغیر کسی جانب سے کتاب میں نقل ہوئے ہیں۔ لہذا اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ ان کے نزدیک مذکورہ بالا تفسیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے وہ موت مراد ہے جو آخر زمانہ میں تشریف لانے کے بعد ہو گی اور اس موت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اسی طرح ابن حزم کی طرف بھی موت کی نسبت کی گئی ہے۔ اگرچہ کسی شاذ فرد کے اختلاف سے جمہور امت کی رائے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ وہ بھی ابن حزم جیسے شخص کے اختلاف سے جس کے تفردات امت میں ضرب المثل ہیں لیکن وہ بھی متعدد مقامات پر اس کی تصریح کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری دور میں تشریف لائیں گے۔ لہذا زیر اختلاف مسئلہ پر ان شاذ نقول کا بھی کوئی اثر نہیں۔ چنانچہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی ص ۳۹۱ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو امت کا عقیدہ شمار کیا ہے۔ دیکھو ج ۳ ص ۲۴۹ کتاب الفصل میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اس کے علاوہ اور متعدد مقامات میں بھی اسی عقیدہ کو امت کا عقیدہ لکھا ہے:

"وقد صح عن رسول الله ﷺ بنقل الکواف التي نقلت نبوته و اعلامه و کتابه انه اخبره انه لانبي بعده الا ماجائت الاخبار الصحاح من نزول عیسی علیه السلام الذي بعث الی بني اسرائیل وادعی الیهود قتله و صلبه فوجبت الاقرار بهذه الجملة وصح ان وجود النبوة بعده علیه السلام لایکون البته ص۷۷ ج۱ الفصل ج ۲ ص ۲۳ ص ۵۵، ۷۳، ۸۷ کتاب مذکور۔"

"پس جمہور امت نے آپ کی نبوت اور اس کی علامات اور قرآن شریف کو نقل کیا ہے اسی امت نے صحیح طریقوں سے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا سوائے ایک عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کے نزول کی خبر صحیح حدیثوں سے ثابت ہے یہ وہی ہیں جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جن کے قتل و صلب کا یہود نے دعویٰ کیا تھا۔ لہٰذا ان باتوں کا اقرار کرنا ہم پر لازم ہے اور بہ طریق صحیح ثابت ہے کہ نبوت کا وجود آپ ﷺ کے بعد ہرگز نہیں ہوگا۔"

قرآن کریم میں مشرکانہ عقائد کی تردید کا جتنا اہتمام کیا گیا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے لیکن جب اس نسبت کی نامعقولیت ان کے سامنے ظاہر کی جاتی ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ولدیت اور ابنیت سے ان کی مراد حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ اتحاد کی وہ خاص نسبت ہے جو باری تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام موجود ہے اور اسی کو مجازاً اس لفظ سے ادا کیا گیا ہے لیکن اس لفظ کے استعمال سے چونکہ عیسائیت کی لفظی تائید ہوتی تھی۔ اس لئے قرآن کریم نے یہاں مجاز و استعارہ کی بھی اجازت نہیں دی بلکہ اس عنوان ہی کو خواہ وہ کسی معنی سے ہو اپنے سخت تیلو و غضب کا باعث قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

"تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ، أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا - مریم آیت - ۹۰"

ابھی اس افتراء سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں اس پر کہ پکارتے ہیں رحمان کے نام پر اولاد۔

پس اگر قرآن کریم لفظ ابن اور ولد کا مجازی استعمال بھی حرام قرار دیتا ہے کیونکہ اس میں عیسائیت کی تقویت اور اس کی ترویج ہوتی ہے تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کا عقیدہ بھی صرف عیسائیوں کا عقیدہ تھا اور اس میں مشرکانہ عقیدہ کی ذرا بھی غلط تائید ہوتی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ٹھیک اسی لفظ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں خود استعمال کرتا جو عیسائی استعمال کرتے تھے۔ یہ کیسی عجیب در

عجیب منطق ہے کہ یہود نے جب: "اِنَّا قَتَلْنَا" کہا تو ان کی تردید میں تو قرآن کریم نے دو بار "وَمَا قَتَلُوْهُ" فرمایا مگر جب عیسائیوں نے "رفع" کہا تو قرآن کریم نے ایک بار بھی "وما رفع" نہیں فرمایا بلکہ "رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" میں لفظ "الیہ" کا اور اضافہ فرما کر رفع کے عقیدہ کو اور مضبوط بنا دیا۔ کیا اس سے یہی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ بالکل درست تھا۔ البتہ ان کے مصلوب ہونے کا خیال چونکہ بالکل بے اصل تھا اس لئے جس طرح کہ یہود کی تردید میں: "وَمَا قَتَلُوْهُ" فرمایا گیا تھا اسی طرح عیسائیوں کی تردید میں: "وَمَا صَلَبُوْهُ" کا لفظ فرمایا گیا اور اس طرح اہل کتاب کی ہر دو جماعتوں کی تردید علیحدہ علیحدہ دو لفظوں سے صراحۃً کردی گئی اور اسی کے ساتھ عیسائیوں کے بنیادی عقیدہ کا بطلان بھی واضح ہو گیا کیونکہ ان کے مذہب میں کفارہ کا عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور کفارہ کا عقیدہ تمام تر صلیب پر مبنی ہے۔ لہٰذا جب قرآن کریم نے صراحۃً "وَمَا صَلَبُوْهُ" فرما کر صلیب کی صاف تردید فرما دی تو پھر اس پر جتنی بے اصل تعمیر قائم کی گئی وہ خود بخود سب منہدم ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمات میں صلیب شکنی کا نکتہ

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صلیب چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے نام سے پوجی گئی تھی اس لئے ضروری ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی دوبارہ تشریف لا کر خود اس کے توڑنے کا حکم دیں تا کہ جن کے نام پر یہ شرک ایجاد ہوا تھا ان ہی کے حکم سے اس کا استیصال بھی ہو جیسا کہ عرب نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے سر بت پرستی کی جھوٹی تہمت لگائی تو خود آپ کے سب سے عظیم اور جلیل القدر فرزند یعنی آنحضرت ﷺ نے تشریف لا کر اس کی تردید فرمائی اور فتح مکہ میں اپنے دست مبارک سے ان تمام بتوں کی تصاویر محو کر دیں جو ملت ابراہیمی کے نام پر خانہ کعبہ کے اندر سجائی گئی تھیں یہ خیال کتنا احمقانہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اگر صلیب توڑ دیں گے تو عیسائی اور بہت سی صلیبیں بنا لیں گے۔ اگر یہی اعتراض آنحضرت ﷺ کی بت شکنی پر کیا جائے تو کیا یہ قابل مسموع نہ ہو گا۔ اصل بات

یہ سب کچھ فاتح کی مت شکنی اور صلیب شکنی کا اندازہ غلامانہ ذہنیت کا مجموعہ ہو کر ہو ہی نہیں سکتا جو صلیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے توڑی جائے گی وہ پھر کبھی بنائی نہیں جا سکتی جیسا کہ جو مت آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے توڑے گئے وہ جزیرہ عرب میں آج تیرہ سو سال کے بعد بھی دوبارہ معبود نہیں بن سکے۔

قرآن کریم کی شان اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ دشمنان اسلام کے خوف سے حقائق بیان کرنے میں ادنیٰ پس و پیش بھی اختیار کرے

قرآن کریم کی شان اس سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنے بیان تردید میں صرف دشمنوں کے خوف سے کسی حقیقت پر بھی پانی پھیر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اگر "رفع" کے لفظ سے ان کی الوہیت کے بارے میں کوئی بے سبب شبہ پیدا ہو سکتا تھا تو اس سے کہیں زیادہ اشتباہ لفظ "روح اللہ" اور کلمۃ اللہ" سے پیدا ہو تا تھا چنانچہ آج تک عیسائی انہی الفاظ کو لے کر اہل اسلام کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے معجزات کا حال بھی ہے مگر کیا ایک ایسے بشر پر جس میں جملہ بشری خواص کھلے ہوئے نظر آرہے ہوں بے دلیل الوہیت کی تہمت رکھ دینے والوں کی قرآن کریم نے کوئی رعایت کی ہے۔ کیا اس نے "روح اللہ" اور "کلمۃ اللہ" کا لقب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود ہی نہیں دیا۔ کیا بے عقلوں کے خوف سے ان سے احیاء موتیٰ کا معجزہ عطا کرنے میں کوئی پس و پیش کیا گیا ہے۔ اگر نا معقول جماعت نے دلائل بشریت ہی کو بر عکس دلائل ربوبیت بنا ڈالا ہو تو اس میں سر تا سر جرم انہی کا ہے۔ لہذا یہاں قرآن کریم پر یہ زور ڈالنا کہ اس نے " رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ " کا لفظ کیوں استعمال فرمایا ہے۔ ایسا ہی ہے جیسا یہ کہنا کہ اس نے کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا لفظ کیوں استعمال فرمایا؟۔ خوب یاد رکھو اگر ہم اپنی مزعوم خیر خواہی میں قرآن کریم کے صریح الفاظ کی تاویل کریں گے تو اس کا نتیجہ صرف قرآن کریم کے الفاظ کی تحریف نہیں ہو گا بلکہ بہت سے حقائق کا انکار بھی ہو گا اگر رب العزت کے ان کے بن باپ پیدا فرمانے میں نادانوں کی رعایت کا حق کسی کو نہیں ہے تو اس سے ان کے زندہ آسمانوں پر

اٹھانے میں نامعقولوں کی رعایت کے مطالبہ کا حق کس کو ہے قدرت و حکمت والا ہمیشہ اپنی قدرت و حکمت کے مظاہر کرتا رہے گا: "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔"

شبہات اور وساوس کا اثر عقائد کی تخریب ہے کسی صحیح حقیقت کی تعمیر نہیں۔ پس صرف شبہات سے عقائد کی ترمیم کرنا غلط ہے خود ان کا جواب دینا چاہئے

یہ بات قاعدہ کلیہ کی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ دین کا کوئی مسئلہ جب اپنے دلائل کے ساتھ روشنی میں آجائے تو اس پر بے تامل جزم و یقین کر لینا چاہئے۔ اب اگر اس میں کچھ شبہات اور اعتراضات دل میں گزرتے ہوں تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ان شبہات ہی کا جواب تلاش کرنا چاہئے اور ان کو حل کر لینا چاہئے نہ یہ کہ اس ثابت شدہ حقیقت ہی کا انکار کر دیا جائے کیونکہ شبہات زیادہ سے زیادہ دلائل کی روشنی مدہم تو کر سکتے ہیں مگر کوئی دوسری روشنی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لئے جب کبھی آپ اپنا رخ خود ان شبہات ہی کی طرف پھیر دیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ اور تاریکی در تاریکی میں جا گرے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شبہ کی بنیاد پر ختم نبوت کا اجماعی عقیدہ بدل دیا جائے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جتنے اشکالات اس عقیدہ میں پیدا ہو سکتے تھے اس سے کہیں بڑھ کر شبہات دوسری صورت میں پیدا ہونے لگے۔ درحقیقت یہ شیطان کا ایک بڑا علمی فریب ہے کہ جب وہ کسی گمراہی کی دعوت دیتا ہے تو پہلے ایک حق بات میں شبہات ڈالنا شروع کرتا ہے پھر رفتہ رفتہ ان شبہات کو بڑھا کر ان کو ایک حقیقت کی صورت بنا دیتا ہے پھر اس کے دلائل کی تلاش لگاتا ہے اور اس تمام تدریجی سلسلہ میں ایک بار بھی انسان کا ذہن اصل عقیدہ کے دلائل کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا حتی کہ وہ عقیدہ جو پہلے ان شبہات کے وجود سے مجروح ہو چکا تھا اب ان وہمی دلائل سے باطل نظر آنے لگتا ہے اور ان دلائل پر دماغ جمی کسی ادنیٰ شبہ کا گزر ہونے نہیں دیتا۔ اس کے بعد پھر انسان کو ایسا دلیر بنا دیتا ہے کہ اس کے نوساختہ عقیدہ کے خلاف انسان اونچے سے واضح دلائل کی تاویل بیٹھ

تحریف میں ذرا نہیں شرماتا اور اس طرح وہ انسان کو دین سے منحرف کر دیتا ہے اور اس کے
ایمان بالغیب کی ساری بنیاد ہی کو ڈھا ڈالتا ہے۔ اس کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا
مسئلہ ہے یہاں بھی صرف شبہات پیدا کر کے پہلے وہ اس یقین کو متزلزل کرنے کی سعی کرتا
ہے اور جب اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو بیسیوں حدیثوں کی تاویل یا صاف انکار
پر آمادہ کر دیتا ہے۔ مثلاً یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ دجال کو قتل کرنے کے لئے خاص حضرت عیسیٰ
علیہ السلام ہی کے تشریف لانے کی ضرورت کیا پڑی ہے۔ پھر اتنے دن ان کا زندہ رہنا کیوں
تسلیم کیا جائے اور اس کے لئے جتنے مقدمات ہو سکتے ہیں ان کو خوب مبرہن کرتا چلا جاتا ہے
لیکن ایک مومن ان شبہات کی بناء پر قرآن و حدیث کی تاویل کرنے کی بجائے خود ان
شبہات ہی کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور صرف وساوس و اوہام سے اپنے یقینی ایمان کو
زخمی نہیں کرتا۔ اگر یہاں کتب سابقہ اور اہل کتاب کی تاریخ پر ذرا نظر کی جائے تو معلوم ہوگا
کہ کتب سابقہ میں دو مسیح کے آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت اور دوسرا مسیح ضلالت
چونکہ یہود نے مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت کا مصداق قرار دے دیا تھا اور مسیح ضلالت کو اس کے
برعکس مسیح ہدایت ٹھہرا لیا تھا۔ اس لئے کیا یہ مناسب نہ تھا کہ مسیح ضلالت کے ظہور کے وقت
خود مسیح ہدایت ہی تشریف لا کر اس کے مقابلہ پر یہ علامت کر دیں کہ مسیح ہدایت کون ہے اور
مسیح ضلالت کون تاکہ ایک طرف جو پہلے مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت ٹھہرانے والے تھے وہ
جھوٹے ثابت ہوں اور دوسری طرف مسیح ضلالت کی اتباع کرنے والے بھی نامراد ہو جائیں
اور اس طرح جو مغالطے پہلے لگ چکے تھے اب وہ خود ان ہی کی زبان سے دور ہو جائیں۔ صلیب
ان کے نام سے پوجی گئی تھی وہی آ کر اس کو توڑ دیں اور سور بھی ان ہی کے نام سے حلال کیا گیا تھا
اب وہی آ کر اس کے قتل کا حکم دیں اور اس طرح قرب قیامت میں یہود و نصاریٰ پر خدائی
حجت پوری ہو اور اتحاد و ملت کے سلسلہ میں جتنی رکاوٹیں ہو سکتی تھیں وہ ایک ایک کر کے
سب ختم ہو جائیں اور آخر میں پھر دین اسی طرح ایک ہی باقی رہ جائے جیسا کہ آغاز عالم میں ایک
ہی دین تھا "وتمت كلمت ربك صدقا وعدلا" الانعام آیت ۱۱۵

نیز چونکہ دجال آخر میں مدعی الوہیت ہوگا اور احیاء موتی کا مدعی ہوگا اس لئے کیا یہ

مناسب نہ تھا کہ اس کے قتل کے لئے ایک ایسا ہی رسول آتا جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی ہوتا کہ ایک طرف تو قتل ہو کر جھوٹے مدعی الوہیت کا جھوٹ ثابت ہو جائے دوسری طرف اس قوم کا جھوٹ بھی ثابت ہو جائے جنہوں نے خدا کے مقدس رسول پر دعویٰ الوہیت کی بے جا تہمت لگائی تھی اور روز روشن کی طرح یہ واضح ہو جائے کہ جو مدعی الوہیت کا قاتل ہو وہ خود مدعی الوہیت کیسے ہو سکتا ہے۔ ان امور کے علاوہ جب یہود کے دعویٰ کو دیکھا جاتا ہے تو وہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے بھی قتل کا دعویٰ رکھتے تھے مگر قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اٹھا لے گئے اور اس میں خدا تعالیٰ تو اپنے حکیم کی بڑی حکمت مضمر تھی کیا اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کچھ اور تھا کہ جس کو مقتول ٹھہرایا گیا تھا وہی آکر پہلے خود ان کے سرغنہ کو قتل کرے یعنی دجال کو پھر ان کے قتل کا حکم دے اور گویا اس طرح خود ایک نبی پہلے اپنی قوم انبیاء علیہ السلام کے قاتلین سے ان کا قصاص لے اور دوسری طرف اپنے متعلق دعویٰ قتل کا مزہ بھی چکھا دے۔

پھر جب ختم نبوت پر زیادہ گہرائی سے نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ضرورت کے وقت امت میں کسی نبی کی پیدائش کی بجائے کوئی گزشتہ نبی آئے کیونکہ دجال اکبر کے آمد کی پیشگوئی نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کرتے چلے آئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ اتنی بڑی گمراہی دنیا کی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی ظاہر نہیں ہوئی اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ دجال ایک مرکزی طاقت ہے اور ایک مرکزی طاقت کے مقابلہ کے لئے ضرور کوئی مرکزی طاقت ہی آنی مناسب ہے۔ اب اگر اس کے مقابلہ میں کسی امتی کو کھڑا کر دیا جاتا تو وہ اس کا صحیح مقابل ہی نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں بھی کشتی میں پہلوانوں کا جوڑ دیکھا جاتا ہے اور اسی طرح حکومتوں کے مقابلہ کے وقت بھی ان کی طاقتوں کا توازن ضروری ہوتا ہے جس کو آج کل Ballance of Power کہا جاتا ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ابن صیاد کے متعلق جب حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! حکم دیجئے تو میں اس کی گردن اڑا دوں تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: "ان یکن ھو فلن تسلط علیہ" "اگر یہ وہی دجال اکبر ہے تو

تم ان کے قتل پر مسلط نہیں ہو سکتے۔ بلکہ جب امت میں حضرت عمرؓ جیسا بھی اس کو قتل نہ کر سکے تو اب دوسرا کون اس کا قاتل ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس کا قاتل کوئی نبی ہو۔ پس جب نبی کی ضرورت کے وقت بھی اس امت میں سے کسی کو نبی نہیں بنایا گیا بلکہ ان ہی گزشتہ انبیاء علیہم السلام ہی میں سے ایک نبی کو لا کر کھڑا کیا گیا تو فرمائیے کہ ختم نبوت کا مسئلہ اب کتنا واضح ہو گیا۔ گویا آج تک ختم نبوت کا ثبوت صرف علمی تھا اور اس وقت تدریج اور مشاہدہ سے بھی اس کا ثبوت ہو گیا کیونکہ جب ضرورت کے وقت پھر انبیاء سابقین ہی میں کا ایک رسول آیا تو یہ اس بات کی شہادت ہے کہ درحقیقت رسولوں میں سے کوئی فرد بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس لئے یقیناً آنحضرت ﷺ ہی سب سے آخری رسول تھے۔ لہٰذا اب یہ شبہ نہیں رہا کہ جب آپ خاتم النبیین ہیں تو آپ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کیسے آئیں گے بلکہ ان کا نزول ہی ختم نبوت کا سب سے بڑا ثبوت ہوگا۔ اگر وہ دوبارہ تشریف نہ لائیں تو مشاہدہ میں یہ کیسے ثابت ہوتا کہ سب رسول آچکے ہیں اور آپ ہی سب سے آخری رسول ہیں۔

جلد اول (ترجمان السنۃ) میں ختم نبوت کی پہلی حدیث میں ہم یہ بھی بتفصیل لکھ چکے ہیں کہ حسب تصریح قرآن کریم آنحضرت ﷺ کے حق میں جملہ انبیاء علیہم السلام سے ایمان اور بوقت ضرورت نصرت کا عہد بھی لیا جا چکا ہے۔ اس لئے یوں مقدر ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اپنی طرف سے اصالۃً اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف سے وکالۃً اس عہد کو پورا فرمائیں۔ کیا ان چند وجوہات سے جو فوری طور پر زیر قلم آگئے ہیں گزشتہ شبہات کا جواب نہیں ہو جاتا۔

کتاب اللہ میں اور حدیثوں میں دیگر موجودہ کتب سماویہ کے مقابلہ میں مجازات اور استعارہ کا استعمال بہت کم ہے اور یہ اسلام کا ایک طرۂ امتیاز بھی ہے

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے ہم کو یہی ثابت ہوا ہے کہ دیگر کتب سماویہ کی نسبت

ہماری شریعت میں استعارات و مجازات کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ کتب سابقہ کی موجودہ صورت پر گو کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا تاہم ہمارے موازنہ کے لئے ان کے موجودہ نسخوں کے علاوہ ہمارے سامنے کوئی اور سامان بھی نہیں ہے۔ جب ہم حدیث و قرآن کریم کی پیشگوئیوں اور اس کے دیگر بیانات کی کتب سابقہ کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو آفتاب درخشاں کی طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہماری شریعت نے اس بارے میں استعارات و مجازات کا دائرہ بجز ان مجازات کے جو حقیقت سے زیادہ متعارف ہوں بہت تنگ رکھا ہے اور عقائد کے باب سے تو اس کا کوئی تعلق ہی نہ رکھا۔ اس کے برخلاف موجودہ انجیل کا حال یہ ہے کہ اس میں الوہیت و رسالت کے بنیادی مسائل بھی مجازات و استعارہ کے پیرایہ میں ادا کئے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ مصنف عیسائی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کے مذہب میں توحید کا مسئلہ بھی تقدیر کے مسئلہ کی طرح مذہب کا ایک مرموز اور ناقابل فہم مسئلہ ہے اس کے برعکس قرآن کریم کا بیان ہے یہاں عقائد و احکام کا تو ذکر ہی کیا ہے پیشگوئیوں کا عام باب بھی اس طرح کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی صحیح فہم والے شخص کے لئے ان میں کوئی تردد نہیں رہتا فارس و روم کی جنگ میں فتح کی پیشگوئی، فتح مکہ کی پیشگوئی، اعضاء انسانی کا کلام کرنا، دجال کی پیدائش اس کا اور اس کے والدین کا نقشہ، سر کے بل انسانوں کا محشر میں چلنا، بیت المقدس سے نکلنا اور مردوں اور عورتوں کا ایک میدان میں اسی طرح جمع ہونا۔ غرض حشر و نشر اور جنت و دوزخ کی وہ تفصیلات جو ہماری عقلوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کہیں بعید تر ہیں۔ ان سب کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ہم پر بھی زور دیا گیا ہے کہ وہ سب کی سب حقیقت ہی حقیقت ہیں اور کسی تاویل کے بغیر ہمیں ان کو حقیقت ہی پر محمول کرنا چاہئے۔ چنانچہ اگر جنت کے تذکرہ میں حسب اتفاق اس کا ذکر آگیا ہے کہ وہاں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی تو سامعین نے کبھی اس کو مبالغہ پر محمول نہیں کیا بلکہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق وہی سوالات کئے ہیں جو ان الفاظ کے حقیقی معنی میں پیدا ہو سکتے تھے۔ مثلاً کسی نے یہ سوال کیا کہ کیا جنت میں کاشت اور کھیتی بھی ہوگی اور جب کبھی جنت میں صنفی تعلقات کا ذکر آگیا ہے تو سامعین میں سے اس پر کسی نے ولادت کے مسئلہ کا حل بھی دریافت کیا ہے

اسی طرح بقیہ مسائل کے متعلق بھی ایسے سوالات کئے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے مخاطب صحابہؓ ہمیشہ آپ ﷺ کے کلام کو حقیقت ہی پر محمول کرنے کے عادی تھے۔ پھر ان کے جو جوابات آپ ﷺ سے منقول ہیں وہ بھی اسی کی دلیل ہیں کہ خود آپ ﷺ نے بھی ان الفاظ سے حقیقی معنوں ہی کا ارادہ فرمایا ہے۔ مثلاً پہلے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی زراعت پیشہ آدمی کے دل میں وہاں بھی یہ جذبہ پیدا ہوگا تو زراعت اس کی بالیدگی و پختگی سب آن کی آن میں ہو جائے گی اور ذرا سی دیر نہ ہوگی کہ کھیتی کٹ کٹا کر اس کے گھر میں آجائے گی اور قدرت کی طرف سے ارشاد ہوگا۔ لے ابن آدم! لے تو یہ بھی لے تیری ہوس آخر کسی طرح پوری بھی ہوگی۔ اگر یہاں مجازی معنی استعمال ہوتے تو جواب صاف تھا کہ جنت میں کھیتی کہاں؟۔ اس کا مطلب تو صرف ایک معنی مجازی اور مبالغہ تھا اسی طرح دوسرے سوال کے جواب میں بھی آپ یہی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی شخص ولادت کی تمنا کرے گا تو فوراً حمل و ولادت اور وضع حمل کا سلسلہ آناً فاناً پورا ہو کر کھیلتا ہوا بچہ اس کو مل جائے گا مگر جو دنیا میں میزان مستوفی فانے کے لئے نہیں آئے بلکہ حقیقت کی حقیقت بتانے آئے تھے انہوں نے یہاں بھی وہی جواب نہیں دیا جو صرف قیاس سے دیا جا سکتا تھا بلکہ وہ جواب عنایت فرمایا جو حقیقت میں اس کا جواب تھا۔ ارشاد ہے کہ اگر جنت میں کسی کے دل میں یہ تمنا ہوتی تو ایسا ہی ہوتا مگر وہاں کسی کے دل میں یہ تمنا ہی نہ ہوگی۔

غرض شریعت اسلام کی تاریخ میں متکلم و مخاطب دونوں کے حالات سے ہم کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جانبوں سے شرعی الفاظ کے ہمیشہ حقیقی معنی ہی مراد لئے گئے ہیں بجز اس کے کہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے وہاں استعمال مجاز اتنا شائع ہو کہ حقیقی معنی کی طرف عام طور پر ذہن کا انتقال ہی مشکل ہو۔ مثلاً صبح کے لئے الخیط الابیض کا لفظ اور شب کی تاریکی کے لئے الخیط الاسود کا لفظ فصیح لغت میں ایک ایسا مجاز ہے کہ اس مجاز کو چھوڑ کر یہاں حقیقت کا استعمال کرنا گویا اعلیٰ بلاغت ہی کو چھوڑ دینا ہے۔ اس کے باوجود جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: " حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ. البقرہ آیت ۱۸۷ " تو کسی دماغ نے اس کھلے ہوئے مجاز کو بھی حقیقت ہی پر

محمول کیا اور سیاہ و سفید رنگ کے دو دھاگے لے کر اپنے تکیے کے نیچے رکھ لئے اور رات کو اس وقت تک کھاتا پیتا رہا جب تک کہ یہ دو دھاگے علیحدہ علیحدہ صاف صاف نظر نہ آنے لگے۔

جب صبح کو اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ نے ملیحانہ انداز میں فرمایا تمہارا تکیہ بھی کتنا لمبا چوڑا ہے جس کے نیچے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی دونوں سما گئیں۔ یعنی ان الفاظ سے مراد معنی مجازی تھے اور یہاں مجاز ایسا متعین ہے کہ حقیقت کی طرف ذہن جانا ہی مشکل ہے۔ تم نے اس کو حقیقت پر کیسے محمول کر لیا لیکن اس انفرادی غلطی کے باوجود اس کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ کلمہ: "من الفجر" اور نازل ہو گیا تاکہ پھر یہ مجاز متعارف بھی حقیقت کے اتنا قریب آ جائے کہ یہاں کسی ایک فرد کو بھی احکام کے باب میں اس غلط فہمی کا امکان نہ رہے۔

اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ یہاں ایسے مجازات کا تو بھلا کیا امکان ہو گا جن کی طرف کسی اہل زبان کا ذہن ہی منتقل نہ ہو سکے حتیٰ کہ ان کے ذریعہ حق منوانے کے لئے جدید وحی کی ضرورت محسوس ہو اور کسی نبی مزعوم کو آکر پہلے خود بھی سالوں کا مغالطہ لگا ہے اور وہ بھی ان کو حقیقی معنی پر ہی محمول کرتا رہے پھر جب دعویٰ مسیحیت سوجھا تو ان کے مجازی معنی مراد لے اور اس کے سمجھانے میں اس کو امت کے ساتھ مدتوں جنگ کرنی پڑے۔ مثلاً یہ کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی عیسیٰ ابن مریم سے مجازاً فلاں شخص جس کا باپ بھی موجود ہے اور ماں کا نام بھی مریم نہیں ہے مراد ہے اور نزول سے مجازاً ولادت اور عالم سے مجازاً اقلیم اور دمشق سے فلاں شہر اور دو زرد چادروں سے مجازاً دو مرض مراد ہیں۔ غرض کہ اس پیشگوئی کے جملہ الفاظ میں مجازی معنی مراد لے لئے بجز ایک منارہ کے کہ اس کے معنی حقیقی مراد لے اور یہ حقیقی معنی بھی وہ خود اپنے نزول یعنی ولادت بلکہ دعوئ مسیحیت کے بعد اپنے چندہ سے تیار کرا کر پیدا کرے۔ بے شک مجاز و استعارہ فصاحت و بلاغت کا ایک اہم باب ہے اور ہر زبان میں پایا جاتا ہے مگر کیا ایسے استعارہ و مجاز کی مثال بھی کسی زبان میں ملتی ہے۔ اگر اس قسم کے استعارہ و مجاز کے لئے بھی کوئی وجہ جواز نکل سکتی ہے تو پھر دنیا میں جھوٹ اور کذب کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ ہر جھوٹ استعارہ و مجاز کے پردے میں چل سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دیگر کتب سماویہ کے مقابلہ میں قرآن کریم اور احادیث نبویہ کا یہ بھی ایک طغرائی امتیاز ہے کہ یہاں جملہ بیانات اتنے واضح ہیں جتنا کہ وہ ہو سکتے ہیں پھر اگر ان میں کوئی ابہام رہ گیا ہے تو وہ بھی اسی حد تک ہے جو ناگزیر ہے بلکہ وہاں یہ ابہام ہی مناسب ہے۔ بعض مرتبہ مصداق کے ظہور سے قبل وہ ابہام اس لئے بھی ناگزیر ہوتا ہے کہ اس کی تشریح کے لئے عقل انسانی متحمل نہیں ہو سکتی۔ جیسے عالم برزخ کی کیفیات ظاہر ہے کہ عالم برزخ جب عالم مادیات سے جدا عالم ہے تو جب تک ایک انسان اسی عالم مادہ میں موجود ہے وہ عالم برزخ کے دوسرے عالم کی پوری تفصیلات کا پورا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔

اور در حقیقت آخری شریعت کی یہی صفت ہونی بھی چاہئے کیونکہ پہلی کتب میں اگر کوئی ابہام رہ گیا تو آئندہ وحی نے آکر اس کو واضح کر دیا ہے۔ لیکن اگر ضروری امور میں اس شریعت میں بھی ابہام رہ جائے تو اب یہاں کون ہے جو آئندہ آکر اس کی ذمہ دارانہ تشریح کر سکے مجتہدین کا بیان اس جگہ ناکافی ہے۔ ان کو یہاں دو طرفہ عمل کے لئے وسعت ہوتی ہے اس کے باوجود ان کے بیان کی وہ حیثیت نہیں جو رسول کے سرکاری بیان کی ہو سکتی ہے۔

صریح حدیثوں میں تاویل کا خطرناک نتیجہ

صریح الفاظ اور صریح بیانات کو پیچیدہ بنانے اور ان کی تاویلات کرنے کا نتیجہ کبھی اچھا بر آمد نہیں ہوا۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی میں تاویل کی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے دجال کا مصداق سمجھا اور جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کو مسیح ہدایت سمجھ کر اس کی اتباع کریں گے۔ اسی طرح نصاریٰ نے آنحضرت ﷺ کی صاف صاف پیشگوئیوں کی تاویلات کیں۔ آخر اس کا بھی جو نتیجہ ظاہر ہونا تھا وہ ہوا اور انہوں نے بھی اسی غلطی کی بدولت آنحضرت ﷺ کا انکار کیا۔ لہذا صاف اور واضح بیانات میں تاویلات کرنا نہایت خطرناک قدم ہے اور اس کا ثمرہ بھی یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ غلط "مسیح" مسیح حق مان لئے جائیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں تو یہودیوں کی طرح ان کا انکار کر دیا جائے۔ اگر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اتنے

واضح اور صریح الفاظ میں کسی تاویلات یا مجازات و استعارات جاری کرنا صحیح ہے تو پھر یہود و نصاریٰ کو بھی قصوروار ٹھہرانا غلط ہوگا جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئیوں میں تاویلیں کر کے اپنا ایمان برباد کیا۔ والعیاذ باللہ من الزیغ والالحاد!

سيدنا روح الله عيسىٰ بن مريم وقطعة مهمة من حياته الطيبة عليه الصلوٰة والسلام

سیدنا روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی حیات طیبہ کی ایک اہم سرگزشت

نزول عيسىٰ عليه السلام حق جزم به النبي ﷺ حتّٰى حلف عليه

(۱) ..... ”عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ أَنْ يَّنْزِلَ فِيْكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْحَرْبَ وَيَفِيْضُ الْمَالُ حَتّٰى لَايَقْبَلَهٗ أَحَدٌ حَتّٰى تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ثُمَّ يَقُوْلُ أَبُوْهُرَيْرَةَ وَاقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔ رواه البخاری ص ۴۹۰ ج ۱ باب نزول عیسیٰ بن مریم ومسلم ص ۸۷ ج ۱ باب نزول ابن مریم“

”وفی لفظ من روایة عطاء ولتذهبن الشحناء والتباغض والتحاسد. رواه ابوداؤد وابن ماجه واحمد فی مسنده ص ۴۹۳، ۴۹۴ ج ۲ وبطریق احرفی ص ۱۱۴ ج ۲“

”ولفظه یوشك من عاش منكم ان یلقی عیسیٰ بن مریم وعزاه

السیوطی فی الدر المنثور ص ۲۴۲ ج ۲ لابن ابی شیبة وعبد بن حمید وأخرجه ابن مردویه وفی لفظه وتکون السجدة واحدة للّٰه رب العالمین واقرؤا ان شئتم وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته موت عیسیٰ بن مریم ثم یعیدها ابوہریرة ثلث مرات۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی مسئلہ ہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو قسم کھا کر ذکر فرمایا ہے

«ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یقیناً وہ زمانہ قریب ہے جبکہ ابن مریم تمہارے درمیان اتریں گے وہ ایک منصف فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے آئیں گے۔ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور سور کو قتل کریں گے اور جنگ ختم کر دیں گے اور ان کے دور میں مال اس طرح بہا پڑے گا کہ کوئی شخص اس کو قبول کرنے والا نہ ملے گا اور لوگوں کی نظروں میں ایک سجدہ کی قدر و قیمت دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی۔ یہ مضمون روایت فرما کر ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ اگر تم اس مضمون کو قرآن کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو سورۃ النساء کی یہ آیت پڑھ لو۔ "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔" بخاری شریف و مسلم شریف میں عطاء کی روایت میں یہ الفاظ اور ہیں کہ ان کے زمانہ کی برکات میں سے یہ بھی ہوگا کہ لوگوں میں کینہ بغض اور حسد کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔»

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں اگر عام عادت کے خلاف کوئی بات نہیں تو آنحضرت ﷺ اس کو قسم کھا کھا کر کیوں بیان فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کسی انسان کی ولادت مراد نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی جدید بات نہیں جس پر قسم کھانے کی ضرورت ہو۔ پھر اس پیشین گوئی کی اہمیت راوی حدیث کی نظر میں اتنی ہے کہ وہ اس کو قرآنی پیشین گوئی کہتا ہے۔ اب اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ جو پیشین گوئی قسم کے ساتھ حدیثوں میں بیان کی گئی ہو اور بلفظہ قرآن کریم میں موجود ہو وہ جزم و یقین

کے کس درجہ میں ہوگی۔ حدیث مذکور میں ان کے زمانہ کی چند اسی برکات کا تذکرہ بھی آگیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت ہوگی۔ وہ کوئی معمولی محکوم انسان نہیں ہوں گے۔ بلکہ حاکم بھی وہ حاکم ہوں گے۔ جو وقت کی بڑی طاقت یعنی نصرانیت کا صرف روحانی طور پر ہی نہیں بلکہ مادی طور پر بھی استیصال فرمائیں گے اور شعائر نصرانیت میں سب سے بڑا شعار یعنی صلیب اسکو نیست و نابود کر دیں گے۔ اخروی برکات کے ساتھ ساتھ دنیوی برکات بھی ان کے قدموں سے لگی ہوئی ہوں گے اور یہ سب برکات آپ کی ظاہری و باہری ہوں گی کہ اس وقت کے انسانوں کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہی اسرائیلی رسول ہونے کا بین ثبوت دیں گے۔

یہ بھی واضح رہے کہ حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا گیا ہے اور حکم وہی ہو سکتا ہے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ نازل ہونے والے وہی اسرائیلی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ ان کی شخصیت ہی اہل کتاب اور امت محمدیہ ﷺ دونوں کے نزدیک مسلم ہو سکتی ہے۔ اگر بالفرض اس پیشین گوئی کا مصداق کسی ایسے شخص کو قرار دیا جائے جو خود اسی امت میں پیدا ہو تو اس کو حکم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اہل کتاب کے نزدیک وہ مسلم نہیں ہوگا۔ یہاں حکم یعنی ثالث کی ضرورت اس لئے ہے کہ دنیا کے خاتمہ پر جملہ ادیان کا پھر ملت واحدہ بن جانا ضروری ہے اور اس کے لئے اہل کتاب اور اہل قرآن کا باہم اختلاف ختم ہو جانا لازم ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سب فیصلے دلائل اور براہین کی روشنی میں ہوتے ہیں اس لئے اس کی مصلحت نے تقاضا کیا کہ اس مقصد کے لئے ایک ایسی شخصیت آئے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو تاکہ خدائے تعالیٰ کی حجت دونوں فریق پر پوری ہو جائے اس لئے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا تشریف لانا مقدر ہوا۔ " وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۔ "

(۴)...... "وَأَخْرَجَ أَبُو يَعْلَى مَرْفُوعًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيَنْزِلَنَّ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلَى قَبْرِي وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَأُجِيبَنَّهُ كَذَا فِي رُوحِ الْمَعَانِي مِنَ الْأَحْزَابِ ج ۲۲ ص ۳۲ زیر آیت خاتم النبیین' مجمع الزوائد

ص ۲٦٤ ج ۸ بحوالہ مسند ابی یعلیٰ"

﴿آنحضرت ﷺ نے اس ذات کی قسم کھا کر فرمایا جس کے قبضہ میں آپ کی جان ہے کہ عیسیٰ بن مریم ضرور اتریں گے اور اگر وہ میری قبر پر آ کر کھڑے ہو جائیں گے اور مجھ کو یا محمد ﷺ کہہ کر آواز دیں گے تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔﴾

(۳)۔ "عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ من ادرک منکم عیسیٰ بن مریم فلیقرئہ منی السلام۔ کذا فی الدر منثور ص ۲۴۵ ج ۲ وقد رواہ احمد ص ۲۹۸ ج ۲ فی مسندہ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً بسند رجالہ رجال البخاری مستدرک حاکم ج ۵ ص ۷۵۵ حدیث نمبر ۸٦۷۹"

﴿انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے جس شخص کی بھی عیسیٰ بن مریم سے ملاقات ہو وہ ان کو میری جانب سے ضرور سلام کہہ دے۔﴾

(۴)۔ "عن ابی ہریرۃ موقوفاً علیہ انی لارجو ان طالت بی حیوۃ ان ادرک عیسیٰ بن مریم فان عجل بی موت فمن ادرکہ فلیقرئہ منی السلام (مسند احمد ص ۲۹۸ ج ۲) ورجالہ رجال البخاری وقد اخرج البخاری بھذا الاسناد احادیث فراجع ص ۱۰۰۷ ج ۲ و ص ۹۹۹ ج ۲"

﴿ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر میری زندگی دراز ہو گئی تو مجھ کو امید ہے کہ عیسیٰ بن مریم سے خود میری ملاقات ہو جائے گی اور اگر اس سے پہلے میری موت آ جائے تو جو شخص ان کا زمانہ پائے وہ میری جانب سے ان کی خدمت میں سلام عرض کر دے۔﴾

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی امر ہے اور ایسا یقینی ہے کہ اس پیشن گوئی کے راویوں کی نظروں میں اس کا انتظار لگ رہا تھا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت غیر معمولی شخصیت ہے امت کا فرض ہے کہ وہ پیشن گوئی کو یاد رکھے اور جس خوش نصیب کو وہ زمانہ ہاتھ آ جائے اس پر لازم ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کا سلام پہنچا کر آپ ﷺ کی وصیت کو پورا کرنے کی سعادت حاصل کرے۔

ان عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام لم یمت الی الان وانه راجع الیناثم یاتی علیه الفناء

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اب تک وفات نہیں ہوئی ان کو تشریف لانا ہے اس کے بعد ان کی وفات ہونی ہے

(۵)...... "عن الحسن مرفوعًا وموقوفًا قال قال رسول اللّٰہ ﷺ للیهود ان عیسٰی لم یمت وانّهٗ راجع الیکم قبل یوم القیامة اخرجه ابن جریر مرفوعا عنه ج ۳ ص ۲۸۹ واخرج ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۶ من آل عمران وذکره فی النساء من طریق اخرموقوفاً علیه واخرجه ابن ابی حاتم مرفوعاً، درمنثور ج ۲ ص ۳۶ زیر آیت انی متوفیك"

﴿حضرت حسنؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے ارشاد فرمایا! عیسیٰ علیہ السلام ابھی مرے نہیں ہیں اور قیامت سے پہلے ان کو لوٹ کر تمہارے پاس آنا ہے۔﴾

عجیب بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کو علیحدہ علیحدہ خطاب فرمایا ہے چونکہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ تصور کرتے ہیں اور ان کی دوبارہ آمد کے منکر ہیں اس لئے جب آپ نے خاص یہود کو خطاب فرمایا تو ان کے مقابلہ میں خاص طور پر ان کی دوبارہ تشریف آوری پر زور دیا ہے اور صراحت کے ساتھ ان کی موت کی نفی فرمادی ہے جس سے ثابت ہوا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہی نہیں ہوئی تو پھر ان کا دوبارہ تشریف لانا خود بخود ضروری ہے اور اس حقیقت کی مزید تاکید کے لئے جو شخص آسمانوں پر گیا ہے وہی شخص دوبارہ آئے گا لفظ "رجوع" یعنی لوٹنے کا استعمال فرمایا ہے۔ اس کے برعکس نصاریٰ ہیں وہ ان کو خدا مانتے ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک وہ فنا کے تحت آہی نہیں سکتے۔ لہٰذا آپ نے جب خاص ان سے خطاب فرمایا تو ان کو یہ کہہ کر قائل

کیا ہے کہ معلوم ہے جس کو کبھی فنا نہ ہو اور عیسیٰ علیہ السلام کو مرنے کے بعد موت آنی ہے پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۶) "عن الربیع مرسلاً قال ان النصاری أتوا رسول اللہ ﷺ فخاصموہ فی عیسی بن مریم وقالوا لہ من أبوہ وقالوا علی اللہ الکذب والبہتان فقال لہم النبی ﷺ الستم تعلمون انہ لا یکون ولد الا وہو یشبہ اباہ قالوا بلی قال الستم تعلمون ان ربنا حی لا یموت وان عیسی یاتی علیہ الفناء قالوا بلی۔ الحدیث کذا فی الدر المنثور من اول سورۃ آل عمران ص ۳ ج ۲"

﴿ربیع مرسلاً بیان کرتے ہیں کہ نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عیسیٰ بن مریم کے معاملہ میں حضور ﷺ سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے نہ تھے تو بتائیے ان کا والد کون تھا اور حق تعالیٰ شانہ پر طرح طرح کے جھوٹ اور بہتان لگانے لگے۔ آپ نے ان سے فرمایا کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوا کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے۔ اس کو موت کبھی نہ آئے گی اور عیسیٰ علیہ السلام کو موت آنی ہے۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا اور کہا بے شک ان کو موت آنی ہے تو پھر وہ حق تعالیٰ کے مشابہ کہاں رہے۔﴾

اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت آچکی تھی تو کیا اس حقیقت کے انکشاف کے لئے اس سے زیادہ موزوں کوئی اور موقع تھا کہ آپ ﷺ یہاں صاف فرما دیتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو کبھی کے مر چکے ہیں مگر قرآن و حدیث میں عیسائیوں کے سامنے ایک جگہ بھی ہم کو اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔

(۷) "عن ابی الطفیل عن حذیفۃ بن اسید الغفاری قال اطلع النبی ﷺ علینا ونحن نتذاکر فقال ما تذکرون قالوا نذکر الساعۃ قال انہا لن تقوم حتی ترون قبلہا عشر آیات فذکر الدخان والدجال

وَالدَّابَّةَ وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُولَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ وَيَاجُوجَ وَمَاجُوجَ وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذَٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ إِلَى مَحْشَرِهِمْ

۰ اخرجه مسلم ص ۳۹۳ ج ۲ فصل فی ظهور عشر آیات وعن واثلة نحوه اخرجه الطبرانی ج ۲ ص ۱۷۱ حدیث نمبر ۲۰۲۸ والحاکم ج ۵ ص ۶۶۶ حدیث نمبر ۸۴۶۶ " واقفه الذهبی علی تصحیحه "

﴿ابو الطفیل حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس باہر سے تشریف لائے اس وقت ہم قیامت کے متعلق گفتگو میں مشغول تھے۔ آپ نے فرمایا کیا گفتگو کر رہے ہو؟۔ ہم نے عرض کی قیامت کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک ہرگز نہیں آسکتی جب تک کہ اس سے پہلے تم دس نشانیاں دیکھ نہ لو۔ (۱) دھواں۔ (۲) دجال۔ (۳) دابۃ الارض۔ (۴) مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع۔ (۵) عیسیٰ بن مریم کا اترنا (۶) یاجوج وماجوج کا ظہور۔ (۷) تین خسف ایک مشرق میں۔ (۸) ایک مغرب میں۔ (۹) اور تیسرا جزیرہ عرب میں۔ (۱۰) اور سب سے آخر میں وہ آگ جو یمن سے ظاہر ہوگی اور سب کو ہنکا دے کر محشر تک لے جائے گی۔﴾

حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے مگر اس سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول چند اور علامات کے ساتھ بھی اتنا ہی یقینی ہے حتیٰ کہ ان کی تشریف آوری سے قبل قیامت کا تصور کرنا گویا بے حقیقت بات ہے۔ نیز حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جن اور دیگر علامات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر علامت اپنی اپنی نوعیت میں عجیب ہی ہے اور ظاہر ہے کہ انقلاب عالم کے عجیب تر حادثہ کی علامات ایسے ہی عجیب در عجیب ہونی چاہئیں۔ ان کو تاویلیں کر کر کے دنیا کے عام حوادث کی صف میں کھینچنا قیامت کی حقیقت سے ناواقفی کی دلیل ہے بلکہ ایک طرح پر قیامت ہی کا انکار ہے کیونکہ قیامت کا وجود ان علامات کے وجود سے کہیں عجیب تر ہے۔ پس اگر یہ علامات عادی معقول کے نزدیک خلاف عقل ہونے کی بناء پر قابل تاویل ہیں تو پھر قیامت کا وجود بدرجہ

کوئی قابل تاویل ہونا چاہئے۔ والعیاذ باللہ ! اہل عقل و انصاف لوزرا لحظہ نے دل سے اس پر غور کرنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدیثوں میں قیامت کے قریب تر متعلقات میں شمار کیا گیا ہے۔ پھر اگر اس کو قیامت کی نشانی ہے تو قیامت پر قیاس کرنا چاہئے عالم کے عام نظم و نسق میں اس کو شامل کر لینا کتنی بڑی نادانی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے تو سے پیدا ہونے والی علامات قیامت میں قیامت کی علامات کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ صغریٰ (چھوٹی) اور کبریٰ (بڑی) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول علامات کبریٰ میں شامل فرمایا ہے جس کا حاصل حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ اس کے بعد قیامت کا اس طرح انتظار کرنا چاہئے جیسے جانور کے حمل کی مدت پوری ہو جانے کے بعد اس کا مالک بچہ کی پیدائش کا انتظار کیا کرتا ہے جیسا کہ اس باب کے آخر کی حدیثوں میں عنقریب آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔

(۸) ... "عن عمران بن حصین ان رسول اللہ ﷺ قال لاتزال طائفۃ من امتی علی الحق ظاہرین علی من ناواھم حتی یاتی امر اللہ تبارک وتعالی وینزل عیسی بن مریم علیہ السلام۔ مسند احمد ص ۴۲۹ ج ۴ ورجالہ کلھم ثقات"

﴿عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی جو اپنے دشمنوں کے مقابلہ پر غالب رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو اور حضرت عیسیٰ بن مریم اتر آئیں۔﴾

حدیث مذکور اگرچہ ایک دوسرے مضمون کی حدیث ہے مگر چونکہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری قیامت کی طرح یقینی مسئلہ ہے۔ اس لئے جب کہیں قیامت کا تذکرہ آتا ہے تو اگر وہاں سیاق کلام میں ذرا کوئی مناسبت نکل آتی ہے تو مسلمات کی طرح فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا تذکرہ بھی آجاتا ہے۔

(۹) ... "عن ابن مسعود مرفوعا قال ان المسیح بن مریم خارج قبل یوم القیامۃ ویستغنی بہ الناس عمن سواہ۔ کنز العمال ج ۱۴ ص ۶۲۰ حدیث نمبر ۳۹۷۲۱"

﴿ابن مسعودؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) یقیناً تشریف لا رہے ہیں گے اور ان کی آمد کے بعد لوگ ان کے سوا سب سے بے نیاز ہو جائیں گے۔﴾

(۱۰)...... "عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا فِي أَوَّلِهَا وَعِيْسَىٰ فِيْ آخِرِهَا ، كنزل العمال ج١٤ ص٢٦٩ حديث نمبر٣٨٦٨٢ وصححه في الدر المنثور في ضمن اثر كعب وحسنه في الفتح من فضائل اصحاب النبي ﷺ وذكره في المشكوٰة ص٥٨٣ في ثواب هذه الامة عن رزين بسلسلة الذهب قال في التيسير ص٢٠٢ رواه النسائي وغيره"

﴿ابن عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اول میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔﴾

(۱۱)...... "عَنْ جُبَيْرِبْنِ نُفَيْرِالْحَضْرَمِيْ مَرْفُوْعًا مُرْسَلاً لَنْ يُخْزِيَ اللّٰهُ أُمَّةً أَنَا فِيْ أَوَّلِهَا وَعِيْسَىٰ فِيْ آخِرِهَا كذافي الدرالمنثور ص٢٤٥ ج٢ مصنف ابن ابي شيبه ج٥ ص٢٩٩ كتاب الجهاد وقال الذهبي في التلخيص هو خبر منكر ولم يذكره وجها وجيها بل الصحيح انه ان لم يكن صحيحا فلا ينحط عن درجة الحسن كما صرح به الحافظ في الفتح ص٥ ج٧ وعن عروة بن رويم مثله كما في الكنز ج١٤ ص٣٣٥ حديث نمبر٣٨٨٥٣ وعن كعب مثله مرفوعاً في ضمن اثره الموقوف عليه كذافي الدرالمنثور وعن جعفر الصادق عن ابيه عن جده مرفوعاً في حديث نحوه رواه رزين كما في المشكوة ص٥٨٣ من باب ثواب هذه الامة"

﴿جبیر بن نفیر رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو ہرگز ناکام نہیں کرے گا جس کے اول میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔﴾

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی ہے اور اس نزول میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے ایک بڑی رحمت بھی پنہاں ہے۔ یوں تو

ہر گذشتہ امت دو رسولوں کے درمیان ہی ہوتی چلی آئی ہے مگر چونکہ پہلے ہر رسول کی امت مستقل ہوتی تھی اس لئے اس کو پہلی امت کے آخر میں شمار کرنا بے معنی بات تھی۔ وہاں ہر رسول کا اصل مقام اپنی امت کے اول ہی میں تھا جیسا آنحضرت ﷺ کو نصاریٰ کے بعد تشریف لائے مگر چونکہ آپ مستقل رسول تھے اور آپ کی امت علیحدہ امت تھی اس لئے آپ کو امت عیسیٰ علیہ السلام کے آخر میں شمار کرنا اور یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی امت بھی دو رسولوں کے درمیان ہے۔ اس کے اول میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخر میں آنحضرت ﷺ بالکل بے معنی بات ہے لیکن اس امت کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ یہاں اس امت کے رسول تو صرف آنحضرت ﷺ ہیں اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اس امت میں بحیثیت رسالت نہ ہوگی اس لئے ان کی امت بھی کوئی جدید امت نہ ہوگی اس لئے ان کو اس امت کے آخر میں شمار کرنا بالکل درست ہے اور اس امت کے حق میں بڑی رحمت کا باعث ہے۔

حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ آخر میں آنے والے رسول وہی اسرائیلی رسول ہوں گے اور خود اس امت میں پیدا نہیں ہوں گے کیونکہ اگر وہ خود اس امت میں پیدا ہوں تو پھر ان کو امت کے آخر میں کہنا مناسب نہیں۔ پس یہاں جس طرح امت کے اول میں آنے والے رسول کو اس امت میں شمار کرنا صحیح نہیں اسی طرح اس کے آخر میں آنے والے رسول کو اس امت میں پیدا شدہ کہنا صحیح نہیں بلکہ وہ ایسا رسول ہونا چاہیے جو خود رسول ہو مگر آئندہ اس کی کوئی علیحدہ امت نہ ہو تاکہ اس کو اس امت کے آخر میں کہنا صحیح اور با معنی بات ہو یہ بات دوسری ہے کہ چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد میں آئے گا۔ اس لئے دورۂ نبوت کے لحاظ سے اس کو آپ کی امت میں بھی شمار کرنا درست رہے تو پھر اس میں ایک عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص نہیں تمام انبیاء علیہم السلام بھی آپ کی نبوت کے تحت ہیں اور اس لئے صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ محشر میں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے مگر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شان ایک بار دنیا میں بھی ظاہر ہوگی۔ اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے خاص ان کے

اندر یہ رشتہ زیادہ نمایاں رہے گا۔ اسی لئے علماء حقائق نے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام میں اسی خصوصیت کا ظہور قیامت کے دن بھی سب میں ممتاز رہے گا۔ عجب نہیں کہ: ''انا اولی الناس بابن مریم'' کی صحیح حدیث میں اس طرف بھی کچھ اشارہ ہو۔

ان عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام ینزل من السماء ولایولد فی الارض

(۱۳) ... ''عن الحاطب بن ابی بلتعة قال بعثنی رسول الله ﷺ الی المقوقس ملک الاسکندریة قال فجئته بکتاب رسول الله ﷺ فانزلنی فی منزله واقمت عنده ثم بعث الیّ وقد جمع بطارقة وقال انی ساکلمک بکلام واحب ان تفهمه منی قال قلت هلم قال اخبرنی عن صاحبک الیس هو نبیا قلت بلی هو رسول الله قال فما له حیث کان هکذا لم یدع علی قومه حیث اخرجوه من بلده الی غیرها قال فقلت عیسیٰ بن مریم الیس تشهد انه رسول الله فما له حیث اخذه قومه فارادوا ان یصلبوه ان لا یکون دعا علیهم بان یهلکهم الله عزوجل حتی رفعه الله الیه فی السماء الدنیا قال انت الحکیم الذی جاء من عند الحکیم . اخرجه البیهقی کما فی الخصائص الکبریٰ ج۲ص۱۲۹ باب ماوقع عند کتابه الی المقوقس قلت ولم یذکره الشیخ قدس سره فی رسالة فی نزول المسیح علیه السلام .''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور زمین کے کسی خطہ میں پیدا نہیں ہوں گے

حاطب بن ابی بلتعة بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو مقوقس شاہ اسکندریہ کے پاس بھیجا۔ یہ کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر

ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور میں ان کے ہاں مقیم رہا پھر کسی فرصت میں انہوں نے مجھ کو یاد فرمایا اور اپنے مذہبی بزرگوں کو بھی دعوت دی اور کہا مجھ کو تم سے ایک بات کہنی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس کو خوب سمجھو یہ کہتے ہیں میں نے عرض کی فرمایئے! انہوں نے فرمایا اچھا اپنے پیشوا کے متعلق بتاؤ کیا وہ نبی ہیں؟ میں نے عرض کی یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا تو پھر ان کی قوم نے ان کو اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا تو انہوں نے کیوں ان پر بددعا نہ کی؟ یہ کہتے ہی میں نے اس کے جواب میں شاہ مقوقس سے کہا کیا آپ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ گواہی نہیں دیتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر جب ان کی قوم نے ان کو پکڑ کر سولی دینے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے اس وقت ان کے حق میں یہ بددعا کیوں نہ کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے؟ یہاں تک کہ اللہ نے دنیا کے اس آسمان پر ان کو اٹھا لیا۔ یہ سن کر شاہ مقوقس نے کہا تو خود بھی دانا شخص ہے اور جس ہستی کا فیض یافتہ ہے وہ بھی بڑی صاحب حکمت ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی حاطبؓ اور شاہ مقوقس کے درمیان ایک مربوط گفتگو کا تذکرہ ہے جس کو پڑھ کر بے ساختہ دل اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس گفتگو میں صحابی کو مقوقس کے جواب میں گو صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں پر بددعا کیوں نہیں کی مگر انہوں نے شاہ مقوقس پر اور زیادہ زور ڈالنے کے لئے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو ہجرت فرمائی تھی وہ تو صرف ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف تھی مگر عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت تو ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے وطن چھوڑا مگر پھر بھی رہے وطن ہی کے قریب میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو ایسی جگہ ہجرت فرمائی جہاں سے وطن کی خبر دی نہ اہل وطن کی۔ پس بددعا کا سوال یہاں زیادہ چسپاں ہوتا ہے جہاں مظلومیت زیادہ ہو۔ اس پر شاہ مقوقس نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ کیا نامعقول بات کہتے ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کہاں گئے ان کی تو مدت ہوئی وفات ہو چکی ہے بلکہ وہ لاجواب ہو کر چپ رہ گیا اور اس کو خود ان کی بھی اور آنحضرت ﷺ کی بھی غائبانہ داد دینی پڑی۔ معلوم ہوا کہ شاہ مقوقس

کے نزدیک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ زندہ آسمان پر تشریف لے گئے ہیں اس لئے آسمان ہی سے اتریں گے ان کے علاوہ کسی دوسرے انسان کا دنیا میں پیدا ہونے کا خیال یہ صرف جدید تراشیدہ افسانہ ہے جس کے نہ اہل کتاب ہی قائل تھے نہ علماء اسلام۔

(۱۳)........ "عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال کیف انتم اذا نزل ابن مریم من السماء فیکم وامامکم منکم۔ ذکرہ البیہقی فی کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۱ وللبخاری ج ۱ ص ۴۹۰ باب نزول عیسیٰ بن مریم ومسلم ج ۱ ص ۸۷ باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام علی عادۃ المحدثین فی کون مرادھم بہ اصل الحدیث۔"

"وعن ابن عباس فی تفسیر قولہ تعالیٰ ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفرلہم ای من ترکت منہم ومدفی عمرہ حتیٰ اھبط من السماء الی الارض یقتل الدجال فنزلوا عن مقالتہم ووحدوک واقروا انا عبید۔ درمنثور ج ۲ ص ۳۵۰"

"وعنہ قال لما اراد اللہ ان یرفع عیسیٰ الی السماء خرج الی اصحابہ وفی البیت اثناء عشر رجلا من الحواریین فخرج علیہم من عین فی البیت ورأسہ یقطر ماء۔ درمنثور ص ۲۳۸ ج ۲"

﴿ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بھلا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جبکہ عیسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام خود تم میں کا ہوگا (الاسماء والصفات) ابن عباسؓ آیت: "وان تعذبہم...... الخ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے یعنی ان لوگوں کو جن کو تو باقی رکھے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر دراز کر دی گئی ہے یہاں تک کہ جب وہ آسمان سے زمین پر اتریں اور دجال کو قتل کر دیں تو جو باقی ماندہ اپنے مشرکانہ عقیدے سے باز آکر تیری وحدانیت کے قائل ہو جائیں اور یہ اقرار بھی کریں کہ ہم تیرا

ایک بعد والی حدیث تو تو قادر اور حکمت والا ہے۔ نیز ابن عباسؓ "بل رفعه الله اليه" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو وہ اپنے صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اس وقت گھر میں صرف بارہ شخص موجود تھے اور وہ گھر کے دروازہ کی جانب روشندان سے تشریف لے گئے اور اس وقت ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ ◆

حدیث مذکور میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے ہر چند کہ آسمان کے لفظ کی ان تفصیلات کے بعد جو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں بیان میں آچکی تھیں کوئی ضرورت نہ تھی مگر اس کے باوجود چونکہ وہ ایک حقیقت تھی۔ اس لئے اگر ضرورت نہ سہی تو ایک حقیقت کے اظہار کے طور پر ہی سہی اس کا جا بجا ذکر ملتا ہے حتیٰ کہ حضرت ابن عباسؓ بھی جن کے متعلق یہ داستان گائی جاتی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل تھے مختلف مقامات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تصریح فرماتے ہیں پھر اس میں شبہ کیا ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مرنا ہے کلام صرف اس میں ہے کہ یہ مقدر موت واقع ہو چکی ہے یا آئندہ واقع ہونے والی ہے تنقیح طلب یہی ہے کہ بالفرض اگر ان کے بارے میں کسی سے موت کا لفظ منقول بھی ہے تو اس کو زبردستی گزشتہ موت پر محمول کر لیا جائے حالانکہ وہ اس کا صاف اقرار بھی کر رہا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے جا چکے ہیں اور آئندہ تشریف لا کر ہم انسانوں کی طرح وفات پائیں گے۔

(۱۴)...... "عن ابن عباس مرفوعا قال الدجال اولا من يتبعه سبعون الفا من اليهود عليهم التيجان (الى قوله) قال ابن عباس قال رسول الله ﷺ فعند ذلك ينزل اخي عيسى بن مريم من السماء على جبل افيق اماما هاديا و حكما عادلا عليه برنس" له مربوع الخلق اصلت سبط الشعر بيده حربة يقتل الدجال فاذا قتل الدجال تضع الحرب اوزارها فكان السلم فيلقى الرجل الاسد فلا يهيجه ويأخذ الحية فلا

فَسَوَّہٗ وَتُنْبِتُ الْاَرْضُ کَنَبَاتِہَا عَلٰی عَہْدِ اٰدَمَ وَیُؤْمِنُ بِہٖ اَہْلُ الْاَرْضِ وَیَکُوْنُ النَّاسُ اَہْلَ مِلَّۃٍ وَاحِدَۃٍ - اسحق بن بشیر کنز العمال ج ۱۴ ص ۶۱۸، ۶۶۹ حدیث نمبر ۳۹۷۶۶"

﴿ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے سب سے پہلے جو لوگ دجال کی اتباع کریں گے وہ ستر ہزار یہود ہوں گے۔ ان کے سروں پر طیلسان ہوں گے۔ اس سلسلہ میں ابن عباسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اس وقت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ افیق پر آسمان سے اتریں گے اور وہ امام ہادی اور منصف حاکم ہوں گے۔ برنس (باران کوٹ کی طرح ہوتا ہے) پہنے ہوئے ہوں گے۔ وہ میانہ جسم کے سنے ہوئے رخسار اور سیدھے بالوں والے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نیزہ ہوگا۔ دجال کو قتل کریں گے اور جب اس کے قتل سے فارغ ہو جائیں گے تو جنگ ختم ہو جائے گی اور امن و سلامتی کا یہ عالم ہوگا کہ آدمی اور شیر کا آمنا سامنا ہوگا مگر اس پر حملہ کرنے کا اس کے دل میں ذرا خیال نہ آئے گا۔ آدمی سانپ کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور وہ اس کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچائے گا اور زمین کی پیداوار میں وہ برکت ہوگی جو کبھی آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تھی اور زمین کے بسنے والے ان پر ایمان لے آئیں گے اور سب مخلوق ایک ہی ملت و مذہب کی ہو جائے گی۔﴾

اس حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہے اور ان کے دور کے امن و امان اور اصلاح و فلاح عام کا ایسا نقشہ موجود ہے جس سے بداہتاً ثابت ہوتا ہے کہ یقیناً وہ کوئی غیر معمولی انسان ہوں گے۔ اب اگر کسی کے دل میں یہ حقیقت کو مجاز بنا کر اس پیش گوئی کو اپنے نفس پر صادق کرنے کا جذبہ ہو تو اس کا علاج کس کے پاس ہے۔

ہاں! جو شخص کسی کی ہوائے نفسانی کی خاطر آنحضرت ﷺ کے ان صریح فرمودہ ارشادات کی رکیک تاویلات پر یقین لانے کو ترجیح دے وہ ذرا خود سوچے

"وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ -"

جزم النبی ﷺ بان النازل ہو عیسیٰ بن مریم الذی ولد من غیر اب وشیدہ بما لا مزید علیہ من ذکر اسمہ ونسبہ وحلیتہ والاعمال المہمۃ التی ینزل لہا ومنصبہ الذی ینزل بہ وکیفیۃ الامن الشامل وسعۃ الرزق وفیضان المال وغیر ہا فی عہدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

(۱۵) ” عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الانبياءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ وَأَنَّهُ نَازِلٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ فَإِنَّهُ رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبِطٌ كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ وَإِنْ لَمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ بَيْنَ مُمَصَّرَتَيْنِ فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيُعَطِّلُ الْمِلَلَ حَتّٰى يُهْلِكَ اللّٰهُ فِيْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا غَيْرَ الْإِسْلَامِ وَيُهْلِكُ اللّٰهُ فِيْ زَمَانِهِ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ الْكَذَّابَ وَتَقَعُ الْأَمَنَةُ فِي الْأَرْضِ حَتّٰى تَرْتَعَ الْإِبِلُ مَعَ الْأُسُدِ جَمِيْعًا وَالنُّمُوْرُ مَعَ الْبَقَرِ وَالذِّئَابُ مَعَ الْغَنَمِ وَيَلْعَبُ الصِّبْيَانُ وَالْغِلْمَانُ بِالْحَيَّاتِ لَا يَضُرُّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَيَمْكُثُ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَمْكُثَ ثُمَّ يُتَوَفّٰى فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَيَدْفِنُوْنَهُ ۔ مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۶٬۴۳۷ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۹۹ باب صفۃ عیسیٰ علیہ السلام تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۲٬۲۳“

آنحضرت ﷺ نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ آئندہ تشریف لانے والے وہی عیسیٰ ہوں گے جن کی پیدائش بغیر والد کے ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت کے لئے آپ نے ان کے نام ان کے نسب اور ان کی شکل و صورت بیان فرمانے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی خدمات مفوضہ ان کا منصب ان کے زمانہ امن عام کی کیفیت رزق کی فراوانی اور دیگر امور کی تفصیلات بھی بیان فرمادی ہیں

﴿ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جتنے انبیاء ہیں سب باپ شریک بھائیوں کی طرح ہیں۔ والد ایک اور مائیں علیحدہ علیحدہ ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام سے سب سے زیادہ نزدیک میں ہوں۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ دیکھو وہ ضرور اتریں گے اور جب تم ان کو دیکھو تو فوراً پہچان لینا کیونکہ ان کا قد میانہ ہوگا۔ رنگ سرخ و سفید۔ کنگھی کئے ہوئے سیدھے سیدھے بال۔ یوں معلوم ہوگا کہ سر سے پانی ٹپکنے والا ہے۔ اگرچہ اس پر کہیں تری کا نام تک نہ ہوگا۔ وہ گیروے رنگ کی چادریں اوڑھے ہوں گے۔ وہ اتر کر صلیب کو توڑ ڈالیں گے۔ سور کو قتل کر دیں گے جزیہ ختم کر دیں گے اور تمام مذاہب ان کے زمانہ میں ختم ہو کر صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ جھوٹے مسیح دجال کو ہلاک کرے گا اور زمین پر امن و امان کا وہ نقشہ قائم ہوگا کہ اونٹ شیروں کے ساتھ اور چیتے بیلوں کیساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چریں گے اور لڑکے بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور ایک دوسرے کو ذرا کوئی تکلیف نہ دے گا۔ اسی حالت پر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا وہ رہیں گے پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے اور ان کو دفن کر دیں گے۔﴾

اس حدیث پر مکمل نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں اسی مسیح (اسرائیلی علیہ السلام) کا تذکرہ ہے جو ایک بار بہ حیثیت نبوت کے پہلے آ چکے ہیں اور وہی اس امت پر ایک بڑی مصیبت کے وقت دوبارہ پھر تشریف لانے والے ہیں۔ کیونکہ زمانے کے لحاظ سے آپ ﷺ سے وہی اتنے قریب ہیں کہ ان کے اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اس لئے بھی اس مصیبت کے وقت آپ کی امت کی ہمدردی کا فرض سب سے پہلے ان ہی پر عائد ہوتا ہے۔ نیز آپ نے اس کی مزید توضیح کے لئے ان کا وہی نام و نسب ان کی وہی شکل لطافت و طہارت اور ان کے اسی حلیہ مبارک کا تذکرہ فرمایا ہے جس کے بعد کسی مجنون کے لئے بھی اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی پھر آپ ﷺ نے صرف ان کے ماضی کے سوانح کے بیان پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ ان کے مستقبل کے ایسے کارنامے اور ایسی روشن برکات کا بھی تذکرہ فرمادیا ہے جن کے بعد ان کی شناخت میں کوئی ادنیٰ تردد نہیں ہو سکتا۔ اب اگر آپ کے فرمودہ پر ایمان لانا ہے تو وہ واضح سے واضح انداز میں یہ آپ کے سامنے موجود ہے اور اگر اپنے خیالات پر ایمان لانا ہے تو یہود اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کے حق میں یہی راستہ اختیار کر چکے ہیں۔ کتب سابقہ بھی صاف سے صاف انداز میں آپ کے نام و نسب آپ کی شکل و شمائل اور آپ کے کارناموں کو کھول کھول کر بیان کرتی رہیں اور یہ بدنصیب ان سب کی تاویلیں کر کر کے آپ کا انکار کرتے رہے " فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ - "

البلد الذي ينزل فيه عيسىٰ عليه الصلوٰة والسلام وموضع النزول منه بعينه هياتيه عند نزوله والبركة العامة في الاشياء في عهده عليه الصلوٰة والسلام

(۱۶) " عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

الدّجّال ذات غداة فخفّض فيه ورفّع حتّى ظننّاه في طائفة النّخل فلمّا
رحنا إليه عرف ذالك فينا فقال ما شأنكم قلنا يا رسول الله ذكرت الدّجّال
غداة فخفّضت فيه ورفّعت حتّى ظننّاه في طائفة النّخل فقال غير الدّجّال
أخوفني عليكم إن يخرج وأنا فيكم فأنا حجيجه دونكم وإن يخرج ولست
فيكم فامرؤ حجيج نفسه والله خليفتي على كلّ مسلم إنّه شابّ قطط
عينه طافئة كأنّي أشبّهه بعبد العزّى بن قطن فمن أدرك منكم فليقرأ عليه
فواتح سورة الكهف إنّه خارج خلّة بين الشّام والعراق فعاث يمينًا وعاث
شمالاً يا عباد الله فاثبتوا قلنا يا رسول الله وما لبثه في الأرض قال
أربعون يومًا يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر أيّامه كأيّامكم
قلنا يا رسول الله فذالك اليوم الّذي كسنة اتكفينا فيه صلوة يوم قال
لا اقدروا له قدره قلنا يا رسول الله وما إسراعه في الأرض قال كالغيث
استدبرته الرّيح فيأتي على القوم فيدعوهم فيؤمنون به ويستجيبون له
فيأمر السّماء فتمطر والأرض فتنبت فتروح عليهم سارحتهم أطول
ما كانت ذرى وأسبغه ضروعًا وأمدّه خواصر ثمّ يأتي القوم فيدعوهم
فيردّون عليه قوله فينصرف عنهم فيصبحون ممحلين ليس بأيديهم من
شيء من أموالهم ويمرّ بالخربة فيقول لها أخرجي كنوزك فتتبعه كنوزها
كيعاسيب النّحل ثمّ يدعو رجلاً ممتلئًا شبابًا فيضربه بالسّيف
فيقطعه جزلتين رمية الغرض ثمّ يدعوه فيقبل ويتهلّل وجهه ويضحك
فبينما هو كذالك إذ بعث الله المسيح ابن مريم فينزل عند المنارة البيضاء
شرقيّ دمشق بين مهرودتين واضعًا كفّيه على أجنحة ملكين إذا طأطأ
رأسه قطر وإذا رفعه تحدّر منه جمان كاللؤلؤ فلا يحلّ لكافر يجد ريح
نفسه إلّا مات ونفسه ينتهي إلى حيث ينتهي طرفه فيطلبه حتّى يدركه
بباب لدّ فيقتله ثمّ يأتي عيسى قوم قد عصمهم الله منه فيمسح عن

وُجُوهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ إِذْ أَوْحَى اللّٰهُ إِلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِي لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ. وَيَبْعَثُ اللّٰهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ فَيَمُرُّ أَوَائِلُهُمْ عَلَى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ فَيَقُولُونَ لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهِ مَرَّةً مَاءٌ وَيُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ فَيُرْسِلُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُونَ فَرْسَى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ إِلَى الْأَرْضِ فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهُ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللّٰهِ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتَّى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ أَنْبِتِي ثَمَرَتَكِ وَرُدِّي بَرَكَتَكِ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَيَسْتَظِلُّونَ بِقِحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتَّى أَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَالِكَ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ وَيَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ۔ رواہ مسلم ج ۲ ص ۴۰۱، ۴۰۲ باب ذکر الدجال وابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۴، ۱۲۵ باب خروج الدجال ولفظه ثم ینزل عیسیٰ بن مریم عند المنارة البیضاء شرقی دمشق الحدیث والترمذی ص ۴۸ ج ۲ باب ما جاء فی فتنة الدجال وعزاہ فی الکنز ج ۱۴ ص ۲۸۵ تا ۲۸۸ حدیث نمبر ۳۸۷۴۰ الا لابن عساکر وفی لفظه اذ ہبط عیسیٰ ابن مریم واحمد فی مسنده ص ۱۸۱، ۱۸۲ ج ۴ وابن ماجه ص ۲۹۶، ۲۹۷ باب فتنة الدجال وخروج عیسیٰ بن مریم۔

عیسیٰ علیہ السلام کے شہر کا نام اور اس شہر میں خاص محل نزول کا نام اور نزول کے وقت ان کا مکمل نقشہ اور ان کے زمانہ کی برکات

نواس بن سمعان روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کو رسول اللہ ﷺ نے بڑی اہمیت سے دجال کا تذکرہ فرمایا کہ ہمارے وحشت کے ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ یہیں کسی باغ میں موجود ہے۔ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے اس وحشت وخوف کو محسوس کر لیا اور پوچھا تم ایسے پریشان کیوں نظر آتے ہو۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے صبح دجال کا ذکر اتنی اہمیت کے ساتھ فرمایا کہ ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ یہیں کسی باغ میں ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ کو تم پر دجال سے بڑھ کر دوسری باتوں کا زیادہ اندیشہ ہے۔ دجال کا کیا ہے اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو تمہارے جانے میں خود اس سے نمٹ لوں گا۔ ورنہ تو ہر شخص خود اس کا مقابلہ کرے اور میں نے تم سب کو خدا کے سپرد کیا۔ دیکھو وہ جوان ہوگا۔ اس کے بال سخت گھونگھر والے ہوں، اس کی آنکھ انگور کی طرح باہر کو ابھری ہوئی ہوگی۔ بالکل اس شباہت کا شخص سمجھو جیسا یہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے۔ تو تم میں جو شخص بھی اس کا زمانہ پائے اس کو چاہئے کہ وہ سورہ کہف کی اول کی آیتیں پڑھ لے۔ وہ شام اور عراق کی درمیانی گھاٹیوں سے ظاہر ہوگا اور اپنے دائیں بائیں ہر سمت فساد عظیم مچائے گا۔ تو اے اللہ کے بندو! دیکھو اس وقت ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ کتنے عرصہ تک زمین پر رہے گا۔ فرمایا چالیس دن لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اور پھر دوسرا ایک ماہ اور تیسرا ایک ہفتہ کے برابر ہوگا۔ اس کے بعد بقیہ دن تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ ہم نے پوچھا جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس دن میں ہم کو ایک ہی دن کی نمازیں ادا کرنی کافی ہوں گی۔ فرمایا نہیں بلکہ ایک دن کی برابر نمازوں کا اندازہ کر کر کے نمازیں ادا کرتے رہنا۔ ہم نے پوچھا وہ کس رفتار سے زمین پر گھومے گا۔ فرمایا اس تیز رفتار بادل کی طرح جس کو پیچھے سے ہوا اڑائے لا رہی ہو۔ وہ کچھ لوگوں کے پاس آکر ان کو اپنی خدائی پر ایمان لانے کی دعوت دے گا۔ وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ وہ خوش ہو کر آسمان کو

بارش کا حکم دے گا۔ فوراً بارش آجائے گی اور زمین کو حکم دے گا اسی وقت وہ سبزہ زار ہو جائے گی اور شام کو جب ان کے حیوانات چر کر واپس ہوں گے تو ان کے اونٹوں کے کوہان پہلے سے زیادہ لمبے ہوں گے ان کے تھن پہلے سے زیادہ دودھ سے لبریز اور ان کی کوکھیں پہلے سے زیادہ تنی ہوئی ہوں گی۔ اس کے بعد وہ کچھ اور لوگوں کے پاس جائے گا اور ان کو بھی اپنی خدائی کی دعوت دے گا مگر وہ اس کو نہ مانیں گے۔ جب وہ ان کے پاس سے واپس ہوگا تو یہ بیچارے سب قحط میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے قبضہ میں کوئی مال نہ رہے گا۔ سب دجال کے ساتھ چلا جائے گا پھر وہ ایک شور زمین سے گزرے گا اور اس کو یہ حکم دے گا اپنے تمام خزانے باہر اگل دے۔ وہ سب کے سب اس کے پیچھے پیچھے اس طرح ہولیں گے جیسے مکھیوں کے سردار کے پیچھے پیچھے سب مکھیاں ہوتی ہیں۔ اس کے بعد ایک شخص کو بلائے گا جو اپنے پورے شباب پر ہوگا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر کے اتنی دور پھینک دے گا جتنا تیر انداز اور اس کے نشانہ لگانے کی جگہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر اس کو آواز دے کر بلائے گا وہ ہنستا کھل کھلاتا چلا آئے گا۔

ادھر وہ یہ شعبدہ بازیاں دکھلا رہا ہوگا ادھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا۔ وہ دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے اور وہ زرد رنگ زعفرانی رنگ کی چادریں اوڑھے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ سر جھکائیں گے تو پانی کے قطرے ٹپکتے معلوم ہوں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو بالوں میں چاندی کے سے موتی گرتے محسوس ہوں گے۔ جس کافر کو ان کے سانس لگ جائیں گے وہ زندہ نہ رہ سکے گا اور ان کے سانس کا اثر اتنے فاصلہ تک پڑے گا جہاں تک کہ ان کی نظر جائے گی وہ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد (بیت المقدس میں ایک مقام ہے) پر اس کو پکڑ لیں گے اور یہاں اس کو قتل کر دیں گے۔ اس کے قتل سے فارغ ہو کر عیسیٰ علیہ السلام پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے جو اس کے فتنہ سے بچ رہے ہوں گے اور ان کو تسلی و تشفی دیں گے اور جنت میں ان کے مراتب کا حال بیان فرمائیں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آئے گی کہ اب میری ایک ایسی مخلوق نکلنے والی ہے جس سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔ لہٰذا میرے بندوں کو کوہ طور کی

طرف لے جا کر جمع کر دو۔ پھر یاجوج و ماجوج ہر پست زمین سے نکل پڑیں گے پہلے ان کا گزر طبریہ کے (مقام کا نام ہے) پانی پر ہوگا وہ اس کو پی کر اس طرح ختم کر دیں گے کہ جب ان کا آخری گروہ ادھر سے گزرے گا تو یوں کہے گا کبھی یہاں پانی تھا پھر بیت المقدس کے خمر پہاڑ پر پہنچیں گے اور اپنی قوت کے گھمنڈ میں کہیں گے ہم زمین والوں کو تو ختم کر چکے لو آؤ اب آسمان والوں کا بھی کام تمام کر دیں اور اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے۔ قدرت ان کے تیروں کو خون آلود کر کے واپس کر دے گی۔

ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت کوہ طور میں محصور ہوگی۔ یہاں تک کہ بیل کا ایک سر اتنا قیمتی ہو جائے گا جیسے آج تمہارے نزدیک سو دینار ہیں۔ اس تنگی کی حالت میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگی۔ ان کی دعا سے ان کی گردنوں میں پھوڑے نکل آئیں گے اور وہ سب کے سب ایک دم میں اس طرح پھول پھٹ کر مر جائیں گے جیسا ایک آدمی مرتا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے اتر کر آئیں گے تو زمین پر کہیں بالشت بھر جگہ نہ ہوگی جہاں ان کے سڑے ہوئے گوشت کی بدبو اور چربی کا اثر نہ ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کرے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ ایک قسم کا پرندہ بھیجے گا جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح لمبی لمبی ہوں گی۔ وہ ان کو اٹھا اٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا ڈال دیں گے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ مقام مہبل میں پھینک دیں گے۔ پھر مسلمان ان کے تیر و کمان اور ترکشوں سے سات سال تک آگ جلاتے رہیں گے اور آسمان سے اس زور کی بارش برسے گی کہ کوئی بستی نہ رہے گی اور جنگل میں کوئی خیمہ نہ بچے گا جس میں بارش نہ ہو۔ یہاں تک کہ تمام زمین میں پانی کی ڈلیوں کی طرح پانی ہی پانی ہوگا۔ پھر زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اپنے پھل اور اپنی سب برکت ظاہر کر دے تو وہ برکت ظاہر ہوگی کہ ایک انار سے ایک جماعت کا پیٹ بھر جائے گا اور اس کا چھلکا ان کے سایہ کے لئے کافی ہوگا اور اونٹنی کے ایک مرتبہ کے دودھ میں اتنی برکت ہوگی کہ ایک دودھ والی اونٹنی کئی کئی جماعتوں کے لئے کافی ہوگی اور ایک دودھ والی گائے ایک قبیلہ کو اور ایک دودھ کی بکری ایک چھوٹے خاندان کو کافی ہوگی۔

مخلوق خدا اسی فراغت و عیش کی حالت میں ہوگی کہ ایک اچھی ہوا چلے گی اور اس سے مسلمانوں کی بغلوں میں پھوڑے نکل آئیں گے اور ان سب کو موت آجائے گی اور صرف بدترین قسم کے کافر رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح منظر عام پر زنا کرتے پھریں گے۔ ان ہی پر قیامت قائم ہوگی۔ (مسلم شریف)

اس روایت میں جو حصہ مقام مخصل کے بعد سے سات سال تک تیر و کمان جلانے کا ہے وہ امام ترمذی کا روایت کردہ ہے۔

اس حدیث میں دجال کا تذکرہ قدرے محل غور ہے۔ اس کے مباحث اپنے محل میں آئیں گے۔ منا میں سے صرف ایک بات کی تشریح یہاں کرنی مناسب ہے۔ حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے زمانہ میں ایک دن ایک سال کی برابر ہوگا حتی کہ اس ایک دن میں ایک سال کی نمازیں ادا کرنی ہوں گی۔ دن کی اس طوالت کی صورت کیا ہو گی؟۔ اس کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک جب دنیا میں ان عجائبات کے ظہور کا زمانہ شروع ہو جائے گا۔ تو عالم کے موجودہ نظم و نسق کے تحت ان واقعات کے حل کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرنی بھی مفت کی دردسری ہے۔ تاہم حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے اپنے رسالہ "علامات قیامت" میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے نقل کیا ہے کہ مصائب و آلام کے ان ہنگاموں میں اگر عام گرد و غبار اور غلبۂ ابر کی وجہ سے رات و دن ممیز نہ ہو سکیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ آج بھی معمولی بارشوں میں عصر و مغرب و عشاء کی نمازوں میں تقدیم و تاخیر ہو جانا معمولی بات ہے۔ ذرا زیادہ گرہن لگ جائے تو ظہر کا پتہ ملنا بھی مشکل ہے۔ صبح کی نماز کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ پس بہت ممکن ہے کہ اس سب سے بڑے فتنے کے ظہور کے وقت جس طرح روحانیت کا عالم تاریک در تاریک ہو گا اسی طرح عالم عنصریات بھی گرد و غبار اور ابر و باراں کی وجہ سے اتنا مکدر اور تاریک ہو جائے کہ صحیح طور پر یہ اندازہ ہی ممکن نہ رہے کہ رات کب ختم ہوئی اور دن کب آیا اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ فضاء عالم یکساں نظر آنے لگے۔ ان حالات میں اس کے سوا اور کیا صورت ہوگی کہ اوقات نماز کا صرف ایک اندازہ رکھا جائے۔ رہا گھڑیوں کا سوال تو گو گھڑیاں موجود ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ خاص کر

عرب میں نمازوں کا تعلق اب بھی آفتاب کے طلوع و غروب ہی کے ساتھ ہے۔ یعنی غروب
آفتاب پر یہاں سب گھڑیوں میں ۱۲ بجا دیئے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے تمام سال تک یہاں
مغرب و عشاء کا وقت کبھی نہیں بدلتا۔ یعنی مغرب ہمیشہ بارہ بجے اور اس کے بعد عشاء ہمیشہ
ڈیڑھ بجے کے قریب ہوتی ہے اور اسی لئے روزمرہ غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ گھڑی کو
بھی موسموں کے لحاظ سے آگے پیچھے کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے شہروں میں تاریخ کی تبدیلی
نصف شب کے بعد ہوتی ہے۔ یہاں ہمیں اس پر گفتگو کرنی نہیں ہے کہ ان دونوں نظاموں
میں کون سا نظام معقول اور بہتر ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ چونکہ موجودہ عقول کے سامنے
مادی ہر مشکل مشکل ہے لیکن اس کے مقابلہ میں صحیح سے صحیح حدیث کا انکار یا تاویل کوئی
مشکل نہیں اس لئے دماغوں میں یہ سوال گزر سکتا ہے کہ گھڑیوں کے بعد نمازوں کے اوقات
میں اب کوئی مشکل نہیں ہو سکتی۔

(اس تفصیل میں اس وقت ہم جانا پسند نہیں کرتے کہ جس زمانے میں ان
مصنوعات کا تصور بھی دماغوں میں موجود نہ ہو۔ اس میں ایک امی قوم کے سامنے ان
جدید آلات کا تذکرہ کرنا ایک سیدھی بات کے سمجھنے میں کتنی مشکلات کا باعث بن سکتا تھا۔
غالباً اسی مصلحت سے یاجوج ماجوج کے خاص آلات حرب کے نام بھی تذکرہ میں نہ آسکے
ہوں پھر یہ کس کو خبر ہے کہ ایٹمی طاقتوں کے استعمال کے نتیجہ میں آئندہ قوانین جنگ میں
آلات حرب کی اجازت کس حد تک رہ جائے گی۔ بہر حال جب تک مستقبل حوادث کے
متعلق یہ تفصیلات حدیث میں نہیں آئیں تو صرف اپنے دماغی سوال و جواب سے ان ثابت
شدہ تفصیلات کا انکار کرنا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا جو صحیح طریقوں سے معرض
بیان میں آچکی ہیں۔)

اس کے علاوہ حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی بھی کچھ
تفصیلات مذکور ہیں۔ ان کو آپ خالی الذہن ہو کر بار بار پڑھیں پھر یہ سوچیں کہ عربی زبان
کے مطابق کیا ان تفصیلات میں کسی مجاز و استعارہ کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ہم کو مجاز استعارہ سے انکار
نہیں مگر آپ کو بھی حقیقت سے انکار نہ ہونا چاہئے۔ اگر سیاق کلام سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ

یہاں متکلم نے یقیناً استعارہ و مجاز سے کام نہیں لیا تو پھر بے وجہ کھینچ کھینچ کر ایک حقیقت کو استعارہ و مجاز کا لباس پہنانا لاحاصل ہے۔

ابھی آپ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر اٹھائے گئے تھے تو اس وقت ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یہ کرشمہ قدرت ہے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو اس وقت بھی یونہی نظر آئے گا کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ گویا وہ غسل کر کے ایک دروازہ سے نکلے تھے اور پانی خشک ہونے سے پہلے اب دوسرے دروازہ سے داخل ہو رہے ہیں۔ جس عالم میں نہ دن ہو نہ رات نہ سردی ہو نہ گرمی اور نہ صحت ہو نہ مرض پھر اس عالم میں اگر پانی کے یہ قطرے بھی کسی تغیر سے محفوظ رہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

پھر جس خدا تعالیٰ میں یہ قدرت ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کو مردوں کی زندگی کا سبب بنادے۔ اس میں یہ طاقت کیوں نہیں کہ اسی سانس کو وہ دجال کے حق میں سم قاتل قرار دیدے۔ اسی طرح یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ دجال جیسی قوت کو وہ ان کے صرف ایک اشارہ سے ہلاک کر دے اور دوسری طرف یاجوج و ماجوج کے مقابلہ سے عاجز بنا کر عبوری گوشہ نشینی پر مجبور کر دے تا کہ ایک طرف دنیا کو یہ واضح ہو جائے کہ جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی تھی وہ تو مدعی الوہیت کا قاتل ہے اور دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جائے کہ جس نے ایک مدعی الوہیت کو قتل کیا ہے وہ خود خدا نہیں بلکہ وہ تو ایک بیچارہ بشر ہے اور اس طرح طاقت و ضعف کے ان دونوں مظاہروں میں اصل خدائے قہار ہی کی طاقت کا جلوہ نظر آئے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر و طغیان کی طاقتوں کو قدرت نے پہلے ہی قدم پر سزا نہیں دے دی ہے بلکہ استدراج و امہال کا قانون برابر ان کے ساتھ جاری رہا ہے۔ فرعون و نمرود و شداد و ہامان کی داستانیں پڑھ لو تم کو ثابت ہو گا کہ جب کفر و طغیان اپنی پوری طاقت کو پہنچ چکا ہے تو اس کے بعد پاداش عمل کے قانون نے ان کو پکڑا ہے۔ پھر وہی سنت یہاں یاجوج و ماجوج کے ساتھ بھی جاری ہو گی جب وہ آسمان والوں کے قتل سے مطمئن ہو جائیں گے تو پھر ایسے ہی طریقے سے ان کو ہلاک کیا جائے گا جو آسمان والے کی طرف سے

ہوگا تاکہ عالم علوی کی حکمت کا جو اب سب غلط ہو کر رہ جائے۔ پھر دنیا کے خاتمہ پر وہی ایک دین رہ جائے گا جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا تھا اور آسمان و زمین کی وہی برکتیں ظاہر ہوں گی جو ان کے دور میں ظاہر ہو چکی ہیں اور اس طرح سے "ان مثل عیسی عند الله کمثل آدم" کا دوسرا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے کن عنوانوں سے عالم کو بنایا، کن حکمتوں سے اس کو پھیلایا پھر کن حکمتوں سے اس کو سمیٹے گا یہ خود وہی جانتا ہے۔ ہم بے وجہ ہر جگہ ان کے سمجھنے کے لئے اپنی ٹانگ اڑاتے ہیں۔

دریا محیط خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشاکش بادیست

ذکر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی محاورته مع النبی ﷺ لیلة المعراج انه نازل قبل قیام الساعة وانه قاتل الدجال ولم یذکر فیه انه ینزل لاصلاح هذا الامة خاصة وانما یکون هذا من وظائف امامها

(١٧) "عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَقِيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى قَالَ فَتَذَاكَرُوْا اَمْرَ السَّاعَةِ فَرَدُّوْا اَمْرَهُمْ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ لَا عِلْمَ لِيْ بِهَا فَرَدُّوْا الْاَمْرَ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ لَا عِلْمَ لِيْ بِهَا فَرَدُّوْا الْاَمْرَ اِلٰى عِيْسٰى فَقَالَ اَمَّا وَجْبَتُهَا فَلَا يَعْلَمُ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ وَفِيْمَا عَهِدَ اِلَيَّ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ اَنَّ الدَّجَّالَ خَارِجٌ قَالَ وَمَعِيَ قَضِيْبَانِ فَاِذَا رَاٰنِيْ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الرَّصَاصُ قَالَ فَيُهْلِكُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى حَتّٰى اِنَّ الْحَجَرَ وَالشَّجَرَ لَيَقُوْلُ يَا مُسْلِمُ اِنَّ تَحْتِيْ كَافِرًا فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ قَالَ فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ يَرْجِعُ النَّاسُ اِلٰى بِلَادِهِمْ وَاَوْطَانِهِمْ قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ

يَخْرُجُ يَأجُوجُ وَمَأجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ فَيَطَؤُونَ بِلَادَهُمْ لَا يَأتُونَ عَلٰى شَيْئٍ إِلَّا أَهْلَكُوهُ وَلَا يَمُرُّونَ عَلٰى مَاءٍ إِلَّا شَرِبُوهُ ثُمَّ يَرْجِعُ النَّاسُ إِلَيَّ فَيَشْكُونَهُمْ فَأَدْعُو اللّٰهَ عَلَيْهِمْ فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُمِيتُهُمْ حَتّٰى تَجْوَى الْأَرْضُ مِنْ نَتْنِ رِيحِهِمْ قَالَ فَيُنْزِلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْمَطَرَ فَتَجْرُفُ أَجْسَادَهُمْ حَتّٰى يَقْذِفَهُمْ فِي الْبَحْرِ قَالَ أَبِي ذَهَبَ عَلَيَّ هٰهُنَا شَيْئٌ لَمْ أَفْهَمْهُ كَأَدِيمٍ وَقَالَ يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ هَارُونَ ثُمَّ تُنْسَفُ الْجِبَالُ وَتُمَدُّ الْأَرْضُ مَدَّ الْأَدِيمِ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى حَدِيثِ هُشَيْمٍ قَالَ فَفِيمَا عَهِدَ إِلَيَّ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ إِنَّ ذٰلِكَ إِذَا كَانَ كَذٰلِكَ فَإِنَّ السَّاعَةَ كَالْحَامِلِ الْمُتِمِّ الَّتِي لَا يَدْرِي أَهْلُهَا مَتٰى تَفْجَؤُهُمْ بِوِلَادِهَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا۔ رواہ احمد فی مسندہ ص۳۷۵ ج۱ والحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ ووافقہ الذھبی علی ذالک فی التلخیص واقر الحافظ فی الفتح من نزول عیسیٰ علیہ السلام واخرجہ ابن ماجہ ص۲۹۹ باب خروج الدجال وعیسیٰ بن مریم وخروج یاجوج ماجوج وابن ابی شیبہ وابن جریر ابن المنذر وابن مردویہ والبیہقی کذا فی الدر المنثور ج۴ ص۲۲۶"

شب معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ سے یہ تذکرہ کرنا کہ قیامت کی آمد کا صحیح وقت ان کو بھی معلوم نہیں مگر صرف یہ معلوم ہے کہ اس سے پہلے ان کو دجال کو قتل کرنا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے امت محمدیہ ﷺ کی اصلاح کا ایک حرف بھی ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ خدمت دراصل خود اس امت ہی کے ایک شخص کے متعلق ہوگی اس کے بعد پھر

عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہو جائے گی!

ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے شب معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے باہم قیامت کا ذکر چھیڑا۔ آخر فیصلے کے لئے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے معاملہ پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا مجھ کو تو صحیح وقت کی کچھ معلومات نہیں۔ پھر معاملہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آیا۔ انہوں نے بھی اپنی لا علمی کا اظہار فرمایا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے معاملہ آیا تو انہوں نے فرمایا قیامت کے آنے کا ٹھیک وقت تو بجز ایک ذات اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو بھی نہیں ہے۔ ہاں! صرف اتنی بات میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ فرمایا ہے کہ دجال نکلے گا اور میرے ساتھ دو شاخیں ہوں گی اور جب اس کی نظر مجھ پر پڑے گی تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسے سیسہ (آگ میں) پگھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا پھر یہ نوبت آ جائے گی کہ درخت اور پتھر آوازیں دے دے کر کہیں گے او مسلمان! دیکھ یہ میرے پیچھے کافر چھپا ہوا ہے۔ لپک کر آ اور اس کو بھی قتل کر۔ آخر کافر سب ہلاک ہو جائیں گے پھر لوگ اپنے اپنے شہر اور وطن کو واپس ہوں گے تو اس وقت یاجوج ماجوج کی قوم کا حملہ ہو گا اور وہ ہر پست زمین سے نکل نکل کر بکھر پڑیں گے۔ بستیوں میں گھس پڑیں گے جس جس چیز پر بھی ان کا گزر ہو گا اس کو برباد کر ڈالیں گے اور جس پانی پر سے گزریں گے وہ سب پی کر ختم کر دیں گے۔ آخر لوگ شکایت لے کر میرے پاس آئیں گے۔ میں ان پر بد دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ میری بد دعا سے ان سب کو ہلاک کر دے گا اور وہ سب مر جائیں گے۔ تمام زمین ان کی بدبو سے سڑ جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو ان کی نعشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی۔ راوی کہتا ہے کہ اس مقام پر میرے والد نے کچھ فرمایا تھا وہ لفظ میری سمجھ میں نہ آیا صرف کا دیم کا لفظ سننے میں آیا۔ یزید بن ہارون راوی کہتا ہے پوری بات یہ تھی کہ پھر پہاڑ دھنس دیئے جائیں گے اور زمین جانور کے چمڑے کی طرح پھیلا کر سیدھی کر دی جائے گی۔ اس کے بعد پھر اصل حدیث

بیان فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور منجملہ ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائی ہیں یہ ہے کہ جب ایسا ہو تو پھر قیامت اتنی نزدیک سمجھنا چاہئے جیسا وہ گابھن جانور جس کے بچہ کی پیدائش کی مدت پوری ہو چکی ہو اور اس کے مالک ہر وقت اس انتظار میں ہوں کہ دن رات میں نہ معلوم کب بچہ پیدا ہو جائے۔

دیکھئے یہاں جب قیامت کا تذکرہ آیا اور جواب کی نوبت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آئی تو انہوں نے اپنی لاعلمی کے ساتھ ساتھ فوراً اسی بات کا تذکرہ فرمایا جو قیامت کے ساتھ یقین کے اسی درجہ میں ہے۔ یعنی انکا پھر تشریف لانا اور دجال کو قتل کرنا۔ احادیث میں کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے تشریف لانے کا اصل مقصد اس امت کی اصلاح ہوگی تاکہ یہ سوال پیدا ہو کہ اس امت کی اصلاح کے لئے اسرائیلی رسول کی آمد میں اس امت کی کسر شان ہے۔ حالانکہ یہ سوال ہی بے جا ہے۔ ہم آج بھی خدا تعالیٰ کے سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے لئے نہ صرف یہ کہ یہ موجب شرف ہے بلکہ مدار نجات ہے تو پھر اگر کوئی رسول آکر ہماری اصلاح کرتا ہے تو ہمارے لئے اس میں کسر شان کی بات کیا ہے۔ ہاں! اگر کسی رسول کی آمد سے ہمارے رشتہ امت پر زد پڑتی ہے اور وہ ہم کو دوسری امت بنانا چاہتا ہے تو اس میں صرف ہماری کسر شان نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی کسر شان بھی ہے۔ والعیاذ باللہ!

من اهم وظائف عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام من قتل الدجال

(۱۸) ۔ "عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ الْبَاهِلِیْ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ مِنْ ذِکْرِ الدَّجَّالِ فَقَالَتْ أُمُّ شَرِیْكٍ بِنْتُ أَبِی الْعَكَرِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَأَیْنَ الْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَالَ: الْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَلِیْلٌ" وَجُلُّهُمْ بِبَیْتِ الْمَقْدِسِ وَإِمَامُهُمْ رَجُلٌ" صَالِحٌ" فَبَیْنَمَا إِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ یُصَلِّیْ بِهِمُ الصُّبْحَ إِذَا نَزَلَ عَلَیْهِمْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ الصُّبْحَ فَرَجَعَ ذٰلِكَ الْإِمَامُ یَنْكُصُ یَمْشِیْ قَهْقَرٰی لِیَقْدُمَ عِیْسٰی لِیُصَلِّیْ فَیَضَعُ

عِيسٰى يَدَهٗ بَيْنَ كَتِفَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ تَقَدَّمْ فَيُصَلِّ فَإِنَّهَا لَكَ أُقِيْمَتْ فَيُصَلِّي بِهِمْ إِمَامُهُمْ فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ عِيسٰى عليه السلام اِفْتَحُوا الْبَابَ فَيُفْتَحُ وَوَرَاءَهُ الدَّجَّالُ وَمَعَهٗ سَبْعُوْنَ أَلْفَ يَهُوْدِيٍّ كُلُّهُمْ ذُوْ سَيْفٍ مُحَلًّى وَسَاجٍ فَإِذَا نَظَرَ إِلَيْهِ الدَّجَّالُ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ وَيَنْطَلِقُ هَارِبًا وَيَقُوْلُ عِيسٰى إِنَّ لِيْ فِيْكَ ضَرْبَةً لَنْ تَسْبِقَنِيْ بِهَا فَيُدْرِكُهٗ عِنْدَ بَابِ اللُّدِّ الشَّرْقِيِّ فَيَقْتُلُهٗ فَيَهْزِمُ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ (الى قوله) وَيُتْرَكُ الصَّدَقَةُ فَلَا يُسْعٰى عَلٰى شَاةٍ وَلَا عَلٰى بَعِيْرٍ وَتُرْفَعُ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَتُنْزَعُ حُمَةُ كُلِّ ذَاتِ حُمَةٍ حَتّٰى يُدْخِلَ الْوَلِيْدُ يَدَهٗ فِي الْحَيَّةِ فَلَا تَضُرُّهٗ وَتَفِرُّ الْوَلِيْدَةُ الْأَسَدَ فَلَا يَضُرُّهَا وَيَكُوْنُ الذِّئْبُ فِي الْغَنَمِ كَأَنَّهٗ كَلْبُهَا وَتُمْلَأُ الْأَرْضُ مِنَ السِّلْمِ كَمَا يُمْلَأُ الْإِنَاءُ مِنَ الْمَاءِ وَتَكُوْنُ الْكَلِمَةُ وَاحِدَةً فَلَا يُعْبَدُ إِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰى ۔ الحديث اخرجه ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۵ باب خروج الدجال وابن ماجه ص۲۹۷،۲۹۸ واللفظ له ورواه ابن حبان وابن خزيمة في صحيحهما والضيا في المختاره فقله كذالك في شرح المواهب للزرقاني ص۳۵۲ ج۵ ذكر المعراج"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمات میں سب سے نمایاں تر خدمت دجال کو قتل کرنا ہے

﴿مولانا ساباق دجال کی ایک طویل حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ ام شریکؓ نے کہا یا رسول اللہ! اس دن یعنی دجال کے زمانہ میں عرب کہاں چلے جائیں گے (کہ مسلمانوں کا یہ برا حال ہو جائے گا) فرمایا اس وقت عرب بہت کم رہ جائیں گے اور اکثر وہ بیت مقدس میں ہوں گے اور اس وقت ان کا امام ایک نیک شخص ہو گا۔ اس اثناء میں کہ یہ امام صبح کی نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھ چکا ہو گا کہ دفعتاً عیسیٰ علیہ السلام اتر آئیں گے۔ یہ ان کو دیکھ کر مصلیٰ سے پچھلے پیروں الٹے ہٹ آئیں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھائیں تو عیسیٰ علیہ السلام (شفقت کے انداز میں) اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے۔

آگے بڑھو اور تم ہی نماز پڑھاؤ کیونکہ اس نماز کی اقامت تو تمہارے ہی نام سے کہی گئی ہے۔ چنانچہ یہ نماز تو یہی امام پڑھائیں گے۔ نماز سے فراغت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولا جائے گا ادھر دجال نکل چکا ہوگا۔ اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ ہر ایک کے پاس مزین تلوار اور سر پر طیلسان ہوگا جب دجال کی نظر عیسیٰ علیہ السلام پر پڑے گی تو وہ نمک کی طرح پگھل جائے گا اور بھاگنے لگے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میرے لئے تیرے نام کی ایک ضرب مقدر ہو چکی ہے اس سے بچ کر تو مجھ سے کہاں نکل سکتا ہے۔ آخر اس کو باب "لد" پر پکڑلیں گے اور اس کو قتل کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سب یہودیوں کو شکست دے دے گا۔ اس وقت مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ صدقہ دینے کے لئے کوئی فقیر نہ ملے گا لہذا بیت المال کی طرف سے کوئی شخص نہ جزیہ وصول کرنے والا رہے گا اور نہ اونٹ وصول کرنے والا اور بغض و کینہ سب دلوں سے نکل جائے گا اور تمام زہریلے جانوروں کے ڈنک بیکار ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک چھوٹی سی لڑکی سانپ کے سوراخ میں ہاتھ ڈالے گی تو وہ اس کو نہ کاٹے گا اور شیر کو دوڑائیں گے تو وہ اس کو کچھ نہ کہے گا اور بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا اس طرح ساتھ ساتھ پھریں گے جیسے ریوڑ کا کتا اور زمین مسلمانوں سے اس طرح بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے اور صرف ایک خدا کی توحید باقی رہ جائے گی اور ایک اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ ہوگی۔"

سبحان اللہ! جس شخصیت عظمیٰ کی برکات یہ ہوں وہ یقیناً کوئی معمولی انسان نہیں ہو سکتا۔ ضرور وہ کوئی خدا تعالیٰ کا قدوس نبی ہونا چاہئے اور یقیناً وہ کوئی ایسا ہی رسول ہونا چاہئے جس کے سب سے بڑے دشمن یہود ٹھہر چکے ہوں اور جس کے جھوٹے قتل کے گھمنڈ میں ایک بار وہ ملعون ٹھہر چکے ہوں۔ دوسری بار اسی کے ہاتھ سب موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔ انبیاء علیہم السلام سے عداوت اور تعاوت کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا۔ اس بد خصلت کی بدولت پہلے وہ نبوت سے محروم کر دیئے گئے تھے اور آخر میں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔ بے شک جو قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ جیسے رأفت و رحمت والے رسول کے ساتھ بھی اپنا طریق کار نہ بدلے اس

کی وجہ سے دنیا کو پاک کرنے ہی میں انسانیت کی فلاح ہے۔" اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا۔"

شاید موجودہ زمانہ میں اطراف عالم سے سمٹ سمٹ کر ان کا ایک جگہ جمع ہونا اسی قومی استیصال کے لئے پیش خیمہ ہو۔ حدیث مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا اہم مقصد دجال کا قتل کرنا ہے اور چونکہ اس کا مقابلہ براہ راست انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے۔ اسی لئے ہر نبی نے اس کی آمد سے اپنی امت کو ڈرایا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس کے قتل کے لئے خدا تعالیٰ کے رسولوں ہی میں سے کوئی رسول آئے جو چھوٹے چھوٹے دجال اس سے پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے وہ اسی امت کے ہاتھوں ہلاک ہوتے رہے لیکن جو دجال کہ خاتم الدجاجلہ یعنی سب دجالوں کے آخر میں آئے گا اور خدائی افعال کے شعبدہ بازیاں ظاہر کرے گا۔ اس کے قتل کے لئے ایک نبی ہی کی تشریف آوری ضروری تھی۔ اس صورت میں اس امت کے لئے یہ کتنی بڑی کرامت اور شرافت ہوگی کہ جب اس پر کوئی خارجی حملہ ہو تو ان کی ہمدردی کے لئے خدا تعالیٰ کے رسول پیش قدمی فرمائیں اور وہ بھی بڑی شان اور بڑے فخر کے ساتھ۔ کیسے تعجب کی بات ہے جس بات میں اس امت کی شرافت تھی اسی کو برعکس اہانت سمجھا جائے۔" وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔"

نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وظہور کرامۃ هذه الامۃ وشرفها فی ذالك

(۱۹)۔۔۔ "عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ قَالَ فَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ ﷺ فَیَقُوْلُ اَمِیْرُهُمْ تَعَالَ فَصَلِّ لَنَا فَیَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَکْرِمَةَ اللّٰهِ عَلٰی هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔ مسلم ج۱ ص۸۷ باب نزول عیسی بن مریم و مسند احمد ج۳ ص۳۴۵، ۳۸۴"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اور اس میں آنحضرت ﷺ کی امت کی ظہور برتری

﴿جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق کے مقابلہ پر جنگ کرتی رہے گی اور وہ تا قیامت اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا آخر عیسیٰ بن مریم اتریں گے (نماز کا وقت ہوگا) مسلمانوں کا امیر ان سے عرض کرے گا تشریف لائیے اور نماز پڑھا دیجئے۔ وہ فرمائیں گے یہ نہیں ہو سکتا۔ اس امت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اکرام و اعزاز ہے کہ تم خود ہی ایک دوسرے کے امام و امیر ہو۔﴾

اس امت کی شرافت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ اس کے رسول کی وفات پر اتنی طویل مدت گزر جانے پر بھی اس میں ایسے افراد موجود ہیں کہ اسرائیلی سلسلہ کا ایک مقدس رسول آکر بھی اس کی امامت کو برقرار رکھے اور اس کے پیچھے آکر نماز میں اس کی اقتداء کرے اور اس کا اعلان بھی کرے کہ جس کرامت و شرافت کے تم پہلے مستحق تھے اتنی مدت دراز کے بعد آج بھی اسی شرافت و کرامت کے مستحق ہو۔ سوچئے اور ذرا انصاف فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اس طرح اس امت کے پیچھے اقتداء نہ فرماتے تو کیا یہ ثابت ہو سکتا تھا کہ جو امت کل تک خیر امت کہی جاتی تھی آج بھی وہ اپنی اسی شرافت پر باقی ہے۔ یوں تو پہلے نبیوں کے دور میں بھی امت کے افراد لائق سے لائق تر گزرے ہیں مگر آخر کچھ مدت کے بعد ہی ان کا حشر کیا کچھ نہیں ہو گیا جو نبوتوں کے مستحق تھے وہ لعنت کے تحت آگئے یا نہیں۔ لیکن ایک یہ امت بھی ہے جس کی شرافت میں اتنی طویل مدت گزرنے پر بھی ذرا فرق نہیں آیا۔

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب ہم اس طرف بھی نظر کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سفر آخرت کے وقت بھی ایک نماز کا نقشہ یہی تھا کہ مرض الموت میں آپ ﷺ نے منصب امامت کو سب سے بزرگ صدیق اکبرؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ اس درمیان

میں ایک ایسا وقت آیا کہ ان کی امامت میں خود آنحضرت ﷺ نے تشریف لا کر ان کے پیچھے نماز ادا فرمائی اور در حقیقت یہ اس کا اعلان تھا کہ یہ امت اب اس کمال کو پہنچ چکی ہے کہ ایک رسول کی نماز اس کے پیچھے ادا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اب سمجھ لینا چاہئے کہ رسول کی آمد کا جو مقصد اعظم ہوتا ہے وہ پورا ہو چکا ہے۔ اس لئے رسولوں کے دستور کے مطابق اس کی وفات کا وقت بھی آجائے تو تعجب کی بات نہیں۔ ایک طرف امامت و اقتداء کا یہ نقشہ آپ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھئے اس کے ہزار سال سے کہیں زیادہ مدتوں کے بعد امامت و اقتداء کا یہ دوسرا نقشہ بھی رکھیں جو یہاں حدیث میں آپ کے سامنے موجود ہے تو آپ کو بداہۃً علامت ہو جائے گا کہ جس مدت میں پہلی امتیں ہلاک ہو کر دنیا سے نیست و نابود ہو چکی ہیں۔ یہ امت اس سے زیادہ مدت گزرنے پر بھی اپنی اسی شرافت و کرامت پر باقی ہے جو بھی اس کو اپنے عہد کمال میں حاصل تھی۔ اس سے جہاں ایک طرف اس امت کی بزرگی کا ثبوت ملتا ہے اس سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کی روحانیت عظمیٰ اور آپ کے کمالات کا ثبوت ملتا ہے اور یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ آپ حقیقی معنی میں خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا کیونکہ جب قیامت تک آپ کی امت میں اس صفت کے لوگ موجود رہیں کہ اگر کوئی قدیم رسول آئے تو بے تکلف وہ ان کے پیچھے آکر نماز ادا کرے تو اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ آخری رسول ہیں اور آپ کے بعد کسی رسول کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اصل وظائف رسالت و نبوت خدائی دین کی تاسیس و اشاعت ہے کسی خاص شخص کا قتل کرنا اصل وظائف رسالت میں داخل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کے بہت سے رسول وہ ہیں جو قتل کرنے کی بجائے خود دشمنوں کے ہاتھوں مقتول ہو گئے ہیں مگر کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے وظیفہ نبوت کی ادائیگی میں ذرا سا بھی قصور کیا تھا والعیاذ باللہ!

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جدید رسالت کی حیثیت سے تشریف لائیں گے بلکہ یہ خدمت کسی حکمت سے ان کے سپرد کی گئی ہے جیسا کہ بہت سے امور حضرت خضر علیہ السلام کے سپرد ہوئے مگر ان کا ثبات سے ان کی رسالت کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ چنانچہ آج تک امت میں اختلاف ہے

کہ وہ رسول تھے یا نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے لئے صاحب شریعت رسول ہونا۔ قرآن کریم سے ثابت ہے اور ان پر ہر امت کو ایمان لانا ہے۔ ان کی رسالت کا حق ہے جو پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد چونکہ شریعت صرف آپ کی شریعت ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آکر اسی کی اتباع فرمائیں گے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب تورات بھی آجائیں تو ان کے لئے بھی شریعت یہی شریعت ہوگی۔ اگر کوئی کامل سے کامل رسول کسی بڑی شریعت کا اتباع کرتا ہے تو اس سے اس کی نبوت و رسالت میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ بہت سے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں جن کی اپنی کوئی شریعت ہی نہ تھی لیکن پھر وہ خدا تعالیٰ کے نبی کہلائے پھر جو شریعت کہ سب شرائع کی جامع ہو۔ اگر کوئی رسول کہ اس کی اتباع کرتا ہے تو اس میں اس کی رسالت کے خلاف بات کیا ہے؟۔ لہذا یہ سوال کتنا معقول ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو کیا رسالت کی صفت ان سے سلب کر لی جائے گی۔ جی نہیں۔ وہ رسول ہی ہوں گے اور جس طرح اس وقت ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس طرح اس وقت بھی ایمان رکھیں گے۔ صرف اتباع شریعت کا مسئلہ ہے تو جب ہر رسول کی اپنی شریعت میں ناسخ و منسوخ ہونے سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا اسی طرح اگر ایک شریعت منسوخ ہو کر دوسری شریعت آجائے تو اس سے بھی اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کے کمالات وہی ہیں۔ اس پر ایمان رکھنا اسی طرح ضروری ہے اور جس شریعت کی وہ دعوت دے اس کی اتباع ہر وقت لازم ہے۔ پس پہلے زمانے میں ان کی شریعت انجیل تھی اور نزول کے بعد اب ان کے لئے قرآن کریم شریعت ہوگا پہلے جب وہ شریعت انجیل کے داعی تھے اس وقت قرآن کریم نہ تھا اور جب وہ تشریف لائیں گے تو ان سے پہلے انجیل منسوخ ہو چکی ہوگی اور ان کے سامنے قرآنی شریعت ہوگی۔ لہذا اب وہ خود بھی اسی کا اتباع فرمائیں گے۔ کسی شریعت کے خاص خاص احکام یا شریعت کے منسوخ ہو جانے سے رسالت کے مسلوب ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال نہ یہاں پیدا ہوتا ہے اور نہ اس حدیث میں پیدا ہوتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر بالفرض وہ آکر آپ کی شریعت کی اتباع نہ کریں تو کیا بھی

رسالت سے معزول ہو جائیں گے۔ والعیاذ باللہ!

(۳۰)۔۔۔ " عن عثمان بن ابی العاص قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول (فذکر الحدیث وفیہ) وینزل عیسی بن مریم علیہ السلام عند صلوۃ الفجر فیقول لہ امیرہم یا روح اللہ تقدم صل فیقول ہذہ الامۃ امراء بعضہم لبعض فیتقدم امیرہم فیصلی فاذا قضی صلوۃ اخذ عیسی حربتہ فیذہب نحو الدجال فاذا یراہ الدجال ذاب کما یذوب الرصاص فیضع حربتہ بین ثندوتہ فیقتلہ وینہزم اصحابہ لیس یومئذ شیئ یواری منہم احدا حتی ان الشجرۃ لتقول یامؤمن ہذا کافر ویقول الحجر یا مؤمن ہذا کافر" ۔ اخرجہ احمد فی مسندہ ص ۲۱۶، ۲۱۷ ج ۴ بطریقین واخرجہ ابن ابی شیبہ والطبرانی والحاکم ج ۵ ص ۶۷۴، ۶۷۵ حدیث نمبر ۸۵۰۲ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء وصححہ کذافی الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۲ وعن جابر نحوہ وہکذا عند ابی یعلی عنہ وفیہ انت احق بعضکم امراء علی بعض اکرم اللہ بہ ہذہ الامۃ کذافی الحاوی للسیوطیؒ ج ۲ ص ۱۶۷ ولیست ہذہ الروایۃ فی رسالۃ الشیخ قدس سرہ وفی روایۃ فیقول لہ عیسیٰ انما اقیمت الصلوۃ لک فیصلی خلفہ کذافی البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۹۹ باب صفتہ عیسیٰ علیہ السلام شمائلہ فضائلہ"

عثمان بن ابی العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فجر کی نماز میں اتریں گے تو اس وقت مسلمانوں کا جو امیر ہوگا وہ ان سے عرض کرے گا اے روح اللہ! آگے تشریف لا کر نماز پڑھایئے۔ وہ فرمائیں گے یہ امت اپنی فضیلت کی وجہ سے خود ہی ایک دوسرے کی امیر ہے۔ اس پر وہ امیر آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں گے۔ جب نماز ختم ہو جائے گی تو اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنا نیزہ لے کر دجال کی طرف جائیں گے۔ وہ جب ان کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جیسا آگ پر سیسہ پگھل

جاتا ہے۔ وہ اپنا نیزہ اس کے سینہ کے درمیان لگائیں گے اور اس کو ختم کر دیں گے اور اس کا سب گروہ منتشر ہو جائے گا اور کوئی چیز ان کو پناہ نہ دے گی۔ یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی پکارے گا اے مومن! میری آڑ میں یہ کافر موجود ہے۔ اس کو بھی قتل کر دے۔﴾

دوسری روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب اس طرح منقول ہے کہ اس نماز کی اقامت آپ ہی کے نام کی ہوئی ہے۔ یہ کہہ کر وہ ان ہی کے پیچھے نماز ادا کریں گے؟۔

انما ينزل عيسىٰ عليه الصلوٰة والسلام من بين سائر الانبياء عليه الصلوٰة والسلام خاصة لانه اولىٰ الناس بالنبي ﷺ

(۲۱)۔۔۔۔۔۔ ”عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ يَعْنِي عِيْسٰى وَاِنَّهُ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ اِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ بَيْنَ مُمَصَّرَتَيْنِ كَاَنَّ رَاْسَهُ يَقْطُرُ وَاِنْ لَمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ فَيُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَيَدُقُّ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيُهْلِكُ اللّٰهُ فِيْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ وَيُهْلِكُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يُتَوَفّٰى فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ - رواه ابوداؤد ص۲۳۵ ج۲ باب خروج الدجال واخرجه ابن ابی شيبة واحمد فی مسنده ج۲ ص۴۰۶ وابن حبان فی صحيحه وابن جرير ج۶ ص۲۲ كذافی الدر المنثور ج۲ ص۲۴۲ البدايه والنهايه ج۲ ص۹۹ باب صفة عيسى عليه السلام وصححه الحافظ فی الفتح من نزول عيسى عليه السلام“

﴿ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ وہ ضرور اتریں گے جب تم ان کو دیکھنا تو پہچان لینا کہ وہ میانہ قد سرخ و سفید رنگ کے اور دو زعفرانی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ ان پر وہ

شگفتگی و تازگی ہوگی یوں معلوم ہوگا کہ ان کے سر مبارک سے پانی کے قطرے اب ٹپکے۔ اگرچہ ان پر پانی کی نمی بھی نہ ہوگی۔ وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے۔ صلیب کو چورا چورا کر ڈالیں گے۔ سور کو قتل کریں گے۔ جزیہ کی رسم اٹھا دیں گے۔ ان کے دور میں اللہ تعالیٰ تمام مذاہب ختم کر دے گا اور صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے دست مبارک پر اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرے گا۔ چالیس سال تک وہ زمین پر ٹھہرے رہیں گے۔ اس کے بعد ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے۔ (ابوداؤد)﴾

حجه واتيانه على قبر النبي ﷺ وسلامه ورده عليه عليهما الصلوٰة والسلام

(٤٣) ... "وعن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال ليهلن عيسى بن مريم بفج الروحاء بالحج او بالعمرة او ليثنينهما جميعا - رواه مسلم ج١ص٤٠٨ باب جواز التمتع في الحج والقران. واخرجه مسند احمد ج٢ص٥١٢ ولفظه ينزل عيسى بن مريم فيقتل الخنزير ويمحو الصليب وتجمع له الصلوٰة ويعطى المال حتى لا يقبل ويضع الخراج وينزل الروحاء فيحج منها او يعتمر او يجمعهما وتلا ابو هريرة وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا فزعم حنظلة ان ابا هريرة قال يؤمن به قبل موت عيسى فلا ادري هذا كله حديث النبي ﷺ ام شئ قاله ابو هريرة تفسير ابن كثير ج١ص٥٧٨ مسند احمد ج٢ص٢٩٠ واخرجه ابن جرير مثله والحاكم وصححه والفاظه: ليهبطن ابن مريم حكما عدلا واماما مقسطا وليسلكن فجا حاجا او معتمرا وليأتين قبري حتى يسلم علي ولاردن عليه يقول ابو هريرة اي بني اخي ان رأيتموه فقولوا ابو هريرة يقرئك السلام. درمنثور ج٢ص٢٤٢"

﴿ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور مقام فج روحاء پر حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے۔ (مسلم شریف) مسند احمد میں حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اتریں گے سور کو قتل کریں گے۔ صلیب کا نام و نشان باقی نہ چھوڑیں گے اور مال اتنا تقسیم کریں گے کہ اس کو قبول کرنے والا نہ ملے گا اور جزیہ و خراج اٹھا دیں گے اور مقام فج روحاء میں حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے۔ اس کی شہادت میں ابو ہریرہؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی : "وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا" یعنی اہل کتاب میں کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو ان کی وفات سے پہلے یقیناً ان پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے۔ حنظلۃ (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں ابو ہریرہؓ نے کہا : "قبل موتہ" سے مراد عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت سے پیشتر ہے۔ اب یہ مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ تفسیر بھی آنحضرت ﷺ کی جانب سے ہے یا یہ خود ابو ہریرہؓ نے بیان فرمائی ہے﴾

يتزوج عليه الصلوٰة والسلام ويولد له ثم يتوفى ويدفن وبيان موضع دفنه

(۲۳) ... "عن عبدالله ابن عمر مرفوعا ينزل عيسى بن مريم إلى الأرض فيتزوج ويولد له الحديث وعزاه الكتاب الوفاء واخرجه ابن المراغى فى المدينة وابن الجوزى فى المنتظم وهكذافى المشكوٰة ص ۴۸۰ باب نزول عيسىٰ عليه السلام كتاب الفتن"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کے بعد شادی کرنا پھر ولادت ہونی اس کے بعد آپ کی وفات اور مقام دفن کا ذکر

﴿عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم علیہ

السلام زمین پر اتریں گے اور نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی۔﴾

(۴۴) …… "عن ابی ہریرۃ مرفوعاً طوبیٰ لعیش بعد المسیح یوذن للسماء فی القطر …… ویوذن الارض فی النبات حتی لوبذر حبک فی الصفا لنبت وحتی یمر الرجل علی الاسد فلا یضره ویطاء علی الحیة فلا تضره ولا تشاحن ولا تباغض اخرجه ابوسعید النقاش فی فوائد العراقین کذافی الکنز ج ۱۴ ص ۳۳۴ حدیث نمبر ۳۸۸۶۴ باب نزول عیسیٰ علیه السلام ابوسعید عنه"

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد زندگی اور فارغ البالی کے کیا کہنے آسمان کو بارش کا حکم مل جائے گا اور زمین کو پیدائش کا حتیٰ کہ اگر تم پتھر پر دانہ ڈال دو گے تو بھی وہ جم جائے گا اور امن ہوگا کہ آدمی شیر کے قریب سے گزرے گا اور وہ اس کو ذرا نقصان نہیں پہنچائے گا اور بغض و کینہ کا کہیں نام و نشان نہ رہے گا۔﴾

(۴۵) …… "عن محمد بن یوسف بن عبداللّٰه بن سلامؓ عن ابیه عن جده قال مکتوب فی التوراة صفة محمد رسول اللّٰه ﷺ وعیسیٰ بن مریم یدفن معه اخرجه الترمذی ج۲ ص۲۰۲ باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ وحسنه کذافی الدرالمنثور ص۲۴۵ ج۲ قلت وقد تکلم فی اسناده الحافظ ابن کثیر فی البدایة والنہایة ص۹۹ ج۲ وقال فی اسناد روایة الترمذی هذه عثمان بن ضحاک والصواب الضحاک بن عثمان المدنی خصائص الکبریٰ ج۲ ص۴۴ مشکوٰۃ ص۵۱۵ باب فضائل سیدالمرسلین"

﴿عبداللہ بن سلامؓ کہتے تھے کہ توراۃ میں محمد ﷺ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی لکھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کے پاس مدفون ہوں گے۔﴾

عجیب بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں "اولی

الناس" کا لفظ فرمایا تھا اس کا ظہور یوں ہوا کہ اول تو آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں گزرا۔ گویا دونوں کے زمانے متصل متصل رہے۔ پھر اسی مناسبت کی وجہ سے وہی آپ ﷺ کی امت میں تشریف لائیں گے اور یوں بھی ہوا کہ دفن بھی آپ ﷺ کے پاس ہی آکر ہوں گے۔ زمانی اور مکانی اور موت کی یہ خصوصیات ان کے سوا کسی اور نبی کو میسر نہیں آئیں۔

(۲۶) ...... "عن عبداللّٰه بن سلام قال يدفن عيسى مع رسول اللّٰه ﷺ وصاحبيه فيكون قبره رابعا اخرجه البخارى فى تاريخه والطبرانى - درمنثور ص ۲۴۵ ج ۲"

﴿عبداللہ بن سلامؓ بیان کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام آکر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے دو جاں نثار یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ کے پاس دفن ہوں گے اور اس لحاظ سے ان کی قبر چوتھی ہوگی۔﴾

(۲۷) ...... "عن عائشة قالت قلت يارسول اللّٰه انى ارى انى اعيش من بعدك فتأذن لى ان ادفن الى جنبك فقال وانى لك بذالك من موضع مافيه الا موضعى قبرى وقبر ابى بكر وعمر وعيسى بن مريم اخرجه ابن عساكر كذا فى الكنز ص ۱۲۰ ج ۱۴ حديث نمبر ۳۹۷۲۸ باب نزول عيسى عليه السلام وفى فصل الخطاب باسناد المستغفرى فى دلائل نبوت الخ"

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرا خیال ہوتا ہے شاید میں آپ ﷺ کے بعد تک زندہ رہوں گی تو آپ ﷺ مجھ کو اس کی اجازت دیں کہ میں آپ کے پہلو میں دفن ہوں۔ آپ نے فرمایا میں اس کی کیسے اجازت دے سکتا ہوں۔ یہاں تو صرف میری قبر اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی قبریں اور عیسیٰ علیہ السلام کی قبر مقدر ہے۔﴾

ختم نبوت

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

الحمد للہ وکفی وسلام علی خاتم الانبیاء، اما بعد!

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ؒ کی تصنیف لطیف ترجمان السنۃ جلد اول کے ص ۲۷۳ سے ۳۲۶ تک رحمت عالم ﷺ کی وصف خاص وامتیازی شان ''ختم نبوت'' کو اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن وسنت کے حوالے سے ایسا مدلل ومبرہن کیا ہے کہ منکرین ختم نبوت کے سارے اوہام باطلہ وخیالات رکیکہ ہباءً منثورا ہو گئے ہیں۔ پڑھئے نور ایمان سے دل جگمگا اٹھے گا۔

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کان النبی ﷺ نبیا وآدم بین الروح والجسد

(۱)..... "عن ابی ھریرۃ قال قالوا یارسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد۔ رواہ الترمذی ص۲۰۲ ج۲ باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ وقال ھذا حدیث حسن"

آنحضرت ﷺ نبوت سے اس وقت سرفراز ہو چکے تھے جبکہ حضرت آدم میں نفخ روح بھی نہ ہوا تھا

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کو نبوت کب ملی فرمایا اس وقت جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح وجسم کے درمیان تھے (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔﴾

حافظ سخاویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مشہور الفاظ " کنت نبیا وآدم بین الماء والطین " ہمیں کسی حدیث کی کتاب میں نہیں مل سکے۔ حافظ سیوطیؒ نے ان کا صاف طور پر انکار کردیا ہے البتہ اس کا مضمون قابل تسلیم سمجھا ہے۔ خفاجی شرح شفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) آپ کا عالم ارواح میں نبوت سے حقیقتاً سرفراز ہونا۔

(۲) جس طرح صفت وجود میں آپ کی ذات سب سے مقدم تھی اسی طرح
صفت نبوت میں بھی آپ کا سب سے مقدم ہونا۔

اس مضمون کی پوری توضیح کے لئے اس تفصیل کا نقل کرنا ضروری ہے جو حافظ
تقی الدین سبکی نے آیت میثاق کی تفسیر میں لکھی ہے

"واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاء
کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ آل عمران آیۃ ۸۱"

(اور وہ وقت یاد دلایئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جو تمہیں
کتاب وحکمت دیں پھر خدا کا کوئی رسول تمہارے پاس آئے اور جو کتاب تمہارے ساتھ ہے
اس کی تصدیق کرے تو (دیکھو) ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔)

حافظ موصوف نے اس آیت کی شرح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس کا
نام "التعظیم والمنۃ فی معنی قولہ لتؤمنن بہ ولتنصرنہ" رکھا ہے۔ یوسف
بن اسماعیل نبہانی نے جواہر البحار میں اس رسالہ کو بجنسہ نقل کیا ہے۔ خفاجی نے صرف اس
کے منتشر ٹکڑے لئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں انبیاء
علیہم السلام سے آنحضرت ﷺ کے لئے اسی نوعیت کا عہد لیا گیا تھا جیسا کہ امتوں سے نبیوں
کے لئے یا رعایا سے خلفاء کے لئے اطاعت ونصرت کا عہد لیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ
انبیاء علیہم السلام کے درمیان آپ کا منصب وہی تھا جو امتوں میں انبیاء علیہم السلام کا
منصب ہوتا ہے۔ اس لئے اور انبیاء تو صرف نبی ہیں اور آنحضرت ﷺ نبی الانبیاء ہیں یہ
حقیقت اگرچہ عالم اجسام میں صاف طور پر عیاں نہیں ہو سکی مگر عالم ارواح اور اس عالم سے
ماوراء عالم میں جہاں بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آپ کا اجتماع ہو گیا ہے ظاہر ہو گئی
ہے پہلی بار یہ اجتماع شب معراج میں ہوا تھا جبکہ نماز کے لئے امام کی تلاش ہو رہی تھی اس
وقت تمام انبیاء علیہم السلام کی صفوں میں امامت کی مستحق آپ ہی کی ذات گرامی ٹھہری۔ کیونکہ
امت میں امامت کا حق اس کے نبی کا ہوتا ہے۔ دوسری بار انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت ﷺ کا
ظہور زیادہ صراحۃً محشر میں ہوگا۔ وہاں بھی سب انبیاء آپ ہی کے زیر لواء اور آپ ہی کے

جھنڈے کے نیچے ہوں گے جیسا کہ ہر امت اپنے اپنے نبی کے جھنڈے کے نیچے ہو گی۔ تیسری بار شفاعت کا مرحلہ ہے یہاں بھی سب کی خطیب و امام آپ ہی کی ذات مبارک ہو گی بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جو منصب نبوت آپ کو اس امت کے لئے حاصل ہے وہی منصب آپ کو بلحاظ انبیاء بھی حاصل ہے۔

البتہ اس کا ظہور دین کے ساتھ اجتماع پر موقوف ہے۔ عالم کی تاریخ میں یہ اجتماع کل تین جگہ ثابت ہوتا ہے اور تینوں جگہ آپ کا یہ منصب عالی ظاہر ہوا ہے مگر اس عالم میں بھی انبیاء علیہم السلام کا آپ کے ساتھ اجتماع ہو جاتا تو یہ حقیقت یہاں بھی آشکارا ہو جاتی چنانچہ آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو ان کا تعلق آپ کی شریعت کے ساتھ وہی ہو گا جو تمام امت کا ہے اور اسی لئے اس اتباع سے ان کی نبوت میں کوئی ادنیٰ شائبہ نقصان بھی لازم نہ آئے گا۔ اسی طرح اگر آپ گزشتہ انبیاء کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو وہ بھی اپنی اپنی رسالت پر باقی رہتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا اتباع ہی فرماتے اور اس اتباع کی وجہ سے ان کی رسالت میں بھی کوئی نقص لازم نہ آتا۔

رہا مختلف شریعتوں کا معاملہ تو جس طرح مختلف نبوتیں آنحضرت ﷺ کی نبوت کے ماتحت ہیں اسی طرح مختلف شریعتیں مختلف زمانوں اور امتوں کے لحاظ سے حضور ﷺ کی شریعتیں ہیں۔ پس یہود و نصاریٰ کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کی شریعت تورات و انجیل تھی اور امت محمدیہ کے لحاظ سے آپ کی شریعت قرآن شریف ہے اگر زمانوں اور اشخاص کے اعتبار سے احکام مختلف ہو گئے تو اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے دو حدیثوں کی مراد روشن ہو گئی

(۱) "بعثت الی الناس کافۃ" میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں عام طور پر عموم بعثت کے معنی صرف یہ سمجھے جاتے تھے کہ آپ قیامت تک سب انسانوں کے لئے رسول ہیں۔ لیکن اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کی نبوت کا تعلق صرف مستقبل سے نہیں بلکہ ماضی و مستقبل دونوں سے ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک سب رسول آپ کی نبوت کے ماتحت ہیں گرچہ ماتحتی کی نوعیت بدلی ہوئی ہو۔

(۲) ... "حدیث کنت نبیا وآدم بین الماء والطین" اس حدیث کی مراد صرف یہ سمجھی جاتی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کو آپ کی نبوت کا علم حاصل تھا مگر اس میں آپ کی کیا خصوصیت ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو اسی طرح حاصل تھا جیسے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا۔

اس تحقیق کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام میں نفخ روح سے پہلے نبوت سے نوازا جا چکا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے کسی کمال کے افاضہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی وہ عالم وجود میں آنے کے بعد کمال کا افاضہ کرتی ہے اور کبھی وجود سے پہلے عالم ارواح ہی میں اس کمال سے نواز دیتی ہے جس کا ظہور قالب انسانی میں مقدر ہو چکا ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کمال کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو یکساں ہوتا ہے ہاں مخلوق کو پہلی صورت کا علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ کمال اس کے مشاہدہ میں آجائے اور دوسرے کمال کے علم کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ کوئی مخبر صادق اس کی خبر دے۔ یہاں آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ہمیں اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ کمال نبوت آپ کو اس وقت حاصل ہو چکا تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام انسانی صورت پر استوار بھی نہ ہونے پائے تھے اور اسی وقت انبیاء علیہم السلام سے آپ کے لئے ایمان ونصرت کا عہد بھی لے لیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی رسالت عامہ ان کو بھی شامل ہے اس لحاظ سے سب سے پہلے نبی آپ ہوئے مگر چونکہ جسد عنصری کے لحاظ سے آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ہے۔ اس لئے آپ آخر الانبیاء بھی کہلائے مگر اس معنی سے نہیں کہ آپ کو نبوت سب سے آخر میں ملی ہے۔

بلکہ اس معنی سے کہ آپ کا ظہور سب کے آخر میں ہوا ہے ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد چالیس سال کی عمر سے پہلے اور اس کے بعد کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ اگر ایک شخص اپنی لڑکی کی شادی کے لئے کسی کو وکیل بناتا ہے تو بلاشبہ یہ وکالت صحیح ہے۔ وہ اسی وقت سے اس کو تصرف کرنے کا حق بھی حاصل ہے لیکن اس تصرف کا ظہور اس پر موقوف ہے کہ پہلے

کبھی اسے کفو ملے تو وہ شادی کرے بعض مرتبہ تو اس کفو نہیں ملتا اور اس وکالت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص وکالت سے موصوف نہیں یا اس کو اس سے پیشتر حق تصرف حاصل نہیں اسی طرح آپ کی نبوت کا معاملہ سمجھنا چاہئے یہاں جسم عنصری کی شرط صرف تصرفات نبوت کے ظہور کے لئے ہے بنفس منصب نبوت کے لئے نہیں۔ اصل یہ ہے کہ کسی حکم کا کسی شرط سے تعلق دو طرح پر ہوتا ہے کبھی فاعل متصرف کے اعتبار سے، کبھی محل قابل کے لحاظ سے' یہاں آنحضرت ﷺ کی نبوت کے لئے جسم عنصری کی شرط فاعل متصرف کی طرف سے نہ تھی کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت سے عالم ارواح ہی میں سرفراز کر دیا تھا جسم ناسوتی کی شرط تھی تو صرف اس لئے تھی کہ مبعوث الیہم میں جسم کے بغیر استفادہ کی قابلیت نہ تھی تصرفات نبوۃ یعنی احکام الٰہیہ کی تبلیغ اس پر موقوف تھی کہ آپ جسم عنصری میں تشریف لا کر ان سے خطاب کریں۔ کلام الٰہی انہیں سنائیں اور سمجھائیں۔

اگر مخاطبین میں ان امور کی اس سے قبل صلاحیت ہوتی تو وہ کمال نبوت کا اس سے قبل بھی ادراک کر لیتے اس لئے قالب انسانی کی شرط یہاں نفس نبوت کے لئے نہیں بلکہ قصور مخاطبین کے لحاظ سے تھی۔ سبکی متوفی (۷۵۶ھ) سے پہلے حافظ ابو نعیم اصفہانی" نے متوفی (۴۳۰) اور شیخ محی الدین ابن عربی" (متوفی ۶۳۸ھ) نے فتوحات مکیہ کے باب ۱۰ ص ۱۷۳ و باب ۱۱ ص ۱۸۵ و باب ۱۲ ص ۹۲ و باب ۳۷ ص ۱۷۷ و ۱۸۲ و باب ۳۱۴ ص ۲۳ میں اور امام رازی نے (متوفی ۶۰۶ھ) اپنی تفسیر میں پھر بعد میں ابن حجر ہیثمی" (متوفی ۹۷۳ھ) اور زرقانی" (۱۱۲۲ھ) وغیرہم نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

خفاجی کو تقی سبکیؒ کی اس رائے سے اختلاف ہے وہ اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں آپ کا یہ علاقہ تسلیم نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ صرف تعظیم و توقیر عظمت و نصرت کے عہد سے اتنا اہم علاقہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نزدیک اس کے خلاف جو وجوہات انہوں نے قائم کیے ہیں ان کا جواب ممکن ہے۔ مگر احتیاط یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس بحث سے سکوت اختیار کیا جائے۔ نہ تو اس کا دعویٰ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس سے انکار کرنے

کی حاجت۔ آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے صرف آپ کی سیادت وقیادت کا اعتقاد کافی ہے اب یہ بحث کہ انبیا علیہم السلام کے لیے بھی یہ سیادت اسی درجہ کی تھی جس درجہ کی اس امت کے لیے غیر ضروری بحث ہے۔ علامہ خفاجیؒ کو سبکیؒ کی دوسری بحث بلا کسی اختلاف کے تسلیم ہے یعنی یہ کہ آنحضرت ﷺ کو منصب نبوت سب سے پہلے عالم ارواح ہی میں مرحمت ہو چکا تھا اور اس حدیث کا منشاء صرف یہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی نبوت کا علم تھا۔ یہ ایک بعید اور غیر مفید سی بات ہے۔ (دیکھو نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۰۰۔۲۰۳)

شیخ اکبرؒ نے اس مضمون کو بڑی رنگینی سے ادا کیا ہے۔ اس کا نقل کرنا موجب طوالت ہے۔ اہل علم کی ضیافت طبع کے لیے یہاں صرف چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)........

الا بابی من کان ملکا وسیدا
و آدم بین الماء والطین واقف

﴿سن لو میرے ماں باپ اس پر قربان جو اس وقت بادشاہ اور سردار بن چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی آب وگل کے درمیان ہی پڑے ہوئے تھے۔﴾

(۲)......

فذاک الرسول الابطحی محمد
له فی العلی مجد تلید وطارف

﴿یہ وہی رسول ہیں جن کا نام نامی محمد ﷺ ہے اور جن کو ہر قسم کی نئی پرانی بزرگیاں حاصل ہیں۔﴾

(۳)..........

اتی بزمان السعد فی آخر المدی
وکانت له فی کل عصر مواقف

﴿آپ کی آمد تو بعد ایک خوش بخت زمانہ میں ہوئی مگر آپ کی شہرت ہر دور میں رہی ہے۔﴾

()

اتی لانکسار الدهر یجبر صدعه
فاثنت علیه السن و عوارف

﴿آئے اور ایک شکستہ حال زمانہ کی اصلاح کرنے کے لیے آئے اس لیے زبان خلق اور بخششیں آپ کی ثناء خواں ہے۔﴾

() ...

اذا رام امرا لایکون خلافه
ولیس لذاک الا مرنی الکون صارف

﴿جب آپ کسی بات کا عزم کر لیتے ہیں تو پھر اس کا خلاف نہیں ہوتا اور عالم میں اس سے کوئی مانع نظر آتا ہے۔﴾

جعل النبی ﷺ خاتم النبیین وآدم بین الماء والطین

(۴)۔ .... "عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ اِنِّیْ عِنْدَاللّٰهِ مَکْتُوْبٌ" خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ" فِیْ طِیْنَتِهٖ ۔ رواه فی شرح السنة واحمد فی مسنده(ج ٤ص١٢٧، ١٢٨)کما فی المشکوٰة (ص٥١٣، باب فضائل سید المرسلین ﷺ)والبیهقی والحاکم ص١٩٤ ج ٢ حدیث ٣٦١٩ کتاب التفسیر کما فی المواهب وقال الحاکم صحیح الاسناد وفی شرحه رواه ابن حبان فی صحیحه ایضا وفی الکنز ص٤١٨ ج ١١ حدیث ٣١٩٦٠ وص٤٤٩ ج ١١ حدیث ٣٢١١٤)فی لفظ لهذاالحدیث عندابن سعد فی ام الکتاب خاتم النبیین الحدیث"

آنحضرت ﷺ اس وقت خاتم النبیین بنادیئے گئے تھے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی آب وگل ہی میں تھے

﴿عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں خدا کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین مقرر ہو چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی گارے کی شکل ہی میں پڑے ہوئے تھے (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی) اس حدیث کو شرح السنۃ میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ کنز العمال میں بحوالہ ابن سعد اس حدیث کے لفظ میں بجائے عند اللہ کے ام الکتاب کا لفظ ہے اب حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ میں لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا جا چکا تھا۔ گویا ابن سعد کے لفظ کو مسند امام احمد کی شرح سمجھنا چاہیے۔﴾

مواہب میں ہے کہ :" واخرج مسلم ج ۲ ص ۲۴۵ من حدیث عبد الله بن عمرو بن العاص عن النبی ﷺ انه قال ان عزوجل کتب مقادیر الخلق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنة وکتب فی الذکر ان محمداً خاتم النبیین "

﴿عبد اللہ بن عمرو بن العاص صحیح مسلم میں آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل اپنی ہر مخلوق کا اندازہ لکھ دیا تھا اور لوح محفوظ میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔﴾

یعنی جب عالم تکوین کی ہر معمولی سے معمولی چیز مقدر ہوئی تو جن کے وجود پر عالم تکوین کی آبادی کا مدار تھا ان کا خاتم النبیین ہونا بھی اسی وقت مقدر ہو چکا تھا۔

اس روایت کا آخری فقرہ اگرچہ صحیح مسلم کے موجودہ نسخوں میں نہیں ملتا مگر جب مصنف مواہب نے اس کو بحوالہ مسلم نقل کیا ہے تو ضرور ان کے نسخہ میں موجود ہوگا۔ واضح رہے کہ اس حدیث کا منشا بھی صرف تحریر وکتابت نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ خلعت ختم نبوت آپ کو اس وقت پہنایا جا چکا تھا جبکہ ابو البشر نے خلعت وجود بھی نہیں پہنا تھا اسی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

"عن ابن عباسؓ في حديث الشفاعة فياتون عيسى فيقولون اشفع لنا الى ربنا فيقضي بيننا فيقول اني لست هناكم اني اتخذت وامي الهين من دون الله ولكن ارايتم لو ان متاعاً في وعاء قد ختم عليه اكان يوصل الى ما في الوعاء حتى يفض الخاتم فيقولون لا فيقول فان محمدا ﷺ قد حضر اليوم وقد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر رواه ابوداؤد الطيالسي ص٣٥٢)وفي لفظ (الخصائص٢٨٢ ج١)وابي يعلى ان محمدا ﷺ خاتم النبيين قد حضر اليوم"

(ابن عباسؓ شفاعت کی طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ قیامت میں شفاعت کے لیے آخرکار لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ اور کہیں گے آپ ہی ہمارے پروردگار سے سفارش کیجئے۔ تاکہ ہمارا حساب لے لے۔ وہ فرمائیں گے۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے شرمندہ ہوں کہ میرے امتیوں نے مجھے اور میری ماں کو خدا بنالیا تھا۔ لیکن بتلاؤ اگر کسی برتن کو بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے۔ کیا اس برتن کی چیز اس وقت تک لے سکتے ہو؟۔ جب تک اس کی مہر نہ توڑ دو۔ لوگ کہیں گے ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔ پس محمد ﷺ (جو انبیاء علیہم السلام کے خاتمہ پر مہر ہیں) آج موجود ہیں۔ ان کی آئندہ اور گذشتہ سب لغزشیں معاف ہو چکی ہیں۔ (ان کے پاس جاؤ) مسند احمد اور ابو یعلی کے لفظ یہ ہیں کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آج یہاں موجود ہیں۔ ان الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف تقریب کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اس نوازش الہیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جو ازل میں خلعت ختم نبوت پہنا کر آنحضرت ﷺ پر ہو چکی تھی۔ اس لیے شفاعت کا حق ان ہی کا ہے۔

عرباضؓ کی اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم کی بدایت کے وقت ہی اس کی نہایت آپ کے دورہ نبوت پر مقدر ہو چکی تھی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا۔

"عن بريدة قال قال رسول الله ﷺ بعثت انا والساعة جميعا ان كادت لتسبقني۔"

﴿حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں اور قیامت ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں اور مبالغہ کے ساتھ فرمایا وہ تو قریب تھی کہ مجھ سے پہلے آجاتی اور بخاری میں ہے: "بعثت انا والساعۃ کھاتین" آپ نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں۔ یعنی آپ کے زمانۂ نبوت اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبوت حائل نہیں۔ قیامت جب بھی آئے گی آپ ہی کے دور نبوت میں آئے گی۔ (اخرجہ ابن جریر بحوالہ مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۸)﴾

خلاصہ یہ کہ آپ کا دنیا کے آخری دور میں آنا اس وقت طے ہو چکا تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام میں نفخ روح نہ ہوا تھا۔ گویا کہ یہ بات عالم کے وجود سے بھی پہلے ایک طے شدہ بات تھی۔ اب اس میں شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

جعل النبی ﷺ اول النبیین وآخرھم وکذالک امتہ آخر الامم وتکون اولھم یوم القیامۃ

(۳)...... "عَنْ اَنَسٍ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ مَرْفُوْعًا قَالَ فَتَارَکَ وَتَعَالٰی جَعَلْتُ اُمَّتَکَ هُمُ الْاٰخِرُوْنَ وَهُمُ الْاَوَّلُوْنَ (الی قوله) جَعَلْتُکَ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ خَلْقًا وَّاٰخِرَهُمْ (الی قوله) وَجَعَلْتُکَ فَاتِحًا وَخَاتِمًا۔ اخرجه ابونعیم من (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۱۶۴ باب اختصاصه ﷺ بشرح الصدر...... الخ)"

آنحضرت ﷺ سب سے پہلے نبی بنا دیئے گئے تھے اور سب سے آخر میں تشریف لائے ہیں اور اسی طرح آپ کی امت بھی سب سے آخر میں آئی ہے اور قیامت کے دن سب سے مقدم ہو جائے گی

﴿انسؓ سے ایک طویل حدیث میں مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! تیری امت کو میں نے سب سے آخر میں بھیجا ہے اور وہ حساب میں سب سے پہلے ہوگی اور میں

نے محمد کو نبیوں میں سب سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں بھیجا۔ محمد کو میں نے فاتح یعنی دروازہ نبوت شروع کرنے والا بنایا ہے اور محمد کو ہی اس کا ختم کرنے والا بنایا ہے۔ اس حدیث کو ابونعیم نے روایت کیا ہے۔﴾

(۴)..........."عَنْ سَلْمَانَ فِیْ حَدِیْثِ الشَّفَاعَۃِ یَأْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَیَقُوْلُوْنَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ أَنْتَ الَّذِیْ فَتَحَ اللّٰہُ بِکَ وَخَتَمَ وَغَفَرَلَکَ مَا تَقَدَّمَ وَمَا تَأَخَّرَ. رواہ ابن ابی شیبۃ 'فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۸"

﴿سلمانؓ شفاعت کی حدیث میں روایت کرتے ہیں لوگ محمد ﷺ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے۔ اے اللہ کے نبی آپ تو وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو شروع کیا تھا اور جن پر ختم کیا ہے اور آپ کی آئندہ اور گزشتہ سب لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ (اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے)﴾

(۵)........"عَنْ أَبِیْ ہُرَیْرَۃَ فِیْ حَدِیْثِ الْإِسْرَاءِ قَالُوْا یَا جِبْرَئِیْلُ مَنْ ھٰذَا مَعَکَ قَالَ ھٰذَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ........ اِلٰی اَن قَالَ فَقَالَ لَہٗ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی........ جَعَلْتُکَ أَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ خَلْقًا وَاٰخِرَھُمْ بَعْثًا .... وَجَعَلْتُکَ فَاتِحًا وَخَاتِمًا - رواہ البزار' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۲'۷۲ باب منہ فی الاسراء"

﴿ابوہریرہؓ معراج کی حدیث میں روایت فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون ہیں۔ وہ بولے محمد ﷺ ہیں جو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (جب آپ کی دربار الٰہی میں رسائی ہوئی) تو ارشاد ہوا (اے محمد ﷺ) میں نے پیدائش کے لحاظ سے تم کو سب نبیوں سے پہلے اور بلحاظ بعثت سب سے آخر میں بھیجا ہے۔ نبوت کا شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا تم کو ہی بنایا ہے۔ اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے۔﴾

چونکہ رسولوں کے سلسلہ میں بظاہر سب سے پہلے آنے والے رسول حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ اس لئے احادیث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ اصل اولیت یعنی باعتبار

خلق و اتصاف نبوت آنحضرت ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ گو بلحاظ وجود عنصری حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف آوری سب سے اول ہوئی ہے۔

(۹) "عن ابی قتادة مرسلاً انما بعثت فاتحا وخاتما واعطیت جوامع الکلم وفواتحه. رواه البیهقی فی شعب الایمان' کنز العمال ج۱۱ ص۴۲۵ حدیث ۳۱۹۹۴"

﴿ابو قتادہ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے نبوت کا شروع کرنے والا اور اس کا ختم کرنے والا میں ہی بھیجا گیا ہوں اور مجھے جوامع کلم اور فواتح کلم دیئے گئے ہیں۔ یعنی مختصر جملوں میں بڑے بڑے مضامین ادا کرنا۔ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔﴾

حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ ہر سید و امیر کو بقدر اپنے دائرہ ولایت کے خزائن حشم و خدم درکار ہوتے ہیں۔ جو ایک قریہ یا ایک خطہ کا امیر ہوتا ہے اس کے لئے اس کے مناسب اور جو ایک ملک کا امیر ہوتا ہے۔ اس کے لئے اس کے مناسب آنحضرت ﷺ کو چونکہ تمام جہان کا سید و امیر بنایا گیا ہے۔ اس لئے آپ کو اسی کے بقدر سامان ولایت کی ضرورت ہے۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہے کہ:

"اوتیت خزائن الارض" ﴿مجھے زمین بھر کے خزانے مرحمت فرما دیئے گئے ہیں۔﴾

اور اسی لئے فرمایا:

"اوتیت جوامع الکلم" ﴿مجھے جامع کلمات مرحمت کئے گئے ہیں۔﴾

بے شک جس کی مملکت تبلیغ تمام جہان ہوں اسے مختصر جملوں میں سمندر کھپانے کی قدرت ملنی چاہئے۔ تاکہ اس کے مختصر جملوں میں سب کچھ آجائے اور ایک اعرابی و فلسفی یکساں طور پر اس سے ہمیشہ مستفید ہوتا رہے۔

اسی مدعا پر ترمذی میں ہے کہ ہر نبی کو سات نجیب و رقیب ملے ہیں۔ مجھے چودہ مرحمت ہوئے ہیں۔ غرضیکہ جوامع الکلم بعثت عامہ کے مقتضیات و ضروریات میں

واقع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو رسول خاص خاص قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان کو ایسے کلمات جامعہ مرحمت نہیں ہوئے۔ جوامع الکلم کی تفسیر ہمارے مضمون حجیت حدیث شریفہ پر عنوان قرآن کی جامعیت ملاحظہ کیجئے

(۷) ... "عَنْ قَتَادَةَ كُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ. رواه ابن سعد مرسلاً كما في الكنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۹ حديث ۳۱۹۱۶ رواه ابن ابی شيبه مسنداً عنه كما في الدر المنثور ج ۵ ص ۱۸۴"

﴿قتادہؓ سے روایت ہے کہ میں سب انسانوں میں بلحاظ پیدائش پہلا ہوں اور سب انبیاء میں باعتبار بعثت پچھلا۔ اس حدیث کو ابن سعد نے مرسلاً اور ابن ابی شیبہ نے مسنداً روایت کیا ہے۔﴾

(۸) ... "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ الآيه قَالَ كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ. رواه ابن ابی حاتم و ابن مردويه و ابو نعيم في الدلائل والديلمي و ابن عساكر و ابن ابی شيبه و ابن جرير عن قتادة ص ۱۲۵ جز ۲۱ زير آيت واذا خذنا من النبيين ميثاقهم و ابن سعد ابن كثير ج ۳ ص ۴۶۹ زير آيت واذا خذنا من النبيين ميثاقهم والدر المنثور ج ۵ ص ۱۸۴ الخصائص الكبرى ج ۱ ص ۹ و الكنز العمال ص ۴۵۲ ج ۱۱ حديث ۳۲۱۲۶"

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ "واذ اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا! میں باعتبار پیدائش کے سب سے پہلا اور باعتبار بعثت سب سے آخری نبی ہوں۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم' ابن مردویہ' ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے اور دیلمی' ابن عساکر' ابن ابی شیبہ' ابن جریر' ابن سعد نے بھی روایت کیا ہے۔﴾

هذه الامة آخر الامم وخيرها واولها في الحساب

(۹)...... عن قتادة قال ذكر لنا ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم وهو مسند ظهره الى الكعبة نحن نكمل يوم القيامة سبعين امة نحن آخرها وخيرها ۔ رواه ابن جرير جز ٤ ص ٤٥ في تفسير قوله كنتم خير امة الآية" الدر المنثور ج ٢ ص ٦٤"

یہ امت سب امتوں میں آخر سب سے بہتر اور حساب میں سب سے مقدم ہو گی

﴿قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کعبہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے اس وقت آپ نے فرمایا ہم قیامت کے دن ستر امتوں میں سے سترویں امت ہوں گے جن میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ در منثور﴾

ان تمام احادیث میں رسول اللہ ﷺ کو فاتح نبوت اور خاتم نبوت دونوں قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ازل میں آپ کی نبوت اور ختم نبوت صرف جو تقدیر کے معنی میں نہ تھی۔ تقدیر تو سب کے لئے یکساں ہے بلکہ اس منصب سے سرفرازی کے لحاظ سے ہے۔ آپ کی آخریت جس طرح خارج میں تھی اسی طرح آپ کی اولیت بھی سمجھنا چاہئے اور جس طرح آپ کی اولیت تھی یعنی آپ سے پیشتر کوئی رسول نہ تھا اسی طرح آپ کی آخریت سمجھنا چاہئے۔ یعنی آپ کے بعد بھی کسی قسم کا کوئی رسول نہیں ہو گا۔

(۱۰)...... عن مخلد بن خزيم نكمل يوم القيامة سبعين امة ۔ نحن آخرها و اخيرها" رواه الماوردي الكنز العمال ج ١٢ ص ١٦٩ حديث ٣٤٥١٨"

﴿مخلد بن خزیم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی۔ جن

میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ کنز العمال﴾

یہ معلوم نہیں ہے کہ یہاں ستر کا عدد کس مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔ جب کوئی متکلم کوئی خاص عدد ذکر کرتا ہے تو اس کے ذہن میں اس عدد کا کوئی خاص معیار ہوتا ہے۔ جب تک اس کا وہ معیار اور اعتبار ذہنی معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس عدد پر بحث کرنا فضول ہے۔ ایک ہی مقدار کو پیسوں کے لحاظ سے ۶۴ اور آنوں کے اعتبار سے ۱۶ اور روپیہ کے لحاظ سے ایک کہا جا سکتا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہاں ۷۰ کے عدد میں کس خاص بات کی رعایت کی گئی ہے۔

(۱۱) ... "عن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ فی حدیث طویل یا یہودی انتم الاولون ونحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ - اخرجہ ابن راہویہ فی مسندہ وابن ابی شیبۃ فی المصنف" الخصائص الکبری ج ۲ ص ۱۹۸ باب اختصاصہ ﷺ بان امۃ خیر الامم"

﴿حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا: اے یہودی! تم لوگ ہم سے پہلے ہو اور ہم تم سے آخر میں مگر قیامت کے دن حساب میں تم سے پہلے ہوں گے۔ اس حدیث کو ابن راہویہ نے اپنی مسند میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے۔﴾

(۲۲) "عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ مرفوعا تکملون یوم القیامۃ سبعین امۃ نحن آخرھا وخیرھا - رواہ ابن ماجہ ص ۳۱۷ باب صفۃ امۃ محمد ﷺ و الدارمی ج ۲ ص ۲۶۳ باب فی قول النبی ﷺ انتم آخر الامم - کذا فی کنز العمال ج ۱۲ ص ۱۶۹ حدیث نمبر ۳۴۵۱۹ و رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن المشکوۃ ص ۵۸۴ باب ثواب ھذہ الامۃ۔"

﴿بہز بن حکیم اپنے باپ حکیم اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی۔ ہم ان سب سے

آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ' دارمی اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(۱۳)...... "عن ابن عباس عن النبی ﷺ نحن آخر الامم واول من یحاسب یقال این الامۃ الامیۃ ونبیھا فنحن الآخرون الاولون۔ رواہ ابن ماجہ ص ۲۱۷ باب صفۃ امۃ محمد ﷺ مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۲ الکنز"

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا۔ پکارا جائے گا امت امیہ اور اس کا نبی کہاں ہیں؟۔ اس لئے گو ہم سب سے آخر میں ہیں مگر (قیامت کے دن) سب سے پہلے ہو جائیں گے۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

(۱۴)...... "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ بید انھم اوتوا الکتاب من قبلنا واوتیناہ من بعدھم۔ رواہ الشیخان بخاری ج ۱ ص ۱۲۰ باب فرض الجمعہ مسلم ج ۱ ص ۲۸۲ فصل فی فضیلۃ یوم الجمعۃ علی باقی الایام ...... الخ والنسائی باب ایجاب الجمعۃ ج ۱ ص ۱۲۸'۱۲۹' الکنز العمال ج ۱۲ ص ۱۵۹ حدیث نمبر ۳۴۴۷۵ مثلہ عند ابونعیم فی الدلائل ص ۹"

ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہم سب سے آخر ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہو جائیں گے۔ صرف اتنی بات ہے کہ پہلی امتوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہے اور ہمیں ان کے بعد ملی ہے۔ اس حدیث کو شیخین اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

(۱۵)...... "عن حذیفۃ مثلہ ولفظہ نحن الآخرون من اھل الدنیا والاولون یوم القیامۃ۔ رواہ مسلم ج ۱ ص ۲۸۲ باب فصل فی فضیلۃ یوم الجمعہ۔ الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۵۵۱ حدیث ۱۰۳۴"

﴿حضرت حذیفہ سے بھی یہی مضمون مروی ہے۔ اس کے لفظ یہ ہیں کہ ہم دنیا میں سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔﴾

انجیل متی کے باب ۱۹ میں آیت ۲۷ سے لے کر ۳۰ تک امت محمدیہ ﷺ کے اس وصف کی طرف اشارہ موجود ہے:

"پطرس نے جواب میں اس سے کہا کہ دیکھ ہم تو سب کچھ چھوڑ کر تیرے پیچھے ہو لئے ہیں۔ پس ہم کو کیا ملے گا؟ یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔ لیکن بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول۔"

ان الفاظ میں قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی اشارہ ہے: "قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم۔ (التوبہ ۲۴)"

مسجد النبی ﷺ کان آخر مساجد الانبیاء

(۱۶)... "عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اِبْرَاہِیْمَ بْنِ قَارِظٍ اَشْھَدُ اَنِّیْ سَمِعْتُ اَبَاھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَمَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ۔ رواہ مسلم ج۱ ص۴۴۶ باب فضل الصلوۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ و النسائی ج۱ ص۲۷ باب فضل مسجد النبی و لفظہ خاتم الانبیاء وخاتم المساجد"

آنحضرت ﷺ کی مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے

﴿عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابوہریرہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں سب انبیاء کے آخر میں ہوں اور میری

مسجد بھی اب آخری مسجد ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور نسائی کے لفظ میں آخر کے بجائے دونوں جگہ خاتم کا لفظ ہے۔﴾

(آپ ﷺ کی مسجد کے آخری ہونے کی شرح آگے آرہی ہے۔)

(۱۷) "عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ وَأَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ. رواه ابن ماجه ص ۲۹۷ فی باب فتنة الدجال وابن خزيمه والحاكم ج ۵ ص ۷٦٤ حديث ۸٦٦٤ واضياء منتخب الكنز العمال ج ۱٤ ص ۳۱۷ حديث ۳۸۷۹٤"

﴿ابو امامہ باہلیؓ ایک طویل حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں انبیاء میں آخر ہوں اور تم امتوں میں آخر ہو۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے فتنہ دجال کے باب میں روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ، حاکم اور ضیاء الدین نے روایت کیا ہے۔﴾

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو اس امت کے بعد کوئی دوسری امت ہوتی مگر چونکہ عالم کا فنا مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے نہ کوئی اور نبی آئے گا نہ کوئی نئی امت۔ یہ نبی بھی آخری نبی ہے اور اس کی امت بھی آخری امت ہے۔

(۱۸) "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنَا خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِيْ خَاتَمُ مَسَاجِدِ الْأَنْبِيَاءِ. رواه الديلمي و ابن النجار و البزار الكنز العمال ج ۱۲ ص ۲۷۰ حديث نمبر ۳٤۹۹۹"

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں انبیاء میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے۔ اس حدیث کو دیلمی، ابن النجار اور بزار نے روایت کیا ہے۔﴾

اس حدیث سے مسلم کی حدیث کی شرح ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح پہلے انبیاء علیہم السلام کے ناموں سے دنیا میں مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ اب آئندہ چونکہ کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے اس لئے کوئی نئی مسجد بھی کسی رسول کے نام سے تعمیر نہ ہوگی۔ بلکہ یہ مسجد نبوی ہی انبیاء علیہم السلام کی مسجدوں میں آخری مسجد رہے گی۔

قال الرب تبارك وتعالیٰ لیلة الاسراء انه جعله خاتم النبیین

(۱۹) ...... "عن انس قال قال رسول اللهﷺ لما اسری بی الی السماء قربنی ربی تعالی حتی کان بینی وبینه کقاب قوسین او ادنی لا بل ادنی قال یا حبیبی یا محمد قلت لبیك یا رب قال هل غمك ان جعلتك آخر النبیین قلت یا رب لا قال حبیبی هل غم امتك ان جعلتهم آخر الامم قلت یا رب لا قال ابلغ امتك عنی السلام واخبرهم انی جعلتهم آخر الامم . رواه الخطیب والدیلمی ، کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۴۹ حدیث نمبر ۳۲۱۱۱ ، خصائص الکبری ج ۲ ص ۱۹۲"

شب معراج میں پروردگار عالم کا راز و نیاز کے طور پر کہنا کہ اس نے آپ کو خاتم النبیین بنایا ہے

﴿حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب شب معراج میں مجھے آسمان پر لے گئے تو میرے پروردگار نے مجھے قریب بلایا اور بہت قریب بلایا اور کہا اے میرے حبیب ! اے محمد ﷺ ! میں نے کہا حاضر ہوں اے پروردگار ! ارشاد ہوا ! اگر ہم تمہیں آخر النبیین بنادیں تو تم ناخوش تو نہ ہو گے ۔ میں نے عرض کیا اے پروردگار ! نہیں ۔ پھر ارشاد ہوا ! اگر تمہاری امت کو آخری امت بنادیں تو وہ ناخوش تو نہ ہو گی ۔ میں نے عرض کیا نہیں اے پروردگار ۔ ارشاد ہوا کہ اچھا تو اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور انہیں بتلا دینا کہ میں نے انہیں آخری امت بنادیا ہے ۔ (کنز العمال)﴾

قال الرب لادم علیه السلام ان ابنه احمد ﷺ هو الاول والآخر

(۳۰) "عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَخْبَرَ بِبَنِیْہِ فَجَعَلَ یَرٰی فَضَائِلَ بَعْضِھِمْ عَلٰی بَعْضٍ فَرَأٰی نُوْرًا سَاطِعًا فِیْ اَسْفَلِھِمْ قَالَ یَارَبِّ مَنْ ھٰذَا قَالَ ھٰذَا اِبْنُکَ اَحْمَدُ ھُوَ الْاَوَّلُ وَھُوَ الْاٰخِرُ وَھُوَ شَافِعٌ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ. رواہ ابن عساکر کما فی الکنز العمال ج ۱۱ ص ۴۳۷ حدیث ۳۲۰۵۶"

حضرت آدم سے حق تعالیٰ کا ارشاد کہ ان کے فرزند احمد و محمد ﷺ سب سے پہلے اور سب سے آخری نبی ہیں

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں ان کی اولاد دکھلائی۔ آدم علیہ السلام انہیں دیکھتے گئے کہ بعض بعض پر فضیلت رکھتے ہیں۔ ان سب کے آخر میں ایک بلند نور دیکھا تو عرض کیا اے میرے پروردگار! یہ کون ہیں۔ ارشاد ہوا یہ تمہارے فرزند احمد ﷺ ہیں۔ یہی سب سے پہلے نبی ہیں اور یہی سب سے آخر ہیں۔ یہی قیامت میں سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور ان ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔﴾

قال جبرئیل لادم ان محمد ﷺ آخر ولدك من الانبياء

(۳۱) "عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ نَزَلَ اٰدَمُ بِالْھِنْدِ وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرَئِیْلُ فَنَادٰی بِالْاَذَانِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ مَرَّتَیْنِ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مَرَّتَیْنِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَرَّتَیْنِ قَالَ

آدم من محمد؟ قال آخر ولدك من الانبیاء۔ رواہ ابن عساکر الکنز العمال ج ۱۱ ص ۴۵۵ حدیث نمبر ۳۲۱۳۹ الخصائص ج ۱ ص ۱۲ باب ذکرہ فی الاذان فی عہد آدم“

حضرت آدم سے جبرائیل کا ارشاد کہ محمد ﷺ انبیاء میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے آدم علیہ السلام جب ہندوستان میں نازل ہوئے (اور تنہائی کی وجہ سے) گھبرائے تو جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور اذان کہی۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر! دو مرتبہ اشہد ان لا الہ الا اللہ! دو مرتبہ اشہد ان محمد رسول اللہ! دو مرتبہ (جب حضرت آدم علیہ السلام نے محمد ﷺ کا اسم گرامی سنا تو) فرمایا کہ یہ محمد ﷺ کون ہیں؟۔ جبرائیل نے کہا کہ انبیاء میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں۔ اس حدیث کو ابن عساکرؒ نے روایت کیا ہے۔﴾

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ابتداء عالم میں بھی ہوئی ہے ضرورت ہے کہ اس حدیث کے طرق جمع کیے جائیں تاکہ اس کے تفصیلی کلمات کا پتہ بھی مل جائے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اذان کا ایک نفع رفع وحشت بھی ہے۔ سوم یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جائے نزول ہندوستان میں کوئی جگہ ہے۔ اگر یہ حدیث صحت کو پہنچ جائے تو تاریخی لحاظ سے یہ ایک بڑی حقیقت کا انکشاف ہوگا۔ ہم نے اس حدیث کو یہاں صرف آخری جز کی وجہ سے نقل کیا ہے۔

قال جبریل للنبی ﷺ انک خاتم النبیین کما ان آدم صفی اللہ

{۲۲} ”عن سلمان فی حدیث طویل قال قال جبریل للنبی ﷺ ان ربک یقول ان کنت اصطفیت آدم فقد ختمت بک الانبیاء

وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَکْرَمَ عَلَیَّ مِنْکَ. خصائص ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۲، بحوالہ ابن عساکر"

آنحضرت ﷺ سے حضرت جبرائیل کا فرمان کہ جس طرح حضرت آدم کا لقب صفی اللہ تھا آپ کا لقب خاتم النبیین ہے

﴿سلمانؓ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ کا پروردگار کہتا ہے اگر میں نے آدم کو صفی اللہ کا خطاب دیا ہے تو آپ پر تمام انبیاء کو ختم کر کے (خاتم النبیین کا خطاب دیا ہے) اور میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز ہو۔﴾

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کا نبیوں میں آخر ہونا صرف ایک زمانی تاخر نہیں بلکہ خدا کے نزدیک وہ خاص فضیلت ہے جو دیگر انبیاء علیہم السلام کے خصوصیات کے بالمقابل آپ کو مرحمت ہوئی ہے۔ عالم کا تدریجی ارتقاء بھی اسی کو مقتضی تھا کہ اس کی آخری کڑی سب میں کامل تر ہو۔ اس لئے آخری نبی وہی ہونا چاہئے جو سب میں کامل اور سب سے اکرم ہو۔

مکتوب بین کتفی آدم محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین

(۴۳) "عَنْ جَابِرٍ قَالَ بَیْنَ کَتِفَیْ آدَمَ مَکْتُوْبٌ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ. رواہ ابن عساکر (خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹ باب خصوصیۃ ﷺ"

حضرت آدم کے دونوں شانوں کے درمیان یہ لکھا ہوا تھا محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں

﴿جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان

یہ لکھا ہوا تھا "محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین" ہیں۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی مہر نبوت بھی دونوں شانوں کے درمیان تھی اور دجال کا کفر اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا۔ یعنی مہر نبوت کا مقام دونوں شانوں کے درمیان اور مہر دجال و کفر کا محل پیشانی تجویز ہوا ہے۔ اس کی حکمتیں بھی علماء نے لکھی ہیں۔

الشهادة بختم النبوة جزء من الايمان كالشهادة بكلمة التوحيد

(۴۳)... "عن زيد بن حارثة في قصة طويلة له حين جاءت عشيرتي (من عند رسول الله ﷺ بعد ما أسلم) فقالوا له: امض معنا يا زيد فقال ما أريد برسول الله ﷺ بدلاً ولا غيره أحدا فقالوا يا محمد إنا معطوك بهذا الغلام ديات فسم ما شئت فإنا حاملوه إليك فقال أسألكم أن تشهدوا أن لا إله إلا الله وأني خاتم أنبيائه ورسله وأرسله معكم. الحديث اخرجه الحاكم مفصلاً في المستدرك ج ۳ ص ۲۳۴، ۲۲۵ حديث ۴۹۹۹ باب تبنى رسول الله ﷺ زيد بن حارثه"

عقیدہ ختم نبوت کلمہ شہادت کی طرح ایمان کا جزء ہے

زید بن حارثہؓ اپنے ایک طویل قصہ میں ذکر کرتے ہیں کہ جب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گیا تو میرا قبیلہ مجھے تلاش کرتا ہوا آپ ﷺ کے پاس آیا اور مجھ سے کہا اے زید! ہمارے ساتھ چلو۔ زید بولے میں رسول اللہ ﷺ کے بدلہ میں کسی کو پسند نہیں کرسکتا اور نہ آپ کے سوا کسی دوسرے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے محمد (ﷺ) اس لڑکے کے عوض میں ہم آپ کو بہت مال دے سکتے ہیں۔ جو آپ چاہیں فرما دیجئے ہم اسے ادا کر دیں گے۔ آپ نے

ارشاد فرمایا: میں تو تم سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں۔ وہ یہ کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ اور اس کی کہ میں اس کے سب نبیوں اور رسولوں میں آخری نبی اور رسول ہوں۔ بس میں اس کے گواہی تمہارے ساتھ مجھے دیتا ہوں۔ (مستدرک)

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے جس طرح خدا کی توحید پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح اپنی ختم نبوت پر بھی ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان آپ کی ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں: "ولکن رسول اللہ" کے ساتھ: " وخاتم النبیین " کا لفظ اسی لئے رکھا گیا ہے کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں۔

اس کے برخلاف آپ سے پیشتر جتنے رسول ہوئے وہ صرف رسول اللہ تھے۔ اسی لئے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کا مخصوص لقب ہے اور آپ نے ہی اس کا دعویٰ کیا ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا یہ لقب بطور مدح نہیں بلکہ بحیثیت عقیدہ کے ایک عقیدہ ہے۔ خاتم الشعراء اور خاتم المحدثین کی طرح صرف ایک محاورہ نہیں۔

ختم النبوة من خصائص النبی ﷺ

(۲۵) ... "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ. رواه مسلم ج۱ص۱۹۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰة' مشکوٰة ص۵۱۲ باب فی فضائل نبینا ﷺ 'تفسیر ابن کثیر ج۳ص۴۹۳ زیر آیت ماکان محمد ابا احدمن رجالکم"

ختم نبوت انبیاء علیہم السلام میں صرف آنحضرت ﷺ کا طغرٰی امتیاز ہے

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں: (۱) مجھے مختصر کلمات معانی کثیرہ کے حامل دیئے گئے ہیں۔ (۲) دشمن پر رعب ڈالکر میری مدد کی گئی ہے۔ (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے۔ (۴) تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے کا آلہ بنادی گئی ہے۔ (۵) تمام مخلوق کی طرف مجھے بھیجا گیا ہے۔ (۶) انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم کر دیا گیا ہے۔ (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)﴾

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی چند خصوصیات شمار کی گئی ہیں۔ یہ خصوصیات صرف چھ تک محدود نہیں بلکہ بہت ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے اسی موضوع پر دو ضخیم جلدوں کی ایک کتاب لکھدی ہے۔ جو خصائص الکبریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ مفہوم عدد علماء کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ متکلم کے وقتی استحضار اور اس کے ذہنی اقتضاء کی بات ہوتی ہے۔ یہاں ۶،۵ خصوصیتیں زیر بحث ہیں۔ بقیہ خصوصیات پر اپنی اپنی جگہ بحث آئے گی۔ خصوصیت (۵) کا مطلب علماء کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کی بعثت آپ کے زمانہ سے لیکر قیامت تک کے لئے ہے۔ لیکن شیخ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی بعثت آپ سے پیشتر اور آپ کے بعد دونوں زمانوں کو شامل ہے۔ آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک آنیوالی دنیا سب آپ کی بعثت کے ماتحت ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خاتم النبیین آپ کی ایک خصوصیت تھی صرف تعریفی لقب نہ تھا۔ جو مجازاً دوسروں پر بھی اطلاق ہو سکتا۔

خاتم النبوة كان دليلاً على كونه خاتم النبيين

(۲۹) "عن علیؓ قال بین کتفیہ خاتم النبوة وھو خاتم

النَّبِيِّيْنَ - رواه الترمذی فی شمائله ص ۲ باب خاتم النبوة"

مہر نبوت خود اس کی دلیل تھی کہ آپ خاتم النبیین ہیں

﴿حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین تھے۔(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)﴾

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس معنوی خصوصیت کو حسی شکل میں بھی ظاہر کردیا گیا تھا۔ کتب سابقہ میں بھی مہر نبوت آپ کی ایک علامت بتلائی گئی تھی۔ اسی لئے بعض طالبین حق نے منجملہ اور علامات کے آپ کی مہر نبوت کو بھی تلاش کیا ہے۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاتم النبیین آپ کا شاعرانہ لقب نہ تھا بلکہ بہ نبوت اور آخری نبی ہونے کی وجہ سے آپ کو خاتم النبیین کہا جاتا تھا۔

دعویٰ النبی ﷺ انه خاتم النبيين واخرهم

(۳۷) ..... "عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ - رواه البيهقی والحاكم ج ۲ ص ۱۹۴ حديث ۳۶۱۹ باب انی عبدالله وخاتم النبيين وصححه كذافی الدرالمنثور ج ۵ ص ۲۰۷"

آنحضرت ﷺ کا دعویٰ کرنا کہ خاتم النبیین اور آخری نبی میں ہوں

﴿عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں عبداللہ ہوں۔(اللہ کا بندہ) اور میں خاتم النبیین ہوں (آخری نبی) اس حدیث کو بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔﴾

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف معنی ترکیبی کے لحاظ سے "عبداللہ" نہیں ہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام میں "عبداللہ" آپ کا لقب بھی تھا۔

قرآن کریم میں "عبداللہ" بطور لقب صرف آپ کی ذات پر اطلاق ہوا ہے۔"

"لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا. الجن ۱۹" جب عبداللہ (یعنی محمد) نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو قریب تھا کہ وہ ٹھٹھ بستہ ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑتے۔ حدیث میں ہے کہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا۔ اگر چاہیں رسالت کے ساتھ ملوکیت پسند کر لیں۔ جیسا کہ سلیمان علیہ السلام تھے یا چاہیں تو عبدیت اختیار کر لیں۔ آپ نے عبدیت کو ہی پسند فرمالیا۔ اس کے بعد آپ کی نشست وبرخاست۔ طعام وشراب سب میں عبدیت کا پہلو غالب تھا۔ دعاء تشہد میں بھی عبدہ ورسولہ تعلیم کیا گیا ہے۔ یعنی عبدیت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ حتی کہ ایک شخص نے اس ترتیب کو بدل کر جب رسولہ وعبدہ کہا تو آپ نے اس کی اصلاح فرمائی اور کہا کہ وہی عبدہ ورسولہ کہو۔ شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ پر یہ مقام عبدیت سوئی کے ناکے کے برابر منکشف ہوا تھا تو میں اس کی بھی تاب نہ لا سکا اور قریب تھا کہ جل جاتا۔ اسی طرح آپ کا دوسرا لقب خاتم النبیین ہے۔ پہلا لقب آپ کی ذاتی صفت اور دوسرا بلحاظ انبیاء علیہم السلام ہے۔ آپ سے پہلے کسی رسول نے یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ دوسرے رسولوں کی آمد کی بشارت دی ہے۔ اگر یہ لقب صرف شاعرانہ مبالغہ ہوتا تو آپ سے پہلے انبیاء پر بھی اس کا اطلاق درست ہوتا۔ آنحضرت ﷺ کا دعویٰ کرنا بتاتا ہے کہ پہلے صحف میں کسی خاتم النبیین کی علامات موجود تھی۔ آپ بتلا رہے ہیں کہ اس مصداق میں ہوں۔

(۲۸)... "عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ مَرْفُوْعًا إِنِّيْ خَاتَمُ أَلْفِ نَبِيٍّ أَوْ أَكْثَرَ. رواه في المستدرك ج۲ص۶۹۲ حديث ٤٢٢٤ باب بعث رسول الله ﷺ . الكنز ج۱۱ص٤٨٢ حديث ۳۲۲۸۱"

﴿ابو سعید مرفوعا روایت کرتے ہیں۔ میں ایک ہزار نبی یا اس سے زیادہ کے آخر میں آیا ہوں۔ اس حدیث کو مستدرک میں روایت کیا ہے۔﴾

مشکوٰۃ میں ایک حدیث میں انبیاء علیہم السلام کا عدد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے۔ چونکہ یہاں راوی نے او اکثر کا لفظ کہہ دیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو اصل عدد محفوظ نہیں رہا۔ اس لئے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس

حدیث میں تکرار کے عدد سے کسی خاص شان کے نبی مراد لئے گئے ہوں۔

(۲۹) "عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ یا اباذر اول الانبیاء آدم واخرھم محمد"۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ وابونعیم فی الحلیہ وابن عساکر والحکیم الترمذی الکنز ج ۱۱ ص ۴۸۰ حدیث ۳۲۲۶۹ باب ذکر الانبیاء واخرجہ ابن حبان فی تاریخہ فی العمدۃ العاشرۃ ص ۷۹ مخطوطا"

﴿ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم اور سب کے آخر میں محمد ﷺ ہیں۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن عساکر اور حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے۔ نیز ابن حبان نے اپنی تاریخ میں ۱۰ھ کے احوال میں اس کو روایت کیا ہے۔ (از قلمی نسخہ)﴾

انبیاء علیہم السلام کے اول وآخر کی اس تحدید سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اب کوئی شخص جس کو نبی کہہ کر پکارا جائے نہیں ہوگا۔ پہلے آدم علیہ السلام ہیں اور آخری آپ اور بس۔ نیز اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کی تصریح بھی موجود ہے اسی طرح مشکوٰۃ میں ہے جب آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آدم نبی تھے تو آپ نے فرمایا۔ "نعم نبی مکلم" ہاں! خدا کے نبی تھے۔ خدا تعالیٰ ان سے باتیں کرتا تھا۔

وصیۃ النبی ﷺ انہ لانبی بعدہ

(۳۰) "عن عبداللہ بن عمرو بن العاص یقول خرج علینا رسول اللہ ﷺ یوما کالمودع فقال انا محمد النبی الامی ثلاثا ولا نبی بعدی (الی قولہ) فاسمعوا واطیعوا مادمت فیکم فاذا ذھب بی فعلیکم بکتاب اللہ تعالیٰ احلوا حلالہ وحرموا حرامہ"۔ رواہ احمد فی مسندہ ج ۲

ص۶۷۲، ۶۱۱۲' تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۴۹۴ زیر آیت ماکان محمد ۔"

آنحضرت ﷺ کی وصیت کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

﴿ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے (اور اس طرح تقریر فرمائی) جیسے کوئی رخصت ہونے والا تقریر کیا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نبی امی (جن کے آمد کی خبر تھی وہ) میں ہی ہوں اور میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ (اسی تقریر میں یہ بھی فرمایا جب تک میں تمہارے اندر موجود ہوں میرے احکام سنو اور ان کی اتباع کرتے رہو اور جب مجھے دنیا سے اٹھالیا جائے تو تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے رہنا جو اس میں حلال ہے اس کو حلال اور جو حرام ہے اس کو حرام سمجھتے رہنا۔ اس حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔﴾

(۳۱) ..."عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ خُطْبَۃِ یَوْمَ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ اَیُّھَا النَّاسُ اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّۃَ بَعْدَکُمْ فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَھْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکٰوۃَ اَمْوَالِکُمْ طَیِّبَۃً بِھَا اَنْفُسُکُمْ وَاَطِیْعُوْا وُلَاۃَ اُمُوْرِکُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّۃَ رَبِّکُمْ ۔ الکنز ج۵ ص ۲۹۵،۲۹۴ حدیث نمبر ۱۲۹۲۲' مجمع الزوائد ج۸ ص۲۶۶ باب لانبی بعدہ ﷺ 'تفسیر معالم التنزیل ج۱ ص۲۲۷ زیر آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم"

﴿ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا۔ اے لوگو! نہ تو میرے بعد اب کوئی نبی ہوگا اور نہ تمہارے بعد کوئی امت۔ پس اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور اپنی پانچ نمازیں پڑھتے رہو اور رمضان کے روزے رکھے جاؤ۔ اور اپنے مالوں کی زکوۃ خوشی خوشی دیئے جاؤ اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرتے رہو تو پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ نجات اب صرف ان فرائض اسلام پر عمل کرنے میں منحصر ہو گئی ہے۔ اگر پہلے زمانہ کی طرح آئندہ کوئی رسول آنے والا ہوتا تو اس پر

ایمان لانا بھی ضروری ہوتا۔ اب ایمان کا معاملہ تو مکمل ہو چکا ہے۔ صرف عمل کا مرحلہ باقی ہے۔ وہ بھی اتنا مختصر ہے کہ ان فرائض کے یہ چند قدم ہیں۔ انہیں طے کرو اور آگے جنت ہے۔﴾

(۳۲) ... "عَنْ أَبِي قُتَيْلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَأَقِيْمُوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَأَطِيْعُوْا وُلَاةَ أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ. رواه الطبرانی والبغوی کذافی الکنز العمال ج۱۵ص۹٤۷ حدیث نمبر٤٣٦٢٨ باب جامع المواعظ من الاکمال مجمع الزوائد ج۳ص۲۷٦ باب خطبه فی الحج"

﴿ابو قتیلہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا اور تمہارے بعد اب کوئی امت نہیں آئے گی۔ پس تم اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اپنی پانچ نمازیں ٹھیک ٹھیک پڑھتے رہو۔ اور رمضان کے روزے رکھتے رہو اور اپنے حکام کی اطاعت کئے جاؤ۔ اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔﴾

(۳۳) ... "عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا أُمَّةَ بَعْدَ أُمَّتِيْ. رواه البیهقی فی کتاب الرؤیا وفی روایة ابی قتیلة فی کنزالعمال لا نبی بعدی ولا امة بعدکم ص۹٤۷ ج۱۵ حدیث نمبر٤٣٦٢٨ باب جامع المواعظ من الاکمال"

﴿ضحاک بن نوفلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا اور میری امت کے بعد اب کوئی امت نہیں ہوگی۔ اس حدیث کو بیہقی نے کتاب الرؤیا میں روایت کیا ہے۔﴾

تصدیق ماهان عامل الروم ان النبی ﷺ لا نبی بعده

(۳۴) ... "عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ أَنَّهُ سَأَلَهُ

ماهان عامل ملك الروم على الشام هل كان رسولكم اخبر انه يأتي بعده رسول؟ قال: ولكن اخبرانه لانبي بعده واخبر ان عيسى بن مريم قد بشربه قومه قال الرومي وانا على ذلك من الشاهدين. خصائص الكبرى ج ۱ ص ۲۶۶ باب ذكر آيات وقعت على اثر النبي ﷺ في غزوات"

ملک روم کے گورنر کی تصدیق کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

﴿خالد بن ولیدؓ نے ایک طویل حدیث میں کہا کہ ماہان نے جو شام پر شاہ روم کا عامل تھا ان سے دریافت کیا کیا تمہارے رسول نے تم سے یہ کہا ہے کہ ان کے بعد کوئی اور رسول آئے گا۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ یہ خبر دی ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی کہا کہ عیسیٰ بن مریم نے ان کی آمد کی بشارت اپنی قوم کو دی تھی۔ ماہان رومی نے کہا کہ میں بھی اس پر گواہی دینے والوں میں ہوں۔﴾

حضرت ابو عبیدہؓ جب یرموک پہنچے تو روم کے لشکر کے سردار نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا اس نے کہا کہ میں ماہان گورنر کے پاس سے آیا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنی جماعت میں سے ایک عقلمند شخص ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم اس سے گفتگو کر لیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کام کے لئے خالد بن ولیدؓ کو منتخب فرمایا اور انہوں نے وہ گفتگو کی جو اوپر مذکور ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پچھلی بشارات میں نبی منتظر کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس لئے دوسری باتوں کے ساتھ اس کی تحقیق بھی کی جاتی تھی کہ اور انبیاء کی طرح آپ نے کسی نبی کی آمد کی خبر تو نہیں دی۔

شهادة الضب انه رسول الله وخاتم النبيين

(۳۵) ... "عن عمر بن الخطاب في حديث طويل فقال الاعرابي لا آمنت بك حتى يؤمن بك هذا الضب فقال رسول الله ﷺ من انا يا ضب؟ فقال الضب بلسان عربي مبين يفهمه القوم جميعا لبيك وسعديك يارسول رب العالمين قال من تعبد؟ فقال الذي في السماء

عَرْشُهٗ وَفِي الْاَرْضِ سُلْطَانُهٗ وَفِي الْبَحْرِ سَبِيْلُهٗ وَفِي الْجَنَّةِ رَحْمَتُهٗ وَفِي النَّارِ عَذَابُهٗ قَالَ فَمَنْ اَنَا قَالَ اَنْتَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ۔

الحديث اخرجه الطبراني في الاوسط والصغير ج٢ص٦٤ باب الميم اسمه محمد وابن عدي والحاكم في المعجزات والبيهقي وابونعيم وابن عساكر وليس في اسنانه من ينظرفي حاله سوي محمد بن علي بن الوليد البصري السلمي شيخ الطبراني وابن عدي وقال السيوطي في الخصائص قلت لحديث عمر طريق اخر ليس فيه محمد بن علي بن الوليد اخرجه ابونعيم وروي عن عائشة وابي هريرة وعلي رضي الله تعالي عنهم مثله كمافي الخصائص ج٢ص٢٧٥ باب قصة الضب منتخب كنز العمال علي حاشيه مسند احمد ابن حنبل ج٤ص٢٧٨ باب شهادة الضب۔''

گوہ کی شہادت کہ آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں

﴿حضرت عمرؓ ایک طویل قصہ میں روایت فرماتے ہیں (کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دیہاتی آدمی کو اسلام کی دعوت دی) اس نے کہا جب تک یہ گوہ ایمان نہ لائے میں آپ پر ایمان نہیں لا سکتا۔ آپ نے فرمایا اے گوہ! بتا میں کون ہوں۔ گوہ نے نہایت فصیح عربی میں جواب دیا جسے سب حاضرین نے سمجھا۔ اے رب العالمین کے رسول میں حاضر ہوں اور آپ کی فرمانبردار ہوں۔ آپ نے فرمایا بتا تو کس کے نام کی تسبیح کرتی ہے۔ وہ بولی جس کا عرش آسمان پر ہے اور جس کا حکم زمین پر نافذ ہے جس نے سمندر میں راستے بنا دیئے جس کی رحمت کا مظہر جنت' جس کے عذاب کا مظہر دوزخ ہے۔ آپ نے فرمایا میں کون ہوں؟۔ اس نے جواب دیا آپ جہان کے پروردگار کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط اور معجم صغیر میں اور ابن عدی نے اور حاکم نے معجزات اور بیہقی ابو نعیم اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں سوائے محمد بن علی بن الولید کے کوئی راوی

ایسا نہیں ہے جس کے معاملہ میں غور کرنے کی ضرورت ہو۔ یہ طبرانی اور ابن عدی کے شیخ ہیں۔ سیوطیؒ خصائص الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ حدیث عمر کے لئے ایک اور طریقہ بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں ہے۔ ابونعیم نے اس کو بیان کیا ہے۔ نیز حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ اور . . . . حضرت علیؓ سے بھی اسی کے ہم معنی مضمون مروی ہے۔ الخ

حیوانات کی گفتگو اور ان کی شہادت دینا اگر بطور عادت و فطرت نقل کی جائے تو بے شک تعجب کرنا چاہئے۔ اگر بطریق معجزہ منقول ہو تو اس پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات تمام خارق عادات ہی ہوتے ہیں اور ان میں بہت سے تواتر سے بھی ثابت ہیں۔ لہٰذا صرف اس وجہ سے حدیث کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر اس کا روایتی پہلو ناقابل اعتبار ہوتا تو بے شک ایک بات ہو سکتی تھی۔ مگر اس کا روایتی پہلو بھی اتنا مخدوش نہیں ہے۔ یہاں حیوان کی شہادت میں لفظ رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت قرآنی میں یہ دونوں لفظ یکجا رکھے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت کا صحیح اور پورا مفہوم اسی وقت ادا ہوتا ہے۔ جبکہ آپ کو خاتم النبیین بھی سمجھا جائے آپ کو صرف رسول اللہ کہنا اور خاتم النبیین نہ کہنا آپ کی حیثیت کے صرف ایک جزء ہی کو ادا کرتا ہے اور وہ بھی مشترک جزء کو آپ کے منصب عالی کا ممتاز جزء خاتم النبیین ہے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی ذات میں جمع تھیں اور اس طرح جمع تھیں۔ گویا ایک ذات کے دو عنوان ہیں اس لئے عام طور پر صرف اقرار رسالت ختم نبوت کے اقرار کے لئے کافی سمجھا گیا تھا جیسا کہ کلمہ توحید کا۔ اس کا اقرار گو رسالت کے اقرار سے ایک جداگانہ شے ہے مگر جو توحید کہ آپ کی علمبرداری میں تسلیم کی جائے وہ اقرار رسالت کے ہم معنی تھی۔ اس لئے بعض احادیث میں صرف کلمہ توحید کی شہادت کو مدار نجات قرار دیا گیا ہے اسی طرح آپ کی رسالت اور ختم نبوت کا مسئلہ سمجھنا چاہئے۔

شهادة زيد بن خارجةؓ بعد وفاته

انه ﷺ لانبي بعده

(۳۶) "عن النعمان بن بشير قال كان زيد بن خارجة من سراة الانصار فبينما هو يمشي في طريق من طرق المدينة بين الظهر والعصر اذا خر فتوفي فاعلمت به الانصار فاتوه فاحتملوه الى بيته وسجوه كساء وبردتين وفي البيت نساء من نساء الانصار يبكين عليه ورجال من رجالهم فمكث على حاله حتى اذا كان بين المغرب والعشاء اذا سمعوا صوت قائل يقول انصتوا انصتوا فنظروا فاذا الصوت من تحت الثياب فحسروا عن وجهه وصدره فاذا القائل يقول على لسانه محمد رسول الله النبي الامي خاتم النبيين لا نبي بعده كان ذلك في الكتاب الاول صدق صدق - هدية المهديين ص۱۱۴ معجم الكبير الطبراني ج ۵ ص۲۶۹ روايت نمبر ۵۱۴۴ حافظ ابن ابی الدنیا کی کتاب من عاش بعد الموت ص۵۲"

وفات کے بعد زید بن خارجہ کی شہادت کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ زید بن خارجہؓ انصار کے سرداروں میں تھے۔ ایک دن وہ ظہر و عصر کے درمیان مدینہ کے کسی راستے پر جا رہے تھے کہ یکایک گر گئے اور فوراً وفات ہو گئی۔ انصار کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اور وہ آئے اور انہیں اٹھا کر گھر لے گئے اور ایک کمبل اور دو چادروں سے ان کو ڈھانک دیا۔ گھر میں انصار کی کچھ عورتیں اور مرد ان پر رو رہے تھے۔ یہ گریہ و زاری ہوتا رہا حتیٰ کہ جب مغرب و عشاء کا درمیان ہوا تو دفعتاً ایک غیبی آواز آئی "خاموش رہو خاموش رہو" اِدھر اُدھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز ان کپڑوں کے نیچے

سے ہی آ رہی ہے جس میں میت ہے۔ لوگوں نے ان کا منہ اور پیٹ کھولا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی غیبی شخص ان کی زبان سے یہ کہہ رہا ہے "محمد رسول اللہ نبی ای خاتم النبیین ہیں۔" ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ تورات و انجیل میں موجود ہے۔ سچ ہے سچ ہے۔ ﴾

کرامت کے طور پر میت کا بولنا بھی کچھ تعجب کی بات نہیں۔ قاضی محمد رزوی نے اس کی ایک اور توجیہ بھی کر دی ہے اور وہ یہ کہ یہاں ہو سکتا ہے کہ دراصل کوئی فرشتہ تھا۔ میت کی زبان ان کلمات کی ادائیگی کے لئے صرف ایک واسطہ کا کام دے رہی تھی۔ جمادات و حیوانات کے ان خارق عادت شہادات سے مقصود یہ ہے کہ بنی آدم کی فطرت زیادہ سے زیادہ متاثر ہو کر نصیحت و عبرت کرے اور حضور ﷺ کی تصدیق کے لئے اور زیادہ مستعد ہو جائے۔

کان النبی ﷺ رسولا الی اھل زمانه ومن بعدھم سواء

(۳۷) ... "عن الحسن مرسلا قال قال رسول اللہ ﷺ انا رسول من ادرک حیا ومن یولد بعدی - رواہ ابن سعد الکنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۴ حدیث ۳۱۸۸۵"

آنحضرت ﷺ اپنے زمانہ اور بعد میں آنے والے سب انسانوں کے لئے یکساں رسول ہیں

﴿ حضرت حسنؓ سے مرسلاً روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ان کا بھی رسول ہوں جو اب زندہ ہیں اور ان کا بھی جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔ اس حدیث کو ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ ﴾

بعثت عامہ اور ختم نبوت کو بڑا گہرا ربط ہے۔ اسی لئے پہلی حدیث میں دونوں خصوصیتوں کو ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ اگر آپ کی بعثت عامہ نہ ہوتی اور نبوت ختم ہو جاتی تو آنے والی امت بلا رسول رہ جاتی۔ یہ بجائے نعمت کے اور ایک زحمت ہوتی۔ اس لئے جب

نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو آپ کی بعثت کا دامن قیامت تک کے انسانوں پر پھیلا دیا گیا تاکہ رہتی دنیا تک تمام انسان اس کامل و اکمل رسالت کے نیچے آ جائیں اور کسی دوسرے رسول کے محتاج نہ رہیں۔ اور اگر آپ کی بعثت تو عام ہوتی مگر نبوت ختم نہ ہوتی تو اب آئندہ اگر کوئی اور کامل رسول آتا اور آپ کی جانے اس کی اتباع لازم ہوتی تو آپ کا نقصان علمت ہوتا اور اگر کوئی ناقص رسول آتا تو کامل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آ جانے رحمت کے زحمت بن جاتا (والعیاذ باللہ!) اس لئے بعثت عامہ کے بعد نبوت کا ختم ہونا ضروری اور لازم ہو گیا ہے۔

توضیح النبی ﷺ ختم النبوة بمثال

(۳۸) ... "عن أبی ہریرة أن رسول اللہ ﷺ قال إن مثلی ومثل الأنبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فأحسنه وأجمله إلا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون هلا وضعت هذه اللبنة قال فأنا اللبنة وأنا خاتم النبیین ۔ بخاری ص ۵۰۱ ج ۱ باب خاتم النبیین مسلم ج ۲ ص ۲۴۸ باب ذکر کونه خاتم النبیین واحمد ج ۲ ص ۲۵۶ ' درمنثور ج ۵ ص ۲۰۴ زیر آیت ماکان محمد ابا احد من رجالکم والنسائی والترمذی وفی بعض الفاظ فکنت انا سددت موضع اللبنة وختم بی البنیان وختم بی الرسل ۔ رواہ ابن عساکر کما فی الکنز"

آنحضرت ﷺ کا ختم نبوت کو ایک مثال دیکر واضح کرنا

ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ... ... لوگ آ آکر اس کے ارد گرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تاکہ یہ عیب بھی نہ رہتا) اس کے بعض الفاظ میں یہ ہے کہ میں نے آکر اس اینٹ کی جگہ کو پر

کر دیا ہے اور اب قصر نبوت میری آمد سے مکمل ہو گیا ہے اور مجھ پر تمام رسول ختم کر دیے گئے۔ (کنز العمال)﴾

(۳۹)......"عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَاَتَمَّهَا وَاَکْمَلَهَا وَاَحْسَنَهَا اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَدْخُلُوْنَهَا وَیَتَعَجَّبُوْنَ وَیَقُوْلُوْنَ لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ جِئْتُ فَخَتَمْتُ الْاَنْبِیَاءَ۔ مسلم ج۲ ص۲۴۸ باب ذکر کونہ خاتم النبیین' بخاری ج ۱ص ۵۰۱ باب خاتم النبیین والترمذی ج ۲ ص ۱۱۲ باب ماجاء مثل النبی والانبیاء وابن ابی حاتم"

﴿جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور خوب عمدہ اور مکمل بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جو شخص اس میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا تو کہتا تمام گھر کس قدر خوبصورت ہے مگر یہ ایک اینٹ کی جگہ (وہ اینٹ میں ہوں) اور انبیاء مجھ پر ختم کر دیے گئے ہیں۔ (اس حدیث کو شیخین ترمذی اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے)﴾

(۴۰)......"عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلِیْ وَمَثَلُ النَّبِیِّیْنَ فذکر نحوہ۔ رواہ مسلم ص۲۴۸ج۲ باب ذکر کونہ خاتم النبیین واحمد"

﴿ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میری اور نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور اس کو پورا بنا دیا مگر ایک اینٹ کی جگہ رہنے دی میں آیا اور اس اینٹ کو بھی پورا کر دیا۔ اس حدیث کو مسلم واحمد نے روایت کیا ہے۔﴾

(۴۱)......"عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَثَلِیْ فِی النَّبِیِّیْنَ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَاَحْسَنَهَا وَاَکْمَلَهَا وَاَجْمَلَهَا وَتَرَکَ مِنْهَا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِالْبِنَاءِ وَیَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَیَقُوْلُوْنَ لَوْتَمَّ

موضع تلک اللبنة وانا فی النبیین موضع تلک اللبنة - رواہ الترمذی ج ۲
ص ۲۰۲ باب فی فضل النبی وقال ھذا حدیث حسن صحیح غریب"

﴿ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نبیوں میں میری
مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور نہایت خوشنما مکمل اور آراستہ بنایا لیکن اس میں
ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس محل کے ارد گرد گھومتے اور اسے تعجب سے دیکھ دیکھ کر
کہتے ہیں۔ کاش! اس اینٹ کی جگہ بھی پوری ہو جاتی۔ تو میں نبیوں میں ایسا ہی ہوں جیسے یہ
اینٹ اس محل میں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔﴾

ان تشبیہات کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اس قصر میں جو ہر طرح مکمل ہو چکا
ہے۔ اب کسی اور اینٹ کی کوئی گنجائش نہیں رہی اسی طرح میری آمد کے بعد اب کسی اور نبی
کے آنے کا احتمال نہیں رہا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ختم نبوت کے اس سیدھے سے
مسئلہ کو پیرایہ پیرایہ طریقہ بہ طریقہ آخر کیوں اتنا سمجھا رہے ہیں۔ آپ کا آخری نبی ہونا کوئی
دقیق مسئلہ نہیں جس کے لئے اتنی تفہیم کی حاجت ہو پھر یہ اہمیت کیوں ہے۔ اس کا جواب
آپ کو ان احادیث کے مطالعہ کے بعد خود واضح ہو جائے گا جن میں آنحضرت ﷺ کے بعد
مدعیان نبوت کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے۔

لانبی بعد النبی ﷺ وان کان من غیر تشریع

(۴۴) . . "عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول اللہ ﷺ
لعلی أن تکون منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الا انه لیس نبی بعدی .
رواہ البخاری ومسلم فی غزوة تبوک ص ۶۳۳ ج ۲ عن سعد بن ابی
وقاص عن ابیه قال قال رسول اللہ ﷺ لعلی انت منی بمنزلة ھارون
من موسیٰ الا انه لانبی بعدی وفی روایته وفی لفظ مسلم ج ۲ ص ۲۷۸
باب من فضائل علی بن ابی طالب خلفه علیه السلام فی بعض مغازیه
فقال له علی یارسول اللہ خلفتنی مع النساء والصبیان فقال له رسول

اللهﷺ اماترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لانبوة بعدی وفی لفظ اخر عنده الا انك لست نبیا۔"

آنحضرتﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں خواہ غیر تشریعی نبی ہو

﴿سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھی اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے غزوہ تبوک کے بیان میں روایت کیا ہے اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرتﷺ نے ایک جنگ کے موقع پر حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ نہ لیا تو حضرت علیؓ نے آپ کی خدمت میں (حسرت سے) عرض کیا یا رسول اللہﷺ مجھے آپ عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟۔ آپﷺ نے (ان کی تسلی کے لئے) فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت حاصل ہو جو ہارون کو حضرت موسیٰ سے حاصل تھی مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبوت باقی نہیں اور مسلم کے دوسرے لفظ یہ ہیں مگر تم نبی نہیں ہو۔﴾

(۴۳)..... "عن جابر بن عبد الله قال لما اراد رسول اللهﷺ ان یخلف علیا قال فقال له علی ما یقول الناس فی اذا خلفتنی قال فقال اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه بعدی نبی او لا یکون بعدی نبی۔ رواه احمد ج ۲ ص ۳۳۸ وابن ماجة ص ۱۲ باب فضائل علی بن ابی طالب والترمذی ج ۲ ص ۲۱۴ باب مناقب علیؓ بن ابی طالب۔"

﴿جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے جب یہ ارادہ کیا کہ حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ مجھے (اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے اور) پیچھے چھوڑ جائیں گے تو بھلا لوگ میرے متعلق کیا کیا نہ کہیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ میری تمہاری وہ نسبت رہے جو ہارون

وموسیٰ کی تھی اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کو احمد ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں حضرت علیؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام کی ذات سے تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے۔ اسی لئے '' انت بمنزلۃ ہارون '' نہیں فرمایا بلکہ اس نسبت اور علاقہ سے تشبیہ مقصود ہے جو حضرت موسیٰ وہارون علیہم السلام کے درمیان تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ نے اپنی غیبت کے زمانہ میں اپنی قوم کی نگرانی کے لئے اپنے بھائی حضرت ہارون کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح اپنی غیبت میں میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نبی تھے تم نبی نہیں ہو۔ حضرت ہارون کو چونکہ نبوت کے ساتھ خلافت ملی تھی اس لئے اس مجمل تعبیر سے یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت بھی کہیں خلافت نبوت نہ ہو اس لئے اس احتمال کو بھی برداشت نہیں کیا گیا اور اس کو صاف طور پر صاف کر دیا گیا ہے تاکہ آنے والی امت محض الفاظ کے ابہام سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر حضرت علیؓ کو نبوت ملتی تو وہ یقیناً آپ کے اتباع ہی کی بدولت ہوتی مگر جب اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی تو اب توسط یا بلا توسط کسی نبوت کا احتمال باقی نہیں رہا۔ اگرچہ نبوت کا کسی نبی کے اتباع سے ملنا خود ایسا مسئلہ ہے جس کے لئے قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے اور اسی لئے دنیا کی تاریخ میں کوئی نبی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو کسی نبی کے اتباع کے صلہ میں انعامی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو یہ محض دماغی اختراع اور خود ساختہ خیال ہے۔

(۴۴) ... '' عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (يَاعَلِي) وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ مَا أَخَّرْتُكَ إِلَّا لِنَفْسِي وَأَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ٠ ابن عساكر' الكنز العمال ج٩ص١٦٧ حديث نمبر ٢٥٥٥٤ ج ١٣ ص ١٠٥ '١٠٦' حديث نمبر ٣٦٣٤٥ باب فضائل علي''

زید بن اوفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علیؓ اس ذات کی

قسم ہے جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے۔ میں نے تم کو صرف اپنے لئے پسند کیا ہے اور تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ (الکنز)﴾

یہی مضمون ابو سعید خدریؓ، حبشی بن جنادہؓ، عقیل بن ابی طالبؓ اور ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ دیکھو کنز العمال۔

(۳۵)...... "عَنْ عَلِیٍّ قَالَ وَجِعْتُ وَجِعًا فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَاَقَامَنِیْ فِیْ مَکَانِہٖ وَقَامَ یُصَلِّیْ وَاَلْقٰی عَلَیَّ طَرَفَ ثَوْبِہٖ ثُمَّ قَالَ بَرِئْتَ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَلَا بَاْسَ عَلَیْکَ مَا سَاَلْتُ اللّٰہَ شَیْئًا اِلَّا سَاَلْتُ لَکَ مِثْلَہٗ وَلَا سَاَلْتُ اللّٰہَ شَیْئًا اِلَّا اَعْطَانِیْہِ غَیْرَ اَنَّہٗ قِیْلَ لِیْ اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ فَقُمْتُ کَاَنِّیْ مَا اشْتَکَیْتُ. رواہ ابن جریر وابن شاہین فی السنة والطبرانی فی الاوسط وابونعیم فی فضائل الصحابة کذافی الکنز ج۱۳ص۔۱۷ حدیث۳۶۵۱۲"

﴿حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے درد تھا۔ میں آپ کی خدمت میں آیا آپ نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور اپنے لباس کا ایک کنارہ میرے اوپر ڈال دیا پھر فرمایا اے علیؓ تم شفایاب ہو گئے۔ اب تم میں کوئی مرض نہیں رہا۔ میں نے جو دعا اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے کی ہے وہی تمہارے لئے مانگی ہے اور جو دعا میں نے مانگی ہے وہ اس نے قبول فرمائی ہے۔ بجز اس کے کہ مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اس طرح اٹھ کھڑا ہوا جیسے کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ (کنز العمال)﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے نبوت کی دعا فرمائی تھی اور قبول ہو گئی تھی: " وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۔ هٰرُوْنَ اَخِی ۔ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۔ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ، طٰہٰ آیت ۲۹" اور میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنا دے ان کے ذریعے سے میری کمر مضبوط فرما اور میرا شریک کار بنا

دے۔ اس دعا کے موجب ان کو نبی بنا دیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد چونکہ عالم تقدیر میں یہ طے پاچکا تھا کہ اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس لئے یہ نامناسب تھا کہ دفن کے بعد آپ کو عالم تقدیر کے اس فیصلہ کی اطلاع دی جاتی۔ اس لئے اس سے قبل کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ حضرت علیؓ کے لئے نبوت کی دعا فرماتے یہ کہہ دیا گیا کہ آپ کی ہر دعا قبول ہو گی مگر نبوت کے لئے آپ دعا نہ فرمائیے۔

غور فرمائیے کہ حدیث مذکور میں موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے ایک معمولی تشبیہ کے اثرات کتنی دور دور تک پھیل رہے ہیں اور ہر گوشہ میں ختم نبوت کا عقیدہ کس کس طرح نظر آتا چلا جا رہا ہے۔ گویا یہ ایک جادہ ہے اور بقیہ تمام تفریعات اسی عقیدہ پر قائم ہیں۔ اگر کہیں ذرا بھی اس جادہ کو شکن لگتی نظر آتی ہے تو فوراً صفائی کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور معمولی سے ابہام کو بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ تعجب ہے کہ جہاں نبوت و رسالت کی صریح پیشگوئیوں کی جائے اتنی گنجائش بھی نہ ہو وہاں نبوت کے دروازے تمہیں بلحد چوپٹ کھول دیئے جائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب اس میں سے گذرنے والوں کی تعداد دریافت کی جائے تو مشکل ایک شخص کا نام پیش کیا جانے اور اس میں بھی ابھی تک یہ بحث جاری ہو کہ وہ امام تھا یا مجدد، نبی و رسول اور اگر معتقدین کا حال چھوڑ کر کہیں خود اس کے دعاوی کو دیکھ جائے تو ایک صحیح الفہم شخص یہ اندازہ کر ہی نہ سکے کہ اتنے مختلف دعاوی بھی ایک زبان سے ادا بھی ہو سکتے ہیں۔ واللہ المستعان!

لایبقی من النبوة شئی الا المبشرات

(۳۶) ۔ ”عن عائشة عن النبی ﷺ انه قال لا یبقی بعدی من النبوة شیئ الا المبشرات۔ قالوا یا رسول اللہ وما المبشرات۔ قال الرؤیا الصالحة یراھا المسلم اوتری له۔ کذا فی الکنز ج ۱۵ ص ۲۷۱ حدیث نمبر ۴۱۴۲۲ وفی روایة البخاری عن ابی ہریرة ج ۲ ص ۱۰۳۵ باب المبشرات مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۹“

آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا کوئی جزء باقی نہیں رہا صرف اچھے خواب باقی ہیں

﴿حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میرے بعد نبوت کا کوئی جزء باقی نہیں رہا۔ صرف مبشرات باقی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ مبشرات کیا چیز ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے لئے کوئی دوسرا دیکھے۔ (کنز العمال)﴾

انبیاء علیہم السلام کی صفت انذار بھی ہے اور تبشیر بھی۔ اس لئے قرآن کریم میں فرمایا "رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ۔" اس لحاظ سے رؤیاء صالحہ کی بھی دو قسمیں ہونا چاہئیں مبشرات اور منذرات مگر چونکہ رؤیاء صالحہ کی تعبیر میں صرف مبشرات کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آیت: "لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔" میں بشریٰ سے مراد رؤیا صالحہ ہیں۔ اس بناء پر بھی رؤیاء صالحہ کا عنوان مبشرات بن گیا ہے بہر حال یہ ضروری نہیں ہے کہ سچے خواب ہمیشہ خوشی و مسرت کے متعلق ہوں۔ رنج و غم کے متعلق بھی ہو سکتے ہیں مگر رؤیاء صالحہ میں یہ حصہ مغلوب ہوتا ہے اور بشارت کا حصہ غالب۔ اس کے برعکس شیطانی خواب بیشتر خوفناک ہوتے ہیں اور مسرت و خوشی کے شاذ و نادر۔ کیونکہ شیطان کا مقصود ہی تحزین مسلم ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے ایک مرفوع روایت ہے: "الرویا الحسنۃ من الرجل الصالح جزء من ستۃ واربعین جزء من النبوۃ" نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہوتا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں مسلم سے ہر فاسق و فاجر مراد نہیں بلکہ صالح اور نیک شخص مراد ہے۔

اس لئے فاسق یا کافر کا خواب اگر سچا بھی ہو تو نبوت کا جزء نہیں کہا جا سکتا۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نیک آدمی کبھی شیطانی خواب دیکھتا ہی نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو شخص بیداری میں انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ صدق

واقعات میں امانت و دیانت داری اس کا شیوہ ہے۔ اور ہر دوست و دشمن کسی کے ساتھ جھوٹ
بولنا روا نہیں رکھتا۔ جس کی فطرت پر صدق و سچائی کا پورا نقش قائم ہو چکا ہے۔ وہ سونے کے
بعد بھی شیطانی تسلط و حکومت کے ماتحت نہیں آتا۔ اس لئے اس کا جو خواب ہوتا ہے وہ اکثر
خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر کبھی ہوتا ہے اس کے خلاف ہو تو شاذ و نادر ہے۔ اس کے
برخلاف جو شخص حالت بیداری جھوٹ و دغابازی کا عادی ہے۔ وہ سونے کے حال میں بھی
شیطان ہی کے زیر حکومت رہتا ہے۔ اس کے خواب بھی اکثر شیطانی اتصال و تصرف کا ثمرہ
ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے "الرؤیا الصالحۃ من اللہ والحلم من
الشیطان" اچھے خواب (جو مومن صالح کا نصیب ہے) خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور
برے خواب شیطان کی طرف سے۔ خلاصہ یہ کہ انسان حالت خواب اپنے بیداری کے
عادت کے تابع رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ بلی کو خواب میں چھچھڑے ہی نظر آتے ہیں۔ اگر اتنی
بات آپ کے نزدیک معقول ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ جس طرح انسان حالت نوم میں بیداری
کے حال کے تابع ہوتا ہے اسی طرح موت کے بعد اپنی حیات کے حالات کے تابع رہے
گا "وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ أَعْمٰى." جو اس دنیا کی زندگی میں
اندھا رہا۔ وہ آخرت میں بھی اندھا اٹھے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث میں یہ دعویٰ
نہیں ہے کہ ہر سچا خواب نبوت کا جزو ہے بلکہ اس کا خواب نبوت کا جزء قرار دیا گیا ہے جو
شریعت کی اصطلاح میں صالح کہا جا سکے۔ قرطبی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ صالح سے
مراد وہ شخص ہے جو عبادات و عادات میں انبیاء علیہم السلام کے قدم بقدم ہو۔ کاہن اور نجومی
بھی غیب کی خبریں دیتے ہیں مگر وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتیں۔ اس کا نام اطلاع علی
الغیب نہیں۔ اس کے اسباب پر اپنی جگہ مفصل بحث موجود ہے۔ اطلاع علی الغیب نبوت کا
خاصہ ہے۔ اس کی ابتداء اچھے اور سچے خواب ہیں اور جس کی انتہا حقیقی نبوت یعنی حالت بیداری
خدا تعالیٰ یا فرشتہ کے ساتھ مکالمہ۔ آنحضرت ﷺ بھی نبوت سے پیشتر سچے سچے خواب
دیکھا کرتے تھے ۶ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد وحی کا دور شروع ہو گیا جس کی
مدت تئیس سال ہے۔ بعض علماء نے یہ دیکھ کر کہ ۶ ماہ ۲۳ سال کا چھیالیسواں جزء ہے۔ یہ

کہہ دیا ہے کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں رؤیا مومن کو اسی لئے نبوت کا چھیالیسواں جزء کہا گیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس پر طویل گفتگو کی ہے۔ (اس پر سوال و جواب علماء کے دائرہ کی بحث سے باہر رہی یہ بحث کہ اگر مبشرات نبوت کا جزء ہیں تو کیا ان کو کوئی مختصر نبوت کہا جا سکتا ہے۔ اس پر آئندہ حدیث کے نوٹ میں کلام کیا جائے گا۔

ذهبت النبوة والرؤيا ليست بنبوة

(۳۷)۔۔۔۔۔۔ "عَنْ أُمِّ كُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ۔ اخرجه احمد ج۶ ص ۳۸۱ وابن ماجة ص ۲۷۸ باب الرؤيا صالحه۔ الخ وصححه ابن خزيمة وابن حبان"

نبوت بالکل ختم ہوگئی اور صرف خواب نبوت نہیں ہیں

﴿ام کرزؓ روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے نبوت تو ختم ہوگئی ہاں! صرف مبشرات باقی ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے﴾

(۳۸)۔۔۔ "عَنْ أَنَسٍ رفعه أَنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ ۔۔۔۔۔۔ وَلٰكِنِ الْمُبَشِّرَاتُ فَقَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ ۔ ترمذی ج ۲ ص ۵۶ باب ذهبت النبوة وبقيت المبشرات كنز العمال ج ۱۵ ص ۳۶۷ حديث ۴۱۴۰۷ مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷"

﴿انسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسالت اور نبوت دونوں ختم ہوگئیں۔ اب میرے بعد نہ کوئی نبی ہوگا نہ رسول۔ لیکن مبشرات باقی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا مبشرات کیا چیز ہیں۔ فرمایا مسلمانوں کے خواب۔ یہ اجزاء نبوت کا ایک جزء ہیں۔﴾

قرآن و حدیث اس پر متفق ہیں کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔ نبوت کی کوئی قسم اب باقی نہیں رہی۔ ہاں! اس کے کمالات و برکات باقی رہنا چاہئیں اور وہ باقی

بھی ہیں۔ نبوت سے قبل عالم کا ظاہر و باطن تیرہ و تاریک ہوتا ہے۔ جب آفتاب نبوت طلوع کرتا ہے تو عالم کا گوشہ گوشہ اس کے انوار سے منور ہو جاتا ہے۔ ظاہر میں ظلم و فساد کی بجائے رشد و صلاح کی حکومت ہو جاتی ہے۔ انسانی عادات میں افراط و تفریط' غفلت و جلد بازی کی بجائے متانت و بردباری' وقار و میانہ روی پیدا ہو جاتی ہے۔ باطن کا رشتہ شیطان سے یکسر کٹ جاتا ہے اور عالم بالا سے ایسا رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ اس میں مغیبات کے انعکاس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان ہی کا نام اجزاء نبوت یا آثار و برکات نبوت ہے ان اوصاف کے وجود سے کوئی شخص نبی نہیں بنتا ہاں! نبی سے مستفیض کہا جا سکتا ہے۔ رؤیاء صالحہ یعنی اچھے خواب دیکھنا باطن کے اسی تاثر کی تجلی ہے اور عادات کا انقلاب ظاہر کے تاثر کی ..... احادیث میں ایک طرف رؤیاء صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں جزء کہا گیا ہے۔ دوسری طرف بعض بلند اخلاق کو چھبیسواں جزء قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے: "التودة والاقتصاد و حسن السمت من ستة وعشرين جزء من النبوة" بردباری و متانت' میانہ روی اور اچھی روش نبوت کا چھبیسواں جزء ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے کسی کو نبی نہیں کہہ سکتے۔ جب چھبیسویں جزء کو نبوت نہیں کہا جاتا تو چھیالیسواں جزء کو نبوت کیسے کہا جا سکتا ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ رؤیاء صالحہ کو صرف تشبیہ کی لحاظ سے نبوت کا جزء کہا گیا ہے۔ ابن التین کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں وحی کے ذریعہ دی جاتی ہیں۔ اب یہ سلسلہ تو منقطع ہوا۔ خواب کا سلسلہ باقی ہے۔ اس اعتبار سے رؤیاء کو اجزاء نبوت میں شمار کیا گیا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اس حدیث کے کسی طریقہ میں رؤیاء کو رسالت کا جزء نہیں کہا گیا۔ ہر جگہ نبوت کا جزء کہا گیا ہے۔ رسالت کا زیادہ تعلق احکام سے ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جو خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔ وہ ہر شخص کا خواب نہیں بلکہ خود نبی کا خواب ہے مگر یہ جواب مخدوش ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ جزء ہمیشہ اپنے کل کے مغائر ہوتا ہے یہی کلمات جو مجموعی طور پر قرآن کہے جاتے ہیں۔ علیحدہ علیحدہ قرآن نہیں کہلاتے۔ عناصر اربعہ انسان کے اجزاء ہیں مگر ان میں سے کسی کو انسان نہیں کہا جاتا۔ مثلاً آب انسان کا 1/4 حصہ ہے مگر انسان نہیں تو رؤیاء صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزء ہو کر نبوت کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہمارے

نزدیک یہ بات بالکل واضح ہے کہ رؤیاء صالحہ نبوت کے حقیقۃً اجزاء نہیں ہیں۔ کیونکہ نبوت کسی ایسی حقیقت مرکبہ کا نام نہیں جس کا تجزیہ و تحلیل ممکن ہو۔ وہ ایک منصب ہے جس کا تعلق صرف خدائی اصطفاء و اجتباء پر موقوف ہے۔ ہاں! اس کے کچھ لوازم و خصائص ہیں جو اس کی ماہیت کا جزء نہیں ہوتے۔ ان خصائص و خصائل ہی کو مجازاً جزء کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ تنقیح بھی ہمیں اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ اصطلاح میں خصائص و اجزاء میں فرق ہے۔ ورنہ اہل عرف کے نزدیک یہ تدقیقات قطعاً غیر ضروری ہیں۔

ان کے نزدیک عوارض مختلفہ اور ذاتیات و اجزاء میں کوئی فرق نہیں۔

امام بخاریؒ کی دقت نظر مشہور ہے۔ انہوں نے یہاں بھی ایک جدت طرازی سے کام لیا ہے۔ پہلے ترجمۃ الباب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔ اس کے بعد یہ حدیث روایت کی ہے کہ اچھے خواب خدائی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے۔ شارحین کو بحث ہے کہ اس حدیث کو بظاہر باب سے کوئی مناسبت نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہاں امام بخاریؒ رؤیاء صالحہ کے جزء نبوت ہونے کی ایک لطیف حکمت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ "انما کانت جزء من اجزاء النبوة لکونها من الله تعالی بخلاف التی من الشیطان فانها لیست من اجزاء النبوة فتح الباری ج۱۲ ص۳۲۰ باب الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعین جزء من النبوة" یعنی رؤیاء صالحہ کو اجزاء نبوۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ خدائی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ خواب جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اجزاء نبوت نہیں ہیں۔ بظاہر امام بخاریؒ کی مراد یہ ہے کہ جس طرح حالت بیداری میں وحی دو قسم پر ہے۔ ایک وحی نبوت جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ دوسری ایحاء شیطانی: "وَاِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَائِهِمْ۔" اسی طرح خواب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک من اللہ دوسرے من الشیطان۔ جو رؤیاء من اللہ ہیں۔ ان کا رشتہ نبوت سے ہے۔ وہ بھی خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور جو من الشیطان ہے۔ اس کا تعلق وحی شیطان سے ہے۔ حدیث نے بھی اس مشتبہ حقیقت کا فرق واضح کیا ہے۔ یعنی جو خواب من اللہ ہیں۔ ان کا نام

رؤیاء رکھا ہے اور جو شیطان کے تصرف سے ہیں ان کا نام حلم رکھا ہے۔ غالباً اسی لئے سورۃ یوسف میں فرمایا۔ "وما نحن بتأویل الاحلام بعالمین" یعنی انبیاء کو "احلام" شیطانی خوابوں کی تعبیر کا علم نہیں دیا جاتا۔ "رؤیا" عالم قدس کی ایک حقیقت ہے جس کی تعبیر کا علم شان نبوت کے مناسب ہے اور احلام بے حقیقت شئے ہے ان سے انبیاء علیہم السلام کا کوئی واسطہ نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ رؤیاء صالحہ نبوت نہیں بلکہ نبوت کا حقیقی جزء بھی نہیں۔ اس لئے ان احادیث میں پہلا عنوان بدل کر نبوت کو بالکل ختم کہا گیا ہے اور رؤیاء صالحہ کو جداگانہ ایک چیز قرار دیا گیا ہے۔ اصطلاح نحو کے مطابق پہلی حدیث میں استثناء کو منقطع کہا جائے گا یا اجزاء سے خصائص و آثار مراد ہوں گے۔ اگر سب کچھ تسلیم کر لیا جائے تو نبوت کے اس جزء میں کسی نبی یا رسول یا ولی کی شرط نہیں بلکہ ہر مرد صالح کا اس میں حصہ ہے۔

الالهام والتحديث مع الملائكة ليس بنبوة

(۳۰) "عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ لقد كان فيما كان قبلكم من الأمم ناس محدثون فإن يك في أمتي أحد فإنه عمر وفي رواية لقد كان فيمن قبلكم من بني إسرائيل رجال يكلمون من غير أن يكونوا أنبياء فإن يك في أمتي منهم أحد فعمر- بخاري ج۱ ص۵۲۱ باب مناقب عمر بن الخطاب وفي رواية مسلم عن عائشة ج۲ ص۲۷۶ باب فضائل عمر-"

الہام اور فرشتوں کے ساتھ باتیں کرنا بھی نبوت نہیں ہے

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے اور بعض روایات میں ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے ہوا کرتے تھے جن سے غیبی طور پر باتیں کی جاتی تھیں مگر وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی شخص ایسا ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ (متفق علیہ)﴾

محدث اور متکلم دونوں لفظ بصیغہ اسم مفعول ہیں۔ صحیح مسلم کے بعض طرق
میں محدثون کی بجائے "ملهمون" اور مسند حمیدی میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں الملہم
بالصواب کا لفظ ہے اور ابن عیینہ کے شاگردوں نے اس کی تفسیر میں "مفهمون" کا لفظ نقل
کیا ہے۔ ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا محدث کیسے
ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ فرشتے ان کی زبان سے بولتے ہیں۔ علماء نے
اس کی مختلف تفصیلات کی ہیں۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ "هو الرجل الصادق
الظن" یہ وہ شخص ہے جس کا خیال اکثر صحیح ہو" وهو من القي في روعه شئي من
الملاء الاعلى فيكون كالذي حدثه غيره" یہ شخص وہ ہے جس کے قلب میں ملائکہ
مقربین کی جانب سے کوئی بات اس طرح ڈالی جائے گویا اس سے کسی نے کہہ دی ہے۔ کوئی
کہتا ہے کہ محدث اسے کہتے ہیں جس کی زبان سے صدق و صواب بلا قصد نکلے۔ کسی نے
تحدیث کا ترجمہ فراست کیا ہے۔ علماء محققین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ نے بھی اس
پر کافی کلام کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تمام علماء نے حضرت عمرؓ کی ذات کو پیش نظر رکھا ہے۔
پھر ان کی ایک ایک خصوصیت کو اپنے خیال کے مطابق چنا ہے اور اس کو محدث کی تعریف
میں شامل کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان سب اوصاف کو یکجائی صورت پر
محدث کی تعریف میں داخل کر لینا چاہیے۔ یہ حقیقت حدیث سے تجاوز کر کے قرآن تک پہنچ
گئی ہے۔ چنانچہ آیت: "وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ" میں ابن عباسؓ
"ولا محدث" کا لفظ اور بڑھا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں محدث کو نبی کے بالمقابل رکھا گیا
ہے۔ اسی لئے حدیث میں بھی "من غير ان يكونوا انبياء، فتح الباری ج ۷ ص ۴۱
باب فضائل عمرؓ" سے ان کے نبی نہ ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔ اب اس کے ساتھ ہی
اگر حضرت عمرؓ کے متعلق اس حدیث کو پیش نظر رکھا جائے: "لو كان بعدي نبي لكان
عمرؓ" اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمرؓ ہوتا تو یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے کہ محدث
اور متکلم نبی نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کا محدث ہونا اور نبی نہ ہونا دونوں باتیں حدیث سے ثابت
ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ صرف ملائکۃ اللہ کا کسی سے ہم کلام ہونا یا صدق و صواب اس کی زبان پر

جاری ہو جانا نبوت نہیں ہے۔ جیسا کہ صرف غیب کی خبریں دینا نبوت نہیں یا جیسا کہ سچے خواب دیکھنا نبوت نہیں ہے۔ یہ سب باتیں انبیاء اور غیر انبیاء بلکہ مسلم و کافر میں بھی پائی جا سکتی ہیں۔ اولیاء کے مکالمات کو الہام کہتے ہیں اور نبی کے مکالمات کو وحی' یہ صرف اصطلاحی فرق ہے اس سے پوری حقیقت نہیں نکھرتی۔ اسی طرح قطعیت و ظنیت کے فرق سے بھی ان کی حقیقت پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ یہ صرف صاحب وحی جانتا ہے کہ وحی یہ ہے اور الہام یہ۔ یہاں بھی علماء نے احادیث میں وحی کے لوازم و خصائص تلاش کر کے بہت کچھ لکھا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ نبوت و وحی کی حقیقت سوائے نبی کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ جب اشیاء خارجہ کے متعلق علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کی حدود حقیقیہ یا تو غیر ممکن ہیں ورنہ دشوار ضرور ہیں۔ تو روحانیات کے صحیح حدود کیسے ممکن ہیں۔ (دیکھو فتح الباری فضائل عمرؓ)

(۵۰)...... " عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ لَمْ يُبْعَثْ نَبِيٌّ قَطُّ إِلَّا كَانَ فِي أُمَّتِهِ مَنْ يُحَدَّثُ وَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَهُوَ عُمَرُ - رواه ابن عساكر ' كنز العمال ج۱۱ ص۵۸۰ حديث نمبر۳۲۷۸۸"

﴿ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا گیا جس کی امت میں کوئی نہ کوئی محدث نہ ہو۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ (کنز)﴾

(۵۱)......" عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَا كَانَ نَبِيٌّ إِلَّا كَانَ فِي أُمَّتِهِ مُعَلَّمٌ أَوْ مُعَلَّمَانِ فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَهُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ، خصائص ج۲ ص۱۱٦ باب اخباره بان عمرّ المحدثين"

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی نبی نہیں گذرا جس کی امت میں ایک دو معلم (محدث) نہ گذرے ہوں۔ اگر میری امت میں کوئی معلم ہے تو وہ عمر بن الخطابؓ ہے۔﴾

سیاسته الامة واصلاح مافیها من تغییر الدین لیس بنبوة

(۵۲) ... ... "عن ابی حازم قال قاعدت اباهریرة خمس سنین فسمعته یحدث عن النبی ﷺ قال کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی وانه لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون قالوا مانا مرنا یارسول الله ﷺ قال فوابیعة الاول فالاول اعطوهم حقهم فان الله سائلهم عما استرعاهم - الخصائص الکبری ص ۱۱۶ ج ۲ باب اخباره ﷺ بالخلفاء بعده ثم الملوک - رواه البخاری ج ۱ ص ۴۹۱ باب ماتذکر عن بنی اسرائیل ' ومسلم ج ۲ ص ۱۲۶ باب وجوب الوفاء بیعة الخلیفه الاول فالاول واحمد وابن ماجة ص ۲۰۶ باب الوفاء بالبیعة وابن جریر وابن ابی شیبه کنزالعمال ج ۶ ص ۵۶ حدیث نمبر ۱۴۸۰۵ باب فی اطاعت الامیر"

امت کا انتظام اور ان کے دینی تحریفات کی اصلاح کرنا بھی نبوت نہیں

﴿ابو حازمؒ کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ ۵ سال رہا ہوں میں نے انہیں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کا انتظام خود ان کے انبیاء فرمایا کرتے تھے۔ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی دوسرا اس کا جانشین آجاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہاں! خلفاء ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا پھر ان کے متعلق ہمیں کیا حکم ہے۔ فرمایا جو پہلا خلیفہ ہو اس کی بیعت پوری کرنا۔ تم تو ان کا حق ادا کرتے رہنا اور اس نگرانی کی باز پرس جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے وہ خود فرمائے گا۔ (بخاری، مسلم، واحمد وغیرھم)﴾

حافظ ابن حجر انبیاء بنی اسرائیل کی سیاست کی تشریح میں لکھتے ہیں: "انہم کانوا اذا ظہر فیہم فساد بعث اللہ لہم نبیاً یقیم لہم امرہم ویزیل ما غیروا من احکام التوارة (فتح الباری ج۶ ص ۴۹۶ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)" یعنی بنی اسرائیل میں جب کوئی فساد رونما ہوتا تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو ان میں بھیج دیتا جو ان کی اصلاح کرتا۔ اور شریعت تورات میں ان کی تحریفات کو دور کر دیتا۔ امت محمدیہ میں یہ خدمات خلفاء کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھے خواب دیکھنا الہام اور فرشتوں کے ساتھ مکالمہ کرنا امت کا دینی اور دنیوی نظم ونسق قائم رکھنا۔ یہ سب محدثین اور خلفاء کے وظائف ہیں۔ منصب نبوت اب ختم ہو گیا اور یہ وظائف نبوت امت محمدیہ کے خلفاء کی طرف منتقل کر دیئے گئے۔ اس سے امت محمدیہ کے کمالات اور عظمت کا اندازہ کرنا چاہئے کہ جن خدمات کے لئے پہلے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے اس امت کے علماء و خلفاء انہیں انجام دیا کریں گے۔

سوچو کہ امت محمدیہ کی ہتک عزت اس میں ہے کہ اسے نااہل قرار دے کر اس میں نبی پیدا کیا جائے یا اس میں کہ اس کے خلفاء وہ خدمات انجام دیں جو پہلے کبھی انبیاء علیہم السلام ادا فرمایا کرتے تھے۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "لی النبوة ولکم الخلافة" نبوت صرف میرے لئے ہے اور تمہارے لئے خلافت ہے۔ (کنز العمال ج ۱۱ ص ۶۰۹ حدیث نمبر ۲۳۳۲۸) اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے تقسیم کر کے اپنا اور امت کا حصہ علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے۔ اچھے خواب میں ہماری شرکت ہے۔ الہام اور فرشتوں سے بات چیت میں ہماری شرکت ہے۔ امت کا نظم ان کی تحریفات کی اصلاح ہمارا حصہ ہے مگر نبوت میں ہماری کوئی شرکت نہیں۔ اسی لئے حضرت علیؓ سے حضرت ہارون علیہ السلام کو تشبیہ دیتے ہوئے یہ صاف فرما دیا گیا تھا کہ تم میرے جانشین ضرور ہو مگر نبی نہیں ہو۔ نبوت میرا حق ہے اور خلافت تمہارا۔ عمر فاروقؓ کون نہ کہ جب بولتے تھے تو حق ان کے موافقت میں بولتی تھی محدث ہو سکتے ہیں مگر یہ بات ان سے بھی صاف کر دی گئی تھی کہ نبوت میرا حق ہے اور

صحابیت تمام امور انتظام ان کے خواب ان کے الہام ان کی امت کی نگہداشت و حفاظت اس کی سفارش کر دی تھیں کہ اگر اس امت میں کوئی ظلی سے ظلی نبوت بھی جاری ہو تو وہ ان کو دے دی جائے۔ شب ہجرت میں حضرت علیؓ آپ کے بستر پر ساری رات آپ کی جگہ قربان ہونے کے شوق میں پڑے ہوئے ہیں۔ صدیق اکبرؓ راہ کے ہر ہر خطرناک موقع پر سربکف حاضر ہیں مگر فنا فی الرسول کے سمندر کے ان شناوروں کو نبوت کا چھوٹا سا چھوٹا موتی بھی یا تھ نہ آیا۔ بعد اگر کسی کے متعلق سیاق کلام میں نبوت کا کوئی ادنیٰ احتمال بھی پیدا ہوتا نظر آیا تو اس کو فوری صفائی سے دور کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ کسی کے لئے لفظ نبی کی کوئی بھی گنجائش نہیں دی گئی۔ اس لئے یہاں ظلی و بروزی نبوت کی بحث کرنا بھی بالکل بے معنی ہے۔ یہ بحث اس وقت قابل توجہ ہو سکتی ہے جبکہ شریعت میں کسی امت کے کاملین پر نبی کا اطلاق درست تسلیم کیا جائے لیکن جب بلا تفصیل: "لا نبی بعدی" میرے بعد کوئی نبی نہیں کہہ دیا گیا ہے تو اب ہمیں بلاوجہ ظلی و بروزی کی تقسیم کی دردسری اٹھانے کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے ماسوا یہ بھی قابل غور ہے کہ جب تاریخ نبوت میں صرف دو ہی قسم کی نبوتیں ملتی ہیں۔ تشریعی، غیر تشریعی اور یہ دونوں بلاواسطہ نبوتیں ہیں تو نبوت کی اب ایک اور تیسری قسم تراشنا تاریخ نبوت کے خلاف ہے۔ اس کے لئے بہت زبردست شرعی ثبوت درکار ہیں۔ پورے وثوق و تحدی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و حدیث میں ایک آیت اور کوئی ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکتی جس میں آنے والی امت کو انبیاء کہا گیا ہو۔ پھر خاتم النبیین کے عموم میں محض اپنی افترائی تقسیم کی وجہ سے تخصیص پیدا کرنا قرآن دانی کا ثبوت نہیں بلکہ کھلی ہوئی تحریف ہے۔

لوکان بعد النبی ﷺ نبی لکان عمرؓ

(۵۳) "عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْكَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ" - رواه الترمذی ج ۲ ص ۲۰۹ باب مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب والخطیب عن مالک والطبرانی ج ۱۷

ص ۱۸۰ حدیث نمبر ۳۶۷۵ عن عصمة بن مالك كما في الكنز ج ۱۱ ص ۵۷۸ حدیث نمبر ۳۲۷۶۴ باب فضل عمر بن الخطاب "

اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے

﴿عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطابؓ ہوتے۔﴾

حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ سے نسبت اخوت حاصل تھی اس کے باوجود وہ نبی نہیں بن سکے۔ نسبت اخوت سے علاوہ کہ ابنیت کی نسبت ہے۔ گمان ہو سکتا تھا کہ آپ کا کوئی فرزند ہوتا تو شاید وہ نبی ہو جاتا مگر ان کے متعلق بھی حدیث میں یہ ارشاد ملتا ہے:"

لو عاش ابراہیم لكان صديقا نبيا ۔ ابن ماجه ص ۱۰۸ كنز العمال ج ۱۱ ص ۴۶۹ حدیث نمبر ۳۲۲۰۴ "اگر ابراہیم جیتا تو صدیق نبی ہوتا۔ یعنی جس نے ختم نبوت مقدر فرمائی تھی اس نے ان کے لئے عالم تقدیر میں اتنی عمر بھی نہیں لکھی کہ ان کی علو استعداد ظاہر ہو اور ختم نبوت سے ٹکرائے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ آپ کے بعد نبوت باقی ہے ورنہ حضرت ابراہیم (فرزند نبی کریم ﷺ) کیسے نبی ہو سکتے تھے۔

یہاں شیخ محی الدین نووی تو اپنی مشہور کتاب تہذیب الاسماء میں حضرت ابراہیم کا تذکرہ کرتے ہوئے اس حدیث کے متعلق یہ لکھ گئے ہیں:" اما ماروی عن بعض المتقدمین لو عاش ابراهیم لكان نبيا فباطل وجارة على الكلام في المغيبات مجازفة وهجوم على عظيم من الذلات والله المستعان (ج ۱ ص ۱۰۳) "بعض متقدمین سے حضرت ابراہیم کی نبوت کے متعلق جو حدیث مروی ہے وہ بالکل بے اصل اور غیب کے معاملات میں بڑی دلیری اور اٹکل کے تیر اور بڑی لغزش ہے لیکن حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۷۷ باب من سمی باسماء الانبیاء کے ذیل میں اسی کے ہم معنی اور چند احادیث نقل کرکے تحریر فرماتے ہیں:" فهذه عدة احاديث صحيحة عن هؤلاء الصحابة انهم اطلقوا ذالك فلا ادری ما الذی

منحۃ النوری ... علی الستغفار ولکن ان چند صحابہ سے کئی حدیثیں اس مضمون کی ثابت ہیں جن میں حضرت ابراہیم کی زندگی کی تقدیر پر ان کے نبی ہونے کا ذکر موجود ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ نووی کو اس کے انکار کی کیا وجہ پیش آئی۔ اس لئے اس حدیث میں بحث و پیش کرنے کی تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ جن حضرات کو اس حدیث میں تشویش لاحق ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث آیت خاتم النبیین کے بظاہر مخالف معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن کی قطعی آیت کے بالمقابل قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ ہمارے نزدیک ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ آیت خاتم النبیین کا تعلق عالم کے ان نبوتوں کے ساتھ ہے جو اپنی جگہ ایک حقیقت ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت ابراہیم کی نبوت صرف فرضی ہے۔ فرضی بات چونکہ محض ایک اعتبار ذہنی کا نام ہے۔ اس لئے اسے عالم کے واقعی نبوتوں کے ساتھ کوئی تعارض نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک منطقی مثال یہ ہے "ان کان زید حمارا کان ناھقا" اگر زید گدھا ہوتا تو وہ گدھے ہی کی طرح بولتا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ زید انسان ہے اور اس لئے وہ گدھے کی آواز نہیں بولتا۔ یہ واقعہ بھی اپنی جگہ درست ہے۔ ہاں اگر زید کی انسانیت کے ساتھ ہی ساتھ اس کی حماریت کو مان لیا جائے تو اب یقیناً تعارض پیدا ہو جائے گا کیونکہ ایک ذات وہ ناطق اور ناہق دونوں نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ختم نبوت اپنی جگہ ایک حقیقت ثابتہ ہے اگر حضرت ابراہیم کی نبوت اسی درجہ میں مان لی جائے تو یقیناً تعارض پیدا ہو جائے گا ورنہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست رہیں گی۔ ختم نبوت خارج میں اور نبوت ابراہیم فرضی طور پر۔ اصل یہ ہے کہ جب کوئی متکلم کسی بات کا کوئی پہلو واقعات عالم کے برخلاف فرض کرتا ہے تو اس فرض سے اس کا کچھ مقصد ہوتا ہے۔ پہلے اس کے اس مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے اور صرف ایک فرضی پہلو کی وجہ سے اس کے تمام پہلوؤں کی فرضی تفصیلات میں جانا نہیں چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جب عالم میں واقعات کی ایک ترتیب پہلے سے موجود ہے۔ اب اگر اس ترتیب کے خلاف کوئی امر فرض کیا جائے اور اس کو واقعات کی اسی مرتب صف میں گھسیٹنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً اس مرتب سلسلہ میں اختلال و بے نظمی پیدا ہو جائے گی۔ یہاں واقعہ تو یہ ہے کہ

آنحضرت ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ کے فرزند بھی انتقال فرما گئے ہیں۔ عالم کے ان دونوں واقعات میں کوئی تعارض نہیں کوئی اختلاف نہیں۔ اب اگر صرف آپ کی عظمت شان اور ان کا جوہر استعداد سمجھانے کے لئے فرضی طور پر یہ کہہ دیا جائے کہ وہ جیتے تو نبی ہوتے تو اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں لیکن اسی فرضی نبوت کو اگر عالم کے ان واقعات کے ساتھ رکھ دو جو بالفرض کئے ہوئے موجود ہیں تو یقیناً وہ غلط ترتیب بگڑ جائے گی۔ اب غور طلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی فرضی نبوت کی وجہ سے ختم نبوت کے واقعی عقیدہ کو فرضی کر دیا جائے یا اس کو واقعی اور اس کو فرضی کر دیا جائے۔ مقصود قائل سے یہ کتنا بعید ہوگا کہ وہ اپنی ختم نبوت کے ساتھ ایک ہستی کا اور احتمال عظمت قائم کرنا چاہتا ہے۔ آپ ختم نبوت کا انکار کر کے اسی کا احترام ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ایک فرضی نبوت کا تصور آپ کے سامنے لاتا ہے۔ آپ اسے واقعی بنا کر ختم نبوت کا عقیدہ ہی فرضی بنائے دیتے ہیں۔ اچھا آپ کے قول مان لیجئے کہ حضرت ابراہیم اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ آئیے دیکھیں کہ جن کی فطرت ابراہیمی فطرت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور وہ زندہ بھی رہے پھر کیا نبی بنے۔ ترمذی کی حدیث آپ کے سامنے ہے۔ عمر فاروقؓ کی فطرت کو نبوت سے جتنی مناسبت ہے وہ خود آنحضرت ﷺ کے بیان سے ظاہر ہے۔ یہ زندہ بھی رہے مگر نبی نہ بنے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مستعد نبوت کے نبی نہ ہونے کی اصل وجہ صرف اس کی موت نہیں ہے۔ ورنہ جہاں یہ وجہ نہ تھی وہاں نبوت مل جانا چاہئے تھی۔ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی منصب پر تقرر کے لئے ذاتی استعداد و صلاحیت کے علاوہ دو باتوں کی اور بھی ضرورت ہے۔ عمر Age ہر شعبہ میں عمر کی حد ضروری سمجھی جاتی ہے۔ دوم تقرر کی جگہ Vacancy خالی ہونا بھی شرط ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں نبی نہیں ہوئے اگر اس کی وجہ یہ ہوتی کہ ان حضرات میں اتنی لیاقت و استعداد ہی نہ تھی تو یقیناً یہ اس امت کا نقصان ہوتا لیکن اگر کوئی Vacancy تقرر کی جگہ ہی نہیں ہے تو اس میں امت کا کوئی قصور نہیں نکلتا۔ یہ بات حکومت کے نظم و نسق کے متعلق ہے کہ وہ کسی عہدہ پر کتنے اشخاص کا تقرر کرنا چاہتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کو بھی نبوت نہیں ملی۔ کیوں نہیں ملی؟ کیا

اس لئے کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کے اس جگہ پانے میں استعداد کا کوئی نقصان تھا۔ انہیں اس لئے کہ ان میں عمر Age کی کمی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کی ذریت اس کا قبیلہ بلکہ اس کی عام امت میں بھی استعداد نبوت تو موجود ہے۔ انسانی بلند سے بلند کمال اسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ختم نبوت کا کوئی شخص یہ مطلب تو نہ سمجھے کہ یہ امت کمالات سے محروم ہو گئی ہے۔ بلکہ تمام تر کمالات اور پوری لیاقت کے باوجود چونکہ اب کوئی Vacancy نہیں رہی۔

اس لئے اس منصب پر کسی کا تقرر نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیم کے معاملہ میں تقرر کی جگہ ہونے نہ ہونے کی بحث سے پہلے عمر کی بحث حائل ہو گئی تھی۔ اس لئے ان کے حق میں Vacancy کی بحث دوسرے نمبر کی بحث تھی۔ حضرت عمرؓ کے معاملہ میں عمر کی بحث نہ تھی تو منصب نبوت ختم ہونے کا مرحلہ سامنے آ گیا۔ بہر صورت ان مختلف اسباب و وجوہ کے باوجود جو واقعہ تھا وہ اپنی جگہ واقعہ رہا۔ یعنی ختم نبوت بلا تخصیص اپنے پورے عموم پر باقی رہی اور یہ بعد کی بحثیں اب صرف سخن فہمی رہ گئیں کہ فلاں کو نبوت کیوں نہیں ملی۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد درحقیقت نبوت جاری تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کی تئیس سالہ پیہم سعی کے بعد بھی کسی ایک کو نبوت نہ مل سکی۔ اگر حضرت ابراہیم کے لئے کوئی عذر درپیش تھا تو کیا تمام کے تمام صحابہ معذور ہو گئے تھے۔ پھر حضرت ابراہیم کے معاملہ میں ان کی حیات کا عذر اس لئے نہیں ہے کہ دراصل نبوت سے وہی ایک بات مانع تھی بلکہ یہاں اس بات کو بتلانا مقصود ہے جو خاص ان کے حق میں نبوت سے مانع آ گئی۔ اگر یہ کہا جاتا کہ ابراہیم اگر جیتے تو نبی نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ کوئی شخص اسے ان کی قصور استعداد و لیاقت پر محمول کر لیتا۔ حالانکہ یہاں لیاقت و استعداد میں کوئی کمی نہ تھی۔ اس لئے ایسے پیرایہ بیان سے احتراز کر کے وہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے جو ان کی لیاقت پر روشنی ڈالے۔ یہاں ملا علی قاری بلا وجہ حضرت ابراہیم کی فرضی نبوت کے اور دوسرے فرضی پہلوؤں کی تفصیلات میں بھی پڑ گئے ہیں۔ یعنی انہوں نے یہ بحث شروع کر دی ہے کہ اگر وہ زندہ بچتے اور فرض کر لو کہ نبی ہو جاتے تو آخر کس قسم کے نبی ہوتے۔ تشریعی یا غیر تشریعی۔ یہ سب بحثیں ہمارے نزدیک بے محل ہیں۔ حضرت ابراہیم کی فرضی نبوت کا پہلو یہاں صرف ایک خاص مقصد کے پیش

زندہ نہیں کیا۔ مثلاً فرماتے ہیں ''ان اللہ تعالیٰ لما حکم ان لا نبی بعدہ لم یعطہ ولدا ذکرا یصیر رجلا۔ معالم التنزیل ج۳ص۵۷۸ زیر آیت ماکان محمد الخ'' جب اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر فرمایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو تو آپ کو کوئی ایسی نرینہ اولاد بھی نہ دی جو جوانی کی عمر کو پہنچتی۔ ''علامہ شعبی آیۃ ماکان محمد الخ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ماکان لیعیش له فیکم ولد ذکر۔ ترمذی ج۲ص۱۵۲ تفسیر احزاب'' یہ آپ کی شان (ختم نبوت) کے مناسب نہ تھا کہ آپ کی کوئی نرینہ اولاد زندہ رہتی۔ اسمٰعیل فرماتے ہیں: ''قلت لابن ابی اوفی رائیت ابراہیم بن النبی ﷺ قال مات صغیرا ولو قدر ان یکون بعد محمد ﷺ نبی عاش ابنه ولکن لا نبی بعدہ بخاری ج۲ص۹۱۴ باب من سمی باسماء الانبیاء'' میں نے ابن ابی اوفیٰ سے پوچھا آپ نے ابراہیم آپ ﷺ کے فرزند مبارک کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا ان کا لڑکپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی اور نبی مقدر ہوتا تو آپ کے فرزند مبارک جیتے رہتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ ''عن انس قال لو بقی لکان نبیا ولکن لم یکن لیبقی لان نبیکم آخر الانبیاء۔ مسند احمد' الحاوی للفتاوی ج۲ص۹۹ فتح الباری ج۱۰ص۴۷۷ باب من سمی باسماء الانبیاء'' انس فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اگر جیتے تو نبی ہوتے لیکن وہ کیسے جیتے۔ جبکہ آپ نبیوں میں آخری نبی قرار پا چکے تھے۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں '' الا تراہ صلی اللہ علیہ وسلم ماعاش له ولد ذکر من ظهرہ تشریفا له لکونه سبق فی علم اللہ انه خاتم النبیین۔ فتوحات مکیہ ج۳ص۵۱۴ باب ۳۸۲'' کیا تم نہیں دیکھتے کہ صرف آپ کی تشریف و تکریم کے سبب سے آپ کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی۔ کیونکہ خدا کے علم میں یہ طے پا چکا تھا کہ آپ خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں۔ اگر وہ زندہ رہتے اور نبی نہ ہوتے تو ایک لحاظ سے یہ بھی آپ کی شان کے مناسب نہ تھا اور اگر نبی ہوتے تو یہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے مناسب نہ ہوتا۔ اس لئے ان کے لئے عمر ہی کی مقدر نہ ہوئی۔

ان بیانات سے ثابت ہے کہ صحابہ و تابعین اور علماء محققین کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نبی نہ ہونے کا اصل سبب وہی تھا کہ اب منصب نبوت کے تقرر کے لئے کوئی Vacancy جگہ ہی باقی نہیں رہی مگر جو مخصوص عنوان یہاں اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی مصلحت اور ہے۔

من زعم بعد النبی ﷺ انہ نبی فھو کذاب

(۵۴) "عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ إِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ. رواہ مسلم عن ابوہریرۃ ج۲ ص۳۹۷ کتاب الفتن واشراط الساعۃ ترمذی ج۲ ص۴۵ باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون' مسند احمد ج۵ ص۲۷۸ درمنثور ج۵ ص۲۰۴ زیر آیت ماکان محمد ابا احدمن رجالکم"

جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ نبی ہے وہ پرلے درجہ کا جھوٹا ہے

﴿ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: تحقیق میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے۔ ان میں ہر ایک اپنے متعلق گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ حالانکہ میں سب نبیوں کے آخر میں آیا ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔﴾

(۵۵) "عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ أَكْثَرَ النَّاسُ فِيْ أَمْرِ مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ قَبْلَ أَنْ يَقُوْلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِيْهِ شَيْئًا ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فِيْ شَأْنِ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ قَدْ أَكْثَرْتُمْ فِيْ شَأْنِهِ فَإِنَّهُ كَذَّابٌ مِنْ ثَلَاثِيْنَ يَخْرُجُوْنَ قَبْلَ الدَّجَّالِ. رواہ الطحاوی فی مشکل الآثار ج۲ ص۱۰۴ مسند احمد ج۵ ص۴۶"

﴿حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ مسیلمہ کذاب کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ کے کچھ فرمانے سے پیشتر لوگوں میں بڑی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ایک دن آپ نے خطبہ دیا اور بعد حمد و صلوٰۃ کے فرمایا! جس شخص کے بارے میں تم بڑا نے زنی کر رہے ہو وہ ان تیس جھوٹوں میں ایک جھوٹ ہے جو دجال اکبر سے پہلے آئیں گے۔ (مشکل الآثار)﴾

(۵۶)...... "عن عبد اللہ بن الزبیر قال قال رسول اللہ ﷺ لاتقوم الساعۃ حتی یخرج ثلاثون کذابا دجالا منہم المسیلمۃ والعنسی والمختار. ابویعلی' فتح الباری ج۶ ص۴۵۴ باب علامات النبوۃ وفی روایۃ کنزالعمال عن الزہری ج۱۴ ص۱۹۹ حدیث نمبر ۳۸۳۷۴"

﴿عبد اللہ بن الزبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ تیس جھوٹے دجال نہ نکل آئیں جن میں مسیلمہ، عنسی اور مختار بھی ہیں۔﴾

انبیاء علیہم السلام کے بیان میں ان کے اندر علم و یقین کے مطابق ایک طاقت و شوکت ہوتی ہے۔ وہی یہاں ظاہر ہو رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ علم ازلی میں دجالین کی آمد طے ہو چکی ہے۔ اس لئے قیامت کے آنے سے پہلے ان کی آمد حتمی امر ہے۔ دنیا کو چاہئے کہ وہ ان کا انتظار کر کے تھک نہ جائے۔ رہی یہ بات کہ اس امت میں دجالوں کی اتنی کثرت کیوں ہے تو جو اور فتنوں کے متعلق جواب دیا جائے گا۔ وہی جواب اس فتنے کے متعلق بھی ہو جائے گا۔ ایک سطحی بات یہ ضرور معلوم ہوتی ہے کہ جب اس امت میں نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو اس کا مقابلہ بھی شیطانی طاقتوں کے لئے ضروری ہو گیا۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا کے آخری دور میں پھر ایک ایسی عام وحدت پیدا کر دے جیسا آغاز عالم میں ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ نسل انسانی ایک ہی باپ کی اولاد تھی جیسا روز اول وہ ایک ہی زمین پر تھی۔ آخر میں پھر اس کا ایک ہی کلمہ ایک ہی قبلہ اور ایک ہی دین ہو جائے۔ درمیان میں نبوتوں اور رسالتوں کے تفاوت سے شریعت اور منہاج کا جو تفاوت پیدا ہو گیا تھا وہ سب ختم ہو کر صرف ایک شریعت اسلام باقی رہ جائے۔ اتنی عظیم وحدت کو شکست دینے کے لئے شیطانی

لشکروں کو بھاگ دوڑ کرنا ضروری تھا۔ اس لئے اس عام نبوت کے بالمقابل نبوت کا دعویٰ کرنا لازم ہو گیا۔ اس پیشگوئی کا ظہور آپ کے عہد مبارک سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ مسیلمہ اور عنسی آپ ﷺ کے زمانہ میں ہی ظاہر ہوئے اور آپ ﷺ کے حکم کے ماتحت صحابہؓ نے ان کو کاذب سمجھا اور آخر کار جو دجالین کے ساتھ معاملہ ہونا چاہئے تھا وہی ان کے ساتھ کیا گیا۔ رہی یہ بحث کہ دجالوں کے تیس ہونے میں ہی کیا حکمت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"ولیس المراد بالحدیث من ادعی النبوة مطلقا فانهم لا یحصون کثرةً لکون غالبهم ینشأ لهم ذلك عن جنون وسوداء وانما المراد من قامت له شوکة۔ فتح الباری ج ٦ ص ٤٥٥ باب علامات النبوة فی الاسلام"

﴿حدیث مذکور میں مدعیان نبوت سے ہر مدعی نبوت مراد نہیں۔ کیونکہ مدعی نبوت تو بے شمار ہیں۔ بیشتر یہ دعوے جنون یا سوداویت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں مراد وہ مدعیان نبوت ہیں جو باشوکت ہوں گے۔ ان کا مذہب تسلیم کیا جائے گا۔ ان کے متبعین کی تعداد زیادہ ہو گی۔﴾

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جس امت میں لاکھوں اور کروڑوں سے متجاوز اولیاء و اقطاب گزر گئے ہوں۔ اس میں تیس دجالوں کا عدد کچھ زیادہ بھی نہیں ہے۔ غور طلب تو یہ ہے کہ اگر آپ کے بعد نبوت کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی قسم بھی باقی تھی تو اس کی بشارت کے لئے آخر ایک حدیث بھی کیوں نہیں آئی اور کذابین دجالین کے متعلق دسیوں حدیثیں کیوں آگئیں پھر حدیث نمبر ۱۶۶ میں ان کے کاذب ہونے کی وجہ یہ نہیں بتلائی گئی کہ وہ در حقیقت نبی نہ ہوں گے بلکہ یہ قرار دی گئی کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایک طرف تو احادیث میں ہر قسم کی نبوت کی نفی آرہی ہے۔ ہر مدعی نبوت کو کذاب و دجال کہا جارہا ہے۔ دوسری طرف کسی حدیث سے ظلی، بروزی کی تقسیم ثابت نہیں ہوتی۔ تاریخ نبوت میں ظلی نبی کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر آخر کس دلیل سے نبوت کی ایک تیسری قسم مان کر اس کو جاری قرار دیا جائے۔ یہاں یہ تحقیق بھی ضروری ہے کہ نبوت کی جو قسم بھی تسلیم کی جائے اس کا آغاز کب سے ہوا۔ تاریخی لحاظ سے وہ

آخر لوگ کون سے تھے جن کو ظلی نبی کہا جاسکتا ہے اور کیا یہ علامت ہے کہ انہوں نے اپنی نبوت پر ایمان لانے کی امت کو دعوت دی ہو اور کیا کسی ایسے نبی کی امت نے کبھی تصدیق کی ہے۔ اگر ایسا کوئی نبی اب تک نہیں گزرا اور اگر گزرا ہے تو امت نے ہمیشہ اس کی تکذیب ہی کی ہے تو پھر کس دلیل سے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ در حقیقت اس امت میں نبوت کی کوئی قسم جاری ہے اور اتنی کثرت کے ساتھ جاری ہے کہ ان کی آمد دجالین کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ یہاں انجیل کا بیان بھی حدیث ہی کے موافق ہے۔

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے۔ کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔" (متی باب ۷ آیت ۱۵، ۱۶)

جس قدرت نے اس عالم کو تماشا گاہ اضداد بنایا ہے نور کے مقابلہ میں ظلمت، تری کے مقابلہ میں خشکی، صحت کے مقابلہ میں مرض، بلندی کے مقابلہ میں پستی پیدا فرمائی ہے۔ اسی نے عالم روحانیت میں ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت، ملائکہ کے مقابلہ میں شیاطین، انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں دجالین بنائے ہیں۔ پس جس طرح خاتم الرسل کی آمد سب رسولوں کے بعد ہوئی ہے اسی طرح مناسب ہے کہ دجال اکبر کے ظہور سے پہلے جو دجالین آنا ہیں آجائیں۔ یہی وجہ ہے کہ دجال اکبر یعنی خاتم الدجاجلہ کا ظہور خاتم الرسل کے عہد میں ہی مقدر ہوا۔ تاکہ دنیا کے خاتمہ پر ہدایت و ضلالت کی آخری طاقتیں زور آزمائی کر کے ختم ہو جائیں پھر قیامت آجائے۔ وللہ الحکمۃ البالغہ!

خاتم النبیین

جہان کا سردار آگیا۔ اب کوئی رسول یا نبی نہیں آئے گا۔ دنیا اس کے زیر رسالت و سیادت ختم ہو جائے گی۔ عالم کی آبادی کا دارومدار اس کی ہدایت پر ہے اور کارخانہ ہدایت تمام کا تمام رسولوں کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس لئے عالم کی ابتداء و انتہاء اور رسالت کی ابتداء و انتہاء میں ہوا گہرا ربط ہے۔ پروردگار عالم نے جب ایک طرف عالم کی بنیاد رکھی تو اس کے ساتھ

ساتھ دوسری طرف قصر نبوت کی پہلی اینٹ بھی رکھ دی۔ یعنی عالم میں جس کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اسی کو قصر نبوت کی خشت اول قرار دیدیا۔ ادھر عالم بتدریج پھیلتا رہا ادھر قصر نبوت کی تعمیر ہوتی رہی۔ آخر کار عالم کے لئے جس عروج پر پہنچنا مقدر تھا پہنچ گیا ادھر یہ قصر نبوت بھی اپنے جملہ محاسن اور خوبیوں کے ساتھ مکمل ہو گیا اور اس لئے ضروری ہوا کہ جس طرح عالم کی ابتداء میں رسولوں کی بعثت کی اطلاع دی گئی تھی اس کی انتہاء پر رسولوں کے خاتمہ کا بھی اعلان کر دیا جائے تاکہ قدیم سنت کے مطابق آئندہ اب کوئی شخص رسول کی آمد کا انتظار نہ کرے:

"يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ - الاعراف، آیت ۳۵"

﴿اے آدم کی اولاد! (دیکھو) تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آئیں گے جو میری آیتیں تمہیں پڑھ پڑھ کر سنائیں گے۔ جس نے تقویٰ کی راہ اختیار کی اور نیک رہا تو اس پر نہ گزشتہ کا خوف نہ آئندہ کا غم۔﴾

اس اعلان کے مطابق خدا کی زمین پر بہت سے رسول آئے مگر کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے بلکہ ہر رسول نے اپنے بعد دوسرے رسول آنے کی بشارت سنائی حتیٰ کہ وہ زمانہ آ گیا جبکہ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول نے اسماعیلی سلسلہ کے اس رسول کی بشارت دے دی جس کا اسم مبارک احمد تھا "وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۔ آیت الصف ۶"

عالم کے اس منتظر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مبشر رسول نے دنیا میں آ کر ایک نیا اعلان کیا اور وہ یہ تھا کہ میں اب آخری رسول ہوں۔ خود عالم کا زمانہ بھی آخر ہے اور ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح قریب ہیں۔ عالم اپنے پورے عروج کو پہنچ چکا ہے۔ قصر نبوت میں ایک ہی اینٹ کی کسر باقی تھی۔ وہ میری آمد سے پوری ہو گئی ہے۔ دونوں تعمیریں مکمل ہو گئیں ہیں۔ اب سلامت و تقویٰ کا نتیجہ دیکھنے کا زمانہ آیا ہے۔ قرآن کریم میں آپ کی ختم نبوت کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۔ احزاب آیت ۔ ۴" یعنی آپ تک جتنے رسول آئے وہ صرف رسول اللہ تھے۔ آپ رسول اللہ ہونے کے علاوہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے تصور کے لئے دونوں کا تصور ضروری ہے۔ یہ کہ آپ رسول اللہ ہیں اور یہ کہ آپ خاتم النبیین بھی ہیں۔ آپؐ کے متعلق صرف رسول اللہ کا تصور آپ کی ذات کا ادھورا اور ناتمام تصور ہے۔ بلکہ ان ہر دو تصورات میں آپ کا امتیازی تصور خاتم النبیین ہی ہے۔ ختم نبوت کی اسی اہمیت کی وجہ سے گذشتہ احادیث میں آپ مطالعہ فرما چکے ہیں کہ اس مسئلہ کی نشر و اشاعت نبوت کے قدم بہ قدم وجود آدم علیہ السلام سے بھی پہلے لوح محفوظ اور عرش عظیم پر کر دی گئی تھی اور کاتب تقدیر نے حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان آپ کے اسم مبارک کے ساتھ آپ کی خاتم النبیین ہونے کی صفت بھی بصورت حروف نقش کر دی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نسل انسانی کی بنیاد تھے۔ لوح محفوظ جملہ حوادث عالم کی بنیاد ہے اور عرش ان اصول کے اعلان کا سب سے بلند بورڈ ہے جو دربار الٰہی میں طے شدہ اور ناقابل ترمیم تصور کئے گئے ہیں۔ اس لئے ان مقامات پر اعلان کا یہ مطلب تھا کہ ختم نبوت بھی عالم کے ان بنیادی اور بدیہی مسائل میں داخل ہے جن کا علم سب پر فرض ہے اور جن میں اب کسی تبدیلی و ترمیم کی گنجائش نہیں۔ اسی لئے آسمانوں پر فرشتوں نے زمین پر حیوانات نے 'محشر میں انبیاء علیہم السلام نے' غرض ابتداء سے لے کر انتہا تک 'عالم بالا سے لیکر عالم اسفل تک ہر ذی شعور اور غیر ذی شعور نے آپ کی ختم نبوت کا نقارہ بلند کیا ہے۔ جب آپ عالم ناسوت میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کی یہ امتیازی شان مہر نبوت کی صورت میں بھی نمایاں کر دی گئی۔ تاکہ جس کی آمد کا انتظار اب تک عالم میں بلند ہو رہا تھا اس کی شناخت میں کوئی دشواری نہ رہے۔

قرطبیؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ خاتم نبوت کو اسی لئے خاتم نبوت کہا جاتا ہے کہ یہ بھی منجملہ اور علامات کے آپ کی نبوت کی ایک علامت تھی۔ اسی لئے حضرت سلمان فارسیؓ آپ کی غائبانہ تلاش میں جب آپ کی خدمت میں پہنچ گئے تو نہایت متجسسانہ

نظروں سے خاتم نبوت کو تلاش کرنے لگے۔ آپ نے ان کے طور و طریق سے ان کا مقصد پہچان لیا اور چادر مبارک خاتم نبوت سے ہٹادی۔ پھر کیا تھا سلمان دیکھ کر بیخود ہو گئے اور اسی عالم بیخودی میں اس کو بوسہ دینے لگے اور فوراً حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔ بحیرہ راہب کے قصہ میں بھی موجود ہے کہ اس نے کہا: "انی اعرفه بخاتم النبوة" "میں خاتم نبوت کی وجہ سے آپ کو پہچانتا ہوں۔ غرض علماء اہل کتاب کے نزدیک نبی منتظر کی یہ ایک بڑی علامت تھی۔ (دیکھو زرقانی شرح مواہب)

خدا تعالیٰ کی یہ عجیب حکمت ہے کہ مہر نبوت کے ظہور کے لئے آپ کے جسم مبارک میں بھی وہی جگہ منتخب ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے جسم مبارک میں منتخب ہوئی تھی۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا عقیدہ ہر رسول کی دعوت کا جزء اہم رہا ہے اس لئے قیاس کہتا ہے کہ جس رسول کے زمانہ سے قیامت کی آمد مربوط ہے اس کا تذکرہ بھی ان کا فرض منصبی رہا ہوگا۔ گویا ختم نبوت کا عقیدہ قیامت کے عقیدہ کے دوش بدوش ہمیشہ تعلیم دیا گیا ہے۔ شفاء قاضی عیاض اور کنز العمال میں ایک ضعیف اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ خدا کے سب رسولوں نے خاتم الانبیاء کی آمد کی بشارت سنائی ہے:

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ:

"وقد اخبر الله تبارك وتعالىٰ فى كتابه ورسوله ﷺ فى السنة المتواترة عنه انه لانبى بعده ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام فهو كذاب' افاك' دجال' ضال۔ تفسير ابن كثير ج ۳ ص ۴۹۴ زیر آیت ماكان محمد ابا احد .... الخ"

﴿اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول نے احادیث متواترہ میں ختم نبوت کا اعلان اس لئے فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جائے جو شخص اب اس منصب کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا افتراء پرداز دجال اور پرلے درجہ کا گمراہ ہوگا۔﴾

علماء محققین لکھتے ہیں کہ ختم نبوت کے اعلان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ دنیا

متنبہ ہو جائے کہ اب یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہے اور یہ دین آخری دین ہے جس کو جو حاصل کرنا ہے کر لے۔ اس کے بعد دنیا کی یہ پینٹھ اجڑنے والی ہے جیسا شام کے وقت ایک دکاندار اعلان کرتا ہے کہ میں اب دکان بڑھا رہا ہوں جسے سودا لینا ہے لے لے یا جیسا ایک حاکم بوقت آخری استعفیٰ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میری تم سے اب یہ آخری ملاقات ہے جو کہتا ہوں خوب غور سے سن لو۔ اسی طرح خالق زمین و زمان کو جو آخری ہدایات دینا تھیں وہ آنحضرت ﷺ کی معرفت دے دیں اور اعلان کر دیا کہ اب یہ رسول آخری رسول ہے۔ ایمانیات، اخلاقیات، معیشت، تمدن کے سب اصول مکمل کر دیئے گئے۔ اس لئے یہ دین آخری دین ہے جسے جو عمل کرنا ہے کر لے۔ حیلہ و حجت کا وقت نہیں رہا۔ بحث و جدال کی جائے عمل کی فرصت نکالنی چاہئے۔ وقت تھوڑا رہ گیا ہے اور حساب کی ذمہ داری سر پر ہے۔

اب نہ کوئی رسول آئے گا نہ نبی نہ تشریعی نہ غیر تشریعی نہ ظلی نہ بروزی مگر اس معنی سے نہیں کہ آئندہ نفوس انسانیہ کو کمال و تکمیل سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اس معنی سے کہ اب یہ منصب ہی ختم ہو گیا ہے۔ پہلے عالم کی عمر میں بہت وسعت تھی اور اس منصب پر تقرر کی گنجائش بھی کافی تھی۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام برابر آتے رہے۔ اب دنیا کی عمر میں اتنی باقی نہیں رہی کہ اس میں اور تقرر کی گنجائش ہوتی۔ اس لئے اس کے خاتمہ پر آپ کو بھیج کر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اب نبی نہیں آئیں گے قیامت آئے گی۔

چونکہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ختم فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو کامل ہی ختم کرتا ہے ناقص ختم نہیں کرتا نبوت بھی اب اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اس لئے مقدر یوں ہوا کہ اس کو بھی ختم کر دیا جائے۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت جاری ہو تو لازم آئے گا کہ اس کا خاتمہ نقصان پر ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک نہ ایک دن عالم کا فنا ہونا ضروری ہے۔ اس سے کبھی نہ کبھی کسی نبی کا آخری نبی ہونا بھی عقلاً لازم ہے۔ اب اگر وہ آپ سے زیادہ کامل ہو تو اس کے لئے اسلامی عقیدہ میں گنجائش نہیں اور اگر ناقص ہو تو نبوت کا خاتمہ نقصان پر تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تم فطرت عالم پر غور کرو گے تو تم کو جز و کل میں ایک

حرکت نظر آئے گی۔ ہر حرکت ایک ارتقاء اور کمال کی حامل ہوتی ہے۔ پھر ایک حد پر پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جاتی ہے اور جہاں ختم ہوتی ہے وہی اس کا نقطۂ کمال کہا جاتا ہے۔ انواع پر نظر ڈالئے تو جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات پھر حیوانات سے انسان کی طرف ایک ارتقائی حرکت نظر آرہی ہے مگر انسان پر پہنچ کر یہ ارتقائی حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان تمام انواع میں کامل ترنوع ہے خود انسان کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی نطفہ سے متحرک ہو کر دم و علقہ و مضغہ کے قالب طے کرتا ہوا خلق آخر پر جا کر ٹھہر جاتا ہے اور اسی کو اس کی استعداد فطرت کا آخری کمال کہا جاتا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد اس کے اعضاء میں پھر ایک حرکت اور ایک نشوونما نظر آتا ہے۔ وہ دور شباب پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی کو اس کا زمانہ کمال کہا جاتا ہے نباتات و اشجار کو دیکھئے تو وہ بھی ایک چھوٹی سی شکل سے حرکت کرتے کرتے ایک تناور درخت بن جاتے ہیں۔ آخر کار اس پر پھل نمودار ہوتے ہیں اور جب پھل نمودار ہو جاتے ہیں تو یہ اس کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اس کمال پر پہنچ کر درخت کا ایک دور حیات ختم ہو تا ہے آئندہ اپنے دور حیات کے لئے پھر اس کو بہت سے انہیں ادوار کو دہرانا پڑتا ہے جن میں گذر کر وہ اس منزل تک پہنچا تھا۔ یعنی موسم خزاں آتا ہے اور اس کے ایک دورۂ حیات کو ختم کر جاتا ہے۔ اگر قدرت کو اس کی پھر نشاۃ ثانیہ منظور نہ ہوتی تو وہ یونہی سوکھ کر ختم ہو گیا ہوتا مگر چونکہ اس کو ابھی باقی رکھنا منظور ہوتا ہے اس لئے پھر اسے وہی سبز سبز پتیاں' وہی ہری ہری لچک دار ڈالیاں مل جاتی ہیں۔ پھر اس پر پھول آتے ہیں اور آخر میں پھر پھل نمودار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب تک یہ درخت موجود رہتا ہے اپنے ارتقائی مدارج کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دوہرایا کرتا ہے جو درخت اپنی ابتدائی کڑیوں کو پھر نہیں دہراتے وہ ایک مرتبہ پھل دیکر اپنی زندگی ختم کر جاتے ہیں۔ جیسے کیلے کا درخت۔

اگر یہ صحیح ہے تو عالم نبوت میں بھی ایک تدریج نمایاں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام شریعتوں پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ تمام نبوتیں کسی ایک کمال کی جانب متحرک ہیں۔ ہر پچھلی شریعت پہلی سے نسبتاً ارتقائی شکل میں نظر آتی ہے۔

اس لئے طبعی اصول کے مطابق ضروری ہے کہ یہ حرکت بھی کسی نقطہ پر جاکر ختم ہو جس کو اس کا کمال کہا جائے۔ لیکن جب خود نبوت ہمارے ادراک سے بالاتر حقیقت ہے تو اس کے آخری نقطۂ کمال کا ادراک بدرجہ اولیٰ ہماری پرواز سے باہر ہونا چاہئے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ قدرت خود ہی اس کا تعین فرمائے اور خود ہی اس کا اعلان کردے کہ نبوت کا ارتقاء جہاں ختم ہوا ہے وہ مرکزی اور کامل ہستی آنحضرت ﷺ کی مبارک ہستی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں: "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" کے بعد فرمایا ہے: "وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔" یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا علم ہے وہی یہ جانتا ہے کہ نبیوں میں خاتم النبیین اور آخری کون ہے۔ یہ بات تمہاری دریافت سے باہر ہے کہ تم معلوم کر سکو کہ اس کے رسولوں کی مجموعی تعداد کتنی ہے۔ ان میں اول کون ہے اور آخر کون۔ اگر اسے عالم کا بقاء اور منظور ہوتا تو شاید وہ آپ کی آمد ابھی کچھ دن کے لئے اور موخر کردیتا لیکن چونکہ دنیا کی اجل مقدر پوری ہوچکی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ نبوت کی آخری اینٹ بھی لگادی جائے اور اعلان کردیا جائے کہ دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ قصر نبوت کی بھی تکمیل ہوگئی ہے۔ نبوت نے اپنا مقصد پالیا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی رسول نہیں آئے گا کیونکہ اگر کوئی رسول آئے تو یا وہ آپ ﷺ سے افضل ہوگا یا مفضول۔ اگر افضل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبوت نے ابھی تک اپنے اس کمال کو نہیں پایا جس کے لئے وہ متحرک ہوئی تھی اور اگر مفضول ہو تو کمال کے بعد پھر یہ نزولی حرکت اسی وقت مناسب ہوسکتی ہے۔ جبکہ عالم کی پھر نشاۃ ثانیہ تسلیم کی جائے۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبوت اب اپنے ارتقائی کمال کو پہنچ چکی ہے۔ اب کوئی اور کمال منتظر اس کے لئے باقی نہیں رہا۔ اس لئے اس فطری اصول کے مطابق اسے ختم ہوجانا چاہئے۔

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ مائدہ آیت ۳" یعنی تمہارا دین کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اب ناقص نہ ہوگا خدا کی نعمت پوری ہوچکی ہے۔ اب آئندہ اس سے زیادہ اس کے تمام کی توقع غلط ہے اور نظر ربوبیت اب ہمیشہ کے لئے دین اسلام کو پسند کرچکی ہے۔ اس لئے کوئی دین اس کا ناسخ بھی

نہیں آسکے گا۔ عربی زبان میں کمال و تمام دونوں لفظ نقصان کے مقابل ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ کمال اوصاف خارجیہ کے نقصان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور تمام اجزاء کے لحاظ سے مثلاً کسی انسان کا ایک ہاتھ نہ ہو وہ ناقص ہے۔ یعنی اسے ناتمام انسان کہا جائے گا۔ خواہ کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو اور اگر اس کے اعضاء پورے ہیں مگر صورت اچھی نہیں اخلاق نادرست ہیں، خصائل درشت و ناہموار ہیں تو اس کو بجائے ناتمام کے ناکمل انسان کہا جائے گا۔ آیت بالا میں یہاں دونوں لفظوں کو جمع کر کے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ دین اسلام اب ہر پہلو سے مکمل ہو چکا ہے۔ نہ اس میں اجزاء کا نقصان باقی ہے نہ اوصاف کا۔ اس لئے اب اس کی حرکت ارتقائی ختم ہو گئی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ کا آخری نبی ہونا صرف ایک تاخر زمانی نہیں ہے۔ کسی شخصیت کا صرف آخر میں آنا فضیلت کی کوئی دلیل نہیں ہوتی جب سنت اللہ چونکہ یہ ہے کہ ہر شے کا خاتمہ کمال پر کیا جائے۔ اس لئے یہاں آپ ﷺ کا تاخر زمانی آپ ﷺ کے انتہائی کمال کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کو آنحضرت ﷺ نے قصر نبوت سے ایک بلیغ تشبیہ دے کر واضح فرما دیا تھا۔ یہود کو جب خدا کے اس اکمال و اتمام کی خبر پہنچی تو ان سے رہا نہ گیا اور انہوں نے از راہ حسد کہا اے عمرؓ اگر کہیں یہ آیت ہمارے حق میں اترتی ہم تو اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

”هذه اكبر نعم الله على هذه الامة حيث اكمل تعالى لهم دينهم فلا يحتاجون الى دين غيره ولا الى نبي غير نبيهم صلوات الله وسلامه عليه ولهذا جعله الله تعالى خاتم الانبياء وبعثه الى الانس والجن۔ تفسير ابن كثير ج ۲ ص ۱۲ زير آيت اليوم اكملت لكم“

﴿اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے اس امت کا دین کامل کر دیا ہے کہ اب اسے نہ کسی اور دین کی ضرورت رہی نہ کسی اور نبی کی۔ اسی لئے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا ہے اور انسان و جن سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔﴾

معلوم ہوا کہ ختم نبوت دینی ارتقاء اور خدائے تعالیٰ کے خدائی انعام کا تقاضا ہے اور وہ کمال ہے کہ اس سے بڑھ کر امت کے لئے کوئی اور کمال نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ یہود کو

بھی ہمارے اس کمال پر حسد ہے پھر حیرت ہے کہ نتیجے تقسیم انسانی کمال کو برعکس محرومی
سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ختم نبوت کا صحیح مفہوم سمجھنے ہی میں چند غلط فہمیاں پیدا ہو گئی
ہیں۔ شاید اس کا مفہوم یہ سمجھا گیا ہے کہ نبوت پہلی امتوں کے لئے ولایت و صدیقیت کی
طرح ایک ممکن الحصول کمال تھا۔ اب یہ امت دوسرے اور مراتب تو حاصل کر سکتی ہے مگر
کمال نبوت کو حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ سخت غلط فہمی اور حقیقت نبوت سے قطعی جہالت کی
دلیل ہے۔ نبوت ان کمالات ہی میں نہیں ہے جو ریاضات و مجاہدات کے صلہ میں بطور انعام
کسی وقت بھی عطا کی جا سکے بلکہ ایک الٰہی منصب ہے جس کا تعلق بشری ضرورت اور ہدایت
خدائے تعالیٰ کی صفت اجتباء و اصطفاء کے ساتھ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس منصب کے لئے
چن لیتا ہے۔ اگر نبوت ان کمالات میں ہوتی جو مجاہدات و ریاضات، پاکبازی و حسن نیت کے
صلہ میں انعامی طور پر ملتے ہیں تو یقیناً اس کے لئے سب سے موافق زمانہ خود نبی کی موجودگی
کا زمانہ ہوتا کیونکہ جتنی عملی جد و جہد اتباع شریعت کا جتنا جذبہ خود اس کے زمانہ میں ہوتا ہے
اس کے بعد نہیں ہوتا مگر نبوت کی تاریخ اس کے برخلاف ہے۔ یعنی جب خدائے تعالیٰ کی
زمین شر و فساد، طغیان و سرکشی، تکبر و تمرد سے بھر گئی ہے۔ صلاح و تقویٰ کا تخم فاسد ہو گیا
ہے، رشد و ہدایت کے آثار محو ہو گئے ہیں۔ وہی انبیاء کی آمد کا سب سے زیادہ موزوں زمانہ
سمجھا گیا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان نہیں کہ نبوت وہ انعام نہیں ہے جو ولایت
و صدیقیت کی طرح امتوں میں تقسیم کی جائے بلکہ دنیا کے اتفاقی دور ضلالت میں خدا کی
صفت ہدایت کا ذاتی اقتضاء ہے۔ ذاتی اقتضاء سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ یہاں کسب و اکتساب،
ماحول کی مساعدت و نامساعدت کا کوئی دخل نہیں۔ نبوت کا ماحول تو چاہتا ہے کہ خدا کی رحمت
کی بجائے خدا کا قہر ٹوٹے مگر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک اسم ہادی بھی ہے یہ اس کا
اقتضاء ہے کہ جب ملک کا ملک اور قوم کی قوم اس کا راستہ گم کر دے اور بھولے سے نہیں بلکہ
شرارت و شیطنت کی بناء پر تو وہ اپنی طرف سے پھر ان کی ہدایت کے لئے ایک دروازہ کھول
دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب منصب رسالت سے سرفراز کیا گیا ان کا زمانہ انسانی کمالات کے عروج وارتقاء کا زمانہ نہ تھا بلکہ دنیا فطری پستی، دنائت وخست اور احسان فراموشی کے اس تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی تھی کہ ایک کمزور انسان کو خدائی کا دعویٰ کرتے بھی شرم نہ آتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ انھیں اس دعویٰ کے ابطال کے لئے مامور کیا جائے گا۔ اچانک کوہ طور کے ایک گوشے سے روحانیت کے بادل اٹھے اور حقیقت موسویہ پر اس طرح چھا گئے کہ دم کے دم میں موسیٰ بن عمران حضرت موسیٰ کلیم اللہ بن گئے بیوی کے لئے آگ لینے کی فکر میں آئے تھے اور سب بھول بھال کر اب آتش کفر بجھانے کی فکر میں جارہے ہیں۔ اس مدعی الوہیت کا مقابلہ کرنا ہے جس کے پاس سلطنت کی ساری مادی طاقتیں جمع ہیں اور اپنے پاس قوت بیان بھی ناقص ہے۔ اس لئے رب لیجے میں فرماتے ہیں:

"رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۔ وَيَسِّرْلِيْ أَمْرِيْ ۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۔ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۔ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِيْ ۔ هَارُوْنَ أَخِيْ ۔ اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِيْ ۔ وَأَشْرِكْهُ فِيْ أَمْرِيْ ۔ طٰہ آیت ۲۵ تا ۳۲"

دوسری جگہ سورۃ القصص ۳۴ میں فرمایا:

"وَأَخِيْ هَارُوْنُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُّصَدِّقُنِيْ إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۔"

ان دعاؤں کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ! میرا سینہ کشادہ فرما اور مجھے ایسا حوصلہ عطا فرما دے کہ خلاف طبع معاملات کو خندہ پیشانی سے برداشت کر سکوں اور میرے لئے ایسے سامان فراہم کر کہ یہ عظیم الشان خدمت آسان ہو جائے اور لڑکپن میں زبان جل جانے کی وجہ سے میری گفتگو میں جو لکنت پیدا ہو گئی ہے اس کو دور فرما کہ وہ میری بات تو سمجھ لیں اور میرے گھر میں میرے بھائی کو میرا معین بنا دے کہ وہ میرا کام بٹائیں اور ان کی وجہ سے مجھے سہارا بھی رہے۔ سورہ قصص میں اس کی تفصیل اور ہے کہ میرے بھائی مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں۔ انھیں میرے ہمراہ کر دے تاکہ وہ میری اعانت میں میری تصدیق کرتے

رہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے پہلے معاملات کی وجہ سے کہیں وہ سب میری تکذیب نہ کر دیں۔ اس وقت کم از کم ایک ایسا شخص تو میرے ساتھ ہو جو میری تصدیق کر دے اور اگر مناظرہ کی نوبت آجائے تو ان سے مناظرہ بھی کرے۔ اس دعا سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ نبوت کو ان انعامات میں سمجھ لینا جو کسی امتی کو کسی عبادت و ریاضت کے صلہ میں یا انعام کے طور پر تقسیم کئے گئے ہیں سخت غلطی ہے بلکہ یہ صرف تشریعی ضرورتوں کی تکمیل کا ایک منصب ہے جس میں قدرت اس کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اسی کو اس منصب کے لئے انتخاب کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست میں یہاں حضرت ہارون علیہ السلام کی کسی زہدی جدوجہد کا ذکر نہیں کیا جو ان کی نبوت کی سفارش کر سکتی بلکہ ان صلاحیتوں کا ذکر کیا ہے جو اس منصب کے لئے درکار تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے بعد ذرا اور آگے چلیں تو پھر ضلالت و ہدایت میں یہی کشمکش نظر آتی ہے۔ کبھی ضلالت کے جھکڑ ہدایت کی شمعوں کو گل کر دیتے تھے کبھی نور ہدایت کفر کی تاریکیوں کے ٹکڑے کر ڈالتا تھا۔ حتیٰ کہ دنیا کے آخری دور میں پھر ضلالت کا ابر محیط اٹھا اور اس شان سے اٹھا کہ تمام کرہ ارضی پر تاریکی چھا گئی کوئی خطہ نہ رہا جہاں آفتاب ہدایت کی کوئی معمولی کرن بھی چمکتی۔ عالم کا وہ مرکزی نقطہ بھی جس کو ام القریٰ کہا جاتا تھا تیرہ و تاریک ہو گیا اور خانہ خدا پر کفر کا پرچم لہرانے لگا تو اس عالم گمراہی کے دور میں اسم ہادی کا پھر تقاضہ ہوا کہ اس کے مقابلہ کے لئے ایک ہی عالم ہدایت ہو جو خطہ و ملک اور قوم و زمان کی قیود سے آزاد ہو۔ وہ ہدایت بصورت محمد ﷺ دنیا میں ظاہر ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں کفر نے شکست کھائی کفر کا پھریرا اتار کر پھینک دیا گیا اور اس کی جگہ خدائی نصرت و فتح کا جھنڈا نصب کر دیا گیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب کفر ہمیشہ کے لئے شکست کھا چکا ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ کفر تو سرمست ہو جائے اور ہدایت کے آثار و نشانات اس طرح تباہ و برباد ہو جائیں کہ خدا کی زمین پھر کسی نبی کو پکارنے لگے۔ مکہ مکرمہ اب اسلامی دار السلطنت بن گیا ہے اسی لئے اب یہاں سے ہجرت کرنا منسوخ ہو گیا ہے۔ شیطان جو سر چشمہ کفر تھا اب مایوس ہو گیا ہے کہ مسلمین جزیرۂ عرب میں اس کی عبادت کریں گے۔ دین اسلام کا

ل ہو چکا ہے اس کی روشنی اقصائے عالم میں پھیل چکی ہے۔ خدائی نعمت پوری ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور ہمیشہ کے لئے ایک اسلام ہی پسندیدہ دین ٹھہر چکا ہے۔ اس لئے آئندہ نہ گمراہی اتنا تسلط حاصل کر سکتی ہے کہ ہدایت کو فنا کر دے اس کے تمام چشمے خشک ہو جائیں۔ اس کی ایک کرن بھی چمکتی نہ رہے اور نہ اس لئے کسی رسول کے آنے کی ضرورت باقی ہے۔ پھر ختم نبوت در حقیقت اس کا اعلان ہے کہ نور نبوت اب تمام عالم کو اس طرح روشن کر چکا ہے کہ کفر کتنا ہی سر پٹکے مگر وہ اس کے بجھائے بجھ نہیں ...... معتنا۔ خدا کا اقرار اس کے صفات کی معرفت غیب کا یقین' مجموعہ عالم کا اس طرح جزء بن گیا کہ اگر کہیں اس مرتبہ پھر یہ معرفت ختم ہو گئی تو اس کے ساتھ ہی عالم کی روح بھی نکل جائے گی۔ فضاء عالم میں بیماریاں پھیلیں اور صحت عامہ کو خطرہ میں ڈال دیں پھر کوئی ڈاکٹر نہ ملے شفاخانہ نہ ہو تو یقیناً یہ دوہری مصیبت ہے لیکن اگر کسی ملک کی آب و ہوا ہی صاف ہو۔ وہاں کے باشندے شفاخانے اور ڈاکٹر کے محتاج ہی نہ ہوں تو بتلاؤ کہ یہاں بھی کسی شفاخانہ کے قیام کی حاجت ہے؟۔ کیا ایسی صحت و تندرستی کے ماحول میں بیماروں کے قیام کے لئے مکانات، ڈاکٹروں اور شفاخانوں کا وجود مقامی ضروریات میں داخل سمجھا جائے گا اور اگر یہ بھی فرض کر لو کہ اس خطہ کے باشندوں کو علم طب کی باضابطہ تعلیم دی گئی ہو تو کیا یہ شکوہ بجا ہو گا کہ جس طرح فلاں ملک کے لئے ڈاکٹر مقرر کر کے بھیجا گیا ہے۔ ہمارے لئے بھی اسی طرح ڈاکٹر کیوں نہیں بھیجا گیا:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ - آل عمران آیت ١٦٤"

یعنی آنحضرت ﷺ نے اس عام گمراہی کے بعد تشریف لا کر صرف خدائی آیات پڑھ کر ہی نہیں سنائیں بلکہ اس کو سمجھا بھی دیا اور اس پر پریکٹیکل طور سے عمل کر لیا ہے۔ اس لئے اب آپ ﷺ کی اس ہمہ گیر تعلیم کے بعد اول تو یہ ممکن ہی نہیں کہ جراثیم کفر اس طرح غالب آ جائیں کہ عالم کی صحت عامہ کسی بیرونی ڈاکٹر کی محتاج ہو جائے دوم ان کو اس حد

تک اصول طب کی تعلیم بھی دے دی گئی ہے کہ اگر کہیں کفر سر نکالے تو اس کا علاج وہ خود کر سکتے ہیں۔ اگر اس پر وہ کار بند ہوں تو یہ فتن کا قصور رہے گا۔ یہی بڑی غلط فہمی ہے کہ ختم نبوت کو کمالات سے ختم کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ ہمارے اس بیان سے روشن ہو گیا کہ نبوت کا ختم ہونا تو خدائی نعمت ہے اتمام اور دین کے انتہائی ارتقاء و عروج کی دلیل ہے۔ البتہ کمالات و برکات کا خاتمہ بلاشبہ محرومی اور بڑی محرومی ہے مگر یہ روایات سے ثابت ہے کہ امت مرحومہ کے کمالات تمام امتوں سے زیادہ ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کو بھی اس امت کے کمالات سن کر تمنا ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اس امت کے ایک فرد ہوتے۔

خفاجی فرماتے ہیں رواہ ابو نعیم فی الحلیة ویرد بمعناه من طرق کثیرة کمافی الخصائص (نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۰۳)

خفاجی الشفاء کی شرح میں حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔
آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی جو شخص احمد (ﷺ) کا انکار کر کے میرے پاس آئے گا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا انہوں نے عرض کیا یہ احمد (ﷺ) کون ہیں؟۔ ارشاد ہوا یہ وہ ہیں جن سے زیادہ مجھے اپنی مخلوق میں کوئی عزیز نہیں۔ زمین و آسمان سے قبل ہی میں نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ساتھ عرش پر لکھ دیا تھا اور یہ بات طے کر دی تھی کہ جب تک وہ اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہو لیں کوئی اور جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کے اوصاف پوچھے، ارشاد ہوا کہ وہ امت ہر وقت ہماری تعریف کرے گی۔ بلندی پر چڑھے گی تو تعریف کرتی ہوئی۔ پستی میں اترے گی تو تعریف کرتی ہوئی۔ غرض ہر حال میں ہماری حمد و ثناء کرے گی۔ اپنی کمریں باندھنے والی اپنے اعضاء دھونے والی دن کی روشنی میں شیر کی طرح (بہادر) اور رات کی تاریکیوں میں درویش صفت ہوگی۔ ان کا تھوڑا سا عمل میں قبول کروں گا اور کلمہ شہادت پر انہیں جنت میں داخل کروں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ تو مجھے اسی امت کا نبی بنا دے ارشاد ہوا کہ اس کا نبی تو خود ان ہی میں سے ہوگا۔ عرض کیا اچھا تو پھر اس نبی کی امت ہی

ہے

نبی ہوتے۔ ارشاد ہوا کہ تم ان سے پہلے ہو۔ وہ تمہارے بعد آئیں گے۔ البتہ میں اپنے دو حوالوں میں تفصیل ان کے ساتھ جمع کروں گا۔ مسند احمد، ابوداؤد طیالسی، ابو احمد اور ابونعیم میں ہے:

"کادت ھذہ الامۃ ان تکون انبیاء کلھا"

﴿یہ امت مجموعی اعتبار سے بلحاظ کمالات انبیاء ہونے کے قریب ہے﴾

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اسی مضمون کو بحوالہ تورات و انجیل کعب احبار سے نقل کیا ہے۔ کنزالعمال میں اسی کے ہم معنی روایت آنحضرت ﷺ سے بھی مروی ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت عمرؓ کے متعلق آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگر نبوت باقی ہوتی تو ان کو اس منصب پر فائز کر دیا جاتا۔ مبشرات 'الہام' تحدیث مع الملائکہ' علم و تفقہ، امت دعوت اور تحریف فی الدین کی اصلاح حتیٰ کہ خلافت حقہ کا صحیح قیام یہ سب اس امت کے مناصب و کمالات میں داخل ہیں۔ کتاب اللہ کی حفاظت، دین کی تکمیل، ایک ایسی مضبوط جماعت کا ہمیشہ جادۂ مستقیم پر قائم رہنے والی ہو، خود حسب ضرورت ایسے افراد و جماعات کی بعثت جو پوری تذبذب دوری کے ساتھ تحریفات کی اصلاح کرتی رہیں۔ ان سب امور کا خود قدرت ایزدی متکفل فرما چکی ہے۔ آپ ہی سوچئے کہ اس کے بعد اب کونسا کمال باقی ہے جو پہلی امتوں میں تھا اور اس امت میں نہیں ہے اور جس کے لئے نبوت کی ضرورت ہے بلکہ صحیح بخاری کی حدیث میں تو یہ ہے کہ سیاست امت کی جو خدمت پہلے انبیاء علیہم السلام انجام دیا کرتے تھے۔ اب وہ خدمات اس امت کے خلفاء انجام دیا کریں گے۔ پس پہلی امتوں کا ایسا کوئی کمال نہیں ہے جو اس امت کو نہ ملا ہو۔ ہاں اس امت کے بہت سے ایسے خصائص ہیں جن سے پہلی امتیں محروم ہیں۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ نبوت کی مدح گویا ختم نبوت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو شاید کچھ اور افراد کو نبوت مل جاتی۔ یہ بھی اخلاقی جھل ہے خاتم النبیین کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔ اس لئے آپ کی آمد اس وقت ہوئی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ایک ایک فرد آ چکا تھا۔ اس لئے آپ کی آمد نے نبوت کو بند نہیں کیا بلکہ جب

نبوت ختم ہو گئی ہے تو اس کی دلیل بن کر آپ تشریف لائے ہیں اور اسی معنی سے آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اگر علم ازلی میں کچھ اور افراد کے لئے نبوت مقدر ہوتی تو یقیناً آپ کی آمد کا زمانہ بھی ابھی اور موخر ہو جاتا۔ آپ کا لقب خاتم النبیین اسی وقت واقع کے مطابق ہو سکتا ہے۔ جبکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے۔ اگر آپ کے بعد بھی کوئی نبی آتا ہے تو آپ کو آخری نبی کہنا ایسا ہی ہو گا جیسا درمیانی اولاد کو آخری اولاد کہنا۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام خدا کے پہلے رسول تھے۔ پس جس طرح ان سے پہلے کوئی رسول نہ تھا نہ ظلی نہ بروزی۔ اسی طرح آپ آخر النبیین ہیں۔ آپ کے بعد بھی نہ کوئی ظلی نبی ہونا چاہئے نہ بروزی۔

تیسری غلطی یہاں سب سے زیادہ فاحش یہ ہے کہ اس پر غور ہی نہیں کیا گیا کہ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی کیوں آتا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کے لئے ہوتی تھیں۔ اس لئے ہر نبی کے بعد لامحالہ دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی لیکن جب وہ نبی آگیا جس کی نبوت کسی خاص قوم اور کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں تو اب اس کے بعد نبوت کا سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی موجودگی کے زمانے میں۔ اگر اس وقت یہ سوال جاہلانہ تھا تو اب بھی جاہلانہ ہے اور اگر اس وقت نامعقول تھا تو اب بھی نامعقول ہے۔ یہاں ذہن اس طرف جاتا ہی نہیں کہ آپ کا دور نبوت دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح ختم نہیں ہوا بلکہ درحقیقت نبوت تو اب بھی باقی ہے اور وہ نبوت باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کامل تر ہے۔ پھر نبی کوئی اور باقی نہیں رہا۔ عجب بات ہے کہ یہاں بقاء نبوت ہی ختم نبوت کو مستلزم ہے۔ یعنی آپ کی نبوت کا بقاء اس کو مستلزم ہے کہ کوئی اور نبی نہ ہو نا فہم الٹا یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی ختم نبوت دوسروں کی نبوت کے بقاء کو مستلزم ہے۔ یہ اس وقت تو معقول ہوتا جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ کی نبوت بھی ختم ہو جاتی لیکن جب آپ کی نبوت باقی ہے تو اب جدید نبوت کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے؟۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف خاتم النبیین نہیں بنایا بلکہ رحمۃ للعالمین بھی بنایا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب خاتم بذات خود تمام جہان کے لئے رحمت بن کر آگیا ہے۔ اتنی بڑی رحمت کہ اس کے بعد کسی اور رحمت کی ضرورت نہیں ہو گی۔ آج تک ہر رسول کے بعد دوسرے رسول کے انکار سے کفر کا خطرہ

لگا رہتا تھا۔ خاتم النبیین کی آمد سے یہ کتنی بڑی رحمت ہوئی کہ اس راہ سے اب کفر کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ نہ کسی نور ردول کے آنے کا امکان ہے نہ کسی کے انکار سے کفر کا اندیشہ باقی ہے پہلے ہر امت کی داستان اطاعت و عصیان دوسری امتوں کے سامنے رکھی جاتی تھی مگر اس امت مرحومہ کی داستان عمل اب کسی امت کے سامنے نہیں رکھی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ ختم نبوت ایک رحمت تھی جس کے بعد اس کے دامن میں بے شمار رحمتوں اور کمالات کا دریا بہہ رہا ہے۔ اس لئے اس امت کو نئی بعثت کی ضرورت نہیں۔ اب یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایک اسرائیلی نبی کے امتی بن کر آنے کا انتظار ہو رہا ہے کمالات نبوت ختم نہیں ہاں! وہ دور ضلالت و گمراہی ختم ہو گیا ہے جس کے لئے جدید نبوت کی ضرورت پیش آتی ہے یا درکھو اب نبی نہیں آئیں گے بلکہ قیامت آئے گی یاد رکھو جھوٹے نبی آئیں گے جن کو زبان نبوت نے دجال کہا ہے۔ انجیل میں ہے جھوٹے نبیوں سے خبردار ہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے۔ (متی باب ۷ آیت ۱۵، ۱۶)

اس کی طرف سے دل نہ پھیرنا کہ دوستو
وہ ہو چکا ہے جس کا طرفدار ہو چکا

خاتم النبیین لا نبی بعدی

سیدنا مہدی علیہ الرضوان

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء، اما بعد!

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کی معروف کتاب ترجمان السنۃ کی جلد اول ص ۳۷۲ سے ۳۲۸ تک "سیدنا مہدی علیہ الرضوان" کی ولادت وظہور سے وفات تک کے واقعات کو حدیث شریف کی روشنی میں بیان فرمایا ہے۔ چالیس احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کرامؓ سے مدلل فرمایا گیا ہے۔ تصنیف زمانہ ترجمان السنۃ تک پوری امت کی طرف سے اس مسئلہ پر جو کچھ تحریر کیا گیا تھا اس کا نچوڑ آپ نے اس میں سمو دیا ہے۔ اس کتاب میں شامل کرنے پر رب کریم کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ کہ منکرین سیدنا مہدی علیہ الرضوان خوارج اور جھوٹے مدعی مہدویت مرزا قادیانی کے پیروان کے لئے شاید ہدایت کا سامان بن جائے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز!

فقیر اللہ وسایا

۷/۹/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام مہدی کی احادیث مطالعہ فرمانے سے قبل ان کا مختصر تذکرہ معلوم کر لینا ضروری ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

حضرت امام مہدی کا نام و نسب اور ان کا حلیہ شریفہ

حضرت امام مہدی سید اور اولاد فاطمۃ الزہراؓ میں سے ہیں۔ آپ کا قد و قامت قدرے لانبا، بدن چست، رنگ کھلا ہوا اور چہرہ پیغمبر خدا ﷺ کے چہرے سے مشابہ ہو گا۔ نیز آپ کے اخلاق پیغمبر خدا ﷺ سے پوری مشابہت رکھتے ہوں گے۔ آپ کا اسم شریف محمد، والد کا نام عبداللہ، والدہ صاحبہ کا نام آمنہ ہو گا۔ زبان میں قدرے لکنت ہو گی۔ جس کی وجہ سے تنگدل ہو کر کبھی کبھی ران پر ہاتھ ماریں گے۔ آپ کا علم لدنی (خداداد) ہو گا سید برزنجیؒ اپنے رسالہ الاشاعت میں تحریر کرتے ہیں کہ تلاش کے باوجود مجھ کو آپ کی والدہ کا نام روایات میں کہیں نہیں ملا۔

آپ کے ظہور سے قبل سفیانی کا خروج، شاہ روم اور مسلمانوں میں جنگ اور قسطنطنیہ کا فتح ہونا

آپ کے ظہور سے قبل ملک عرب و شام میں ابو سفیان کی اولاد میں سے ایک شخص پیدا ہو گا جو سادات کو قتل کرے گا۔ اس کا حکم ملک شام و مصر کے اطراف میں چلے گا اس درمیان میں بادشاہ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقہ سے جنگ اور دوسرے فرقہ سے صلح ہو گی۔ لڑنے والا فرقہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرے گا۔ بادشاہ روم دارالخلافہ کو چھوڑ کر ملک شام میں

فتح ہو گا اور عیسائیوں کے دوسرے فریق کی اعانت سے اسلامی فوج ایک خونریز جنگ کے بعد فریق مخالف پر فتح پا جائے گی۔ دشمن کی شکست کے بعد موافق فریق میں سے ایک شخص نعرہ لگائے گا کہ صلیب غالب ہو گئی اور اس کے نام سے یہ فتح ہوئی۔ یہ سن کر اسلامی لشکر میں سے ایک شخص اس سے مار پیٹ کرے گا اور کہے گا نہیں دین اسلام غالب ہوا اور اسی کی وجہ سے یہ فتح نصیب ہوئی۔ یہ دونوں اپنی اپنی قوم کو مدد کے لئے پکاریں گے جس کی وجہ سے فوج میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

(حسب بیان سید برزنجیؒ یہ شخص خالد بن یزید بن ابی سفیان کی نسل سے ہو گا۔ امام قرطبیؒ نے اپنے تذکرہ میں اس کا نام عروہ تحریر فرمایا ہے۔ سید برزنجیؒ نے اپنے رسالہ الاشاعت میں اس کا حلیہ اور اس کے دور کی پوری تاریخ تحریر فرمائی ہے مگر اس کا آخری حصہ موقوف روایات سے ماخوذ ہے۔ اسی لئے ہم نے شاہ صاحب کے رسالہ سے اس کا مختصر تذکرہ نقل کیا ہے۔ امام قرطبیؒ نے بھی امام مہدی علیہ الرضوان کے دور کی پوری تاریخ نقل فرمائی ہے۔ تذکرہ قرطبیؒ تو اس وقت دستیاب نہیں مگر اس کا مختصر مؤلفہ "امام شعرانی" عام طور پر ملتا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہے۔

سید برزنجیؒ نے رسالہ میں امام مہدی علیہ الرضوان کے زمانے کی مفصل اور مرتب تاریخ کے علاوہ اس باب کی مختصر حدیثوں میں جمع و تطبیق کی پوری کوشش کی ہے لیکن چونکہ اس باب کی اکثر روایات ضعیف تھیں۔ اس لئے ہم نے ان کے درمیان تطبیق نقل کرنے کی چنداں اہمیت محسوس نہیں کی۔)

بادشاہ اسلام شہید ہو جائے گا عیسائی ملک شام پر قبضہ کر لیں گے اور آپس میں ان دونوں عیسائی قوموں کی صلح ہو جائے گی۔ باقی مسلمان مدینہ منورہ چلے آئیں گے عیسائیوں کی حکومت خیبر تک (جو مدینہ منورہ سے قریب ہے) پھیل جائے گی۔ اس وقت مسلمان اس فکر میں ہوں گے کہ امام مہدی کو تلاش کرنا چاہئے تاکہ ان کے ذریعے سے یہ مصیبتیں دور ہوں۔ اور دشمن کے پنجے سے نجات ملے۔

امام مہدی کی تلاش اور ان سے بیعت کرنا

حضرت امام مہدی اس وقت مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوں گے مگر اس ڈر سے کہ مبادا لوگ مجھ جیسے ضعیف کو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کی تکلیف دیں مکہ معظمہ چلے جائیں گے۔ اس زمانے کے اولیاء کرام اور ابدال مقام آپ کو تلاش کریں گے۔ بعض آدمی مہدی ہونے کے جھوٹے دعوے بھی کریں گے۔ حضرت مہدی علیہ السلام رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوں گے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کو پہچان لے گی اور آپ کو مجبور کرکے آپ سے بیعت کرلے گی۔ اس واقعہ کی علامت یہ ہے کہ اس سے قبل گزشتہ ماہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگ چکے گا اور بیعت کے وقت آسمان سے یہ آواز آئے گی: " هذا خليفة الله المهدي فاستمعوا له واطيعوا" اس آواز کو اس جگہ کے تمام خاص و عام سن لیں گے۔ بیعت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال کی ہوگی۔ خلافت کے مشہور ہونے پر مدینہ کی فوجیں آپ کے پاس مکہ معظمہ چلی آئیں گی۔ شام و عراق اور یمن کے اولیائے کرام و ابدال مقام آپ کی صحبت میں اور بے شمار عرب کے لاتعداد لوگ آپ کے لشکر میں داخل ہو جائیں گے اور اس خزانہ کو جو کعبہ میں مدفون ہے۔ (جس کو "رتاج الکعبہ" کہتے ہیں) نکال کر مسلمانوں میں تقسیم فرمائیں گے۔

خراسانی سردار کا امام مہدی کی اعانت کے لئے فوج روانہ کرنا اور سفیانی کے لشکر کا ہلاک و تباہ ہو جانا

جب یہ خبر اسلامی دنیا میں پھیلے گی تو خراسان سے ایک شخص ایک بہت بڑی فوج لیکر آپ کی مدد کے لئے روانہ ہوگا۔ جو راستہ میں بہت سے عیسائیوں اور بد دینوں کا صفایا کر دے گا۔ اس لشکر کے مقدمۃ الجیش کی کمان منصور نامی ایک شخص کے ہاتھ میں ہوگی۔ ۔۔ سفیانی (جس کا ذکر اوپر گزر چکا) اہل بیت کا دشمن ہوگا اس کی ننھیال قوم بنو کلب ہوگی۔ حضرت امام مہدی کے مقابلہ کے واسطے اپنی فوج بھیجے گا۔ جب یہ فوج مکہ و مدینہ کے درمیان

ایک میدان میں پہاڑ کے دامن میں مقیم ہوگی تو اس جگہ اس فوج کے نیک و بد سب کے سب دھنس جائیں گے اور قیامت کے دن ہر ایک کا حشر اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہو گا۔ ان میں سے صرف دو آدمی بچیں گے۔ ایک حضرت امام مہدی کو اس واقعہ کی اطلاع دے گا اور دوسرا سفیانی کو۔

عیسائیوں کا مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اجتماع اور امام مہدی کے ساتھ خونریز جنگ اور آخر میں امام مہدی کی فتح مبین

عرب کی فوجوں کے اجتماع کا حال سن کر عیسائی بھی چاروں طرف سے فوجوں کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائیں گے اور اپنے اور روم کے ممالک سے فوج کثیر لے کر امام مہدی علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے شام میں جمع ہو جائیں گے ان کی فوج کے اس وقت ستر جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ بارہ ہزار سپاہ ہوگی (جس کی کل تعداد ۸۴۰۰۰۰ ہوگی) حضرت امام مہدی مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچیں گے اور پیغمبر خدا ﷺ کے روضہ کی زیارت سے مشرف ہو کر شام کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔ دمشق کے پاس آ کر عیسائیوں کی فوج سے مقابلہ ہوگا۔ اس وقت حضرت امام مہدی کی فوج کے تین گروہ ہو جائیں گے۔ ایک گروہ تو نصاریٰ کے خوف سے بھاگ جائے گا۔ خداوند کریم ان کی توبہ ہرگز قبول نہ فرمائے گا۔ باقی فوج میں سے کچھ تو شہید ہو کر بدر و احد کے شہداء کے مراتب کو پہنچیں گے اور کچھ بتوفیق ایزدی فتحیاب ہو کر ہمیشہ کے لئے گمراہی اور انجام بد سے چھٹکارا پالیں گے۔ حضرت امام مہدی دوسرے روز پھر نصاریٰ کے مقابلہ کے لئے نکلیں گے اس روز مسلمانوں کی ایک جماعت یہ عہد کر کے نکلے گی کہ یا میدان جنگ فتح کریں گے یا مر جائیں گے یہ جماعت سب کی سب شہید ہو جائے گی۔ حضرت امام مہدی باقی ماندہ تھوڑی جماعت کے ساتھ لشکر میں واپس آئیں گے۔ دوسرے دن پھر ایک بڑی جماعت یہ عہد کرے گی کہ فتح کے بغیر میدان جنگ سے واپس نہیں آئیں گے یا مر جائیں گے اور حضرت امام مہدی کے ہمراہ بڑی بہادری کے ساتھ جنگ کریں گے اور آخر یہ بھی جام شہادت نوش

کریں گے۔ شام کے وقت حضرت امام مہدی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ لوٹیں گے
تیسرے روز اسی طرح ایک بڑی جماعت قسم کھا کر نکلے گی خود وہ بھی شہید ہو جائے گی اور
حضرت امام مہدی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئیں
گے۔ چوتھے روز حضرت امام مہدی رسد گاہ کی محافظ جماعت کو لے کر دشمن سے پھر نبرد آزما
ہوں گے۔ یہ جماعت تعداد میں بہت کم ہو گی مگر خداوند کریم ان کو فتح مبین عطا فرمائے گا۔
عیسائی اس قدر قتل ہوں گے کہ باقیوں کے دماغ سے حکومت کی بو نکل جائے گی اور بے
سروسامان ہو کر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگ جائیں گے مسلمان ان کا تعاقب
کر کے بیشتوں کو جہنم رسید کر دیں گے۔ اس کے بعد حضرت امام مہدی بے انتہا انعام
واکرام اس میدان کے شیروں جانبازوں پر تقسیم فرمائیں گے مگر اس مال سے کسی کو خوشی
حاصل نہ ہو گی کیونکہ اس جنگ کی بدولت بہت سے خاندان و قبیلے ایسے ہوں گے۔ جن میں
فی صدی صرف ایک ہی آدمی بچا ہو گا۔ اس کے بعد حضرت امام مہدی بلاد اسلام کے نظم
ونسق اور فرائض و حقوق العباد کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے۔ چاروں طرف اپنی
فوجیں پھیلا دیں گے۔

ستر ہزار فوج کے ساتھ امام مہدی کی فتح قسطنطنیہ کے لئے روانگی اور ایک نعرہ تکبیر سے شہر کا فتح ہو جانا

اور مہمات سے فارغ ہو کر فتح قسطنطنیہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ بحیرہ روم کے کنارے پر
پہنچ کر قبیلہ بنو اسحاق کے ستر ہزار بہادروں کو کشتیوں پر سوار کر کے اس شہر کی خلاصی کے
لئے جس کو آج کل استنبول کہتے ہیں مقرر فرمائیں گے۔ جب یہ فصیل شہر کے قریب پہنچ
کر نعرۂ تکبیر بلند کریں گے تو اس کی فصیل نام خدا کی برکت سے یکایک گر جائے گی۔ مسلمان
حملہ کر کے شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ سرکشوں کو ختم کر کے ملک کا انتظام نہایت عدل
وانصاف کے ساتھ کریں گے۔ ابتدائی بیعت سے اس وقت تک چھ سات سال کا عرصہ
گزرے گا۔ امام مہدی ملک کے بندوبست ہی میں مصروف ہوں گے۔

امام مہدی کا دجال کی تحقیق کے لئے ایک مختصر دستہ روانہ فرمانا اور ان کی افضلیت کا حال

افواہ اڑے گی کہ دجال نکل آیا اور مسلمانوں کو تباہ کر رہا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی حضرت امام مہدی ملک شام کی طرف واپس ہوں گے اور اس خبر کی تحقیق کے لئے پانچ یا نو سوار جن کے حق میں حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ان کے ماں باپوں و قبائل کے نام اور ان کے گھوڑوں کا رنگ جانتا ہوں۔ وہ اس زمانے کے روئے زمین کے آدمیوں سے بہتر ہوں گے۔ لشکر کے آگے بطور طلیعہ روانہ ہو کر معلوم کرلیں گے کہ یہ افواہ غلط ہے۔ پس امام مہدی عجلت کو چھوڑ کر ملک کی خبر گیری کی غرض سے آہستگی اختیار فرمائیں گے۔ اس میں کچھ عرصہ نہ گزرے گا کہ دجال ظاہر ہو جائے گا اور قبل اس کے کہ وہ دمشق پہنچے حضرت امام مہدی دمشق آ چکے ہوں گے اور جنگ کی پوری تیاری و ترتیب فوج کر چکے ہوں گے اور اسباب حرب و ضرب تقسیم کرتے ہوں گے کہ مؤذن عصر کی اذان دے گا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اترنا اور اس وقت کی نماز امام مہدی کی امامت میں ادا کرنا

لوگ نماز کی تیاری ہی میں ہوں گے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ لگائے ہوئے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ پر جلوہ افروز ہو کر آواز دیں گے کہ سیڑھی لے آؤ پس سیڑھی حاضر کر دی جائے گی۔ آپ اس کے ذریعہ سے نازل ہو کر امام مہدی سے ملاقات فرمائیں گے۔ امام مہدی نہایت تواضع و خوش خلقی سے آپ کے ساتھ پیش آئیں گے اور فرمائیں گے یا نبی اللہ امامت کیجئے حضرت عیسٰی علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے کہ امامت تم ہی کرو کیونکہ تمہارے بعض بعض کے لئے امام ہیں اور یہ عزت اسی امت کو خدا نے دی ہے۔ پس امام مہدی نماز پڑھائیں گے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام اقتداء کریں گے۔ نماز سے فارغ ہو کر امام مہدی پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام سے

کہیں گے کہ یا نبی اللہ اب لشکر کا انتظام آپ کے سپرد ہے جس طرح چاہیں انجام دیں۔ وہ فرمائیں گے نہیں یہ نظام بدستور آپ ہی کے تحت میں رہے گا۔ میں تو صرف قتل دجال کے واسطے آیا ہوں جس کا مارا جانا میرے ہی ہاتھ سے مقدر ہے۔

امام مہدی کے عہد خلافت کی خوشحالی اس کی مدت اور ان کی وفات

تمام زمین حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عدل وانصاف سے (بھر جائے گی) منور و روشن ہو جائے گی ظلم و بے انصافی کی بیخ کنی ہو گی۔ تمام لوگ عبادت و اطاعت الٰہی میں سرگرمی سے مشغول ہوں گے۔ آپ کی خلافت کی میعاد سات یا آٹھ یا نو سال ہو گی۔ واضح رہے کہ سات سال عیسائیوں کے فتنے اور ملک کے انتظام میں آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ و جدال میں اور نواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گزرے گا۔ اس حساب سے آپ کی عمر ۴۹ سال ہو گی۔ بعد ازاں امام مہدی علیہ السلام کی وفات ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے جنازے کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے۔ اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے۔ (رسالہ علامات قیامت مولفہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ)

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ شاہ صاحبؒ موصوف نے یہ تمام تر سرگزشت کو حدیثوں کی روشنی ہی میں مرتب فرمائی ہے۔ جیسا کہ احادیث کے مطالعہ سے واضح ہے مگر واقعات کی ترتیب اور بعض جگہ ان کی تعیین یہ دونوں باتیں خود حضرت موصوف ہی کی جانب سے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث و قرآن میں جو قصص و واقعات بیان کئے گئے ہیں خواہ وہ گزشتہ زمانے سے متعلق ہوں یا آئندہ سے ان کا اسلوب بیان تاریخی کتابوں کا سا نہیں بلکہ حسب مناسبت مقام ان کا ایک ایک ٹکڑا متفرق طور پر ذکر میں آگیا ہے پھر جب ان سب ٹکڑوں کو جوڑا جاتا ہے تو بعض مقامات پر بھی اس کی کوئی درمیانی کڑی نہیں ملتی کہیں ان کی ترتیب میں شک و شبہ رہ جاتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر بعض خام طبائع تو اصل واقعہ کے ثبوت ہی سے دست بردار ہو جاتی ہیں حالانکہ غور یہ کرنا چاہئے کہ جب

قرآن و حدیث کا اسلوب بیان ہی وہ نہیں جو آج ہماری تصانیف کا ہے تو پھر حدیثوں میں اس
کو تلاش ہی کیوں کیا جاتا ہے؟۔ نیز جب ان متفرق ٹکڑوں کی ترتیب صاحب شریعت نے خود
بیان ہی نہیں فرمائی تو اس کو صاحب شریعت کے سر کیوں رکھ دیا جائے۔ لہذا اگر اپنی جانب
سے کوئی ترتیب قائم کرلی گئی ہے تو اس پر جزم کیوں کیا جاتا ہے؟۔ ہو سکتا ہے کہ جو ترتیب ہم
نے اپنے ذہن سے قائم کی ہے، حقیقت اس کے خلاف ہو۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے
امور ہیں جو قرآنی اور حدیثی قصص میں تشنہ نظر آتے ہیں۔ اس لئے یہاں جو قدم اپنی
رائے سے اٹھایا جائے اس کو کتاب و سنت کے سر رکھ دینا ایک خطرناک اقدام ہے اور اس
ابہام کی وجہ سے اصل واقعہ ہی کا انکار کر ڈالنا یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہ بھی یاد
رکھنا چاہئے کہ واقعات کی پوری تفصیل اور اس کے اجزاء کی پوری پوری ترتیب بیان کرنی
رسول کا وظیفہ نہیں۔ یہ ایک مؤرخ کا وظیفہ ہے۔ رسول آئندہ واقعات کی صرف بقدر
ضرورت اطلاع دے دیتا ہے پھر جب ان کے ظہور کا وقت آتا ہے تو وہ خود اپنی تفصیل کے
ساتھ آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور اس وقت یہ ایک کرشمہ معلوم ہوتا ہے کہ اتنے
بڑے واقعات کے لئے جتنی اطلاع حدیثوں میں آچکی تھی وہ بہت کافی تھی اور قبل از وقت
اس سے زیادہ تفصیلات دماغوں کے لئے بالکل غیر ضروری بلکہ شاید اور زیادہ الجھاؤ کا موجب
تھیں۔ علاوہ ازیں جس کو ازل سے ابد تک کا علم ہے وہ یہ خوب جانتا تھا کہ امت میں دین
روایت اور اسانید کے ذریعہ پھیلے گا۔ اور اس تقدیر پر راویوں کے اختلافات سے روایتوں کا
اختلاف بھی لازم ہوگا۔ پس اگر غیر ضروری تفصیلات کو بیان کر دیا جاتا تو یقیناً ان میں بھی
اختلاف پیدا ہونے کا امکان تھا اور ہو سکتا تھا کہ امت اس اجمالی خبر سے جتنا فائدہ اٹھا سکتی تھی
تفصیلات بیان کرنے سے وہ بھی فوت ہو جاتا۔ لہذا امام مہدی کی حدیثوں کے سلسلہ میں نہ تو
ہر گوشہ کی پوری تاریخ معلوم کرنے کی سعی کرنی صحیح ہے اور نہ صحت کے ساتھ منقول شدہ
منتشر ٹکڑوں میں جزم کے ساتھ ترتیب دینی صحیح ہے اور نہ اس وجہ سے اصل پیشگوئی میں
تردد پیدا کرنا علم کی بات ہے۔ یہاں بھی پیشگوئیوں میں صحیح راہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ
جتنی بات حدیثوں میں صحت کے ساتھ آچکی ہے اس کو اسی حد تک تسلیم کر لیا جائے اور زیادہ

تفصیلات کے درپے نہ ہوا جائے اور اگر مختلف حدیثوں میں کوئی ترتیب بسہولت قائم کرلی گئی ہے تو اس کو حدیثی بیان کی حیثیت ہرگز نہ دی جائے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس مضمون کی حدیثیں مختلف اوقات میں مختلف صحابہؓ سے روایت ہوئی ہیں اور ہر مجلس میں آپ ﷺ نے اس وقت کے مناسب اور حسب ضرورت تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ یہاں یہ امر بھی مخفی نہیں کہ ان تفصیلات کے بعد امت سننے والوں کو ان سب کا علم حاصل ہو نہایت ممکن ہے کہ جس صحابیؓ نے امام مہدی کی پیشگوئی کا ایک حصہ ایک مجلس میں سنا ہو اس کو اس کے دوسرے حصے کے سننے کی نوبت ہی نہ آئی ہو اور دوسرے صحابیؓ نے دوسری مجلس میں سنا ہے اور اس لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ واقعہ کے الفاظ بیان کرنے میں ان تفصیلات کی کوئی رعایت نہ کرے جو دوسرے صحابیؓ کے بیان میں موجود ہے۔

پھر بعد کی آنے والی امت کے سامنے چونکہ یہ ہر دو بیانات موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ فرض ہو جاتا ہے کہ اگر وہ ان تفصیلات میں کوئی لفظی بے ارتباطی دیکھتی ہے تو اپنی جانب سے کوئی تطبیق کی راہ نکال لے۔ اس لئے بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ توجیہات راویوں کے بیانات پر پوری پوری راست نہیں آتیں۔ اب راویوں کے الفاظ کی یہ کشاکش اور تاویلات کی ناسازگاری کا یہ رنگ دیکھ کر بعض دماغ اس طرف چلے جاتے ہیں کہ ان تمام دشواریوں کے تسلیم کر لینے کی بجائے نفس اصل واقعہ ہی کا انکار کر دینا آسان ہے۔ اگر کاش وہ اس پر بھی نظر کر لیتے کہ یہ تاویلات خود صاحب شریعت کی جانب سے نہیں ہیں بلکہ واقعہ کے خود راویوں کی جانب سے بھی نہیں یہ صرف ان دماغوں کی کاوش ہے جن کے سامنے اصل واقعہ کے وہ سب متفرق ٹکڑے جمع ہو کر آگئے ہیں جن کو مختلف صحابہؓ نے مختلف زبانوں میں روایت کیا ہے اور اس لئے ہر ایک نے اپنے الفاظ میں دوسرے کی تعبیر کی کوئی رعایت نہیں کی اور نہ وہ کر سکتا تھا تو پھر نہ تو ان پر راویوں کے الفاظ کی اس بے ارتباطی کا کوئی اثر پڑتا اور نہ ایک ثابت شدہ واقعہ کا انکار صرف اتنی سی بات پر ان کو آسان نظر آتا۔

یہاں جب آپ اس بحث کو تاریخ سے علیحدہ ہو کر نفس مسئلہ کی حیثیت سے

احادیث پر نظر کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امام مہدی کا تذکرہ سلف سے لے کر محدثین کے دور تک بڑی اہمیت کے ساتھ ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ امام ترمذی' ابو داؤد' ابن ماجہ وغیرہ نے امام مہدی کے عنوان سے ایک ایک باب علیحدہ قائم کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ وہ آئمہ حدیث جنہوں نے امام مہدی کے متعلق حدیثیں اپنی اپنی مؤلفات میں ذکر کی ہیں ان میں سے چند کے اسمائے مبارک حسب ذیل ہیں۔ امام احمد' بزار' ابن ابی شیبہ' الحاکم' الطبرانی' ابو یعلی موصلی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ جن جن صحابہ کرامؓ سے اس باب میں روایتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔ حضرت علی' ابن عباس' ابن عمر' طلحہ' عبداللہ بن مسعود' ابوہریرہ' انس' ابو سعید' ام حبیبہ' ام سلمہ' ثوبان' قرہ بن ایاس' علی الہلالی' عبداللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

شارح عقیدہ سفارینی نے امام مہدی کی تشریف آوری کے متعلق معنوی تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور اس کو اہل سنت والجماعت کے عقائد میں شمار کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"امام مہدی کے خروج کی روایتیں اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ اس کو معنوی تواتر کی حد تک کہا جا سکتا ہے اور یہ بات علمائے اہل سنت کے درمیان اس درجہ مشہور ہے کہ اہل سنت کے عقائد میں ایک عقیدے کی حیثیت سے شمار کی گئی ہے۔ ابو نعیم' ابو داؤد' ترمذی' نسائی وغیرہم نے صحابہؓ و تابعینؒ سے اس باب میں متعدد روایتیں بیان کی ہیں جن کے مجموعے سے امام مہدی کی آمد کا قطعی یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا امام مہدی کی تشریف آوری پر حسب بیان علماء اور حسب عقائد اہل سنت والجماعت یقین کرنا ضروری ہے۔" (شرح عقیدہ السفارینی ص ۷۹' ۸۰)

اسی طرح حافظ سیوطیؒ نے بھی یہاں تواتر معنوی کا دعویٰ کیا ہے۔ قاضی شوکانی" نے اس سلسلہ کی جو حدیثیں جمع کی ہیں ان میں مرفوع حدیثوں کی تعداد پچاس اور آثار کی اٹھائیس تک پہنچتی ہے۔ شیخ علی متقی" نے بھی منتخب کنزالعمال میں اس کا بہت مواد جمع کر دیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ منہاج السنہ اور حافظ ذہبیؒ مختصر منہاج السنہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"الاحادیث التی تحتج بہا علی خروج المہدی صحاح

رواها احمد وابوداؤد والترمذی منها حدیث ابن مسعودؓ و ام سلمۃؓ وابی سعیدؓ وعلیؓ۔ مختصر منہاج ص ۵۳۴"

﴿یعنی جن حدیثوں سے امام مہدی کے خروج پر استدلال کیا گیا ہے۔ وہ صحیح ہیں۔ ان کو امام احمدؒ امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت فرمایا ہے۔﴾

یہ امر بھی واضح رہنا چاہئے کہ صحیح مسلم کی احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ:

(۱) آخری زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ ہوگا جس کے زمانے میں (۲)۔۔ غیر معمولی برکات ظاہر ہوں گی۔(۳)۔۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل پیدا ہوگا۔(۴)۔۔۔ دجال اسی کے عہد میں ظاہر ہوگا۔ مگر اس کا قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے ہوگا۔(۵)۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو وہ خلیفہ نماز کے لئے مصلے پر آچکا ہوگا۔(۶)۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر وہ مصلے چھوڑ کر پیچھے ہٹے گا۔ مگر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے فرمائیں گے چونکہ آپ مصلے پر جاچکے ہیں۔ اس لئے اب امامت آپ ہی کا حق ہے اور یہ اس امت کی ایک عزت کی بات ہے۔ لہٰذا یہ نماز تو آپ انہیں کی اقتداء میں ادا فرمائیں گے۔

یہ تمام صفات ان صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں جن میں محدثین کو کوئی کلام نہیں۔ اب گفتگو ہے تو صرف اتنی بات میں ہے کہ یہ خلیفہ کیا امام مہدی ہیں یا کوئی اور دوسرا خلیفہ؟ دوسرے نمبر کی حدیثوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ خلیفہ امام مہدی ہوں گے۔ ہمارے نزدیک صحیح مسلم کی حدیثوں میں جب اس خلیفہ کا تذکرہ آچکا ہے تو پھر دوسرے نمبر کی حدیثوں میں جب وہی تفصیلات اس کے نام کے ساتھ مذکور ہیں تو ان کو بھی صحیح مسلم ہی کی حدیثوں کے حکم میں سمجھنا چاہئے۔ اس لئے اب اگر یہ کہہ دیا جائے کہ امام مہدی کا ثبوت خود صحیح مسلم میں موجود ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ مثلاً جب صحیح مسلم میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے تو اس وقت مسلمانوں کا ایک امیر امامت کے لئے مصلے پر آچکا ہوگا تو اب جن حدیثوں میں اس خلیفہ کا نام امام مہدی بتایا گیا ہے۔ یقیناً وہ اسی مبہم خلیفہ کا بیان کہی جائے گی۔ یا مثلاً صحیح مسلم میں ہے کہ آخر زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جو بے حساب مال

تقسیم کرے گا۔ اب اگر دوسری حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مال کی یہ داد و دہش امام مہدی کے زمانے میں ہوگی تو صحیح مسلم کی اس حدیث کا مصداق امام مہدی کو قرار دینا بالکل بجا ہوگا۔ اسی طرح جنگ کے جو واقعات صحیح مسلم میں ابہام کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ مگر دوسری حدیثوں میں وہی واقعات امام مہدی کے زمانے میں ثابت ہوتے ہیں تو یہ کہنا بالکل قرین قیاس ہوگا کہ صحیح مسلم میں جنگ کے جو واقعات مذکور ہیں وہ امام مہدی ہی کے دور کے واقعات ہیں۔ غالباً ان ہی وجوہات کی بناء پر محدثین نے بعض مبہم حدیثوں کو امام مہدی ہی کے حق میں سمجھا ہے اور اسی باب میں ان کو ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابو داؤد نے بارہ خلفاء کی حدیث کو امام مہدی کے باب میں ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ بارہ اں خلیفہ یہی امام مہدی ہیں۔

اب سب سے پہلے آپ ذیل کی حدیثیں پڑھئے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ امام مہدی کی آمد کی صحابہؓ و تابعینؒ کے درمیان کس درجہ شہرت تھی۔ اس کے بعد پھر مرفوع حدیثوں پر نظر ڈالئے تو پھر بلا اعتدال و انصاف آپ کو یقین ہو جائے گا کہ امام مہدی کی آمد کا مسئلہ یقیناً ایک مسلم عقیدہ رہا ہے۔ البتہ روافض نے جو اور بے تکی باتیں اس میں اپنی جانب سے شامل کرلی ہیں ان کا نہ تو کوئی ثبوت نقل میں ملتا ہے نہ عقل ان کو باور کر سکتی ہے۔ صرف ان کی تردید میں کسی ثابت شدہ مسئلہ کا انکار کر دینا یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے:

(۱) ... "عن حكيم بن سعد قال: لما قام سليمان فاظهر ما اظهر قلت لابي يحيى هذا المهدي الذي يذكر قال لا -اخرجه ابن ابي شيبه الحاوي ص ۸۰ ج ۲"

﴿حکیم ابن سعد کہتے ہیں کہ جب سلیمان خلیفہ بنے اور انھوں نے کچھ عمدہ اقدامات انجام دیئے تو میں نے ابو یحییٰ سے کہا، مہدی یہی ہیں جن کی شہرت ہے؟ انھوں نے کہا نہیں۔﴾

(۲) "عن الوليد بن مسلم قال سمعت رجلا يحدث قوما فقال المهدي ثلاثة مهدي الخير عمر بن عبدالعزيز ومهدي الدم

وَهُوَ الَّذِيْ تَسْكُنُ عَلَيْهِ الدِّمَاءُ وَمَهْدِيُّ الدِّيْنِ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ تُسْلِمُ أُمَّتُهُ فِيْ زَمَانِهِ كَمَا فِيْ الحاوی ص۷۸ج۲ وَفِيْهِ عَنْ كَعْبٍ قَالَ مَهْدِيُّ الْخَيْرِ يَخْرُجُ بَعْدَ السُّفْيَانِيِّ۔"

﴿ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے سنا جو لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ مہدی تین ہوں گے :(۱)..... مہدی خیر' یہ تو عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔(۲)... مہدی الدم' یہ وہ شخص ہے جس کے زمانے میں خونریزی ختم ہو جائے گی۔(۳)..... مہدی الدین' یہ عیسیٰ بن مریم ہیں۔ان کے زمانے میں نصاریٰ بھی اسلام قبول کر لیں گے کعب بیان کرتے ہیں کہ مہدی خیر کا ظہور سفیانی کے ظہور کے بعد ہو گا۔﴾

(۳)... ....."عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ لِابْنِ الْحَنَفِيَّةِ الْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ كَمَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قِيْلَ لَهُ الْمَهْدِيُّ۔ الحاوی ص۷۸ج۲"

﴿ابن عمرؓ نے ابن حنفیہ سے کہا المہدی کا لقب ایسا ہے جیسا کہ کسی نیک آدمی کو "رجل صالح" کہہ دیں۔(اس لحاظ سے مہدی کا اطلاق متعدد اشخاص پر ہو سکتا ہے۔)﴾

(۴)..... "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يُبْعَثُ الْمَهْدِيُّ بَعْدَ اِيَاسٍ حَتّٰى يَقُوْلَ النَّاسُ لَا مَهْدِيَّ۔ كَمَا فِيْ الحاوی ص۷۶ج۲"

﴿ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مہدی کا ظہور اس وقت ہو گا جب لوگ مایوس ہو کر یہ کہیں گے کہ اب مہدی کیا آئے گا؟۔﴾

(۵)..... "عَنْ كَعْبٍ قَالَ إِنِّيْ أَجِدُ الْمَهْدِيَّ مَكْتُوْبًا فِيْ أَسْفَارِ الْأَنْبِيَاءِ مَا فِيْ عَمَلِهِ ظُلْمٌ وَّلَا عَيْبٌ۔ الحاوی ص۷۷ج۲"

﴿کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں مہدی کی یہ صفت دیکھی ہے کہ اس کے عمل میں نہ ظلم ہو گا نہ عیب۔﴾

(۶)..... "عَنْ مَطَرٍ أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ فَقَالَ بَلَغَنَا

أَنَّ الْمَهْدِيَّ يَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ يَصْنَعْهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ قُلْنَا مَا هُوَ؟ قَالَ يَأْتِيهِ رَجُلٌ فَيَسْأَلُهُ فَيَقُولُ ادْخُلْ بَيْتَ الْمَالِ فَخُذْ فَيَدْخُلُ وَيَخْرُجُ وَيَرَى النَّاسَ شِبَاعًا فَيَنْدَمُ فَيَرْجِعُ إِلَيْهِ فَيَقُولُ خُذْ مَا أَعْطَيْتَنِي فَيَأْبَى وَيَقُولُ إِنَّا نُعْطِي وَلَا نَأْخُذُ - الحاوی ص ۷۷ ج ۲"

﴿مطر کے سامنے عمر بن عبدالعزیزؒ کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مہدی آکر ایسے ایسے کام کریں گے جو عمر بن عبدالعزیز سے نہیں ہو سکے ہم نے پوچھا وہ کیا؟۔ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس ایک شخص آکر سوال کرے گا۔ وہ کہیں گے بیت المال میں جاؤ جتنا چاہے مال لے لے۔ وہ اندر جائے گا اور جب باہر آئے گا تو دیکھے گا کہ سب لوگ پیٹ سیر ہیں تو اس کو شرم آئے گی اور یہ لوٹ کر کہے گا کہ جو مال آپ نے دیا تھا وہ آپ لے لیجئے تو وہ فرمائیں گے ہم دینے کے لئے ہیں لینے کے لئے نہیں۔﴾

(۷) ... "عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ قُلْتُ لِطَاؤُسٍ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ هُوَ الْمَهْدِيُّ؟ قَالَ هُوَ الْمَهْدِيُّ وَلَيْسَ بِهِ إِنَّهُ لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْعَدْلَ كُلَّهُ أَخْرَجَهُ أَبُو نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ. الحاوی ص ۸۰ ج ۲"

﴿ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے پوچھا کیا عمر بن عبدالعزیز وہی مہدی ہیں؟۔ انہوں نے کہا ایک مہدی وہ بھی ہیں لیکن وہ خاص مہدی نہیں۔ ان کے دور کا سا کامل انصاف ان کے دور میں کہاں ہے؟۔﴾

(۸) ... "عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ يَزْعُمُونَ أَنِّي أَنَا الْمَهْدِيُّ وَإِنِّي إِلَى أَجَلِي أَدْنَى مِنِّي إِلَى مَا يَدَّعُونَ - أخرجه المحاملي في اماليه. الحاوی ص ۸۶ ج ۲"

﴿ابو جعفر فرماتے ہیں کہ لوگ میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ مہدی میں ہوں حالانکہ مجھے ان کے دعووں سے اپنا مرجانا نزدیک تر نظر آتا ہے۔﴾

(۹) . "عَنْ سَلَمَةَ بْنِ زُفَرَ قَالَ قِيلَ يَوْمًا عِنْدَ حُذَيْفَةَ قَدْ خَرَجَ الْمَهْدِيُّ قَالَ لَقَدْ أَفْلَحْتُمْ إِنْ خَرَجَ وَأَصْحَابُ مُحَمَّدٍ بَيْنَكُمْ إِنَّهُ لَا يَخْرُجُ حَتَّى

لا یکون غائب" أحب إلی الناس منه مما یلقون من الشر أخرجه الدانی ۔ الحاوی ص ۸۶ ج ۲"

﴿سلمہ بن زفر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حذیفہ کے سامنے کسی نے کہا کہ مہدی ظاہر ہو چکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر ایسا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ تمہارے درمیان موجود ہیں تو تم نے بڑی فلاح پائی یاد رکھو کہ وہ اس وقت ظاہر ہوں گے جبکہ مصائب کی وجہ سے کوئی غائب شخص لوگوں کو ان سے پیارا معلوم نہ ہو گا (یعنی ان کا شدید انتظار ہو گا)﴾

ان آثار کی روشنی میں : " لا مهدی الا عیسی " کی شرح بھی خوبی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ ابن ماجہ کی اس حدیث کو کسی درجہ میں حسن تسلیم کر لیا جائے۔

رب العالمین کی یہ عجیب حکمت ہے کہ جب کسی اہم شخصیت کے متعلق کوئی پیشگوئی کی گئی ہے تو اس کی اس آزمائشی زمین پر ہمیشہ اس نام کے کاذب مدعی چاروں طرف سے پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں اور اس طرح ایک سیدھی بات آزمائشی منزل بن کر رہ گئی ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صریح سے صریح الفاظ میں پیشگوئی کی گئی جس میں کسی دوسرے شخص کی آمد کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود نہ معلوم کتنے مدعی مسیحیت پیدا ہو گئے۔ آخر یہ ایک سیدھی پیشگوئی ایک معمہ بن کر رہ گئی تا اسی طرح جب حضرت امام مہدی کے حق میں پیشگوئی کی گئی تو گزشتہ زمانے میں یہاں بھی بہت سے اشخاص مہدویت کے مدعی پیدا ہو گئے۔ چنانچہ محمد بن عبداللہ جو النفس الزکیہ کے لقب سے مشہور تھا اسی طرح محمد بن مرتومت، عبیداللہ بن میمون قداح، محمد جونپوری وغیرہ نے اپنے اپنے زمانے میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ شیخ سید مرتضیٰ لکھتے ہیں کہ ان کے زمانے میں مقام ترنیک میں بھی ایک شخص نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ سید موصوف نے ایک اور "کردی" شخص کے متعلق بھی لکھا ہے کہ عقر کے پہاڑوں میں اس نے بھی مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان سب اشخاص کے واقعات تاریخ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور وہ تمام مصائب و آلام بھی مذکور ہیں جو ان بدبختوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر توڑے گئے تھے۔

رافضی جماعت کا مستقل یہ ایک عقیدہ ہی ہے کہ محمد بن حسن عسکری مہدی

موجود ہے۔ ان کے خیالات کے مطابق وہ اپنے طفولیت کے زمانے ہی سے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو کر کسی مخفی غار میں پوشیدہ ہیں اور یہ جماعت آج تک انہی کے ظہور کی منتظر ہے اور مصیبتوں میں انہی کو پکارتی پھرتی ہے ان مفتریوں کی تاریخ اور روافض کی اس وہم پرستی اور بے بنیاد عقیدہ کی وجہ سے بعض اہل علم کے ذہن اس طرف منتقل ہو گئے کہ اگر کسی لحاظ سے مہدی کے وجود ہی کا انکار کر دیا جائے تو اس تمام فتنہ و جھگڑوں سے امت مسلمہ کی جان چھوٹ جائے اور روز مرہ کی نئی نئی آزمائشوں کا اس کو مقابلہ نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ ابن خلدون مورخ نے اسی پر پورا زور صرف کیا ہے اور چونکہ تاریخی اور تحقیقی لحاظ سے علمی طبقہ میں اس کو اونچا مقام حاصل ہے۔ اس لئے اس قسم کے رجحانوں کے لئے اس کا انکار بڑا اور تقویت کا باعث بن گیا پھر بعد میں اسی کے اعتماد پر اس مسئلہ کا انکار چلتا رہا ہے۔ محدثین علماء نے ہمیشہ اس انکار کو تسلیم نہیں کیا اور خود مورخ موصوف کے زمانے میں بھی اس پیشگوئی کے اثبات پر تالیفات کی گئیں جن میں سے اس وقت "ابراز الوہم المکنون من کلام ابن خلدون" کا نام ہمارے علم میں بھی ہے مگر یہ رسالہ ہم کو دستیاب نہیں ہو سکا۔ امام قرطبی، شیخ جلال الدین سیوطی، سید برزنجی، شیخ علی متقی، علامہ شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، شارح عقیدہ سفارینی کی تصنیفات ہماری نظر سے بھی گزری ہیں۔ ان کے مؤلفات کے علاوہ بھی اس موضوع پر بہت سے رسائل لکھے گئے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ جب کسی خاص ماحول کی وجہ سے وضع حدیث کے دواعی پیدا ہو گئے ہیں تو اس دور کی حدیثوں پر محدثین کی نظریں بھی بہت سخت ہو گئی ہیں اور اس لئے بعض صحیح حدیثیں بھی مشتبہ ہو گئیں جیسا کہ بنی امیہ کے دور میں فضائل اہل بیت کی بہت سی حدیثیں مشتبہ ہو گئی تھیں پھر جب محدثین نے ان کو چھانٹنا شروع کیا تو بعض متعدد نظروں میں اچھی خاصی حدیثیں بھی اس کی لپیٹ میں آ گئیں۔ آخر جب اس فضا سے ہٹ کر علماء نے دوبارہ اس پر نظر ڈالی تو تعصب سے بہت سی ساقط شدہ حدیثوں میں کوئی سقم نہ پایا اور آخر ان کو قبول کیا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک فرقے نے محمد بن حسن عسکری کے مہدی منتظر ہونے کا دعویٰ کر دیا تو پھر وضع حدیث کے جذبات ابھرے اور جب علماء نے غلط ذخیرہ کو

ذرا تشدد کے ساتھ الگ کرنے کا ارادہ کیا تو لازمی طور پر یہاں بھی کچھ حدیثیں اس کی زد میں آ
گئیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس باب کی صریح حدیثوں میں کوئی حدیث بھی صحیحین کی نہ
تھی۔ مگر صحت کے لئے صحیحین کی حدیث ہونا کسی کے نزدیک بھی شرط نہیں۔ اس
لئے محدثانہ ضابطہ کے مطابق نقد و تبصرہ کو یہاں کچھ نہ کچھ وسعت مل گئی لیکن یہ بات کچھ اسی
باب کی حدیثوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہر کتاب پر شیخین کی کتابوں کے سوا جب صرف
ضابطہ کی تنقید شروع کر دی جائے اور صرف راویوں پر جرح و تعدیل کو لیکر اس باب کے دیگر
امور مہمہ کو نظر انداز کر ڈالا جائے تو پھر نقد کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ اس تشدد و افراط کا
ثمرہ گو وقتی طور پر کچھ مفید ہو تو ہو لیکن دوسری طرف اس کا نقصان بھی ضرور ہوتا ہے اور
وقتی فتنے ختم ہو جانے کے بعد آئندہ امت کی نظروں میں یہ اختلاف اچھی حدیثوں میں بھی
شک و تردد کا موجب بن جاتا ہے۔ یہاں جب آپ خارجی عوارض اور ماحول کے خاص حالات
سے علیحدہ ہو کر نفس مسئلہ کی حیثیت سے اس موضوع کی احادیث پر نظر فرمائیں گے تو آپ
کو معلوم ہوگا کہ امام مہدی کا تذکرہ سلف سے لے کر محدثین کے دور تک ہمیشہ بڑی اہمیت
کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔

محقق ابن خلدون کے کلام کو جہاں تک ہم نے سمجھا ہے اس کا خلاصہ تین باتیں
معلوم ہوتی ہیں: (۱) .... جرح و تعدیل میں جرح کو ترجیح ہے۔ (۲) امام مہدی کی کوئی
حدیث صحیحین میں موجود نہیں۔ (۳) اس باب کی جو صحیح حدیثیں ہیں ان میں امام
مہدی کی تصریح نہیں۔

فن حدیث کے جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ تینوں باتیں کچھ وزن
نہیں رکھتیں کیونکہ ہمیشہ اور ہر جرح کو ترجیح دینا یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ چنانچہ خود محقق
موصوف کو جب اس کا تنبہ ہوا کہ اس قاعدے کے تحت تو شیخین کی حدیثیں بھی مجروح ہو
جاتی ہیں تو اس کا جواب انہوں نے صرف یہ دے دیا ہے کہ یہ حدیثیں چونکہ علماء کے
درمیان مسلم ہو چکی ہیں۔ اس لئے وہ مجروح نہیں کی جا سکتیں مگر سوال تو یہ ہے کہ جب
قاعدہ یہ ٹھہرا تو پھر علماء کو وہ مسلم ہی کیوں ہو گئیں؟

رہا امام مہدی کی حدیثوں کا صحیحین میں مذکور نہ ہونا تو یہ اہل فن کے نزدیک کوئی جرح نہیں ہے۔ خود ان ہی حضرات کا اقرار ہے کہ انہوں نے جتنی صحیح حدیثیں تھیں وہ سب کی سب اپنی کتابوں میں درج نہیں کیں، اسی لئے بعد میں بیشتر محدثین نے مستدرکات لکھی ہیں۔ اب رہی تیسری بات تو یہ دعویٰ بھی تسلیم نہیں کہ صحیح حدیثوں میں امام مہدی کا نام مذکور نہیں ہے۔ کیا وہ حدیثیں جن کو امام ترمذی وابوداؤد وغیرہ جیسے محدثین نے صحیح و حسن کہا ہے صرف محقق موصوف کے بیان سے صحیح ہونے سے خارج ہو سکتی ہیں؟۔ دوم یہ کہ جن حدیثوں کو محقق موصوف نے بھی صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ گر وہاں ایسے قوی قرائن موجود ہیں جن سے اس شخص کا امام مہدی ہونا تقریباً یقینی ہو جاتا ہے تو پھر امام مہدی کے لفظ کی تصریح ہی کیوں ضروری ہے؟۔ سوم یہ بحث اصل مصداق میں ہے۔ مہدی کے لفظ میں نہیں۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک خلیفہ ہوتا اور ایسی خاص صفات کا حامل ہوتا جو بقول روایت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے شخص میں بھی نہ تھیں ثابت ہے تو بس اہل سنت کا مقصد اتنی بات سے پورا ہو جاتا ہے کیونکہ مہدی تو صرف ایک لقب ہے۔ علم اور نام نہیں اور یہ آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں کہ مہدی کا لفظ بطور لقب دوسرے اشخاص پر بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ اگرچہ سب میں کامل مہدی وہی ہیں جن کا ظہور آئندہ زمانے میں مقدر ہے۔ یہ ایسا سمجھئے جیسا دجال کا لفظ حدیثوں میں سب مدعیان نبوت کو دجال کہا گیا ہے مگر دجال اکبر وہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ ہاں اس لقب کی زد اگر پڑتی ہے تو ان سب پر پڑتی ہے جو مہدی کے ساتھ ساتھ کسی قرآن کے منتظر بیٹھے ہیں۔
محقق موصوف کی پوری بحث پڑھنے کے بعد یہ یقین ہو جاتا ہے کہ محقق موصوف کی اصل نظر تاریخ کی طرف ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ حدیثوں سے کسی ایسے مہدی کا وجود ثابت نہ ہو جس پر ایمان و قرآن کا دارومدار ہو اور جیسا کہ نقد و تبصرہ کے وقت ہر شخص اپنے طبعی اور علمی تاثرات سے مشکل بری ہو سکتا ہے۔ اسی طرح محقق موصوف بھی یہاں اس سے بچ نہیں سکے اور فن تاریخ کی سب سے کٹھن منزل یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث پر کلام کرتے ہوئے بڑے سے بڑے علماء کی توثیق نقل کرنے کے بعد بھی ان کا رجحان طبعی انہیں علماء کی

جانب رہا ہے جنھوں نے کوئی نہ کوئی جرح ان حدیثوں میں نکال کھڑی کی ہے اور صرف جرح کے مقدم ہونے کو ایک قاعدہ کلیہ مان کر بس اسی سے کام لیا ہے۔ اگر محقق موصوف جرح کے اسباب و مراتب پر غور فرمالیتے تو شاید ہر مقام پر ان کا رجحان اس طرف نہ رہتا۔

اسم المهدی ونسبه وحلية الشريفه

(۱)...... "عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِيْ سَعِيْدٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ قُلْتُ وَأَخْرَجَهٗ أَبُوْدَاوُدَ وَسَكَتَ عَنْهُ هُوَ وَالْمُنْذِرِيُّ وَابْنُ الْقَيِّمِ وَقَالَ الْحَاكِمُ رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَزَائِدَةُ وَغَيْرُهُمْ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ عَنْ عَاصِمٍ قَالَ وَطُرُقُ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ كُلُّهَا صَحِيْحَةٌ۔"

امام مہدی کا نام و نسب اور ان کا حلیہ شریف

﴿عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک کہ میرے اہل بیت سے ایک شخص عرب پر حاکم نہ ہو جو میرے ہم نام ہوگا۔ (ترمذی باب ما جاء فی المہدی ص ۴۷ ج ۲)﴾

(۲)...... "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَوْلَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمًا لَطَوَّلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَلِيَ۔ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔"

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اگر دنیا کے ختم میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسی ایک دن کو اور دراز فرمادے گا۔ یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا حاکم ہو کر رہے گا۔ (ترمذی شریف ص ۴۷ ج ۲)﴾

(۳)...... "عَنْ أَبِيْ إِسْحٰقَ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَنَظَرَ إِلَى ابْنِهِ الْحَسَنِ فَقَالَ إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ كَمَا سَمَّاهُ النَّبِيُّ ﷺ وَسَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهٖ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ ﷺ يُشْبِهُهٗ فِي الْخُلُقِ وَلَا يُشْبِهُهٗ فِي الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ

قِصَّةٌ يَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ فِيْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ لَا بَأْسَ بِهِ فِيْ حَدِيْثِهِ خَطَأٌ وَقَالَ الذَّهَبِيُّ صَدُوْقٌ لَهٗ اَوْهَامٌ وَاَمَّا اَبُوْ اِسْحٰقَ السَّبِيْعِيُّ فَرِوَايَتُهٗ عَنْ عَلِيٍّ مُنْقَطِعَةٌ۔"

﴿حضرت علیؓ نے اپنے فرزند حضرت حسنؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا میرا یہ فرزند سید ہوگا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا ہے اور اس کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا۔ جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا وہ عادات میں آپ ﷺ کے مشابہ ہوگا لیکن صورت میں مشابہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد ان کے عدل و انصاف کا حال ذکر فرمایا (ابوداؤد کتاب المہدی ص ۱۳۱ ج ۲)﴾

(۴)............"عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدَّهْرِ اِلَّا يَوْمٌ لَبَعَثَ اللّٰهُ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يَمْلَأُهَا قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا۔ رواه ابوداؤد وَفِيْ اِسْنَادِهٖ فِطْرُ بْنُ خَلِيْفَةَ الْكُوْفِيُّ وَثَّقَهٗ اَحْمَدُ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ وَيَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ وَالنَّسَائِيُّ وَالْعِجْلِيُّ وَابْنُ سَعْدٍ وَالسَّاجِيُّ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ صَالِحُ الْحَدِيْثِ وَاَخْرَجَ لَهُ الْبُخَارِيُّ فَالْحَدِيْثُ قَوِيٌّ۔"

﴿حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اگر قیامت میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ضرور ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر اسی طرح بھر دے گا جیسے وہ اس سے قبل ظلم سے بھر چکی ہوگی۔ (ابوداؤد ص ۱۳۱ ج ۲)﴾

(۵)......"عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اُمِّ سَلَمَةَ فَتَذَاكَرْنَا الْمَهْدِيَّ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْمَهْدِيُّ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ۔ رواه ابن ماجة وَفِيْهِ عَلِيُّ بْنُ النُّفَيْلِيُّ الْهِنْدِيُّ قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَا بَأْسَ بِهٖ اَخْرَجَ لَهٗ ابوداؤد وابن ماجة كَذَا فِي الْاِذَاعَةِ۔"

﴿سعید بن المسیبؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم ام سلمہؓ کے پاس حاضر تھے ہم نے امام مہدی کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپ ﷺ

فرماتے تھے کہ امام مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں ہوں گے۔(ابن ماجہ باب خروج المہدی ص ۳۰۰)﴾

(۶)..... ''عن انس بن مالک قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول نحن ولد عبدالمطلب سادۃ اھل الجنۃ انا وحمزۃ وعلی وجعفر والحسن والحسین والمھدی . رواہ ابن ماجۃ وفی الزوائد وفی اسنادہ مقال وعلی بن زیادلم ارمن وثقہ ولا من جرح وباقی رجال اسنادہ موثقون ویراجع لہ الاذاعۃ .''

﴿حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد والی جنت کے سردار ہوں گے۔ یعنی میں حمزہ، علی، جعفر، حسن، حسین اور مہدی رضی اللہ عنہم اجمعین۔(ابن ماجہ ص ۳۰۰)﴾

(۷)..... ''عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ المھدی منی اجلی الجبھۃ اقنی الانف یملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً ویملک سبع سنین(رواہ ابوداؤد)قال المنذری فی اسنادہ عمران القطان وھو ابوالعوام عمران بن داور القطان البصری استشھد بہ البخاری ووثقہ عفان بن مسلم واحسن علیہ الثناء یحیی بن سعید القطان''

﴿ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مہدی میری اولاد میں سے ہوگا جس کی پیشانی کشادہ اور ناک بلند ہوگی اور جو دنیا کو عدل وانصاف سے پھر بھر دے گا۔ جبکہ اس وقت وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوگی ان کی حکومت سات سال تک رہے گی۔ (ابوداؤد ص ۱۳۱، ج ۲)﴾

(۸)..... ''عن بریدۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ستکون بعدی بعوث کثیرۃ فکونوا فی بعث خراسان . رواہ ابن عدی وابن عساکر والسیوطی فی الجامع الصغیر .''

﴿ثوبانؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد بہت سے لشکر ہوں گے تم اس لشکر میں شامل ہو جانا جو خراسان سے آئے گا۔ (جامع الاحادیث للسیوطی ص ۳ ج ۲ حدیث نمبر ۱۳۰۰۷)﴾

(۹) ۔ ۔ "عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ يخرج من خراسان رايات سود فلا يردها شيء حتى تنصب بإيلياء۔ الترمذي"

﴿ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے خراسان کی طرف سے سیاہ سیاہ جھنڈے آئیں گے کوئی طاقت ان کو واپس نہیں کر سکے گی۔ یہاں تک کہ وہ بیت المقدس میں نصب کر دیے جائیں گے۔ (ترمذی شریف ابواب الفتن ص ۴۶ ج ۲)﴾

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سیاہ جھنڈے وہ نہیں ہیں جو ایک مرتبہ ابو مسلم خراسانی لیکر آیا تھا جس نے بنو امیہ کا ملک چھین لیا تھا بلکہ یہ دوسرے ہیں جو امام مہدی کے عہد میں ظاہر ہوں گے۔ کذافی الحاوی ج ۲ ص ۶۰ نعیم بن حماد حضرت حمزہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ یہ جھنڈے چھوٹے چھوٹے ہوں گے۔ (حاوی ص ۶۸، ۶۹ ج ۲)

(۱۰) ۔ ۔ ۔ "عن سعيد ابن المسيب قال قال رسول الله ﷺ تخرج من المشرق رايات سود لبني العباس ثم يمكثون ما شاء الله ثم تخرج رايات سود صغار تقاتل رجلا من ولد أبي سفيان وأصحابه من قبل المشرق يؤدون الطاعة للمهدي كذا في الحاوي ص۶۹ ج ۲ وفيه عن محمد بن الحنفية قال تخرج رايات سود لبني العباس ثم تخرج من خراسان أخرى سود قلانسهم سود وثيابهم بيض على مقدمتهم رجل يقال له شعيب بن صالح من تميم يهزمون أصحاب السفياني الخ۔
الحاوي ص۶۸ ج ۲"

﴿سعید بن المسیب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرق کی سمت ایک مرتبہ بنو العباس سیاہ جھنڈے لے کر نکلیں گے پھر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا رہیں گے۔ اس کے بعد پھر چھوٹے چھوٹے جھنڈے نمودار ہوں گے جو ابو سفیان کی

لوگ اور اس کے رفقاء کے ساتھ جنگ کریں گے اور مہدی کی ہمدردی کریں گے۔ ﴾

ظہور المهدی ومبایعة اهل مکة ایاه بین الرکن والمقام

(۲) عن أم سلمة عن النبي ﷺ قال يكون اختلاف عند موت خليفة فيخرج رجل من اهل المدينة هاربا إلى مكة فيأتيه ناس من اهل مكة فيخرجونه وهو كاره فيبايعونه بين الركن والمقام ويبعث اليه بعث من الشام فيخسف بهم بالبيداء بين مكة والمدينة فاذا رأى الناس ذالك اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فيبايعونه بين الركن والمقام ثم ينشأ رجل من قريش اخواله كلب فيبعث اليهم بعثا فيظهرون عليهم وذالك بعث كلب والخيبة لمن لم يشهد غنيمة كلب فيقسم المال ويعمل في الناس بسنة نبيهم ويلقي الاسلام بجرانه إلى الارض فيلبث سبع سنين ثم يتوفى ويصلي عليه المسلمون. رواه ابوداؤد والحديث اخرجه ابوداؤد في باب المهدي واشار اليه الترمذي بما في الباب والحديث سكت عنه ابو داؤد ثم المنذري وابن القيم وفي الاذاعة رجاله رجال الصحيحين لا مطعن فيهم ولا مغمز. العون ص ۱۷۶ ج ۴"

امام مہدی کا ظہور اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اہل مکہ کی ان سے بیعت کرنا

﴿حضرت ام سلمہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ ایک خلیفہ کے انتقال کے بعد کچھ اختلاف رونما ہوگا۔ اس وقت ایک شخص مدینہ کا باشندہ بھاگ کر مکہ مکرمہ آئے گا۔ تو مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس کو مجبور کر کے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس سے بیعت کریں گے پھر شام سے اس کے مقابلے کے لئے

ایک لشکر بھیجا جائے گا۔ لشکر جب مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک میدان میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگ ان کی یہ کرامت دیکھیں گے تو شام کے ابدال اور عراق کی جماعتیں بھی آ آکر ان سے بیعت کریں گی۔ اس کے بعد پھر قریش میں ایک شخص ظاہر ہوگا جس کے ماموں قبیلہ کلب کے ہوں گے۔ وہ ظاہر ہو کر ان کے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو (امام مہدی کو) ان کے اوپر غالب فرمائے گا اور یہی بنو کلب کا لشکر ہوگا۔ وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو اس قبیلہ کلب کی غنیمت میں شریک نہ ہو۔ کامیابی کے بعد وہی شخص اس مال کو تقسیم کرے گا اور سنت کے مطابق لوگوں سے عمل کرائے گا اور اسی کے عہد میں تمام روئے زمین پر اسلام ہی اسلام پھیل جائے گا اور سات برس تک وہ زندہ رہے گا۔ اس کے بعد ان کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان اس کی نماز پڑھیں گے۔ (ابوداؤد ص ۱۳۱ ج ۲)

ابوداؤد نے اس روایت کو امام مہدی کے باب میں ذکر فرمایا ہے اور امام ترمذی نے جب امام مہدی کی حدیثیں روایت کرنے والے صحابہؓ کے نام شمار کرائے ہیں تو انہوں نے بھی حضرت ام سلمہؓ کی اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ نیز اس باب کی دوسری حدیثوں پر نظر کرکے یہ جزم حاصل ہو جاتا ہے کہ اس روایت میں اگرچہ اس شخص کا نام مذکور نہیں۔ مگر یقیناً وہ امام مہدی ہی ہیں کیونکہ مجموعی لحاظ سے یہ وہی اوصاف ہیں جو امام مہدی میں ہوں گے اور یہی وجہ ہے ابوداؤد نے اس حدیث کو امام مہدی کی حدیثوں کے باب میں درج فرمایا ہے۔ ابن خلدون بھی اس پر کوئی خاص جرح نہ کر سکا صرف یہ کہہ سکا کہ اس روایت میں امام مہدی کا نام مذکور نہیں۔

(۱۲) "عن ابی سعید قال ذکر رسول اللہ ﷺ بلاءً یصیب ھذہ الامۃ حتی لا یجد الرجل ملجأ یلجأ الیہ من الظلم فیبعث اللہ رجلا من عترتی واھل بیتی فیملأ بہ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا یرضی عنہ ساکن السماء وساکن الارض لا تدع السماء من قطرھا شیئا الا صبتہ مدرارا ولا تدع الارض من نباتھا شیئا الا اخرجتہ حتی یتمنی الاحیاء الاموات یعیش فی ذلک سبع سنین او ثمان سنین

آو بسبع سنین - رواہ الحاکم فی مستدرکہ کما فی المشکوۃ"

﴿ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بڑی آزمائش کا ذکر فرمایا جو اس امت کو پیش آنے والی ہے۔ ایک زمانے میں اتنا شدید ظلم ہوگا کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ میری اولاد میں ایک شخص کو پیدا فرمائے گا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیا ایسی بھر دے گا جیسا وہ پہلے ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی زمین و آسمان کے باشندے سب اس سے راضی ہوں گے۔ آسمان اپنی تمام بارش موسلا دھار برسائے گا اور زمین اپنی سب پیداوار نکال کر رکھ دے گی یہاں تک کہ زندہ لوگوں کو تمنا ہوگی کہ ان سے پہلے جو لوگ تنگی و ظلم کی حالت میں گزر گئے ہیں کاش وہ بھی اس سماں کو دیکھتے۔ اسی برکت کے حال پر وہ سات یا آٹھ یا نو سال تک زندہ رہے گا۔ (مشکوۃ باب اشراط الساعۃ ص ۴۷۱' مستدرک بتفسیر یسیر ص ۶۵۹ ج ۵ حدیث نمبر ۸۴۸۶)

(۱۳) ...... "عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ إِذَا أَقْبَلَ فِتْیَةٌ مِنْ بَنِیْ ہَاشِمٍ فَلَمَّا رَآہُمُ النَّبِیُّ ﷺ اِغْرَوْرَقَتْ عَیْنَاہُ وَتَغَیَّرَ لَوْنُہٗ قَالَ فَقُلْتُ مَا نَزَالُ نَرٰی فِیْ وَجْہِکَ شَیْئًا نَکْرَہُہٗ فَقَالَ إِنَّا أَہْلُ الْبَیْتِ اِخْتَارَ اللّٰہُ لَنَا الْآخِرَۃَ عَلَی الدُّنْیَا وَإِنَّ أَہْلَ بَیْتِیْ سَیَلْقَوْنَ بَعْدِیْ بَلَاءً وَتَشْرِیْدًا وَتَطْرِیْدًا حَتّٰی یَأْتِیَ قَوْمٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَعَہُمْ رَایَاتٌ سُوْدٌ فَیَسْأَلُوْنَ الْخَیْرَ فَلَا یُعْطَوْنَہٗ فَیُقَاتِلُوْنَ فَیُنْصَرُوْنَ فَیُعْطَوْنَ مَا سَأَلُوْا فَلَا یَقْبَلُوْنَہٗ حَتّٰی یَدْفَعُوْہَا إِلٰی رَجُلٍ مِنْ أَہْلِ بَیْتِیْ فَیَمْلَؤُہَا قِسْطًا کَمَا مَلَؤُوْہَا جَوْرًا فَمَنْ أَدْرَکَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَلْیَأْتِہِمْ وَلَوْ حَبْوًا عَلَی الثَّلْجِ (رواہ ابن ماجہ قال السندی الظاہر انہ اشارۃ الی المہدی الموعود ولذالک ذکر المصنف ہذا الحدیث فی ہذا الباب واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب وفی الزوائد اسنادہ ضعیف لضعف یزید بن ابی زیاد الکوفی لکن لم ینفرد یزید ابن ابی زیاد عن ابراہیم فقد رواہ الحاکم فی المستدرک من طریق عمرو بن قیس عن الحکم عن ابراہیم قلت و رواہ السیوطی فی الحاوی

ص-٦ ج ۲ بروایۃ ابن ابی شیبۃ ونعیم بن حماد وابی نعیم وفی آخرہ فانہ المھدی"

﴿عبداللہ بیان فرماتے ہیں ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنو ہاشم کے چند نوجوان آپ ﷺ کے سامنے آئے۔ جب آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں اور آپ کا رنگ بدل گیا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا بات ہے۔ ہم آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر وہ آثار غم دیکھتے ہیں جس سے ہمارا دل آزردہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہمارے گھرانوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بجائے آخرت عنایت فرمائی ہے۔ میرے بعد میرے اہل بیت کو بڑی آزمائشوں کا سامنا پڑے گا۔ ہر طرف سے بھگائے اور نکالے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک قوم مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے لئے ہوئے آئے گی۔ میرے اہل بیت ان سے طالب خیر ہوں گے لیکن وہ ان کو نہیں دیں گے۔ اس پر سخت جنگ ہوگی۔ آخر وہ شکست کھائیں گے اور جو ان سے طلب کیا تھا پیش کریں گے مگر وہ اس کو قبول نہ کر سکیں گے۔ آخر کار وہ ان جھنڈوں کو ایک ایسے شخص کے حوالہ کریں گے جو میرے اہل بیت سے ہوگا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے پھر اسی طرح بھر دے گا جیسا لوگوں نے اس سے قبل ظلم وتعدی سے بھر دیا ہوگا۔ لہذا تم میں سے جس کو اس کا زمانہ ملے وہ ضرور اس کے ساتھ ہو جائے۔ اگرچہ اس کو برف پر گھسٹ کر جانا پڑے۔ (ابن ماجہ ص ۲۹۹)﴾

(۱۳)...... "عن ثوبان قال قال رسول اللہ ﷺ یقتل عند کنزکم ثلاثۃ کلھم ابن خلیفۃ ثم لا یصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقتلونکم قتلا لم یقتلہ قوم ثم ذکر شیئا لا احفظہ فقال اذا رأیتموہ فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المھدی (رواہ ابن ماجہ) قال السندی اخرجہ ابو الحسن بن سفیان فی مسندہ وابو نعیم فی کتاب المھدی من طریق ابراھیم بن سوید الشامی فی الزوائد ھذا اسنادہ صحیح رجالہ ثقات ورواہ الحاکم فی المستدرک"

﴿ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے خزانے کے پاس تین آدمی خلفاء کی اولاد میں سے قتل ہوں گے پھر ان کے خاندان میں سے کسی کو امارت نہیں ملے گی پھر مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے نمایاں ہوں گے اور تم کو اس بری طرح سے قتل کریں گے کہ کسی قوم نے اس طرح قتل عام نہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ بیان فرمایا جو مجھ کو یاد نہیں ہے پھر فرمایا جب اس شخص کو تم دیکھو تو اس سے بیعت کر لینا اگرچہ برف کے اوپر گھسٹ کر چلنا پڑے کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔ (ابن ماجہ ص ۳۰۰)﴾

(۱۵) "عن ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فأتوها ولو حبوا علی الثلج فان فیها خلیفۃ اللہ المهدی۔ رواہ احمد والبیہقی فی الدلائل وسندہ صحیح کذا فی الاشاعۃ ص۶۸"

﴿ثوبان جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی جانب سے آ رہے ہیں تو ان میں شامل ہو جانا اگرچہ برف کے اوپر گھٹنوں کے بل چلنا کیوں نہ پڑے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔ (احمد ص ۲۷۷ ج ۵)﴾

(۱۶) "عن ابی الصدیق الناجی عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال یکون فی امتی المهدی ان قصر فسبع والا فتسع تنعم امتی فیہ نعمۃ لم ینعموا مثلها قط تؤتی الارض اکلها لا تدخر عنهم شیئا والمال یومئذ کدوس یقوم الرجل فیقول یا مهدی اعطنی فیقول خذ۔ رواہ الحاکم فی المستدرک واخرج حدیث ابی سعید من طرق متعددۃ وحکم علی بعضها بانہ علی شرط الشیخین ورواہ ابن ماجہ وفیہ زید العمی ص۵۰۸ ج ۴"

﴿ابو الصدیق ناجی بیان کرتے ہیں کہ ابو سعید خدری رسول اللہ ﷺ سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں مہدی ہوگا جو کم سے کم سات سال ورنہ نو سال تک رہے گا۔ ان کے زمانے میں میری امت اتنی خوشحال ہوگی کہ اس سے قبل کبھی ایسی خوشحال نہ ہوئی ہوگی۔ زمین اپنی ہر قسم کی پیداوار ان کے لئے نکال کر رکھ دے گی اور کچھ بچا کر نہ رکھے گی اور مال اس زمانے میں کھلیان میں اناج کے ڈھیر کی طرح پڑا ہوگا۔ حتیٰ کہ ایک شخص کھڑا ہو کر کہے گا اے مہدی! مجھے کچھ دیجئے وہ فرمائیں گے۔ جتنا مرضی میں آئے اٹھالے۔ (ابن ماجہ ص ۳۰۹)﴾

(۱۷) ..... "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَشِیْنَا اَنْ یَّکُوْنَ بَعْدَ نَبِیِّنَا حَدَثٌ فَسَأَلْنَا نَبِیَّ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ فِیْ اُمَّتِیْ الْمَھْدِیُّ یَخْرُجُ یَعِیْشُ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا اَوْ تِسْعًا زَیْدُ الشَّاکُّ قَالَ قُلْنَا وَمَاذَاکَ قَالَ سِنِیْنَ قَالَ فَیَجِیْءُ اِلَیْہِ الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ یَامَھْدِیُّ اَعْطِنِیْ اَعْطِنِیْ قَالَ فَیَحْثِیْ لَہٗ فِیْ ثَوْبِہٖ مَااسْتَطَاعَ اَنْ یَّحْمِلَہٗ ۔ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن وقدروی من غیر وجہ عن ابی سعید عن النبی ﷺ وابوالصدیق الناجی اسمہ بکر بن عمرو ویقال بکر بن قیس وفی اسنادہ زید العمی وروی البزار نحوہ ورجالہ ثقات کما فی الاذاعۃ ۔"

﴿ابو سعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے بعد وقوع حوادث کے خیال سے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کے بعد کیا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا میری امت میں مہدی ہوگا جو پانچ، سات یا نو تک حکومت کرے گا۔ (زید راوی حدیث کو ٹھیک مدت میں شک ہے) ہم نے پوچھا کہ اس عدد سے کیا مراد ہے؟۔ انہوں نے فرمایا سال۔ ان کا زمانہ ایسی خیر و برکت کا ہوگا کہ ایک شخص ان سے آکر سوال کرے گا اور کہے گا کہ اے مہدی! مجھ کو کچھ دیجئے مجھ کو کچھ دیجئے یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی ہاتھ بھر بھر کر اس کو اتنا مال دیں گے جتنا وہ اس سے اٹھ سکے گا۔ (ترمذی ص ۴۷ ج ۲)﴾

(۱۸) "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ اُمَّتِی الْمَھْدِیُّ یَسْقِیْہِ اللّٰہُ الْغَیْثَ وَتُخْرِجُ الْاَرْضُ نَبَاتَھَا

ويعطي المال صحاحا وتكثر الماشية وتعظم الامة ويعيش سبعا او ثمانيا يعني حججا. اخرجه الحاكم في المستدرك وقعه سليمان بن عبيد ذكره ابن حبان في الثقات ولم يروان احدا تكلم فيه. كذا في الاذاعة"

﴿ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے آخر میں ایک شخص مہدی ظاہر ہوگا جس کے دور میں اللہ تعالیٰ خوب بارش نازل فرمائے گا اور زمین کی پیداوار بھی خوب ہوگی اور مال حصہ رسد سب کو برابر تقسیم کرے گا اور مویشیوں کی کثرت ہو جائے گی اور امت کو بہت عظمت حاصل ہوگی۔ سات یا آٹھ سال تک اس فراوانی سے رہے گا۔ راوی کہتا ہے کہ سات یا آٹھ سے آپ ﷺ کی مراد "سال" تھے۔ (مستدرک ص ۷۷۴ ج ۵ حدیث نمبر ۸۶۷۳)﴾

(۱۵) ... "عن ابي سعيد الخدري قال قال رسول الله ﷺ ابشركم بالمهدي يبعث في امتي على اختلاف من الناس وزلازل فيملأ الارض قسطا وعدلا كما ملئت جورا وظلما يرضى عنه ساكن السماء وساكن الارض يقسم المال صحاحا فقال له رجل ما صحاحا؟ قال بالسوية بين الناس قال ويملأ قلوب امة محمد ﷺ غنى ويسعهم عدله حتى يامر مناديا فينادي فيقول من له في مال حاجة فما يقوم من الناس الا رجل واحد فيكون كذلك سبع سنين. قال السيوطي في الحاوي رواه احمد في مسنده وابو يعلى بسند جيد وفي الاذاعة رجالهما ثقات."

﴿ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو مہدی کی بشارت دیتا ہوں جو ایسے زمانے میں ظاہر ہوں گے جبکہ لوگوں میں بڑا اختلاف ہوگا اور بڑے بڑے زلزلے آئیں گے وہ آکر پھر زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جیسا کہ وہ ان کی آمد سے قبل ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی آسمان کے فرشتے اور زمین کے باشندے سب ان سے راضی ہوں گے اور مال تقسیم کریں گے صحاحا۔ سوال کیا گیا صحاحا کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ سب میں برابر (مال تقسیم

کریں گے) اور امت محمدیہ کے دل غنا سے بھر دیں گے اس کا انصاف بلا تخصیص سب میں عام ہوگا (اس کے زمانے میں فراغت کا یہ عالم ہوگا کہ وہ ایک اعلان کرنے والے کو حکم دیں گے وہ اعلان کرے گا کسی کو مال کی ضرورت باقی ہے؟ تو صرف ایک شخص کھڑا ہوگا اس کی حالت پر سات سال کا عرصہ گزرے گا۔ (احمد ص ۳۷ ج ۳)﴾

(۲۰) "عن ابی ہریرة قال حدثنی خلیلی ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعة حتی یخرج علیهم رجل من اهل بیتی فیضربهم حتی یرجعوا الی الحق قال قلت وکم یملک قال خمسا واثنین قال قلت وما خمسا واثنین قال لا ادری۔ اخرجه ابو یعلی وفیه المرجا بن رجاء وثقه ابو زرعة وضعفه ابن معین وبقیة رجاله ثقات قاله الشوکانی کذا فی الاذاعة"

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے خلیل ابو القاسم ﷺ نے بیان فرمایا (ابو القاسم رسول اللہ ﷺ کی کنیت ہے) قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظاہر نہ ہو، وہ ان کو زور دے کر راہ حق پر قائم کرے گا۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا اس کی حکومت کتنے دن قائم رہے گی۔ انہوں نے فرمایا پانچ اور دو (یعنی سات)، یہ کہتے ہیں میں نے پوچھا اور دو کیا؟ انہوں نے کہا میں نہیں جانتا۔ مراد سات سال تھے یا مہینے، گزشتہ روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہاں سال ہی مراد ہیں۔ (مسند ابو یعلی)﴾

(۲۱) "عن یسیر بن جابر قال هاجت ریح حمراء بالکوفة فجاء رجل لیس له هجیری الا یا عبد اللہ بن مسعود جاءت الساعة قال فقعد وکان متکئا فقال ان الساعة لا تقوم حتی لا یقسم میراث ولا یفرح بغنیمة ثم قال بیده هکذا ونحاها نحو الشام فقال عدو یجمعون لاهل الشام ویجمع لهم اهل الاسلام قلت الروم تعنی قال نعم قال ویکون عند ذاکم القتال ردة شدیدة فیشترط المسلمون شرطة للموت لا ترجع الا

غالبة فيقتتلون حتى يحجز بينهم الليل فيفيء هؤلاء وهؤلاء كل غير غالب وتفنى الشرطة ثم يشترط المسلمون شرطة للموت لا ترجع إلا غالبة فيقتتلون حتى يحجز بينهم الليل فيفيء هؤلاء وهؤلاء كل غير غالب وتفنى الشرطة ثم يشترط المسلمون شرطة للموت لا ترجع إلا غالبة فيقتتلون حتى يمسوا فيفيء هؤلاء وهؤلاء كل غير غالب وتفنى الشرطة فإذا كان اليوم الرابع نهد إليهم بقية أهل الإسلام فيجعل الله الدبرة عليهم فيقتتلون مقتلة إما قال لا يرى مثلها وإما قال لم ير مثلها حتى إن الطائر ليمر بجنباتهم فما يخلفهم حتى يخر ميتا فيتعاد بنو الأب كانوا مائة فلا يجدونه بقي منهم إلا الرجل الواحد فبأي غنيمة يفرح أو أي ميراث يقاسم فبينما هم كذلك إذ سمعوا ببأس هو أكبر من ذلك فجاءهم الصريخ إن الدجال قد خلفهم في ذراريهم فيرفضون ما في أيديهم ويقبلون فيبعثون عشرة فوارس طليعة قال رسول الله ﷺ إني لأعرف أسماءهم وأسماء آبائهم وألوان خيولهم هم خير فوارس على ظهر الأرض يومئذ أو من خير فوارس على ظهر الأرض يومئذ۔ رواه مسلم"

حضرت یسیر بن جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک بار کوفہ میں لال آندھی آئی۔ ایک شخص آیا جس کا تکیہ کلام یہی تھا۔ اے عبداللہ بن مسعودؓ قیامت آئی۔ یہ سن کر عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھ گئے پہلے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ قیامت نہ قائم ہوگی۔ یہاں تک نہ ترکہ بٹے گا اور مال غنیمت سے کچھ خوشی نہ ہوگی (کیونکہ جب کوئی وارث ہی نہ رہے گا تو ترکہ کون بانٹے گا اور جب کوئی لڑائی سے زندہ نہ بچے گا تو مال غنیمت کی کیا خوشی ہوگی) پھر شام کے ملک کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور کہا (نصاریٰ) دشمن مسلمانوں سے جنگ کے لئے جمع ہوں گے اور مسلمان بھی ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوجائیں گے۔ میں نے کہا دشمن سے آپ کی مراد نصاریٰ ہیں؟ انہوں نے فرمایا "ہاں" اور اس وقت لڑائی شروع ہوگی۔ مسلمان ایک لشکر کو آگے بھیجیں گے جو مرنے کی شرط لگا کر آگے بڑھے گا۔ یعنی اس قصد سے

لڑے گا کہ یا مر جائیں گے یا فتح کر کے آئیں گے پھر دونوں لشکروں میں جنگ ہوگی۔ یہاں
تک کہ رات ہو جائے گی اور دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی۔ کسی کو غلبہ نہ ہوگا اور جو
لشکر لڑائی کے لئے بڑھا تھا وہ بالکل فنا ہو جائے گا۔ (یعنی سب مارا جائے گا) اور دوسرے دن پھر
مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے جو مرنے کے لئے اور غالب ہونے کے لئے جائے گا
اور لڑائی ہوتی رہے گی۔ یہاں تک کہ رات ہو جائے گی پھر دونوں طرف کی فوجیں لوٹ
جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہوگا جو لشکر آگے بڑھا تھا وہ فنا ہو جائے گا پھر تیسرے دن مسلمان
ایک لشکر آگے بڑھائیں گے۔ مرنے یا غالب ہونے کی نیت سے اور شام تک لڑائی رہے گی
پھر دونوں کی طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہوگا اور وہ لشکر بھی فنا ہو جائے
گا۔ جب چوتھا دن ہوگا جو جتنے مسلمان باقی رہ جائیں گے وہ سب آگے بڑھیں گے۔ اس دن
اللہ تعالیٰ کافروں کو شکست دے گا اور ایسی لڑائی ہوگی کہ ویسی کوئی نہ دیکھے گا یا ویسی لڑائی کسی
نے نہ دیکھی ہوگی۔ (راوی کو لفظ میں شک ہے) یہاں تک کہ پرندہ ان کے اوپر یا ان کی
نعشوں سے پرواز کرے گا پر آگے نہیں بڑھے گا کہ وہ مردہ ہو کر گر جائے گا (یعنی اس کثرت
کے ساتھ لاشیں ہی لاشیں ہو جائیں گی) اور جب ایک دادا کی اولاد کی مردم شماری کی جائے
گی تو فیصدی ۹۹ آدمی مر چکے ہوں گے اور صرف ایک بچا ہوگا۔ ایسی حالت میں کون
سے مال غنیمت سے خوشی ہوگی اور کون سا ترکہ تقسیم ہوگا۔ پھر مسلمان اسی حالت میں ہوں
گے کہ ایک اور بڑی آفت کی خبر سنیں گے اور وہ یہ کہ شور مچے گا کہ ان کے بال بچوں میں
دجال آگیا ہے۔ یہ سنتے ہی جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہوگا سب چھوڑ کر روانہ ہو جائیں گے اور
دس سواروں کو لیتن ذوری کے طور پر روانہ کریں گے (تاکہ دجال کی خبر کی تحقیق کر کے
لائیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ان سواروں کے اور ان کے باپوں کے نام جانتا ہوں اور
ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی جانتا ہوں۔ وہ اس وقت تمام روئے زمین کے بہتر سوار ہوں
گے یا بہتر سواروں میں سے ہوں گے۔ (مسلم شریف" کتاب الفتن واشراط
الساعۃ ص ۳۹۲ ج ۲)

(۲۲) "عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال ہل سمعتم بمد

ينة جانب منها في البر وجانب منها في البحر قالوا نعم يا رسول الله قال لا تقوم الساعة حتى يغزوها سبعون ألفا من بني إسحاق فإذا جاؤها نزلوا فلم يقاتلوا بسلاح ولم يرموا بسهم قالوا لا إله إلا الله والله أكبر فيسقط أحد جانبيها قال ثور (ابن يزيد الراوي) لا أعلمه إلا قال الذي في البحر ثم يقولون الثانية لا إله إلا الله والله أكبر فيسقط جانبها الآخر ثم يقولون الثالثة لا إله إلا الله والله أكبر فيفرج لهم فيدخلوها فيغنموا فبينما هم يقتسمون المغانم إذ جاءهم الصريخ فقال إن الدجال قد خرج فيتركون كل شيء ويرجعون۔ مسلم"

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے وہ شہر سنا ہے جس کی ایک جانب خشکی میں اور دوسری جانب سمندر میں ہے؟۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ سنا ہے۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی۔ جب تک کہ بنو اسحاق کے ستر ہزار مسلمان اس پر چڑھائی نہ کریں۔ جب وہ اس شہر کے پاس جا کر اتریں گے تو نہ کسی ہتھیار سے لڑیں گے نہ کوئی تیر چلائیں گے۔ بلکہ ایک نعرہ تکبیر بلند کریں گے جس کی برکت سے شہر کی ایک جانب گر پڑے گی ثور بن یزید جو اس حدیث کا ایک راوی ہے۔ کہتا ہے جہاں تک مجھے یاد ہے مجھ سے بیان کرنے والے نے اس جانب کے متعلق یہ بیان کیا تھا کہ وہ جانب سمندر کے رخ والی ہوگی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ نعرہ تکبیر لگائیں گے تو اس کی دوسری جانب بھی گر جائے گی اس کے بعد جب تیسری بار نعرہ تکبیر بلند کریں گے تو دروازہ کھل جائے گا اور وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اور مال غنیمت حاصل کریں گے۔ اس درمیان میں کہ وہ مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ آواز آئے گی۔ دیکھو دجال نکل پڑا ہے یہ سنتے ہی وہ سب مال و متاع چھوڑ کر لوٹ پڑیں گے۔ (مسلم ص ۳۹۶ ج ۲ کتاب الفتن و اشراط الساعۃ)

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قسطنطنیہ کا ہے۔ یہاں نعرہ تکبیر سے شہر کے فتح ہو جانے پر تعجب کرنے والے مسلمان ذرا غور و فکر کے ساتھ ایک بار بھی اگر خود تاریخ کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہوگا۔ مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ اس قسم کے

گا۔ پھر دوسرے دن جنگ کریں گے اور اتنی ہی مقدار شہید کر دی جائے گی۔ پھر تیسرے دن جنگ کریں گے اور مسلمان پشت کر دینے والوں پر حملہ آور ہوں گے اور جنگ کا یہ سلسلہ قائم رہے گا حتیٰ کہ وہ قسطنطنیہ فتح کر لیں گے پھر اس دوران میں کہ وہ غنیمتیں اکٹھی کر کے مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ ایک آواز لگانے والا یہ آواز لگائے گا کہ دجال تمہاری اولاد کے پیچھے لگ گیا ہے۔﴾

(۲۴)..... "عن ابی امامة مرفوعا قال ستكون بينكم وبين الروم اربع هدن يوم الرابعة على يد رجل من آل هارون يدوم سبع سنين قيل يا رسول الله من امام الناس يومئذ قال من ولدي ابن اربعين سنة كان وجهه كوكب دري في خده الأيمن خال اسود عليه عباءتان قطوانيتان كأنه من رجال بني اسرائيل يملك عشرين سنة يستخرج الكنوز ويفتح مدائن الشرك. كنز العمال ج ١٤ ص ٢٦٨ حديث نمبر ٣٨٦٨٠"

﴿ابو امامہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اور روم کے درمیان چار مرتبہ صلح ہوگی۔ چوتھی صلح ایسے شخص کے ہاتھ پر ہوگی جو آل ہارون سے ہوگا اور یہ صلح سات سال تک برابر قائم رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس وقت مسلمانوں کا امام کون شخص ہوگا۔ آپ نے فرمایا وہ شخص میری اولاد میں سے ہوگا جس کی عمر چالیس سال کی ہوگی۔ اس کا چہرہ ستاروں کی طرح چمکدار اس کے دائیں رخسار پر سیاہ تل ہوگا۔ اور دو قطوانی عبائیں پہنے ہوگا۔ بالکل ایسا معلوم ہوگا جیسا بنی اسرائیل کا شخص۔ بیس سال حکومت کرے گا۔ زمین سے خزانوں کو نکالے گا اور مشرکین کے شہروں کو فتح کرے گا۔﴾

(۲۵)..... "عن عوف بن مالك قال اتيت النبي ﷺ في غزوة تبوك وهو في قبة من ادم فقال اعدد ستا بين يدي الساعة موتي ثم فتح بيت المقدس ثم موتان يأخذ فيكم كقعاص الغنم ثم استفاضة المال حتى يعطى الرجل مائة دينار فيظل ساخطا ثم فتنة لا يبقى بيت من العرب الا دخلته ثم هدنة تكون بينكم وبين بني الاصفر فيغدرون فيأتونكم تحت

ثَمَانِيْنَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا - رواه البخاری ج ۱ص ۴۵۰ باب مايحذر من الغدر۔"

﴿عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں غزوہ تبوک میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ چمڑے کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ باتیں گن رکھو۔ سب سے پہلے میری وفات، پھر بیت المقدس کی فتح ۔ پھر تم میں عام موت ظاہر ہوگی جس طرح کہ بکریوں میں وبائی مرض پھیل جائے (اور ان کی تباہی کا باعث بن جائے) پھر مال کی بہتات ہوگی۔ حتیٰ کہ ایک شخص کو سو سو دینار دیئے جائیں گے اور وہ خوش نہ ہوگا پھر فتنہ و فساد پھیل پڑے گا اور عرب کا کوئی گھر اس سے باقی نہ رہے گا۔ پھر صلح کی زندگی ہوگی اور یہ تمہارے اور بنی الاصفر (رومی) کے درمیان قائم رہے گی۔ پھر وہ تم سے عہد شکنی کریں گے اور اسی جھنڈوں کے ساتھ تم پر چڑھائی کر دیں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار کا لشکر ہوگا۔﴾

اس حدیث میں قیامت سے قبل چھ علامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن کی تعیین میں اگرچہ بہت کچھ اختلافات ہیں اور ان کے ابہام کی وجہ سے ہونے چاہئیں لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حدیث مذکور کے بعض الفاظ حضرت امام مہدی کے خروج کی علامات سے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ اگر ان کو ادھر ہی اشارہ قرار دیا جائے تو ایک قریبی احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس حدیث کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بحث میں لکھ دیا گیا ہے۔ یہ لحاظ کئے بغیر کہ محقق ابن خلدون اور ان کے اذناب اس کے معتقد ہیں یا نہیں۔

تنبیہ

یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ علماء کے نزدیک مفہوم عدد معتبر نہیں ہے۔ اس لئے ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت سے قبل اس کے ظہور کی چھ علامات ہیں یا زائد و کم۔ یہ وقت اور علامات کی حیثیت شمار کرنے سے مختلف ہو سکتی ہیں۔ ان کا کسی حیثیت سے چھ ہونا بھی ممکن ہے اور کسی لحاظ سے وہ کم اور زیادہ بھی ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ

وقتی لحاظ سے جن علامات کو آپ ﷺ نے یہاں شمار کرایا ہے۔ ان کا عدد کسی خصوصیت پر مشتمل ہو۔ یہ بات صرف یہاں نہیں بلکہ دیگر حدیثوں کے موضوع میں بھی اگر آپ کے پیش نظر رہے تو بہت سی مشکلات کے لئے موجب حل ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ فضل دجال کی حدیثوں میں اختلاف ملتا ہے۔ اس کو ترجمہ کے ساتھ ذیل دیا گیا ہے۔ مولانا عمد یہ اختلاف بھی صرف وقتی اور شخصی اختلاف کے لحاظ سے پیدا ہو جانا بہت قرین قیاس ہے۔ مگر کیا کیا جائے منطقی عادات نے ہمارے ذہنی ساخت کو بدل دیا ہے۔ چونکہ یہ تو حقیقت در افسانہ زدند۔

(۲۶)۔ . . "عن ذی مخبر (هو ابن اخی النجاشی خادم رسول الله ﷺ) قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ستصالحون الروم صلحا امنا فتغزون انتم وهم عدوا من ورائكم فتنصرون وتغنمون وتسلمون ثم ترجعون حتى تنزلوا بمرج ذی تلول فيرفع رجل من اهل النصرانية الصليب فيقول غلب الصليب فيغضب رجل من المسلمين فيدقه فعند ذلك تغدر الروم وتجمع للملحمة - رواه ابو داؤد"

﴿ذی مخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ تم روم سے صلح کرو گے پوری صلح اور دونوں مل کر اپنے دشمن سے جنگ کرو گے اور تم کو کامیابی ہوگی اور مال غنیمت ملے گا۔ یہاں تک کہ جب ایک زمین پر آکر لشکر اترے گا جس میں ٹیلے ہوں گے اور سبزہ ہوگا تو ایک شخص نصرانیوں میں سے صلیب اونچی کرکے کہے گا کہ صلیب کا بول بالا ہوا۔ اس پر ایک مسلمان کو غصہ آجائے گا۔ وہ اس صلیب کو لے کر توڑ ڈالے گا اور اسی وقت نصاریٰ غداری کریں گے اور جنگ عظیم کے لئے سب ایک محاذ پر جمع ہو جائیں گے۔ (ابوداؤد باب ما ذکر من ملاحم روم ص ۲۳۲ ج ۲)﴾

(۲۷)..... ۔ "عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم (رواہ الشیخان) وفی لفظ لمسلم فامکم وفی لفظۃ اخری فامکم منکم"

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال

ہوگا جبکہ تمہارے اندر عیسیٰ بن مریم اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام وہ شخص ہوگا جو خود تم میں سے ہوگا۔(بخاری و مسلم) مسلم کے ایک لفظ میں ہے کہ ایک شخص جو تم ہی میں سے ہوگا اور اس وقت کی نماز میں تمہارا امام وہی ہوگا (بخاری شریف ج ۱ص ۴۹۰ باب نزول عیسیٰ بن مریم، مسلم ج ۱ص ۸۷ باب نزول عیسیٰ بن مریم)۔

حدیث مذکور میں: " و امامکم منکم " کی شرح بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نازل ہوں گے تو وہ شریعت محمدیہ ہی پر عمل فرمائیں گے۔ اس لحاظ سے گویا وہ ہم ہی میں سے ہوں گے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد امام مہدی ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے زمانے میں نازل ہوں گے جبکہ ہمارا امام خود ہم ہی میں کا ایک شخص ہوگا ان دونوں صورتوں میں امامت سے مراد امامت کبریٰ یعنی امیر و خلیفہ ہے۔

اس مضمون کے ساتھ صحیح مسلم میں " فیقول امیرھم تعال صل لنا " کا دوسرا مضمون بھی آیا ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو نماز کا وقت ہوگا اور امام مصلیٰ پر جا چکا ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر وہ امام پیچھے ہٹنے کا ارادہ کرے گا اور عرض کرے گا، آپ آگے تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کو امامت کا حکم فرمائیں گے اور یہ نماز خود اسی کے پیچھے ادا فرمائیں گے۔ یہاں امامت سے مراد امامت صغریٰ یعنی نماز کا امام مراد ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں مضمون بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور آنحضرت ﷺ سے اسی طرح علیحدہ علیحدہ، منقول ہوئے ہیں۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں لفظ: " وامامکم منکم " سے پہلا مضمون مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں مسلمانوں کا امیر ایک نیک شخص ہوگا جیسا کہ ابن ماجہ کی حدیث میں۔ اس کی وضاحت آچکی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے ترجمان السنہ ص ۵۸۶ ج ۳) اس میں: " وامامکم منکم " کی بجائے " وامامکم رجل صالح " صاف موجود ہے۔ یعنی تمہارا امام ایک مرد صالح ہوگا اب بعد میں کسی راوی نے اس کو دوسری روایت پر حمل کر کے امام سے مراد امامت

صغریٰ یعنی نماز کی امامت مراد نے لی ہے اور اسی لئے اس کو بلفظ :"امکم" ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد کسی نے اس کے ساتھ :"منکم" کا لفظ اور اضافہ کر دیا ہے اور جب "امکم" کے ساتھ لفظ" منکم" کی مراد واضح نہ ہو سکی تو پھر اس کی تاویل شروع ہو گئی ہے۔ ورنہ :"امامکم منکم" کا اصل لفظ بالکل واضح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اجمال نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی قوی حدیث نے اس کی پوری تشریح بھی کر دی ہے۔ لہٰذا جب صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں یہ متعین ہو گیا کہ امام سے امیر و خلیفہ مراد ہے تو اب بحث طلب بات صرف یہ رہ گئی ہے کہ یہ امام اور رجل صالح کیا وہی امام مہدی ہی ہیں یا کوئی دوسرا شخص ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دوسری روایات سے یہ ثابت ہو تا ہے کہ اس امام اور رجل صالح سے مراد ہی امام مہدی ہیں تو پھر امام مہدی کی آمد کا ثبوت خود صحیحین میں ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد اب آپ وہ روایات ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ مذکور ہے کہ یہاں امام سے مراد امام مہدی ہی ہیں۔ یہ واضح رہنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں کسی امام عادل کا موجود ہونا جب صحیحین سے ثابت ہے اور اس دعویٰ کے لئے کوئی ضعیف حدیث بھی موجود نہیں کہ وہ امام' امام مہدی نہ ہوں گے بلکہ کوئی اور امام ہو گا تو اب اس امام کے امام مہدی ہونے کے انکار کیلئے کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ بالخصوص جبکہ دوسری روایات میں اس کے امام مہدی ہونے کی تصریح موجود ہے۔ اسی کے ساتھ جب صحیح مسلم کی حدیثوں میں اس امام کے صفات وہی ہیں جو حضرت امام مہدی کی صفات ہیں تو پھر ان حدیثوں کو بھی امام مہدی کی آمد کا ثبوت تسلیم کر لینا چاہئے۔ اس کے علاوہ حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو اگرچہ بلحاظ اسناد ضعیف سہی لیکن صحیح و حسن حدیثوں کے ساتھ ملا کر وہ بھی امام مہدی کی آمد کی حجت کہا جا سکتا ہے۔

(۲۸) "عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ الْمَهْدِیُّ یَنْزِلُ عَلَیْهِ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَیُصَلِّیْ خَلْفَهٗ عِیْسٰی - اخرجه نعیم بن حماد کذافی الحاوی ص۷۸ ج ۲"

(عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم امام مہدی کے بعد نازل ہوں گے اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے (ایک) نماز ادا فرمائیں گے۔﴾

(۲۹)۔ "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِنَّا الَّذِیْ یُصَلِّیْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ خَلْفَہٗ۔ اخرجہ ابو نعیم کذا فی الحاوی ص ٦٤ ج ٢"

﴿ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہماری امت میں سے ایک شخص ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم اقتداء فرمائیں گے۔﴾

(۳۰)۔ "عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَاتَزَالُ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُ عَلَی الْحَقِّ حَتّٰی یَنْزِلَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِبَیْتِ الْمَقْدِسِ یَنْزِلُ عَلَی الْمَہْدِیِّ فَیُقَالُ تَقَدَّمْ یَانَبِیَّ اللّٰہِ فَصَلِّ بِنَا فَیَقُوْلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃُ اُمَرَاءُ بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ اخرجہ ابو عمر الدانی فی سننہ الحاوی ص ۸۲ ج ۲ ورواہ مسلم ج ۱ ص ۸۷ باب نزول عیسیٰ بن مریم ایضاً ولکن فیہ فینزل عیسیٰ بن مریم فیقول امیرھم تعال صل لنا کما فی ترجمان السنۃ ص ٥٨٨ ج ٢"

﴿جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک طائفہ حق کے لئے ہمیشہ مقابلہ کرتا رہے گا یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم امام مہدی کی موجودگی میں بیت المقدس میں طلوع فجر کے وقت اتریں گے۔ ان سے عرض کیا جائے گا یا نبی اللہ آگے تشریف لایئے اور ہم کو نماز پڑھا دیجئے وہ فرمائیں گے یہ امت خود ایک دوسرے کے لئے امیر ہے (اس لئے اس وقت کی نماز تو یہی پڑھائیں) یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ مگر اس میں "مہدی" کی جائے "امیر ہم" کا لفظ ہے یعنی مسلمانوں کا امیر عرض کرے گا کہ آپ ہم کو نماز پڑھا دیجئے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہی جواب مذکور ہے۔﴾

(۳۱)۔ "عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَلْتَفِتُ الْمَہْدِیُّ وَقَدْ نَزَلَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ کَاَنَّمَا یَقْطُرُ مِنْ شَعْرِہِ الْمَاءُ فَیَقُوْلُ الْمَہْدِیُّ تَقَدَّمْ صَلِّ بِالنَّاسِ فَیَقُوْلُ عِیْسٰی اِنَّمَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ لَکَ فَیُصَلِّیْ

خلف رجل من ولدی ۔ اخرجه ابو عمرو الدانی فی سننه کذا فی الحاوی ص ۸۱ ج ۲"

﴿حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اترے ہوں گے۔ ان کو دیکھ کر یوں معلوم ہوگا گویا ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اس وقت امام مہدی ان کی طرف مخاطب ہو کر عرض کریں گے تشریف لائیے اور لوگوں کو نماز پڑھائیے۔ وہ فرمائیں گے اس نماز کی اقامت تو آپ کے لئے ہو چکی ہے اور نماز تو آپ ہی پڑھائیں۔ چنانچہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یہ نماز میری اولاد میں سے ایک شخص کے پیچھے ادا فرمائیں گے۔﴾

(۳۲) ... "عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ ینزل عیسی ابن مریم فیقول امیرھم المھدی تعال صل بنا فیقول وان بعضکم علی بعض امراء تکرمۃ اللہ لھذہ الامۃ ۔ اخرجه السیوطی فی الحاوی ص ۶۴ ج ۲ عن ابی نعیم"

﴿جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور لوگوں کے امیر مہدی ... فرمائیں گے کہ آئیے اور ہم کو نماز پڑھائیے۔ وہ جواب دیں گے کہ تم ہی میں سے ایک دوسرے کا امیر ہے اور یہ اس امت کا اعزاز ہے۔﴾

(۳۳) ... "عن ابن سیرین قال المھدی من ھذہ الامۃ وھو الذی یؤم عیسی ابن مریم علیھما السلام ۔ اخرجه ابن ابی شیبۃ کذا فی الحاوی ص ۶۱ ج ۲"

﴿ابن سیرین سے روایت ہے کہ مہدی ... اسی امت سے ہوں گے اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی امامت انجام دیں گے۔﴾

(۳۴) ... "عن ابی امامۃ قال خطبنا رسول اللہ ﷺ وذکر الدجال وقال فتنفی المدینۃ الخبث منھا کما ینفی الکیر خبث الحدید

وتدعى ذلك اليوم يوم الخلاص فقالت أم شريك فاين العرب يارسول الله يومئذ . قال هم يومئذ قليل" وجلهم ببيت المقدس وامامهم المهدي رجل" صالح" فبينما امامهم قد تقدم يصلي بهم الصبح اذ نزل عليهم عيسى ابن مريم الصبح فرجع ذلك الامام ينكص يمشي القهقرى ليتقدم عيسى فيضع عيسى يده بين كتفيه ثم يقول له تقدم فانها لك اقيمت فيصلي بهم امامهم . ابن ماجه ص۲۹۸ باب فتنة الدجال . والروياني وابن خزيمه وابو عوانة والحاكم واللفظ له كذا في الحاوي ص۶۵ ج ۲"

﴿ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مدینہ گندگی کو اس طرح دور کردے گا جس طرح کہ بھٹی لوہے کی گندگی کو دور کر دیتی ہے اور یہ دن یوم الخلاص (پاک اور ناپاک کی جدائی کا دن) کہلائے گا۔ ام شریکؓ نے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ اس وقت عرب کہاں ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت ان کی تعداد کم ہوگی اور ان میں زیادہ تر بیت المقدس میں ہوں گے اور ان کے امام ایک مرد صالح مہدی ہوں گے۔ وہ ایک نیک انسان ہوں گے۔ وہ ایک دن صبح کی نماز کی امامت کے لئے آگے بڑھیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو جائے گا اور یہ امام (مہدی علیہ السلام) الٹے پاؤں لوٹیں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام (امامت کیلئے) آگے بڑھیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ ان کے شانوں کے درمیان رکھ دیں گے اور فرمائیں گے کہ آپ آگے بڑھئے اور یہ آپ ہی کے لئے اقامت کہی گئی ہے اور ان کے امام (مہدی ....) نماز پڑھائیں گے۔﴾

(۳۵) "عن أبي نضرة قال كنا عند جابر بن عبد الله فقال يوشك أهل العراق أن لايجبى إليهم قفيز" ولا درهم" قلنا من أين ذاك فقال من قبل العجم يمنعون ذاك ثم قال يوشك أهل الشام ان لايجبى اليهم دينار" ولا مدي قلنا له من اين ذاك فقال من قبل الروم ثم سكت هنيهة ثم قال قال رسول الله ﷺ يكون في آخر امتي خليفة يحثي المال حثيا

وَلَا یَعُدُّہٗ عَدًّا قِیْلَ لِاَبِیْ نَضْرَۃَ وَاَبِی الْعَلَاءِ اَتَرَیَانِ اَنَّہٗ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ قَالَ لَا . رواہ مسلم"

﴿ابو نضرۃؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم جابر بن عبداللہؓ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا عنقریب ایسا ہوگا کہ اہل عراق کو نہ غلہ ملے گا نہ پیسہ۔ ہم نے دریافت کیا یہ مصیبت کس کے سبب سے آئے گی۔ انہوں نے فرمایا عجم کے سبب سے وہ غلہ سے روک دیں گے نہ پیسہ۔ پھر فرمایا عنقریب ایک وقت آئے گا کہ اہل شام کو نہ دینار ملے گا نہ کسی قسم کا ذرا سا غلہ۔ ہم نے ان سے پوچھا یہ مصیبت کدھر سے آئے گی۔ فرمایا روم کی جانب سے۔ یہ فرما کر تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ اس کے بعد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا۔ جو لپ بھر بھر کر مال دے گا اور شمار نہیں کرے گا۔ ابو نضرۃؒ سے جو صحابیؓ سے حدیث کا راوی ہے اور ابو العلاءؒ سے پوچھا گیا آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا اس خلیفہ کا مصداق عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ ان دونوں نے بالاتفاق جواب دیا۔ نہیں۔ (مسلم شریف ص ۳۹۵ ج ۲ کتاب الفتن واشراط الساعۃ)﴾

(۳۶) "عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ اُمَّتِیْ خَلِیْفَۃٌ یَحْثِی الْمَالَ حَثْیًا وَلَا یَعُدُّہٗ عَدًّا . رواہ مسلم ص ۳۹۵ ج ۲ کتاب الفتن واشراط الساعۃ"

﴿جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال دونوں ہاتھ بھر بھر کر دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا۔﴾

صحیح مسلم کی مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ایک خلیفہ کے دور میں مال کی خاص بہتات کا تذکرہ ہے اور ابو نضرۃؒ کی حدیث میں اس خلیفہ کے مصداق کے متعلق بھی بحث ہے مگر ابو نضرۃؒ راوی حدیث اور ابو العلاءؒ کی رائے یہ ہے کہ اس کا مصداق عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا ضرب المثل عادل خلیفہ بھی نہیں بلکہ ان کے بعد کوئی اور خلیفہ ہے

مگر جب امام ترمذی، امام احمد اور ابو یعلیٰ کی صحیح حدیثوں میں مال کی یہی بہتات تقریباً ایک ہی الفاظ کے ساتھ امام مہدی کے عہد میں ان کے نام کے ساتھ مذکور ہے تو پھر

صحیح مسلم میں جس خلیفہ کا تذکرہ موجود ہے اس کا امام مہدی ہونا قطعی نہیں تو کیا ظنی بھی نہیں کہا جا سکتا۔

خروج السفیانی وهلاکه مع جنوده بالبیداء

(۴۷) ..... "عن ابی هریرة قال قال رسول اللهﷺ یخرج رجل یقال له السفیانی فی عمق دمشق وعامة من یتبعه من کلب فیقتل حتی یبقرون بطون النساء ویقتل الصبیان فتجمع لهم قیس فیقتلها حتی لایمنع ذنب تلعة ویخرج رجل من اهل بیتی فی الحرة فیبلغ السفیانی فیبعث الیه جندا من جنده فیهزمهم فیسیر الیه السفیانی بمن معه حتی اذا صار ببیداء من الارض خسف بهم فلا ینجو منهم الا المخبر عنهم. رواه الحاکم، کذافی الحاوی ص۶۵ ج۲"

سفیانی کا نکلنا اور مقام بیداء میں اپنی فوج کے ساتھ ہلاک ہونا

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے دمشق کی بستی پر ایک سفیانی شخص حملہ آور ہوگا۔ جس کی عام فوج اتباع کرنے والے قبیلہ کلب کے لوگ ہوں گے۔ وہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے گا اور بچوں کو قتل کرے گا اس کے مقابلہ کے لئے قیس کے قبیلہ کے لوگ جمع ہوں گے پھر وہ ان کو قتل کرے گا۔ حتیٰ کہ کسی ٹیلے کی تمائی ان کو نہ بچا سکے گی۔ اور میرے اہل بیت میں سے مدینہ میں ایک شخص ظاہر ہوگا۔ اس سفیانی کو اس کی خبر پہنچے گی تو وہ اپنے لشکر میں سے ایک دستہ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کرے گا۔ وہ شخص ان کو شکست دے گا۔ اس پر سفیانی اپنے ہمراہیوں کو لیکر خود ان کے مقابلہ کے لئے چلے گا۔ یہاں تک کہ جب بیداء کے میدان میں پہنچے گا تو سب زمین میں دھنس جائیں گے اور ان میں سے کوئی شخص بھی نہ بچے گا۔ مگر صرف ایک شخص جو ان لوگوں کی خبر اپنی جماعت کو جا کر دے گا۔ (حاکم حدیث نمبر ۸۶۶۳ ص ۵۲۰ ج ۵ باب ذکر خروج السفیانی من دمشق وهلاکه۔)

(۳۸) "عن عائشة قالت قال رسول اللہ ﷺ العجب ان ناسا من امتی یؤمون البیت لرجل من قریش قد لجأ بالبیت حتی کانوا بالبیداء خسف بهم فیهم المستبصر والمجبور وابن السبیل یهلکون مهلکا واحدا ویصدرون مصادر شتی یبعثهم اللہ علی نیاتهم ۔ رواہ مسلم"

﴿حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تعجب کی بات ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ شریف کی طرف ایسے قریشی شخص کے مقابلے کا قصد کریں گے جس نے بیت اللہ کی پناہ لے رکھی ہوگی اور میری امت ہی کے چند لوگ اس سے جنگ کا قصد کریں گے۔ یہاں تک کہ جب بیداء میں پہنچیں گے تو سب کے سب زمین میں دھنس جائیں گے۔ ان میں اپنی خوشی سے آنے والے اور زبردستی سے آنے والے اور مسافر سب ہی قسم کے لوگ ہوں گے یہ سب ایک ہی جگہ ہلاک ہو جائیں گے مگر حشر میں اپنی اپنی نیت کے مطابق اٹھیں گے (مسلم شریف ص ۳۸۸ ج ۲ کتاب الفتن)﴾

(۳۹) "عن ابی هریرة ان رسول اللہ ﷺ قال لا تقوم الساعة حتی تنزل الروم بالاعماق او بدابق فیخرج الیهم جیش من المدینة من خیار اهل الارض یومئذ فاذا تصافوا قالت الروم خلوا بیننا وبین الذین سبوا منا نقاتلهم فیقول المسلمون لا واللہ لا نخلی بینکم وبین اخواننا فیقاتلونهم فینهزم ثلث لا یتوب اللہ علیهم ابدا ویقتل ثلثهم افضل الشهداء عند اللہ ویفتتح الثلث لا یفتنون ابدا فیفتتحون قسطنطینیة فبینما هم یقتسمون الغنائم قد علقوا سیوفهم بالزیتون اذ صاح فیهم الشیطان ان المسیح قد خلفکم فی اهلیکم فیخرجون وذلک باطل فاذا جاؤا الشام خرج فبینما هم یعدون للقتال یسوون الصفوف اذ اقیمت الصلوة فینزل عیسی بن مریم فامهم فاذا رآه عدو اللہ ذاب کما یذوب الملح فی الماء فلو ترکه لانذاب حتی یهلک ولکن یقتله اللہ بیده فیریهم دمه فی حربته ۔ رواہ مسلم"

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ روم کے نصاریٰ کا لشکر اعماق میں یا دابق میں اترے گا (یہ دونوں مقام حلب کے قریب ملک شام میں ہیں) تو مدینہ سے ایک ایسا لشکر نکلے گا جو اس وقت تمام روئے زمین میں افضل ہوگا جب دونوں لشکر صف آرا ہو جائیں گے تو نصاریٰ کہیں گے تم ان مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ جنہوں نے ہمارے بال بچے گرفتار کر لئے ہیں اور غلام بنائے ہیں ہم ان سے لڑیں گے۔ مسلمان کہیں گے نہیں خدا کی قسم ہم اپنے بھائیوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ پھر لڑائی ہوگی تو مسلمانوں کا ایک تہائی لشکر بھاگ نکلے گا۔ ان کی توبہ اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہ کرے گا اور تہائی لشکر شہید ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام شہیدوں میں افضل ہوگا اور تہائی لشکر فتحیاب ہوگا وہ عمر بھر کبھی کسی فتنے اور بلا میں نہ پڑیں گے پھر وہ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے جو اس وقت نصاریٰ کے قبضہ میں آگیا ہوگا۔ (اب تک یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں ہے) وہاں غنیمت کی تقسیم میں ابھی مشغول ہوں گے اور اپنی تلواریں زیتون کے درختوں میں لٹکا چکے ہوں گے۔ اتنے میں شیطان آواز دے گا کہ دجال تمہارے پیچھے تمہارے بال بچوں میں نکل آیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی مسلمان وہاں سے چل پڑیں گے حالانکہ یہ خبر غلط ہوگی۔ جب شام کے ملک میں پہنچیں گے اس وقت دجال نکلے گا اور جب مسلمان جنگ کے لئے مستعد ہوں گے اور صف آرائی کر رہے ہوں گے کہ نماز کا وقت آجائے گا۔ اسی وقت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور ان کی امامت کریں گے جب خدا کا دشمن دجال ان کو دیکھے گا تو مارے خوف کے اس طرح پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام اس کو یونہی چھوڑ دیں تو بھی وہ خود بخود گھل گھل کر ہلاک ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مقدر فرمایا ہے۔ اس لئے وہ اس کو قتل فرمائیں گے اور اپنے نیزہ میں اس کے قتل کا خون دکھائیں گے۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۹۱، ۳۹۲ کتاب الفتن)۔

ترمذی نے حضرت ابن مسعودؓ سے ایک مفصل روایت نقل کی ہے جس سے اس باب کے واقعات کی ترتیب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام

رومیوں کے ساتھ مل کر پہلے ایک بار رومیوں کے کسی دشمن سے جنگ کریں گے جس کے نتیجہ میں ان کی فتح ہوگی اور دشمن سے حاصل شدہ مال یہ دونوں باہم تقسیم کرلیں گے۔ اس کے بعد پھر یہ دونوں مل کر فارس سے جنگ کریں گے اور پھر ان ہی کو فتح ہوگی۔ رومی مسلمانوں سے کہیں گے کہ جس طرح پہلی بار ہم نے مال غنیمت تقسیم کر کے تم کو دیا تھا اسی طرح اس بار تم بھی مال اور قیدی سب ہم کو برابر تقسیم کر کے ہم کو دیدو۔ اس پر اہل اسلام حاصل شدہ مال اور مشرک قیدیوں کی تو تقسیم کرلیں گے مگر جو مسلمان قیدی ان کے پاس ہوں گے۔ وہ تقسیم نہ کریں گے۔ رومی کہیں گے کہ ہم سے جنگ کرنے اور ہمارے بچوں کو قید کرنے کے یہ بھی مجرم ہیں۔ اس لئے ان کو بھی ہمارے حوالہ کرو۔ مسلمان کہیں گے یہ نہیں ہوسکتا ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو ہرگز تمہارے حوالہ نہیں کریں گے۔ رومی کہیں گے کہ یہ خلاف معاہدہ بات ہے۔ آخر کار رومی صاحب رومیہ کے پاس یہ شکایت لے کر جائیں گے۔ وہ اسی (۸۰) جھنڈے کا ایک بڑا لشکر سمندری راہ سے ان کے ہمراہ کردے گا جس کے ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار سپاہی ہوں گے۔ یہ لشکر شام کا تمام ملک فتح کرلے گا صرف دمشق اور معتق کا پہاڑ بچا رہے گا اور بیت مقدس کو برباد کر ڈالے گا۔ یہاں ایک سخت جنگ ہوگی مسلمانوں کے بچے معتق پہاڑ کے اوپر ہوں گے اور مسلمان شہر ادیلہ پر صبح و شام ان سے نبرد آزما ہوں گے۔ جب شاہ قسطنطنیہ یہ نقشہ دیکھے گا تو وہ قنسرین کے پاس تین لاکھ فوج خشکی کی راہ سے روانہ کرے گا اور یمن کے ساتھ چالیس ہزار قبیلہ حمیر کے لوگ ان سے آملیں گے۔ یہاں تک کہ بیت مقدس پہنچیں گے اور وہ بھی روم سے جنگ کریں گے۔ آخر ان کو شکست دیں گے۔

ایک اور لشکر آزاد شدہ غلاموں کا بھی عرب کی مدد کے لئے آئے گا اور کہے گا کہ اے عرب تم تعصب کی بات چھوڑ دو ورنہ کوئی تمہارا ساتھ نہ دے گا اور پھر ان کی مشرکین سے جنگ ہوگی مگر مسلمانوں کے کسی لشکر کو فتح نصیب نہ ہوگی۔ ایک تہائی مسلمان شہید ہو جائیں گے اور ایک تہائی بھاگ نکلیں گے اور ایک تہائی باقی رہ جائیں گے۔ ان میں سے پھر ایک تہائی مرتد ہو کر روم سے جا ملیں گے اور ایک تہائی عراق و یمن اور حجاز کی طرف بھاگ

جائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ ایک تہائی کہیں گے کہ واقعی اب عصبیت چھوڑ کر سب متفق ہو جاؤ اور سب مل کر دشمن سے جنگ کرو اور اب اس عزم کے ساتھ جنگ کریں گے کہ یا ہم فتح کر لیں گے ورنہ مر جائیں گے۔

جب رومی لشکر مسلمانوں کی اس قوت کا احساس کرے گا تو ایک شخص صلیب لے کر کھڑا ہو گا اور کہے گا کہ صلیب کا بول بالا ہوا۔ اس پر ایک مسلمان جھنڈا لے کر نعرہ لگائے گا کہ اللہ کے انصار کا غلبہ ہوا۔ رومیوں کے اس کفر پر اللہ تعالیٰ کو غصہ آئے گا اور وہ مسلمانوں کی دو لاکھ فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائے گا اور مسلمانوں کو کامیاب کر دے گا۔ اس کے بعد مسلمان رومیوں کے ملک میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں کے لوگ ان سے امن طلب کر کے جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں گے پھر ادر گرد کے رومی یہ افواہ اڑائیں گے کہ دجال نکل آیا ہے مسلمان ادھر بھاگ پڑیں گے۔ بعد میں ان کو معلوم ہو گا کہ یہ خبر غلط تھی ادھر باقی ماندہ مسلمانوں پر رومی ٹوٹ پڑیں گے اور ان کو تیغ و تیر سے قتل کر ڈالیں گے۔ یہاں تک کہ روم میں عرب کے زن و مرد میں سے کوئی نہ بچے گا مسلمان واپس ہو کر جب یہ ماجرا دیکھیں گے تو پھر ان سے جنگ کریں گے اور جس قلعہ پر گزریں گے۔ تین دن کے اندر اندر اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کر دے گا۔ یہاں تک کہ جب خلیج کے پاس پہنچیں گے تو نصاریٰ کہیں گے مسیح ہمارا مددگار ہے اور صلیب کی برکت خلیج سمندر سے جاؤ کے لئے ہماری مددگار ہے۔

جب صبح ہو گی تو کیا دیکھیں گے کہ خلیج خشک ہو گئی ہے اور سمندر ہٹ چکا ہے۔ اس فوراً اس میں اپنے خیمے لگا دیں گے ادھر مسلمان جمعہ کی شب میں کفر کے اس شہر کا محاصرہ کر لیں گے اور رات سے لیکر صبح تک حمد اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے رہیں گے۔ نہ کوئی شخص سوئے گا اور نہ بیٹھے گا جب صبح ہو گی تو تمام مسلمان مل کر ایک بار اللہ اکبر کا نعرہ لگائیں گے اسی وقت شہر کی ایک جانب گر پڑے گی اس پر حیران ہو کر روم کہیں گے کہ پہلے تو ہماری جنگ عرب سے تھی۔ اب تو جنگ کرنی تو پروردگار عالم ہی سے جنگ معلوم ہوتی ہے۔ دیکھو مسلمانوں کے لئے ہمارا شہر خود بخود گر کر برباد ہو گیا۔ اس کے بعد مال غنیمت کا سونا ڈھالوں میں بھر بھر کر تقسیم ہو گا اور عورتیں اس کثرت سے ہوں گی کہ ایک ایک شخص کے

حصہ میں تین تین سو اور تیس آئیں گی۔ اس کے بعد پھر دجال حقیقۃً نکل آئے گا اور قسطنطنیہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں فتح ہو گا جو زندہ و سلامت رہیں گے۔ نہ بیمار پڑیں گے اور نہ کوئی مرض ان کو ستائے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور ان کے ہمراہ یہ جماعت دجال کے لشکر (یہود) کے ساتھ جنگ میں شریک ہو گی۔ یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ امام سیوطیؒ نے جامع کبیر میں ذکر فرمائی ہے۔

بعض حدیثوں میں امام مہدی کے متعلق " یصلحه الله فی الیلة" کا لفظ بھی ملتا ہے۔ جو ضابطہ حدیث کے اعتبار سے خواہ صحت کے درجہ پر نہ کہا جائے مگر ایک عمیق حقیقت اس سے حل ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں پر بعض ضعیف الایمان قلوب میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ جب امام مہدی ایسی کھلی ہوئی شہرت رکھتے ہیں تو پھر ان کا تعارف عوام و خواص میں کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ اس لئے مصائب و آلام کے وقت ان کے ظہور کا انتظار معقول معلوم نہیں ہوتا لیکن اس لفظ نے یہ حل کر دیا کہ یہ صفات خواہ کتنے ہی اشخاص میں کیوں نہ ہوں لیکن ان کے وہ باطنی تصرفات اور روحانیت مشیت الٰہیہ کے ماتحت اوجھل رکھی جائے گی یہاں تک کہ جب ان کے ظہور کا وقت آئے گا تو ایک ہی شب کے اندر اندر ان کی اندرونی خصوصیات منظر عام پر آ جائیں گی۔ گویا یہ بھی ایک کرشمۂ قدرت ہو گا کہ ان کے ظہور کے وقت سے قبل کوئی شخصیت ان کو پہچان نہ سکے گی اور جب وقت آئے گا تو قدرت الٰہیہ شب بھر میں وہ تمام صلاحیتیں ان میں پیدا کر دے گی جن کے بعد ان کا امام مہدی ہونا ایک بینا پر بھی منکشف ہو جائے گا۔ دیکھئے کہ دجال کا خروج احادیث کی رو سے کیسا جلی ہے لیکن یہ ثابت شدہ حقیقت اس کے خروج سے پہلے کتنی مخفی رکھی گئی ہے اور جب کہ یہ داستان دور فتن کی ہے تو اب امام مہدی کے ظہور اور دجال کے وجود میں انکشاف کا مطالبہ کرنا اس بحث میں پڑنا یہ مستقل خود ایک فتنہ ہے۔

اس قسم کے عجائبات کی مثالیں شریعت میں بہت ملتی ہیں۔ یوم جمعہ میں ساعت محمودہ کا ہونا تو یقینی ہے مگر وہ بھی اختلافات کے جھرمٹ میں ایسی مبہم ہو کر رہ گئی ہے کہ اس کا متعین کرنا اہل علم کو بھی مشکل پڑ گیا ہے۔ یہی حال شب قدر میں ہے اور اس سے زیادہ ابہام

دور فتن کی احادیث میں نظر آتا ہے۔ غالباً یہ بھی مشیت الٰہیہ کا ایک سر ہے کہ فتنہ اپنے وقت پر ظاہر ہو پھر اس کا متعین کرنا مشکل ہو جائے۔ دجال کی حدیثوں میں آپ پڑھیں گے کہ اس میں دجالیت کا ثبوت واضح سے واضح صورت میں موجود ہوگا لیکن اس پر بھی ایک جماعت ہوگی جو اس کو خدا اور رسول ماننے پر مجبور ہوگی۔ کیونکہ اس کے ہمراہ دجالیت کے ثبوت کے ساتھ ساتھ ایسے شبہات کی دنیا ہوگی جن کا ظہور اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ گو شبہات کسی کے دعوے کے ثبوت کے لئے کتنے ہی ناکافی ہوں مگر اس وقت کے ایمانوں کو متزلزل کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ظہور کے لئے قدرت الٰہیہ نے وہ زمانہ مقرر فرمایا ہے جبکہ ایمانوں کی قوت مسلوب ہو چکی ہوگی اور یہی راز ہے کہ اس کا ظہور خیر القرون میں نہ ہو سکا اور نہ اولیاء کرام کی کثرت کے ساتھ موجودگی میں ہو سکتا ہے۔ ہاں! مسلمانوں کے ایسے دور میں ہوگا جبکہ وہ بھیڑوں کی شکل میں مارے مارے پھرتے ہوں گے اور یہی حقیقت ہے کہ دنیا کے جس گوشہ میں ایمان کے پختہ لوگ بستے ہیں۔ وہاں جناتی اثرات کا ظہور بہت مشکل نظر آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

دجال اکبر

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

الحمدللہ وکفی وسلام علی خاتم الانبیاء، اما بعد!

رحمت مجسم، نبی کرم، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دجال اکبر کا فتنہ ابتدائے آفرینش سے تمام قیامت تک کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ جو اہل اسلام کے ایمان کے لئے خطرناک ترین امتحان ہوگا۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے دجال کے فتنہ کی ہلاکت خیزیوں سے اپنی اپنی امت کو باخبر کیا لیکن اس فتنہ کی تفصیلات اور واضح علامات آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائیں۔ احادیث کی روشنی میں "دجال اکبر" پر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنی" کی اس کاوش نے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ کا کام کیا ہے۔ پچیس احادیث مبارکہ مع ترجمہ توضیح و تشریح کے آپ نے قلمبند فرما کر امت محمدیہ پر احسان فرمایا ہے۔

اللھم انا نعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال۔ آمین!

فقیر شہ دسایا

۷ / ۶ / ۱۴۲۲ھ

۲۷ / ۸ / ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)۔ "عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ يَقُوْلُ مَابَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ أَمْرٌ (وفي رواية خلق) أَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ۔ مسلم ج ۲ ص ۴۰۵ باب بقية من احاديث الدجال"

﴿عمران بن حصینؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت آنے تک دجال سے زیادہ بڑا اور کوئی فتنہ نہیں ہے﴾

(۲) ..... "عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الدَّجَّالُ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُسْرٰى جُفَالُ الشَّعْرِ مَعَهُ جَنَّتُهُ وَنَارُهُ فَنَارُهُ جَنَّةٌ وَجَنَّتُهُ نَارٌ۔ مسلم ص ۴۰۰ ج ۲ باب ذکر الدجال"

﴿حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال بائیں آنکھ سے کانا ہو گا اس کے جسم پر بہت گھنے بال ہوں گے اور اس کے ساتھ اس کی جنت اور دوزخ بھی ہو گی لیکن جو اس کی جنت نظر آئے گی در اصل وہ دوزخ ہو گی اور جو دوزخ نظر آئے گی وہ دراصل میں جنت ہو گی۔ (لہذا جس کو وہ جنت میں ڈالے گا وہ دوزخی ہو گا اور جس کو اپنی دوزخ میں ڈالے گا وہ جنتی ہو گا۔)

(۳).. "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَدِيْثًا مَاحَدَّثَهُ نَبِيٌّ قَوْمَهُ أَنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّهُ يَجِيْئُ مَعَهُ بِمِثْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَالَّتِيْ يَقُوْلُ أَنَّهَا الْجَنَّةُ هِيَ النَّارُ وَإِنِّيْ أُنْذِرُكُمْ بِهِ كَمَا أَنْذَرَ بِهِ

نوحٌ قومَہ۔ متفق علیہ واللفظ للمسلم ج۲ص۴۰۰ باب ذکر الدجال"

﴿ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو دجال کے متعلق ایسی بات نہ بتاؤں جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی نبی نے اپنی امت کو نہ بتائی ہو۔ دیکھو وہ کانا ہوگا اور اس کے ساتھ جنت اور دوزخ کے نام سے دو شعبدے بھی ہوں گے۔ تو جس کو وہ جنت کہے گا وہ در حقیقت دوزخ ہوگی۔ دیکھو دجال سے میں بھی تم کو اسی طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا﴾

(۴)......"عن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ ﷺ من سمع بالدجال فلینأ منہ فواللہ ان الرجل لیأتیہ وھو یحسب انہ مؤمن فیتبعہ مما یبعث بہ من الشبہات۔ رواہ ابوداؤد ج۲ص۱۳۴ باب خروج الدجال"

﴿عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیکھو جو شخص دجال کی خبر سنے اس کو چاہئے کہ وہ اس سے دور ہی دور رہے کیونکہ ایک شخص کو اپنے دل میں یہ خیال ہوگا کہ وہ مومن آدمی ہے لیکن ان عجائبات کو دیکھ کر جو اس کے ساتھ ہوں گے۔ وہ بھی اس کے پیچھے لگ جائے گا۔﴾

(۵)......"وعن عبادۃ بن الصامت عن رسول اللہ ﷺ قال انی قد حدثتکم عن الدجال حتی خشیت ان لا تعقلوا ان المسیح الدجال رجل قصیر افحج جعد اعور مطموس العین لیس بناتئۃ ولا حجراء فان البس علیکم فاعلموا ان ربکم لیس باعور۔ رواہ ابوداؤد ج۲ص۱۳۴ باب خروج الدجال"

﴿عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں نے دجال کے متعلق کچھ تفصیلات تم لوگوں سے بیان کیں لیکن مجھ کو خطرہ ہے کہ کہیں تم پورے طور پر اس کو نہ سمجھے ہو۔ دیکھو مسیح دجال کا قد ٹھگنا ہوگا۔ اس کے دونوں پیر ٹیڑھے، سر کے بال شدید خمیدہ، یک چشم مگر ایک آنکھ بالکل چٹ صاف نہ اوپر کو ابھری ہوئی نہ اندر کو

متعین ہوئی۔ اگر اب بھی تم کو شبہ رہے تو یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا رب یقیناً کانا نہیں ہے۔﴾

(۶) ''وعن أبي عبيدة بن الجراحؓ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول إنه لم يكن نبي بعد نوح إلا قد أنذر قومه الدجال وإني أنذركموه فوصفه لنا قال لعله سيدركه بعض من رآني أو سمع كلامي قالوا يا رسول الله فكيف قلوبنا يومئذ فقال مثلها يعني اليوم أو خير.
رواه الترمذي ج۲ ص۴۷ باب ما جاء في الدجال''

﴿ابو عبیدہ بن جراحؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد جو نبی آیا ہے اس نے اپنی قوم کو دجال سے ضرور ڈرایا ہے اور میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی صورت وغیرہ بیان فرمائی اور کہا ممکن ہے جنہوں نے مجھ کو دیکھا ہے یا میرا کلام سنا ہو ان میں کوئی ایسا شخص آ جائے جو اس کا زمانہ پائے۔ انہوں نے پوچھا اس دن ہمارے دلوں کا حال کیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہی جیسا آج ہے یا اور بھی بہتر۔﴾

پیشین گوئی میں اتمام کا ابہام رہ جاتا ہے اور وہ تکوینی امر ہے۔ دیکھئے یہاں پر: ''لعله سيدركه بعض من رآني.'' کے لفظ نے کتنا ابہام پیدا کر دیا ہے۔ پھر: ''أو خير'' میں یہ ابہام کہاں تک جا پہنچتا ہے۔

(۷) ''عن أبي سعيد الخدري قال حدثنا النبي ﷺ يوماً حديثاً طويلاً عن الدجال فكان فيما يحدثنا به أنه قال يأتي الدجال وهو محرم عليه أن يدخل نقاب المدينة فينزل بعض السباخ التي تلي المدينة فيخرج إليه يومئذ رجل وهو خير الناس أو من خيار الناس فيقول أشهد أنك الدجال الذي حدثنا رسول الله ﷺ حديثه فيقول الدجال أرأيتم إن قتلت هذا ثم أحييته هل تشكون في الأمر فيقولون لا فيقتله ثم يحييه فيقول والله ما كنت فيك أشد بصيرة مني اليوم فيريد الدجال أن يقتله فلا يسلط عليه. رواه البخاري ج۲ ص۱۰۵۶ باب لا يدخل الدجال المدينة''

﴿حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ایک طویل حدیث دجال کے بارہ میں بیان فرمائی تو جو باتیں آپ نے ہم سے اس کے متعلق بتائیں۔ ان میں یہ بھی فرمایا تھا کہ دجال آئے گا مگر مدینہ کے راستوں میں گھس آنا اس کے لئے حرام ہوگا تو وہ مدینہ کے آس پاس کی بنجر زمین میں کسی جگہ آکر اترے گا تو........ اس کے مقابلہ کے لئے اس دن ایک شخص نکلے گا جو تمام انسانوں میں سب سے بہتر (یا بہتر انسانوں میں سے) ہوگا۔ وہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی بات ہم کو جناب رسول اللہ ﷺ نے سنائی تھی۔ تو دجال کہے گا۔ لوگو! بتاؤ اگر میں اس شخص کو قتل کر دوں اور پھر اسے زندہ کر دوں تب تو تم کو میرے معاملے میں کوئی شک شبہ باقی نہ رہے گا۔ وہ کہیں گے کہ نہیں۔ تو وہ ان کو قتل کر دے گا پھر ان کو زندہ کر دے گا۔ تو وہ مرد کہیں گے خدا کی قسم! اب تو مجھ کو تیرے بارے میں اور بھی یقین اور بصیرت حاصل ہوگئی کہ آج سے زیادہ ایسی بصیرت پہلے نہ تھی۔ تو دجال پھر ان کو قتل کرنا چاہے گا مگر اس کا قابو ان پر نہ چل سکے گا۔﴾

حدیث رسول اللہ ﷺ سے وہ مسئلہ بھی مستنبط ہو سکتا ہے جو اصول حدیث میں مندرج ہے۔ اس کی تفصیل کا نہ یہاں موقعہ ہے نہ مناسب۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص عجب نہیں کہ خضر علیہ السلام ہوں واللہ تعالیٰ اعلم بہرحال حدیثیں جمع کے صیغہ میں بہت سے امور کی طرف اشارات ممکن ہیں۔

(۸) ...... "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَجِيءُ الدَّجَّالُ حَتَّى يَنْزِلَ فِي نَاحِيَةِ الْمَدِينَةِ ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِينَةُ ثَلاثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ رواه البخاری وفی روایة عنه لایدخل المدینة رعب المسیح الدجال ولها یومئذ سبعة ابواب علی کل باب ملکان وفی روایة علی انقاب المدینة ملائکة وفی روایة المدینة یاتیها الدجال فیجد الملائکة یحرسونها فلا یقربها کلها فی البخاری ج ۲ص ۱۰۵۵ باب ذکر الدجال"

﴿حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجال

آنے کا یہاں تک کہ مدینہ کے ایک کنارے آکر اترے گا تو تین بار زلزلے آئیں گے۔ اس وقت جتنے کافر اور جتنے منافق ہوں گے سب نکل نکل کر اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔

ان ہی ایک اور روایت میں ہے کہ مدینہ کے اندر مسیح دجال کا رعب بھی نہ آنے پائے گا۔ اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو دو فرشتے ہوں گے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے تمام راستوں پر پہرے کے فرشتے ہوں گے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے پاس دجال آئے گا تو فرشتوں کو اس کی نگرانی کرتے پائے گا۔ لہٰذا ان کے پاس بھی نہ پھٹک سکے گا۔

(۹) "عن فاطمة بنت قيس قالت: سمعت نداء المنادي منادي رسول الله ﷺ ينادي الصلوة جامعة فخرجت إلى المسجد فصليت مع رسول الله ﷺ فلما قضى صلوته جلس على المنبر وهو يضحك فقال ليلزم كل انسان مصلاه ثم قال أتدرون لم جمعتكم قالوا الله ورسوله اعلم قال اني والله ما جمعتكم لرغبة ولا لرهبة ولكن جمعتكم لأن تميما الداري كان رجلا نصرانيا فجاء فبايع وأسلم وحدثني حديثا وافق الذي كنت احدثكم به عن المسيح الدجال حدثني أنه ركب في سفينة بحرية مع ثلثين رجلا من لخم وجذام فلعب بهم الموج شهرا في البحر فأرفؤا الى جزيرة حين تغرب الشمس فجلسوا في اقرب السفينة فدخلوا الجزيرة فلقيتهم دابة اهلب كثير الشعر لا يدرون ما قبله من دبره من كثرة الشعر فقالوا ويلك ما أنت فقالت انا الجساسة انطلقوا الى هذا الرجل في الدير فانه الى خبركم بالاشواق قال لما سمت لنا رجلا فرقنا منها ان تكون شيطانة قال فانطلقنا سراعا حتى دخلنا الدير فاذا فيه اعظم انسان رأيناه قط خلقا واشده وثاقا مجموعة يداه الى عنقه ما بين ركبتيه الى كعبيه بالحديد قلنا ويلك ما أنت قال قد قدرتم على خبري فاخبروني ما انتم قالوا نحن اناس من العرب

رَكِبْنَا فِي سَفِينَةٍ بَحْرِيَّةٍ فَلَعِبَ بِنَا الْمَوْجُ شَهْرًا فَدَخَلْنَا الْجَزِيرَةَ
فَلَقِيَتْنَا دَابَّةٌ أَهْلَبُ فَقَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ اِعْمِدُوا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ
فَأَقْبَلْنَا إِلَيْكَ سِرَاعًا فَقَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ هَلْ تُثْمِرُ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ
أَمَا إِنَّهَا تُوشِكُ أَنْ لَا تُثْمِرَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ بُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ هَلْ فِيهَا مَاءٌ؟
قُلْنَا هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ قَالَ إِنَّ مَاءَهَا يُوشِكُ أَنْ يَذْهَبَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ عَيْنِ
زُغَرَ هَلْ فِي الْعَيْنِ مَاءٌ وَهَلْ يَزْرَعُ أَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ قُلْنَا نَعَمْ هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ
وَأَهْلُهَا يَزْرَعُونَ مِنْ مَائِهَا قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَبِيِّ الْأُمِّيِّينَ مَا فَعَلَ قُلْنَا قَدْ
خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ أَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ؟
فَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّهُ قَدْ ظَهَرَ عَلَى مَنْ يَلِيهِ مِنَ الْعَرَبِ وَأَطَاعُوهُ قَالَ أَمَا إِنَّ ذَلِكَ
خَيْرٌ لَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ وَإِنِّي مُخْبِرُكُمْ عَنِّي أَنَا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ وَإِنِّي يُوشِكُ
أَنْ يُؤْذَنَ لِي مِنَ الْخُرُوجِ فَأَخْرُجُ فَأَسِيرُ فِي الْأَرْضِ فَلَا أَدَعُ قَرْيَةً إِلَّا
هَبَطْتُهَا فِي أَرْبَعِينَ لَيْلَةً غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ مُحَرَّمَتَانِ عَلَيَّ كِلْتَاهُمَا كُلَّمَا أَرَدْتُ
أَنْ أَدْخُلَ وَاحِدًا مِنْهُمَا اسْتَقْبَلَنِي مَلَكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ صَلْتًا يَصُدُّنِي عَنْهَا وَإِنَّ
عَلَى كُلِّ نَقْبٍ مَلَائِكَةً يَحْرُسُونَهَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَطَعَنَ بِمِخْصَرَتِهِ
فِي الْمِنْبَرِ هَذِهِ طَيْبَةُ هَذِهِ طَيْبَةُ يَعْنِي مَدِينَةَ أَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ
ذَلِكَ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ ... أَلَا إِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّامِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ لَا بَلْ مِنْ
قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى الْمَشْرِقِ (رواه مسلم ج٢ ص ٤٠٤،
٤٠٥ باب ذكر الدجال) ورواه أبوداؤد مختصرا قال الحافظ ابن حجر عند
شرح حديث جابر من كتاب الاعتصام وقد توهم بعضهم أنه غريب فرد
ليس كذالك فقد رواه مع فاطمة بنت قيس أبوهريرة كما عند أحمد وأبي
يعلى وعائشة كما عند أحمد وجابر كما عند أبي داؤد فتح الباري وذكر أن
البخاري إنما لم يخرجه لشدة التباس الأمر في ذلك فتنبه."

﴾فاطمہ بنت قیسؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے منادی سے سنے

والے کو سنا۔ وہ اعلان کر رہا تھا چلو نماز ہونے والی ہے۔ میں نماز کے لئے نکلی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کے چہرے پر اس وقت مسکراہٹ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھا رہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں جمع کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تم کو نہ تو مال وغیرہ کی تقسیم کے لئے جمع کیا ہے نہ کسی جہاد کی تیاری کے لئے۔ بس صرف اس بات کے لئے جمع کیا ہے کہ تمیم داری پہلے نصرانی تھا۔ وہ آیا ہے اور مسلمان ہو گیا ہے اور مجھ سے ایک قصہ بیان کرتا ہے جس سے تم کو میرے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی جو میں نے کبھی دجال کے متعلق تمہارے سامنے ذکر کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک بڑی کشتی پر سوار ہوا جس پر سمندروں میں سفر کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ قبیلہ لخم اور جذام کے تیس آدمی اور تھے۔ سمندر کا طوفان ایک ماہ تک ان کا تماشہ بناتا رہا۔ آخر مغربی جانب ان کو ایک جزیرہ نظر پڑا جس کو دیکھ کر وہ بہت مسرور ہوئے اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر اس جزیرہ پر اتر گئے۔ سامنے سے ان کو جانور کی شکل کی ایک چیز نظر پڑی جس کے سارے جسم پر بال ہی بال تھے کہ ان میں اس کے اعضائے مستورہ تک کچھ نظر نہ آتے تھے۔ لوگوں نے اس سے کہا کم بخت تو کیا بلا ہے؟ وہ بولی میں دجال کی جاسوس ہوں۔ چلو اس گرجے میں چلو۔ وہاں ایک شخص ہے جس کو تمہارا بڑا انتظار لگ رہا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ جب اس نے ایک آدمی کا ذکر کیا تو اب ہم کو ڈر لگا کہ کہیں وہ کوئی جن نہ ہو۔ ہم لپک کر گرجے میں پہنچے تو ہم نے ایک بڑا قوی ہیکل شخص دیکھا کہ اس سے قبل ہم نے ویسا کوئی شخص نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ گردن سے ملا کر اور اس کے پیر گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے نہایت مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے۔ ہم نے اس سے کہا تیرا ناس ہو تو کون ہے؟ وہ بولا تم کو تو میرا پتہ کچھ نہ کچھ لگ ہی گیا اب تم بتاؤ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم عرب کے باشندے ہیں۔ ہم ایک بڑی کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ سمندر میں طوفان آیا اور ایک ماہ تک رہا اس کے بعد ہم اس جزیرہ میں آئے تو یہاں ہمیں ایک جانور نظر پڑا جس کے تمام جسم پر بال ہی بال تھے۔ اس نے کہا میں جساسہ

(جاسوس خبر رساں) ہوں۔ چلو اس شخص کی طرف چلو جو اس گرجے میں ہے۔ اس لئے ہم
جلدی جلدی تیرے پاس آ گئے۔ اس نے کہا مجھے یہ بتاؤ کہ بیسان (شام میں ایک بستی کا نام
ہے) کی کھجوروں میں پھل آتا ہے یا نہیں۔ ہم نے کہا ہاں آتا ہے۔ اس نے کہا وہ وقت قریب
ہے جب ان میں پھل نہ آئیں۔ پھر اس نے پوچھا بحیرہ طبریہ کے متعلق بتاؤ اس میں پانی
ہے یا نہیں۔ ہم نے کہا بہت ہے۔ اس نے کہا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ اس میں پانی نہ رہے گا۔
پھر اس نے پوچھا زغر (شام میں ایک بستی) کے چشمہ کے متعلق بتاؤ اس میں پانی ہے یا
نہیں اور اس بستی والے اپنی کھیتوں کو اس کا پانی دیتے ہیں یا نہیں۔ ہم نے کہا اس میں بھی
بہت پانی ہے اور بستی والے اسی کے پانی سے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا
اچھا "نبی الامیین" کا کچھ حال سناؤ۔ ہم نے کہا وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے
آئے ہیں۔ اس نے پوچھا کیا عرب کے لوگوں نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے۔ ہم نے کہا
ہاں۔ اس نے پوچھا پھر کیا نتیجہ رہا؟ ہم نے بتایا کہ وہ اپنے گرد و نواح پر تو غالب آ چکے ہیں
اور لوگ ان کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اس نے کہا سن لو ان کے حق میں یہی بہتر تھا کہ ان
کی اطاعت کر لیں اور اب میں تم کو اپنے متعلق بتاتا ہوں۔ میں مسیح دجال ہوں اور وہ وقت
قریب ہے جبکہ مجھ کو یہاں سے باہر نکلنے کی اجازت مل جائے گی۔ میں باہر نکل کر تمام زمین پر
گھوم جاؤں گا اور چالیس دن کے اندر اندر کوئی بستی ایسی نہ رہ جائے گی جس میں میں داخل
نہ ہوں۔ بجز مکہ اور طیبہ کے۔ ان دونوں مقامات میں میرا داخلہ ممنوع ہے۔ جب میں ان
دونوں میں سے کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا اس وقت ایک فرشتہ ہاتھ میں
ننگی تلوار لئے سامنے سے آ کر مجھ کو داخل ہونے سے روک دے گا اور ان مقامات (مقدسہ)
کے جتنے راستے ہیں۔ ان سب پر فرشتے ہوں گے کہ وہ ان کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔
رسول اللہ ﷺ نے اپنی لکڑی منبر پر مار کر فرمایا کہ وہ طیبہ یہی مدینہ ہے یہ جملہ تین بار فرمایا۔
دیکھو کیا یہی بات میں نے تم سے بیان نہیں کی تھی۔ لوگوں نے کہا جی ہاں! آپ نے بیان
فرمائی تھی۔ اس کے بعد فرمایا: دیکھو وہ بحر شام یا بحر یمن (راوی کو شک ہے) بلکہ مشرق کی
جانب ہے اور اسی طرف ہاتھ سے ارشاد فرمایا۔ ﴾

امام قرطبیؒ نے اپنی مشہور کتاب التذکرہ میں لکھا ہے کہ دجال کی بابت جن سوالات کے تفصیلی جوابات حدیث میں آچکے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ اس کی حقیقت سبب خروج' محل خروج' وقت خروج' شکل وصورت' ساحرانہ کرشمے اس کا دعویٰ اس کے قاتل اور وقت قتل کی تعیین اور یہ بحث بھی کہ وہ ابن صیاد ہے یا کوئی اور۔ اس بحث سے اس مسئلہ کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں موجود تھا یا نہیں۔ (دیکھو فتح الباری)

ابن صيّاد واسمه وحلية ابيه ومافيه من صفاته الغريبة

(۱۰)........ "وعن أبي بكرة قال قال رسول الله ﷺ يمكث أبو الدجال وأمه ثلاثين عاما لا يولد لهما ولد' ثم يولد لهما غلام' أعور أضرس وأقله منفعة تنام عيناه ولا ينام قلبه ثم نعت لنا رسول الله ﷺ أبويه فقال أبوه طوال ضرب اللحم كأن أنفه منقار' وأمه امرأة فرضاخية طويلة الثديين فقال أبو بكرة فسمعنا بمولود في اليهود بالمدينة فذهبت أنا والزبير بن العوام حتى دخلنا على أبويه فإذا نعت رسول الله ﷺ فيهما فقلنا هل لكما ولد' فقالا مكثنا ثلاثين عاما لا يولد لنا ولد' ثم ولد لنا غلام' أعور أضرس وأقله منفعة تنام عيناه ولا ينام قلبه قال فخرجنا من عندهما فإذا هو منجدل' في الشمس في قطيفة وله همهمة فكشف عن رأسه فقال ما قلتما؟ قلنا وهل سمعت ما قلنا؟ قال نعم تنام عيناي ولا ينام قلبي. رواه ترمذي ج ۲ ص ۵۰ باب ما جاء في ذكر ابن صياد"

ابن صیاد کا نام اس کا اور اس کے باپ کا حلیہ
اور اس کی عجیب و غریب صفات کا بیان

ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال کے ماں باپ کے گھر

تیس سال تک کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا پھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی ایک آنکھ خراب ایک دانت باہر نکلا ہوا ہوگا وہ بالکل نکما ہوگا۔ سوتے میں اگرچہ اس کی آنکھیں بند ہونگی مگر اس کا دل ہوشیار رہے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کے ماں باپ کا نقشہ بیان فرمایا کہ اس کا باپ ناٹا چھریرے جسم والا چونچ کی طرح اس کی ناک ہوگی۔ اس کی ماں کے دونوں پستان بڑے بڑے لٹکے ہوئے ہوں گے۔ ابو بکرہ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ میں یہود کے گھر اسی قسم کے ایک لڑکے کی پیدائش سنی تو میں اور زبیر بن عوام اس کے دیکھنے کے لئے گئے۔ جب اس کے ماں باپ کے پاس پہنچے دیکھا تو وہ ٹھیک اسی صورت کے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کی صورت بیان فرمائی تھی۔ ہم نے پوچھا تمہارے کوئی بچہ ہے؟۔ انہوں نے کہا تیس سال تک تو ہمارے کوئی بچہ نہیں تھا اس کے بعد اب ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کی ایک آنکھ خراب ہے اس کا ایک دانت باہر نکلا ہوا ہے۔ وہ بالکل نکما ہے۔ اس کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل خبردار رہتا ہے۔ ہم جو ان کے گھر سے باہر نکلے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دھوپ میں اپنی چادر میں لپٹا ہوا کچھ گنگنا رہا ہے۔ اس نے اپنا سر کھول کر کہا۔ تم کیا باتیں کر رہے تھے؟۔ ہم نے کہا کیا تو نے ہماری باتیں سن لیں۔ وہ بولا ہاں! میری آنکھیں ہی سوتی ہیں۔ دل میرا جاگتا رہتا ہے۔

جزری کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ میں لفظ اضرس کاتب کی تصحیف ہے۔ اصل میں "اضر شئی" ہے جیسا کہ ترمذی کی روایت میں موجود ہے۔ اس بناء پر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ سرتاپا مضرت ہی مضرت اور نقصان ہی نقصان ہے۔ احقر کا خیال ہے کہ "ضرس" لغت میں اگرچہ ڈاڑھ کو کہتے ہیں مگر توسعاً اس سے کیلہ یعنی کنارے کا لمبا نوکیلا دانت مراد ہو سکتا ہے اور اضرس کا ترجمہ لمبے کیلے والا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ روایت میں لفظ "طالعة نابه" موجود ہے۔ اس کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ اس کا ایک کیلہ باہر کی جانب نکلا ہوا ہوگا۔ اس بناء پر تصحیف کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

ابن صیاد کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ "تنام عيناه" ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دل کی بیداری محمود صفت بھی ہے اور مذموم بھی۔ جس کا تعلق عالم ملکوت سے قائم ہوتا ہے وہ تو اس بیداری کی وجہ سے عالم علوی یعنی عالم ملکوت سے وابستہ رہتا ہے اور جس کا تعلق

شیاطین اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ عالم سفلی یعنی عالم شیاطین سے وابستہ رہتا ہے اور اسی طرح مرکز ہدایت اور مرکز ضلالت دونوں کو اپنے اپنے عالموں سے مدد پہنچتی رہتی ہے۔"

كلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك ۔ وما كان عطاء ربك محظورا ۔"

روایت مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے دجال اور اس کے ماں باپ کا نقشہ اور حلیہ بھی بیان فرمادیا تھا اور چونکہ وہ ابن صیاد اور اس کے ماں باپ میں بھی موجود تھا اس لئے ابن صیاد کا معاملہ شروع میں باعث تحیر بن گیا تھا کہ کہیں یہی دجال تو نہیں کیونکہ جلد دوم کی ختم نبوت کی بحث میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے دجال اکبر کے علاوہ تیس سے زیادہ دجالوں تک کی اور خبر دی ہے جو اسی امت میں پیدا ہوں گے اور دعویٰ نبوت کریں گے۔ بہر حال چونکہ ابن صیاد میں دجال کا اور اس کے ماں باپ میں دجال کے ماں باپ کا اکثر نقشہ موجود تھا۔ اس لئے اس کے دجال ہونے میں خائف قلوب کو تردد پیدا ہو جانا ایک بالکل فطری اور معقول بات تھی۔

(۱۱) ... "عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عُمَرَ ابْنَ صَيَّادٍ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهُ قَوْلاً أَغْضَبَهُ فَانْتَفَخَ حَتَّى مَلأَ السِّكَّةَ فَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ عَلَى حَفْصَةَ وَقَدْ بَلَغَهَا فَقَالَتْ لَهُ رَحِمَكَ اللّٰهُ مَا أَرَدْتَ مِنْ ابْنِ صَيَّادٍ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّمَا يَخْرُجُ مِنْ غَضْبَةٍ يَغْضَبُهَا ۔ مسلم ج ۲ ص ۳۹۹ باب ذکر ابن صیاد"

﴿نافعؒ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ کی کسی گلی میں ابن عمرؓ کی ابن صیاد سے مڈھ بھیڑ ہو گئی تو انہوں نے اسے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے اسے غصہ آگیا تو وہ پھولنے لگا اور ایسا پھولا کہ ساری گلی اس سے بھر گئی۔ اس کے بعد ابن عمرؓ اپنی ہمشیرہ حضرت سیدہ حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کو کہیں یہ قصہ پہلے ہی پہنچ چکا تھا انہوں نے فرمایا! اے ابن عمر اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تم نے اسے فضول چھیڑا، تمہارا کیا مطلب تھا؟۔ کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال جب نکلے گا تو کسی بات پر غضبناک ہونے کی وجہ سے ہی نکلے گا۔﴾

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد میں بعض باتیں غیر معمولی بھی تھیں۔ مثلاً پھول کر کپہ ہوتا تو ایک مجاز اور اردو کا محاورہ ہے مگر حقیقتاً وہ اس طرح پھول جاتا تھا کہ ساری گلی اس سے بھر جائے۔ یہ جنات کے خواص میں سے ہے اس کے بعد ابن عمرؓ کی جو گفتگو حضرت حفصہؓ سے ہوئی اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر دجال یہی ابن صیاد ہے تو بھی اس کے خروج کا وقت یہ نہیں ہے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہی ابن صیاد کن کن حالات سے گزرے گا اور پھر اپنے وقت مقرر پر ان تمام علامتوں کے ساتھ ظاہر ہوگا جو احادیث میں مذکور ہیں۔

(۱۲)۔ ..... "عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا اَشُكُّ اَنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ ابْنُ صَيَّادٍ۔ رواه داؤد ج۲ ص۱۲۶ باب فی خبر ابن صیاد، والبیہقی فی کتاب البعث والنشور"

﴿نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ مجھ کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ مسیح دجال وہ ابن صیاد ہی ہے۔﴾

مذکورہ بالا حالات کی بناء پر ابن عمرؓ کا ایسا یقین کر لینا کچھ بعید نہیں ہے مگر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اتنی بات سے بقیہ تفصیلات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ابن صیاد کا دجال ہونا پھر اپنے وقت پر اس کا ظاہر ہونا بہت آسان ہے اور یہ مختلف نقول اور آئندہ بھی جو آپ کے سامنے پیش ہوں گی۔ ان کا ابہام اس کے مخفی و مستتر ہونے کا سبب بن گئی ہیں۔

(۱۳)۔ ..... "عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَدْ فَقَدْنَا ابْنَ صَيَّادٍ يَوْمَ الْحَرَّةِ۔ رواه ابوداؤد ج۲ ص۱۲۶ باب فی خبر ابن صیاد"

﴿جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ حرہ ہوئی تھی اس دن کے بعد سے ہم کو ابن صیاد کا پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ چلا کہاں گیا؟۔﴾

ابن صیاد کے حالات زندگی جتنے گوناگوں اختلافات اور ابہام میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اتنے ہی اس کے حالات سے گم گشتگی بھی ہے حتیٰ کہ کوئی تو اس کا گم ہونا نقل کرتا ہے اور کوئی اس کی موت بھی بیان کرتا ہے۔ بہرحال یہ تمام بیانات آپ ﷺ کے بعد ہی کے

ہیں۔ ان تمام اختلافات کو بھی آپ ﷺ کے سر کیسے لگایا جا سکتا ہے؟۔ آنحضرت ﷺ کی جانب سے اس کے بارہ میں ابتدائی تردد کے جو اسباب تھے اس کی حقیقت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس کے بعد پھر جو آخری بات ہے وہ آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

(۱۴) "وعن أبي سعيد الخدري قال صحبت ابن صياد إلى مكة فقال لي ما لقيت من الناس يزعمون أني الدجال ألست سمعت رسول الله ﷺ يقول إنه لا يولد له وقد ولد لي أليس قد قال هو كافر وأنا مسلم أوليس قد قال لا يدخل المدينة ولا مكة وقد أقبلت من المدينة وأنا أريد مكة ثم قال لي في آخر قوله أما والله إني لأعلم مولده ومكانه وأين هو وأعرف أباه وأمه قال فلبسني قال قلت له تبا لك سائر اليوم قال وقيل له أيسرك أنك ذاك الرجل فقال لو عرض علي ما كرهت۔ مسلم ج ۲ ص ۳۹۷ باب ذکر ابن صیاد"

﴿ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں میرا اور ابن صیاد کا ساتھ ہو گیا۔ تو وہ مجھ سے کہنے لگا لوگوں سے مجھ کو کتنی تکلیف پہنچ رہی ہے۔ میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ دجال میں ہوں۔ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ اس کے اولاد نہ ہوگی اور میرے تو اولاد ہے۔ کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہوگا اور میں تو مسلمان ہوں۔ کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ نہ مدینہ میں داخل ہو سکے گا نہ مکہ میں اور دیکھو میں مدینہ سے تو آ ہی رہا ہوں اور اب مکہ مکرمہ جا رہا ہوں۔ یہ سب کچھ کہہ سن کر آخر میں کہنے لگا خدا کی قسم! البتہ میں جانتا ہوں کہ وہ (دجال) کہاں پیدا ہوا؟ اور اب وہ کہاں ہے؟۔ میں اس کے ماں باپ کو بھی خوب پہچانتا ہوں۔ ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ یہ دو رخی باتیں بنا کر اس نے مجھ کو شبہ میں ڈال دیا۔ میں نے اس سے کہا خدا تجھے ہلاک کرے۔ پھر کسی نے اس سے کہا کہ اگر وہ دجال تو ہی ہو تو کیا یہ بات تجھے پسند ہوگی۔ اس پر وہ بولا اگر مجھ کو دجال بنا دیا جائے تو مجھے کچھ برا بھی نہیں معلوم ہوگا۔﴾

ابن صیاد کے یہ عجیب حالات سب حدیثوں سے ثابت ہیں اور ان سب سے اہم

کے سوا کوئی صاف نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تھی کہ اس نے خود جو بیان اپنی صفائی کے لئے پیش کیا تھا اس کو پھر خود ہی اپنی آخر گفتگو سے مبہم بنا دیا۔ حتی کہ ابو سعید کے دل میں اس کی طرف سے اس کی پہلی تقریر سے جو قدرے اطمینان پیدا ہو گیا تھا وہ پھر جاتا رہا۔ پس جبکہ اس کی ذات اور اس کے اقوال میں خود اس درجہ ابہام کے سامان موجود ہیں کہ اس کی موجودگی میں بھی اس کی طرف سے اطمینان حاصل ہونا مشکل مسئلہ بن رہا ہے۔ تو بعد میں اگر روایات کے اختلافات سے اس ابہام کو کچھ اور مدد مل گئی ہو تو اندازہ فرمائیے کہ اب اس کا معاملہ کتنا پیچیدہ ہو جانا چاہئے۔ انسان کے سامنے جزم و یقین کی حالت میں بھی جب کوئی خوفناک منظر آ جاتا ہے تو اس کی فطرت غیر اختیاری طور پر ہراساں ہونے لگتی ہے۔

دیکھئے قیامت کا آنا کتنی یقینی بات ہے۔ اتنی ہی یقینی یہ بات بھی ہے کہ قیامت حضور ﷺ کی حیات میں نہیں آئے گی۔ لیکن اس کے باوجود جب دنیا کے معمول کے مطابق سورج کو گہن لگتا تو آنحضرت ﷺ کی آنکھوں کے سامنے قیامت کا نقشہ گھومنے لگتا تھا۔ اسی طرح جب آسمان پر سیاہ بادل منڈلاتے نظر آتے تو آپ ﷺ کے سامنے قوموں کی ہلاکت کا سماں بندھ جاتا اور آپ ﷺ پر کرب و بے چینی کا یہ عالم اس وقت تک برابر رہتا جب تک کہ بارش ہو کر بادل صاف نہ ہو جاتے۔ پس خوف کے مقامات میں جو غیر اختیاری تردد لاحق ہوتا انسانی فطرت ہے۔ اس کو جزم و یقین کے خلاف سمجھنا خود بڑی غلطی ہے۔ اسی طرح ابن صیاد کے حالات تھے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس کے حالات دجال اکبر سے کتنے ملتے جلتے تھے۔ اس لئے اگر اس کے معاملہ میں آپ ﷺ سے ایسا غیر اختیاری تردد کے جو الفاظ منقول ہیں۔ ان کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں سمجھنا چاہئے جو ابھی ہم نے آپ سے بیان کی ہے۔ یہاں جن کو ابھی تک یہ تمام حقائق وہم کہانیاں معلوم ہوتی ہیں جن کو خسوف شمس جیسے معمولی تغیر سے قیامت اور بادلوں کی آمد سے عذاب کا خطرہ بھی لاحق نہیں ہو سکتا۔ وہ ان حقائق کا علم تحقیقات ہی پر رکھیں گے۔ ان کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ دجال فتنہ کتنا عظیم فتنہ ہو گا اور ابن صیاد کے عجیب و غریب حالات کتنے تردد اور کتنے غور و فکر کا سامان بن سکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب دل میں ایمان ہی کمزور ہو تو ہر موقعہ پر شک کا پلہ اسی جانب جھکنے لگتا ہے جو دنیا

سے بعید ترحرکت ہے۔ ”ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور“

(۱۵) ”وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْيَهُودِ بِالْمَدِينَةِ وَلَدَتْ غُلَامًا مَمْسُوحَةً عَيْنُهُ طَالِعَةً نَابُهُ فَأَشْفَقَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَكُونَ الدَّجَّالَ فَوَجَدَهُ تَحْتَ قَطِيفَةٍ يُهَمْهِمُ فَآذَنَتْهُ أُمُّهُ فَقَالَتْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا أَبُو الْقَاسِمِ فَخَرَجَ مِنَ الْقَطِيفَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا لَهَا قَاتَلَهَا اللّٰهُ لَوْ تَرَكَتْهُ لَبَيَّنَ فَذَكَرَ مِثْلَ مَعْنَى حَدِيثِ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ إِئْذَنْ لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَأَقْتُلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنْ يَكُنْ هُوَ فَلَسْتَ صَاحِبَهُ إِنَّمَا صَاحِبُهُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَأَنْ لَا يَكُنْ هُوَ فَلَيْسَ لَكَ أَنْ تَقْتُلَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُشْفِقًا أَنَّهُ هُوَ الدَّجَّالُ۔ رواہ فی شرح السنۃ“

﴿جابرؓ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی عورت کے لڑکا پیدا ہوا جس کی ایک آنکھ صاف تھی اور جس کا کیلا باہر کو نکلا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ وہی دجال نہ ہو۔ پھر ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے اس کو ایک چادر میں لپٹا ہوا دیکھا کہ اس میں پڑا کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس کی ماں نے (آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر) اس کو خبردار کر دیا کہ اے عبداللہ! دیکھو یہ ابوالقاسم آگئے ہیں۔ پس وہ اپنی چادر سے باہر نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ اس کا ناس کرے۔ اگر یہ اس کو اطلاع نہ دیتی تو یہ اپنا معاملہ خود ہی بیان کر دیتا۔ پھر راوی نے حضرت عمرؓ والی حدیث کا قصہ بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے میں اس کو قتل کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کے قاتل نہیں ہو۔ اس کو تو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام قتل کریں گے اور اگر یہ وہ نہیں تو ایسے بچے کا قتل کرنا خیر کی بات نہیں جو ہمارے عہد میں داخل ہے۔ (یعنی ہماری ذمی رعایا ہے) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اس کے متعلق یہ خطرہ لگا ہی رہا کہ کہیں وہ دجال اکبر نہ ہو۔﴾

دجال کا فتنہ چونکہ اپنی نوعیت میں سب سے بڑا فتنہ تھا۔ اس لئے قدرتی طور سے اس میں راویوں کے بیان سے ایک ابہام یہ اور پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ابن صیاد تھا یا کوئی دوسرا

مختص۔ اس کو براہ راست آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔ احادیث سے بعض دوسرے مقامات میں بھی ہم کو اس کی نظیر ملتی ہے۔ مثلاً شب قدر، ساعت محمودہ، صلوٰۃ وسطیٰ وغیرہ ان سب کے بارہ میں وثوق کے ساتھ تعین کا کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان امور میں خود آنحضرت ﷺ کے علم میں بھی ابہام موجود تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے تو ان کو بیان فرمایا تھا مگر کسی وجہ سے راویوں کے بیان میں اختلاف ہوا اور اس طرح آخر امت کیلئے اصل معاملہ تکویناً مبہم بن گیا۔ اب جو جدوجہد کرنے والے افراد تھے انہوں نے شب قدر، ساعت محمودہ اور صلوٰۃ وسطیٰ کی تلاش میں اپنی مساعی تیز کر دیں اور جو بھی ان کا مصداق بن سکتا تھا۔ کسی تحقیق اور تفصیل کے بغیر ان سب مبہم ساعات میں وہی کوشش صرف کر ڈالی جو کسی ایک ساعت کے معین ہونے کی صورت میں کی جا سکتی تھی اور اس طرح یہ تکوینی ابہام ان کے حق میں ایک رحمت بن گیا۔ اسی طرح ابن صیاد کا معاملہ بھی روایات کے اختلافات کی وجہ سے گو مبہم رہا مگر یہ ابہام بھی سعید طبائع کے لئے رحمت بن گیا کیونکہ اس ابہام کا ثمرہ اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ وہ دجال اکبر تھا یا نہیں۔ اس سے زیادہ اس ابہام کا دیگر تفصیلات پر کوئی اثر نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہم کو معین طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا تو اس کا اقتضا یہی ہے کہ اب ہم کو اور زیادہ احتیاط لازم ہو گی۔ دیکھئے اگر ابن صیاد کی روایت کی بناء پر ابن صیاد ہی دجال اکبر ہو تو اسی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اثر بقیہ تفصیلات پر اور کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے اس کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے صاف فرما دیا کہ دجال اکبر کے قاتل ازل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقرر ہو چکے ہیں اور جب یہ ہے تو نہ اللہ تعالیٰ کا علم بدل سکتا ہے اور نہ تم اس کو قتل کر سکتے ہو۔ لہٰذا اس ابہام کو لے کر بقیہ سارے معاملات کو مبہم بنا ڈالنا کج فہمی اور کج روی کے سوا کچھ نہیں۔ اس حدیث کے بقیہ مباحث کی تفصیل تقدیر کے باب میں گزر چکی ہے۔ آخر میں اتنا اور لکھ دینا کافی ہے کہ بعض امور ملازمہ کے پیش آنے پر آپ ﷺ کے چہرہ پر تردد اور خوف کا نمودار ہو جانا یہ کسی یقین کے مزاحم نہیں کہا جا سکتا۔ نہ ان کو کسی تردد کا باعث قرار دیا جا سکتا ہے۔ (جیسا کہ آگے ذکر آنے والا ہے۔)

آپ ﷺ کا وجود پاک جو عالم کے لئے رحمت ہی رحمت تھا اس کے موجود ہوتے ہوئے قیامت کا قائم ہو جانا کیسے ممکن تھا۔ "وما کان اللّٰہ لیعذبہم وانت فیہم۔" لہٰذا اگر کوئی شخص صرف ان احادیث کو لے کر قیامت کا انکار کر ڈالے یا اس کے وقوع کے تردد میں پڑ جائے تو یہ اس کی ناسمجھی اور قصور فہم کا سبب ہے۔ اس کو حدیثوں کے سر رکھ دینا اور بدیہیت سے ہٹانا ہی ہے۔ اسی طرح احادیث فتن میں اس قسم کے ابہامات چھوڑے گئے ہیں کہ اپنی اپنی فہم کے مطابق علماء نے ان کی تعیین میں کسی قدر عجلت سے کام لیا ہے۔ حالانکہ جب نہ حدیث میں ان کے ظہور کا وقت متعین ہے اور نہ ان کی تعیین مذکور ہے تو پھر اپنی جانب سے اس کی تعیین میں عجلت بازی سے کام لے کر اس کو حدیث کی طرف منسوب کر ڈالنا خلاف واقع ہے۔

{۱۶} ... "عن ابن عمر قال انطلق النبی ﷺ وأبی بن کعب یأتیان النخل الذی فیه ابن صیاد حتی اذا دخل النخل طفق النبی ﷺ یتقی بجذوع النخل وهو یختل ان یسمع من ابن صیاد شیئا قبل ان یراه وابن صیاد مضطجع علی فراشه فی قطیفة له فیها رمرمة فرأت ام ابن صیاد النبی ﷺ وهو یتقی بجذوع النخل فقالت لابن صیاد ای صاف وهو اسمه فثار ابن صیاد فقال النبی ﷺ لو ترکته بین وقال سالم قال ابن عمر ثم قام النبی ﷺ فی الناس فاثنی علی اللّٰه بما هو اهله ثم ذکر الدجال فقال انی انذرکموه وما من نبی الا وقد انذره قومه لقد انذره نوح قومه ولکن سأقول لکم فیه قولا لم یقله نبی لقومه تعلمون انه اعور وان اللّٰه لیس باعور۔ رواه البخاری ص۴۲۹، ۴۳۰ ج۱ باب کیف یعرض الاسلام الصبی کتاب الجهاد"

(ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ ابی بن کعبؓ اس باغ کی طرف چلے جس میں ابن صیاد رہتا تھا۔ جب آپ باغ کے اندر تشریف لائے تو آپ کھجور کے درختوں کی آڑ میں چھپ چھپ کر یہ تدبیر کر رہے تھے کہ ابن صیاد کے دیکھنے سے

پہنچے آپ اس کی کوئی بات سن لیں۔ ادھر ابن صیاد اپنے بچھونے پر ایک چادر میں لپٹا ہوا تھا اور اندر کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس کی ماں نے آپ کو دیکھ پایا کہ آپ درخت کے تنوں کی آڑ لے رہے ہیں تو فوراً اس نے کہا او صاف! (یہ اس کا نام تھا) ہوشیار۔ یہ ہیں محمد، ابن صیاد فوراً الگ ہو گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اس کی ماں اس کو ہوشیار نہ کرتی تو یہ صاف بات کہہ گزرتا۔ سالمؒ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے فرمایا اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے لوگوں میں خطبہ دیا اور خدا کی شان کے مناسب حمد و ثنا کی۔ اس کے بعد دجال کا ذکر کیا اور فرمایا میں تم کو اس کے فتنے سے اسی طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اس سے اپنی قوم کو نہ ڈرایا ہو۔ لیکن ایک بات میں تم کو ایسی صاف بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے نہیں کی۔ وہ یہ کہ تم جان رکھو کہ وہ کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر عیب سے منزہ ہے۔ وہ کانا نہیں ہو سکتا۔ ﴾

(۱۷) ”عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَيْتِيْ فَذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ سِنِيْنَ سَنَةٌ تُمْسِكُ السَّمَاءُ فِيْهَا ثُلُثَ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَ نَبَاتِهَا وَالثَّانِيَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ ثُلُثَيْ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَيْ نَبَاتِهَا وَالثَّالِثَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ قَطْرَهَا كُلَّهُ وَالْاَرْضُ نَبَاتَهَا كُلَّهُ فَلَا يَبْقٰى ذَاتُ ضِرْسٍ وَلَا ذَاتُ ظِلْفٍ مِنَ الْبَهَائِمِ اِلَّا هَلَكَ وَاِنَّ اَشَدَّ فِتْنَتِهٖ اَنْ يَّاْتِيَ الْاَعْرَابِيَّ فَيَقُوْلُ اَرَأَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اِبِلَكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيَتَمَثَّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَ اِبِلِهٖ كَاَحْسَنِ مَا تَكُوْنُ ضُرُوْعًا وَاَعْظَمِهٖ اَسْنِمَةً قَالَ وَيَأْتِي الرَّجُلَ قَدْ مَاتَ اَخُوْهُ وَمَاتَ اَبُوْهُ فَيَقُوْلُ اَرَأَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اَبَاكَ وَاَحْيَيْتُ لَكَ اَخَاكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيَتَمَثَّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَ اَبِيْهِ وَنَحْوَ اَخِيْهِ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ رَجَعَ قَالَتْ وَالْقَوْمُ فِي اهْتِمَامٍ وَغَمٍّ مِمَّا حَدَّثَهُمْ بِهٖ قَالَتْ فَاَخَذَ بِلُحْمَتَيِ الْبَابِ فَقَالَ مَهْيَمْ اَسْمَاءُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ خَلَعْتَ اَفْئِدَتَنَا بِذِكْرِ الدَّجَّالِ قَالَ اِنْ يَّخْرُجْ وَاَنَا حَيٌّ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ وَاِلَّا فَاِنَّ رَبِّيْ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ

قالت أسماء يا رسول الله إنا والله لنعجن عجيننا فما نخبزه حتى نجوع فكيف بالمؤمنين يومئذ قال يجزئهم ما يجزئ أهل السماء من التسبيح والتقديس۔ رواه احمد ص ۴۵۵، ۴۵۶ ج ۶ ابوداؤد والطيالسي"

اسماء بنت یزیدؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اس کے ظہور سے پہلے تین قحط پڑیں گے۔ ایک سال آسمان کی ایک تہائی بارش رک جائے گی اور زمین کی پیداوار بھی ایک تہائی کم ہو جائے گی۔ دوسرے سال آسمان کی دو حصے بارش رک جائے گی اور زمین کی پیداوار دو حصے کم ہو جائے گی اور تیسرے سال آسمان سے بارش بالکل نہ برسے گی اور زمین کی پیداوار بھی کچھ نہ ہوگی۔ حتیٰ کہ جتنے حیوانات ہیں خواہ وہ کھر والے ہوں یا ڈاڑھ سے کھانے والے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اس کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک گنوار آدمی کے پاس آ کر کہے گا۔ اگر میں تیرے اونٹ زندہ کر دوں تو کیا اس کے بعد بھی تجھ کو یہ یقین نہ آئے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا ضرور۔ اس کے بعد شیطان اسی کے اونٹ کی سی شکل بن کر اس کے سامنے آئے گا۔ جیسے اچھے تھن اور بڑے کوہان والے اونٹ ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شخص کے پاس آئے گا جس کا باپ اور سگا بھائی گزر چکا ہوگا اور اس سے آ کر کہے گا۔ بھلا اگر میں تیرے باپ بھائی کو زندہ کر دوں تو کیا پھر بھی یہ یقین نہ آئے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا کیوں نہیں بس اس کے بعد شیطان اس کے باپ بھائی کی صورت بن کر آ جائے گا۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ ضرورت سے باہر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد لوٹ کر دیکھا تو لوگ آپ ﷺ کے اس بیان کے بعد سے بڑے فکر و غم میں پڑے ہوئے تھے۔ اسماءؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے دروازہ کے دونوں کواڑ پکڑ کر فرمایا! اسماءؓ کہو کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! دجال کا ذکر سن کر ہمارے دل تو سینے سے نکلے پڑتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا! اگر وہ میری زندگی میں ظاہر ہوا تو میں اس سے نمٹ لوں گا ورنہ میرے بعد پھر ہر مومن کا نگہبان میرا رب ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارا حال تو اب آج یہ ہے کہ ہم آٹا گوندھنا چاہتے ہیں تو غم کے مارے اس کو بھی

طرح گوندھ بھی نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ روٹی پکا سکیں بھوکے ہی رہتے ہیں تو بھلا اس دن
مؤمنوں کا حال کیا ہوگا جب یہ فتنہ آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اس
دن ان کو وہ غذا کافی ہوگی جو آسمان کے فرشتوں کی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ جب اس عظیم ترین فتنے کا ظہور قریب ہوگا تو
جس طرح انبیاء علیہم السلام کے ظہور سے پہلے برکات (ارہاص) کا ظہور شروع ہو جاتا ہے
اسی طرح اس فتنے سے پہلے برکات کا خاتمہ ہونا شروع ہو جائے گا بارش غلہ اور اسی کے
ساتھ سب حیوانات ختم ہو جائیں گے۔ اس بے سروسامانی میں وہ اس سازوسامان کے ساتھ
آئے گا کہ ایک برباد شدہ کسان کے حیوانات زندہ کر دے گا اور ایک شخص سے اس کے باپ
اور بھائی کے دوبارہ زندہ کر دینے کا عہد کرے گا۔ اب سوچئے کہ ضعیف انسان کی بے علمی اور
اس کے ساتھ جب افلاس کی سختی بھی یکجا جمع ہو جائے تو اس کی آزمائش کا میدان کتنا سخت ہو
جائے گا۔ مردوں کا زندہ کرنا ہی کچھ کم بات نہیں پھر ایک کسان کے لئے اس کے جانور اور ان
سے بڑھ کر اس کی اولاد اور اس کے ماں باپ اس سے زیادہ پیاری چیزیں اور کیا ہو سکتی
ہیں؟۔ کون ہے جو اس فتنہ کا مقابلہ کر سکتا۔ اگر کہیں حدیث نے اس کی ان عجوبہ نمائیوں کا راز
فاش نہ کر دیا ہوتا تو آج بھی بہت سے ضعیف الایمان تردد میں پڑ جاتے مگر جب یہ بات صاف
ہو گئی کہ یہ سب کچھ شیطانی تصرفات اور شعبدے ہوں گے تو اب کوئی اشکال نہ رہا۔ ظاہر
ہے کہ دجال جب خدائی کا مدعی ہو تو اس کو خدائی کا سامان بھی دکھانا ضروری ہے۔ اس لئے
اس کے ساتھ جنت و دوزخ کا ہونا بھی ضروری ہے اور مردہ کو زندہ کرنے کا دعویٰ بھی ضروری
ہے مگر حدیث کہتی ہے کہ یہ سب کچھ بازیگر کے تماشے سے زیادہ نہ ہوگا۔ چنانچہ جب
حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اس کو قتل کر دیں گے تو اس کی خدائی کا یہ سارا ڈھونگ
ایک بندے کے ہاتھوں کھل ہی جائے گا۔

شیاطین اور ان کے تصرفات کی تفصیلات انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ کے ملاحظہ
سے گزریں گی۔ مگر اتنی بات اجمالاً یہاں بھی سن لیجئے کہ امور خیر کی تائید فرشتے اور شر کی
شیاطین کرتے رہتے ہیں۔ پھر جو طاقت جتنی بڑی مرکزی ہوتی ہے اسی قدر اس کی اعانت بھی

﴿ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ابو بکرؓ و عمرؓ کا ابن صیاد کا مدینہ کے کسی راستے میں کہیں آمنا سامنا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے فرمایا کہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں یعنی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس پر وہ بدبخت بولا! اچھا کیا آپ ﷺ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا یہ جملہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا! میں تو اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اور سب کتب پر ایمان لا چکا۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس سے پوچھا) بھلا تجھے نظر کیا آتا ہے؟۔ وہ بولا مجھ کو پانی پر عرش (ایک تخت) نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو عرش ابلیس ہے جو تجھ کو سمندر پر نظر آتا ہے۔ اچھا تجھ کو اور کیا نظر آتا ہے؟ وہ بولا میرے پاس دو سچے ایک جھوٹا یا دو جھوٹے تو ایک سچا شخص نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا چھوڑو اس کو خود ہی اپنی حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔﴾

آنحضرت ﷺ نے یہاں سب سے پہلے اس سے اپنی رسالت کے متعلق سوال کیا کہ مقبول یا مردود ہونے کا سب سے پہلا معیار یہی ہے مگر اس نے شروع ہی سے نامعقول بات شروع کی اور اپنے متعلق آپ ﷺ سے یہی سوال کیا۔ اس پر آپ ﷺ کا جواب کتنا بلیغ تھا کہ آپ ﷺ نے کسی بے اصل بات کو قابل تردید بھی نہیں سمجھا کیونکہ تردید بھی اسی بات کی کی جاتی ہے جس کا کوئی امکان بھی ہو۔ لہذا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کا اظہار کر کے اس کو صحیح جواب بھی دے دیا اور خاص اس کے سوال کے جواب سے اعراض بھی کر لیا۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ نے مزید تحقیق فرمائی تو اس نے ایک عرش دیکھنا بتلایا۔ آپ ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ وہ تو عرش شیطان ہے۔ اس نے بھی اپنے اعوان و انصار کے لئے ایک عرش بچھا رکھا ہے۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ نے اس کے پاس خبریں لانے والے کے متعلق سوال کیا تو بات بالکل صاف ہو گئی کیونکہ نبی کو خبر دینے والے میں کاذب ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ وہ صادق ہی صادق ہوتا ہے جس کو دو سچی اور ایک جھوٹی یا اس کے برعکس خبریں معلوم ہوں۔ تو یہ اس کے کاہن ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے اس کے بعد آپ ﷺ نے اس سے اور کوئی سوال نہیں کیا اور بات صاف ہو گئی۔ اس حدیث میں ایک قابل غور بات یہ بھی نکلتی ہے کہ ابن صیاد کی دجالیت کی علامات میں تدریج

گئی ہے جیسا کہ :" وقد نفرت عینہ " کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی پر دوسری علامات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۲۰) ... "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ ابْنَ صَیَّادٍ سَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ تُرْبَةِ الْجَنَّةِ فَقَالَ دَرْمَکَةٌ بَیْضَاءُ مِسْكٌ خَالِصٌ . رواہ مسلم ج ۲ ص ۳۹۸ باب ذکر ابن صیاد"

﴿ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ابن صیاد نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا جنت کی مٹی کیسی ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میدہ کی طرح سفید اور مشک خالص کی طرح خوشبودار ہے۔﴾

(۲۱) ... "عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقِیْتُهُ وَقَدْ نَفَرَتْ عَیْنُهُ فَقُلْتُ مَتٰی فَعَلَتْ عَیْنُكَ مَا اَرٰی قَالَ لَا اَدْرِیْ قَالَ قُلْتُ لَا تَدْرِیْ وَهِیَ فِیْ رَاْسِكَ قَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ خَلَقَهَا فِیْ عَصَاكَ قَالَ فَنَخَرَ كَاَشَدِّ نَخِیْرِ حِمَارٍ سَمِعْتُ . رواہ مسلم ج ۲ ص ۳۹۹ باب ذکر ابن صیاد"

﴿ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ابن صیاد کو جب میں نے دیکھا تھا تو اس وقت اس کی آنکھ خراب ہو چکی تھی۔ میں نے پوچھا تیری یہ آنکھ کب خراب ہوئی؟۔ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ میں نے کہا اچھا وہ تیرے سر میں ہے اور پھر بھی تجھ کو معلوم نہیں؟۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تیری لکڑی میں اسے پیدا فرمادے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ایسی زور کی آواز نکالی جیسے گدھے کی زور کی چیخ ہوتی ہے۔﴾

(۲۲) ... "عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ بَیْنَ رَجُلَیْنِ یَنْطِفُ اَوْ یُهْرَاقُ رَاْسُهُ مَاءً قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا ابْنُ مَرْیَمَ فَذَهَبْتُ اَلْتَفِتُ فَاِذَا رَجُلٌ اَحْمَرُ جَسِیْمٌ جَعْدُ الرَّاْسِ اَعْوَرُ عَیْنِهِ الْیُمْنٰی كَاَنَّ عَیْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِیَةٌ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا هٰذَا الدَّجَّالُ وَاَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ قَالَ الزُّهْرِیُّ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ . رواہ البخاری ص ۸۹ ج ۱ باب

التذکر فی الکتاب مریم "کتاب الانبیاء"

﴿ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں سورہا تھا اور خواب میں طواف کر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہیں گندم گوں رنگ، سیدھے سیدھے بال۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) پھر جو میری توجہ ذرا دوسری طرف گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا لمبا چوڑا آدمی، سرخ رنگ، سخت گھونگر والے بال، آنکھ سے کانا، ایک آنکھ ایسی تھی جیسا ابھرا ہوا انگور، لوگوں نے بتایا یہ ہے دجال اکبر اور سب سے زیادہ مشابہ شخص دیکھنا چاہو تو بس خزاعہ قبیلہ کا یہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے وہ ٹھیک اسی صورت کا تھا۔﴾

دوسری حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ عروہ بن مسعودؓ کے بہت مشابہ ہیں اس حدیث کی تشبیہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان ہر دو افراد سے مراد خاص خاص اشخاص ہیں۔ قوم انگریز یا وہ شخص مراد نہیں جو عیسیٰ ابن مریم کی صفات یا ہیئت کا حامل نہ ہو جیسا کہ یہاں بعض مدعیان کا دعویٰ ہے۔

(۲۳) "عَنْ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا أَبْكِي فَقَالَ لِيْ مَا يُبْكِيْكِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَكَرْتَ الدَّجَّالَ فَبَكَيْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنْ يَخْرُجِ الدَّجَّالُ وَأَنَا حَيٌّ كَفَيْتُكُمُوْهُ وَإِنْ يَخْرُجِ الدَّجَّالُ بَعْدِيْ فَإِنَّ رَبَّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ بِأَعْوَرَ إِنَّهُ يَخْرُجُ فِيْ يَهُوْدِيَّةِ أَصْبَهَانَ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَدِيْنَةَ فَيَنْزِلَ نَاحِيَتَهَا وَلَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلٰى كُلِّ نَقْبٍ مِنْهَا مَلَكَانِ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ شِرَارُ أَهْلِهَا حَتّٰى الشَّامَ مَدِيْنَةً بِفِلَسْطِيْنَ بِبَابِ لُدٍّ وَقَالَ أَبُوْ دَاؤُدَ مَرَّةً حَتّٰى يَأْتِيَ فِلَسْطِيْنَ بِبَابِ لُدٍّ فَيَنْزِلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يَمْكُثُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً إِمَامًا عَدْلًا وَحَكَمًا وَمُقْسِطًا - مسند احمد ج ٦ ص ٧٥"

﴿حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے

دیکھا تو میں رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے دجال کا ذکر اس طرح فرمایا کہ اس غم میں مجھ کو بے ساختہ رونا آگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اگر وہ نکلا اور میں اس وقت موجود ہوا تو تمہاری طرف سے میں اس سے نمٹ لوں گا۔ مگر وہ میرے بعد نکلا تو پھر یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے۔ (وہ کانا ہوگا) جب وہ نکلے گا تو اس کے ساتھ اصفہان کے یہود ہوں گے۔ یہاں تک کہ جب مدینہ آئے گا تو یہاں ایک طرف آکر اترے گا۔ اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ پر دو دو فرشتے نگران ہوں گے (جو اس کو اندر آنے سے مانع ہوں گے) مدینہ میں جو بد اعمال لوگ آباد ہیں وہ نکل کر خود اس کے پاس چلے جائیں گے۔ اس کے بعد وہ فلسطین میں باب لد پر آئے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام نزول فرما چکے ہوں گے اور یہاں وہ اس کو قتل کریں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک ایک منصف امام کی حیثیت سے زمین پر زندہ رہیں گے۔﴾

(۲۴)...... "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَيَمْكُثُ فِي النَّاسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً. أخرجه الطبراني واحمد ج۲ ص۴۳۷' ابن جرير ج۶ ص۱۶' در منثور ج۲ ص۲۴۲' فتح الباري ج۶ ص۳۵۷' التصريح ص۱۶۰' مرقات الصعود ص۱۹۸"

﴿حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور لوگوں میں چالیس سال تک رہیں گے۔﴾

(۲۵)...... "عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو لِحُذَيْفَةَ أَلَا تُحَدِّثُنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ مَعَ الدَّجَّالِ إِذَا خَرَجَ مَاءً وَنَارًا فَأَمَّا الَّذِي يَرَى النَّاسُ أَنَّهَا النَّارُ فَمَاءٌ بَارِدٌ وَأَمَّا الَّذِي يَرَى النَّاسُ أَنَّهُ مَاءٌ بَارِدٌ فَنَارٌ تُحْرِقُ فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَقَعْ فِي الَّذِي يَرَى أَنَّهَا نَارٌ فَإِنَّهُ عَذْبٌ بَارِدٌ (رواه البخاري ص۴۹۰ ج۱) وزاد مسلم وَإِنَّ الدَّجَّالَ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ عَلَيْهَا ظَفَرَةٌ غَلِيظَةٌ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ يَقْرَأُهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٍ أَوْ غَيْرِ كَاتِبٍ وفي رواية بين عينيه ك ف ر

ک ف ر" وفی روایۃ الکاف والفاء والراء۔ مسلم ج۲ ص ۴۰۰ باب ذکر الدجال"

حضرت ربعی بن حراشؒ سے روایت ہے کہ عقبہ بن عمروؓ نے حذیفہؓ سے کہا کہ آپ نے دجال کے متعلق جو بات آنحضرت ﷺ سے سنی تھی وہ ہم کو بھی سنا دیجئے۔ انہوں نے کہا میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ دجال جب ظاہر ہوگا تو اس کے ساتھ پانی اور آگ دونوں ہوں گے۔ مگر لوگوں کو جو آگ نظر آئے گی وہ ٹھنڈا پانی ہوگا اور جس کو لوگ ٹھنڈا پانی سمجھیں گے وہ جلانے والی آگ ہوگی۔ لہذا تم میں جس کو بھی یہ زمانہ ملے اس کو چاہئے کہ جو آگ معلوم ہو رہی ہو اسی میں داخل ہو جائے کیونکہ درحقیقت وہ آب خنک ہوگا۔ یہاں مسلم کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ دجال کی ایک آنکھ میں موٹا سا ناخنہ ہوگا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر کے حروف علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے ہوں گے۔ جس کو ہر مومن پڑھ لے گا۔ چاہے وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی آنکھوں کے درمیان "ک ف ر" اور ایک روایت میں "کاف الف را" ہوگا۔

دجال کا فتنہ جتنا عظیم الشان ہے قدرت کی طرف سے اس کی شناسائی کے نشان اتنے ہی زیادہ ہیں۔ الفاظ مسلم پر ایک بار پھر نظر ڈال لیجئے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ عالم تقدیر جتا کر دیکھا جا سکتا ہے۔ جب اپنے قلب کی آنکھیں خود دیکھتا ہوں تو "ک ف ر" کے الفاظ کیا نظر آئیں۔ لفظ " بین عینیہ" تقدیری کتابت کے لئے شاید کچھ مخصوص ہے۔ اسی لئے یہی عمرو غیرہ کے لئے بھی کتابت ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ازلی سعادت اسی مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کو شاید اسی لئے نظر آئی ہو۔ پہلے یہ سب تفصیلات گزر چکی ہیں۔ عرف عام میں بادشاہ کہہ کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارنا شاید اسی لئے رواج پا گیا ہوگا۔ صحیح مسلم کی یہ صحیح حدیث ہمارے اس بیان کے لئے شاہد ہے مگر یاد رہے کہ اس کتابت کو پڑھتے ہوئے کی شناسائی مگر مومن ہونے کی قید موجود ہے۔ عجب نہیں کہ یہی مومن کے ایمان کے تحفظ اور [illegible] کی محرومی کا سبب ہو اور یہی ایک اور عظیم فتنہ کا باعث بن جائے۔ یہ جملہ امور اگرچہ احادیث میں تو صراحتاً مذکور نہیں مگر اس کی طرف صراحتاً اشارہ کے قریب ہے۔

انہی سطور میں دجال کی حقیقت کے ساتھ ابن صیاد کی احادیث کے ذکر نہ کرنے کی طرف حافظ ابن حجرؒ کا لطیف بیان گزر چکا ہے اگر آپ فتن کی حقیقت سمجھتے ہیں اور ان کی احادیث کی طرف نظر رکھتے ہیں تو ایک ثابت شدہ حقیقت کے انکار سے دوسری ایک حقیقت کے انکار کی راہ نہ لیں گے۔ یعنی فتنہ دجال کے خروج کے جتنے اسباب صراحت کے ساتھ ذکر میں آچکے ہیں وہ ایک ابن صیاد کی حقیقت کے مبہم رہنے کی وجہ سے مفت میں ان کا انکار نہ فرمائیں گے۔ اگر احادیث میں کسی ابن صیاد کے دجال ہونے میں آپ کو شبہ گزرتا ہے تو آپ کی نظروں میں نفس دجال کی غیر مشتبہ حقیقت کو مشتبہ نہ ہونا چاہئے۔ اس جگہ کم از کم ایک منصف کے لئے حقیقت یہ ہے کہ دجال اگر قوم کا لقب ہو تو ابن صیاد کے متعلق حدیثیں اس کی تردید کے لئے کافی ہیں کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ ابن صیاد کسی قوم کا لقب تھا اور نہ اس کے وجود شخصی کے دیکھ لینے کے بعد اور اس کے والدین کے نام و نسب کی تحقیق کے بعد اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ پھر ابن صیاد کے دجال کہنے سے احادیث صحیحہ کے انکار کے سوا اور فائدہ کیا؟۔ جبکہ احادیث صحیحہ میں یہ بیان موجود ہے کہ اس کا قاتل عمرؓ جیسا شخص بھی نہیں ہو سکتا بلکہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام مقرر ہیں اور وہ بھی اس شہادت کے لئے اپنے نیزہ میں اس کا خون دکھا دکھا کر یہ یقین دلائیں گے کہ میں جو عالم تقدیر میں اس کا قاتل مقرر ہو چکا ہوں وہ کوئی معنوی قتل نہیں ہے جو صرف کتابوں کے لکھ دینے سے پورا ہو جاتا بلکہ ایک حسی قتل ہے۔

دجالی فتنہ

یہ واضح رہنا چاہئے کہ وہ دجالی فتنہ جس کا حدیثوں میں تذکرہ آتا ہے اور جس سے تحفظ کا علاج سورہ کہف کی تلاوت کرنا فرمایا گیا ہے۔ وہ اسی کے دور میں ظہور پذیر ہوگا۔ جبکہ ایک طرف وہ خدائی کا دعویٰ اور اس سے پہلے رسالت کا دعویٰ کرے گا اور اس کے ساتھ ایسے خارق عادات افعال بھی دکھلائے گا جو بظاہر اس کے دعوے کے مؤید نظر آئیں گے اور اس وجہ سے بہت سے لوگوں کے ایمان متزلزل ہو جائیں گے۔ ہمارے زمانے میں

مادی ترقیات خواہ کتنی بھی ہو جائیں وہ سب مادی قوانین کے تحت ہیں ان کو دجالی فتنہ سمجھنا بالکل بے محل بلکہ خلاف واقع بات ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ زمانے میں جو جدید ایجادات سامنے آرہی ہیں وہ عجیب سے عجیب تر ہیں۔ لیکن موجودہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں سب ہی اس میں شریک ہیں اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے مسابقت میں خوب سرگرم ہیں اور ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس میدان کا ہیرو کون ہے؟۔ اس لئے بھی ان میں سے کسی کو دجالی فتنہ قرار دینا محل از وقت ہے بلکہ ان کو اس کے مقدمات میں شمار کرنا بھی صحیح نہیں۔ اس کا مقدمہ دینی جہل ضعف ایمانی اور طغیانی طاقتوں کا ہمہ گیر اقتدار ہے۔

حدیثوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ دجال خود یہودی النسل ہو گا اور اس کے تمام متبعین بھی سب یہودی ہوں گے اور من حیث القوم وہی اس پر ایمان لائیں گے۔ اس لئے دجالی فتنہ کا مرکز در حقیقت یہود ہیں اور اس لئے ہمارے زمانے میں یہودی مملکت کا قیام اور ان کی متفرق طاقتوں کا ایک مرکز پر جمع ہونا اور اسی جگہ جمع ہونا جہاں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مقدر ہے۔ اگر اس کو دجالی فتنہ کا مقدمہ کہا جائے تو بیجا ہو گا۔ اب رہے نصاریٰ تو وہ ابھی تک عیسائیت کے کم از کم دعویدار ضرور ہیں اور گو حیوانیت کے آخری نقطہ پر پہنچ چکے ہیں مگر ان کا زبانی دعویٰ اب بھی صلیب پرستی ہی کا ہے۔ ادھر روس کو مذہبی نوعیت تو نہیں لیکن اس سے علاوہ کہ خدا نے مدعی کا قائل ہو اعلان منکر بھی کوئی نہیں۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد عیسائی تو ان پر ایمان لے آئیں گے۔ جیسا کہ " وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ . نساء ۱۵۹ " کی تفسیر میں آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں اور یہودی ایک ایک کر کے قتل ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر وہ کسی درخت کی آڑ میں چھپ کر بچنا چاہے گا تو وہ درخت بول اٹھے گا۔

دیکھو میرے پیچھے یہ یہودی ہے اس کو بھی قتل کر دو۔ اس سوانح حیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دجالی فتنہ کا تمام تر تعلق یہود کے ساتھ ہو گا۔ ہمارے زمانے کی مادی ترقیات کے ساتھ اس کا تعلق کچھ نہیں ہے اور نہ تمام اقوام میں سے خاص طور پر کسی ایک قوم کے ساتھ ہے جن کے ذریعہ یہ ترقیات سامنے آرہی ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر سورہ کہف کے اور اس فتنہ سے تحفظ کے درمیان ربط کیا ہے؟ کہ اسی کی تلاوت کو اس سے تحفظ کا سبب قرار دیا گیا ہے تو اولاً اصولاً یہ سمجھئے کہ خوارق جس طرح خود سببیت اور مسببیت کے علاقے سے باہر نظر آتے ہیں اسی طرح جو افسون ان کے مقابل ہیں وہ بھی سببیت کے علاقے سے بالاتر ہوتے ہیں۔ مثلاً نظر کا لگنا سب جانتے ہیں کہ یہ صحیح حقیقت ہے اور گو علماء نے اس کی معقولیت کے اسباب بھی لکھے ہیں مگر بظاہر اس کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اسی لئے بہت سے اشخاص تو اب تک اس کے قائل ہی نہیں اور اس کو صرف تیرہ وہم پرستی اور تخیل سمجھتے ہیں لیکن اس کے دفعیہ کے لئے جو سورتیں مجرب ہیں وہ بھی اکثر اسی طرح غیر قیاسی ہیں۔ اسی طرح کی جانوروں کے کاٹنے کے جو منتر اور افسون ہیں وہ اکثر بالکل بے معنی ہیں اور جن کے معنی کچھ مفہوم ہیں بھی ان میں سمیت دفع کرنے کا کوئی سبب ظاہر نہیں ہوتا۔

حدیثوں میں بہت سی سورتوں کے خواص مذکور ہیں مثلاً سورہ فاتحہ کہ وہ بہت سے لاعلاج امراض کے لئے شفا ہے۔ اب یہاں ہر جگہ اس مرض اور اس سورت کے مضامین میں مناسبت پیدا کرنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملانا فضول کی سعی ہے۔ پھر اس قسم کی ذہنی مناسبت انسانی دماغ ہر جگہ نکال سکتا ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک اس کاوش میں پڑنا وقت کی بے صرفی ہے۔ لیکن با ایں ہمہ اگر سورہ کہف اور دجالی فتنہ کے درمیان کوئی تناسب معلوم کرنا ہی ناگزیر ہو تو پھر بالکل صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ اصحاب کہف بھی کفر و ارتداد کے ایک زبردست فتنہ میں مبتلا ہوئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان کے دل مضبوط رکھے اور اسلام پر ان کو ثابت قدم رکھا جیسا کہ اس سورت کے شروع ہی میں ارشاد ہے

" وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۔ الکہف ۱۴ "

پس جس طرح صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ محفوظ رہے تھے۔ اسی طرح جب دجال کا سب سے زبردست ارتداد و کفر کا فتنہ نمودار ہو گا تو اس وقت بھی صرف نصرت الٰہی کی

سے لوگوں کے ایمان مضبوط رہیں گے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اس سورۃ کا نزول کفار کی فرمائش پر ہوا تھا۔ اس لئے یہ قصے ان کے جواب میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اور اس مناسبت کا یعنی فتنہ دجال اور سورہ کہف سے اس سے تحفظ کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ صرف ایک قیاس آرائی اور قافیہ بندی ہی کہا جا سکتا ہے اور جس کو حدیث و قرآن سے کوئی مناسبت نہ ہو وہ ان بے تکی باتوں میں پڑ سکتا ہے۔ دجال سے قبل کئی چند نشانیاں نہیں بلکہ بہت سی علامات مذکور ہیں جن کے اور دجال کے درمیان جوڑ لگانا ایک بڑی دردسری ہے۔ یہاں قرآن کریم نے اپنی صفات میں سے جہاں اپنا قیم ہونا ذکر فرمایا ہے اور عیسائیت کی تردید فرمائی ہے۔ وہ قرآن کے تمام مضامین میں سے ایک اہم مضمون ہے جو متعدد اسالیب سے متعدد سورتوں میں مذکور ہے۔ لیکن ان سورتوں کی تلاوت کو کہیں یاد نہیں آتا کہ دجالی فتنے کے تحفظ کے لئے تجویز کیا گیا ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث بالا اس سورہ خاص میں کوئی سبب دوسرا ہوگا۔ ابھی آپ سن چکے ہیں کہ اس سورت کے اول میں چند اشخاص کے تحفظ ایمان کی ایک عجیب صورت مذکور ہے جس کو قرآن نے اپنے الفاظ میں یوں ادا فرمایا ہے: " وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ" ۔ الکہف ۱۸"

گو کہ یہ واقعہ قدرت الٰہیہ کے سامنے کچھ تعجب خیز نہ ہو۔ لیکن ایک ضعیف البیان انسان کے لئے ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر وہ اس کی نظروں میں تعجب خیز نظر آئے تو کچھ تعجب نہیں۔ اس واقعہ کو ذکر فرما کر قرآن کریم نے جو نتیجہ خود اخذ کیا ہے وہ اثبات قیامت ہے۔ چنانچہ اس قصے کو پورا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا: " وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ۔ الکہف ۲۱" اور دجال کی طرف کہیں اشارہ تک یاد نہیں آتا۔ ہاں حدیث میں بے شک اس سورت کے اوائل کے ساتھ اس کے اواخر کا تذکرہ ملتا ہے۔ اب اگر اوائل میں کھینچا تانی کر کے عیسائیت کو دجالی فتنہ قرار دے ڈالا جائے تو پھر اس کے اواخر کے متعلق کیا کہا جائے گا جن میں عیسائیت کی تردید پر کوئی زور نہیں دیا گیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دجالی فتنے سے اور عیسائیت کی تردید سے یہاں کوئی تعلق نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس قصے میں روس عیسائیوں سے دو قدم آگے نظر آتا ہے تو پھر یہ

ہے جو زیادت کہنے کی ضرورت کیا؟ اور عیسائیوں کے تقدم کو اس کی اتفاقی شناعت کے باوجود دجالی فتنہ قرار دے ڈالنے سے غرض کیا؟۔

اصل یہ ہے کہ بعض ہی قومیں جب دجال کا تصور نہ پا سکیں تو انہوں نے دجال کی احادیث کی پیش گوئیاں پورا کرنے کے لئے خواہ مخواہ کی یہ زحمت اٹھائی۔ یہ زحمت اس زحمت سے کم نہیں جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اپنے زمانے میں نہ دیکھ کر خود عیسیٰ ابن مریم بننے کی سعی ناتمام کی۔ اگرچہ ان سے اور عیسیٰ علیہ السلام کے مابین شہر اور نام اور کام اور شکل وشمائل وغیرہ کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو مگر اس پر بھی آخر کار انہوں نے ایک عیسیٰ ابن مریم تجویز ہی کر لیا اور لاکھوں انسانوں نے ان کی اس بدیہی غلطی میں تقلید ہی کر ڈالی۔ اسی طرح یہاں عیسائیوں کا جرم تو مسلم ہے مگر انہی کو دجالی فتنہ قرار دے ڈالنا پھر سورہ کہف کی تلاوت کو اس سے تحفظ کا سبب سمجھ لینا یہ علمی غلطی ہے جس کا نہ احادیث سے کوئی پتہ لگتا ہے اور نہ تاریخ سے کوئی ثبوت۔

ہاں! اگر صرف قیاس آرائی کا ہی نام تو بات دوسری ہے ورنہ عیسائیوں کو تو ان پر ایمان لانا ہے۔ ہاں! یہودیوں کو ان کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنا ہے اور اس طرح ان دونوں قوموں کا حشر آنکھوں کو نظر آتا ہے۔ پھر دجالی فتنے کو ان پر منطبق کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟۔ کچھ گنجائش ہے اور دجالی فتنے کو کسی فریق پر منطبق کرنا ہی ہے تو یہود کے حق میں اس کا کوئی امکان پیدا ہو سکتا ہے اور بس۔

والحمد لله اولاً وآخراً۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وآله واصحابه النبي في اولهم نبيهم وآخرهم الامام المهدي عليه السلام (واما الدجال الاكبر فهو من اليهود ليس منا ولسنا منه لعنه الله لعناً كبيراً)

چہار شنبہ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ

بمطابق ۱۲ مئی ۱۹۶۵ء المدینۃ المنورہ

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆☆... مرزا قادیانی سب دہریوں سے بڑھ کر اپنے دہریہ ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

☆☆... قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں بھی حلال نہیں بلکہ مردار ہے۔

☆☆... مرزائی میرے اس سوال کا جواب دیں کہ 52 سال جھوٹ بکنے والا مسیح موعود کیسے بن گیا؟۔

☆ ☆ ☆

نور ایمان

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ خاتم الانبیاء۔ اما بعد!

قادیانی جماعت کے لاٹ پادری مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے اور قادیانی جماعت کے دوسرے گرو مرزا محمود نے نداء ایمان نامی ایک مضمون تحریر کیا۔ جس کا محدث کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے ”نور ایمان“ کے نام سے جواب تحریر فرمایا۔ صدائے ایمان از شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور نور ایمان از محدث کبیر مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ ایک ساتھ پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوئے تھے۔ ”صدائے ایمان“ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ”نور ایمان“ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئے تھے۔ اب نایاب تھے۔ شامل کتاب کرنے کی سعادت پر رب کریم کے حضور سجدہ شکر بجا لاتے ہیں۔ فالحمد للہ!

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ ۔ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ - الصف ۸"

زمیندار کی ایک تازہ اشاعت میں مرزا محمود قادیانی کا مضمون "ندائے ایمان" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ جسے دیکھ کر مجھے ان کے فلسفہ توہین و عظمت رسول پر حیرت ہوئی ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ انتہائی جذبہ عقیدت سے حضرت مسیح علیہ السلام جیسے مسلّم و محکم عقیدہ کو خاتم الانبیاء ﷺ کی توہین اور ہتک عزت کا موجب سمجھتے ہیں اور دوسری طرف نہایت بیباکانہ و سفاکانہ لہجہ میں سرور کائنات ﷺ کے ایک مخلص اور سچے جان نثار کو کافر جہنمی قرار دے دیتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا جذبہ محبت ظاہر کرنے والا نبوت محمدی کے تسلیم کر لینے والے کو کسی جدید نبوت کے انکار سے کیسے کافر کہہ سکتا ہے حالانکہ حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کو توہین نبی کریم ﷺ کی توہین سے دور کا بھی کوئی علاقہ نظر نہیں آتا۔ ہزاروں انبیاء لاکھوں صلحاء گزر گئے لیکن کیا موجودہ زمانہ میں رہنے والے انسانوں کو ان پر اس لئے کوئی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے کہ یہ زندہ ہیں اور وہ وفات شدہ۔ اس لئے ہم یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہیں کہ آپ کے نزدیک معیار توہین و عظمت صرف یہ ہے کہ جس طریق سے مسیحیت جدیدہ کا راستہ صاف ہو وہ عظمت ہے اور جس منظر سے اس راستہ میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ پیش آئے وہ توہین اور ہتک عزت ہے۔

حیات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ بھی چونکہ نہ صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی مسیحیت بلکہ اس قسم کے ہر کاذب مدعی کے لئے سد راہ ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اسے آپ

بھی ایک رکاوٹ سمجھ کر موجب توہین قرار دیں اور اس لئے ایسے مدعیوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ پہلے اسی مسئلہ سے لوگوں میں تنفر پیدا کریں۔ تاکہ اپنی مسیحیت کی بنیاد قائم کرنے کے لئے ان کا دوسرا قدم ناکام نہ رہے۔ اسی لئے شریعت مصطفویہ ﷺ نے پہلا سد اسی دروازہ پر قائم کیا ہے۔ جہاں سے مدعیان مسیحیت کاذبہ کی آمد کا سب سے اول خطرہ تھا اور وہ یہی مسئلہ حیات مسیح ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہے اور اسی طرح ایک باطل دوسرے باطل سے وابستہ ہے:

" قال ﷺ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وفی حدیث انسؓ عند الترمذی ثم قال یا بنی وتلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة۔ "

حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کے بعد حق کی دوسری کڑی مدعیان مسیحیت کاذبہ کی تکذیب ہے۔ ختم نبوت کا اعتقاد راسخ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی عظمت اور ان کے جلال کا تسلیم کرنا ہے۔ قرآن شریف کے آیات اور احادیث کے ایک ذخیرہ پر خدا اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق ایمان لانا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف وفات مسیح کے مان لینے کے بعد دوسرا باطل جو ہمارے سامنے ہے۔ وہ مدعیان مسیحیت و نبوت کی ایک قطار ہے۔ قصر ختم نبوت کا ہدم ہے۔ مسیح برحق کا انکار ہے۔ قرآن شریف کی نصوص صریحہ سے روگردانی ہے اور سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ کے اس پر عظمت جلال کا انکار ہے جو آخری زمانہ میں عالم آشکارا ہونے والا ہے اور جس کے ساتھ اتحاد ملل و مذاہب وابستہ اور وعدہ ازلی موجود ہے۔

" قال تعالٰی وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ۔ النساء ۱۵۹ "

اس کے بعد آپ غالباً آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صدہا پیشگوئیوں میں سے مسیح علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی کو تقریباً (۱۰۰) بلکہ سو سے بھی زائد احادیث میں کیوں مکرر سہ کرر بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کی حیثیت ایک پیشگوئی ہونے کے سوا اور کیا ہے۔ یہ پیشگوئی ایک ہی تھی اور بھی بہت تھیں۔ اسی کو کیا انتخاب تھا کہ اس کثرت سے

ساتھ اس کو بیان کیا گیا؟۔ اور اس کے بالمقابل مدعیان مسیحیت کو آخر اسی مخصوص مسئلہ سے
چڑ کیوں ہے؟ اور کیوں ہمہ وقت کبھی توہین کی دھمکی دے کر' کبھی عقل کے خلاف ٹھہرا کر'
اور کبھی قرآن و حدیث کے مخالف قرار دے کر' اور کبھی عیسائیوں کی موافقت سے ڈرا کر اس
مسئلہ سے متنفر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے؟۔

افسوس نہ تھا اگر اس اہم مسئلہ توہین و عظمت رسول میں اس "سیاسی" دلسوزی کے
ساتھ علمیت کا بھی کچھ رنگ ہوتا' جواب دینے کے لئے ہم جیسے غلامان محمد ﷺ ابھی
ہزاروں زندہ موجود ہیں۔ لیکن افسوس تو اس پر ہے کہ جن امور سے اس عقیدہ اہم و مسلم کو
توہین قرار دیا گیا ہے وہ ایک احمق سے احمق کے لئے بھی قابل تمسخر ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ عیسیٰ
علیہ السلام کو اس قدر طویل العمر اور زندہ سمجھنا نبی کریم ﷺ سے افضل ٹھہراتا ہے۔ یہ
ٹھیک ایسا ہی استدلال ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے صاحبزادہ ابراہیم (علیہ السلام) کو
حالت رضاعت میں وفات شدہ ماننا اور مرزا غلام احمد کے صاحبزادہ کو باریش و لحیٰ جیتا
جاگتا تسلیم کرنا آپ کی توہین کرتا ہے۔ کیا اگر کوئی دوسرا مستقل مبلغ' سرور کائنات ﷺ کے
فرزند اور آپ کی اس بیوی کا مقابلہ کر کے یہ کہنے لگے کہ مسلمانو! کیا غضب ہے کہ
آنحضرت ﷺ کے فرزند کو تو زمانہ طفولیت سے بھی گذرنے نہیں دیتے اور مرزا غلام احمد
کے بیٹے کو زندہ مان کر بڑھاپے کی عمر تک پہنچاتے ہو' اور حضور ﷺ کی سخت توہین کرتے
ہو۔ تو کیا وہ آپ کی وفات عین حالت حیات میں تسلیم کرنے میں مجبور نہیں ہے؟۔ یا صرف
اتنے سے فرق سے کہ آپ سرزمین پنجاب میں زندہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر۔ آپ
زندہ اور وہ وفات شدہ تسلیم کئے جا سکتے ہیں؟۔ آپ کو یقین کر لینا چاہئے کہ مدنی نبی ﷺ کے
ماننے والے اس کے فرمان پر چشم دید حالات سے زیادہ یقین رکھتے ہیں اور جہاں شریعت کی
اطلاع پر لاتعداد اور لاتحصیٰ ملائکہ کو سمٰوات پر زندہ تسلیم کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک عیسیٰ
علیہ السلام کو بھی بلاشبہ وریب زندہ تسلیم کرتے ہیں۔ عجب نہیں کہ قدرت کے ہاتھ نے اسی
لئے انہیں آسمانوں پر اٹھایا ہوتا کہ آسمان پر رہ کر ان کے حیات میں کوئی استبعاد نہ رہے کیونکہ
جس ملک کی عمر تا نفخ صور ہو وہاں کسی کا عمر نے چند سے زندہ رہنا کیا بعید ہے؟۔ ذکر نوح علیہ

السلام اسی زمین پر رہ کر ہزاروں برس زندہ رہ سکتے ہیں۔ تو حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر کیوں اس قدر یا اس سے زیادہ زندگی نہیں گذار سکتے؟۔ حالانکہ وہ تو ان کا مستقر ہے جنھیں قیامت سے قبل موت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کا زمانۂ وفات قریب ہوگا تو پھر اسی زمین پر آنا مقدر ہے تا معلوم ہو جائے کہ آسمانوں پر موت نہیں ہے۔ پھر کس قدر بے عقلی ہے کہ جس صورت کو دست قدرت نے اس استبعاد کے دور کرنے کے لئے اختیار کیا۔ اسے ہی کم فہموں نے اور زیادہ استعجاب کا موجب بنا لیا ہے ۔

"وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ. لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ. الحجر ۱۴"

ہاں! مرزا قادیانی کو دھوکا لگ جاتا اس وقت قرین قیاس تھا جبکہ نبی کریم ﷺ کو بھی آسمانوں میں مان کر وفات شدہ تسلیم کیا جاتا۔ مگر میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ آسمان ہرگز نبیوں کے مستقل طور پر رہنے کا مقام نہیں ہے۔ اور نہ انبیاء کا آسمانوں پر رہنا کوئی موجب افضلیت ہے۔

رسل اور سید الرسل کے لئے زمین کیوں منتخب ہوئی؟

حق تعالیٰ کی مشیت ازلی نے جب چاہا کہ اپنا کوئی خلیفہ بنائے اس وقت یہ آسمان بھی موجود تھے اور زمین بھی۔ لیکن صاف اعلان کر دیا کہ :

" وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً. البقرہ ۳۰" یعنی فرشتے میرے آسمانوں پر ہیں لیکن میرا خلیفہ میری زمین پر ہوگا اور یہ اس لئے مقدر ہوا کہ آسمان بالاصالۃ یعنی بلاواسطہ قدرت کی کارفرمائیوں کے مظہر ہیں۔ اس لئے جہاں اصل کا ظہور ہو وہاں خلیفہ کا کیا کام؟۔ زمین ہی وہ ٹکڑا تھا جہاں پہ قدرت نے آدم علیہ السلام کی طاقت ظاہر فرما کر اپنی قدرت کاملہ کو اسباب کے پردہ میں مستور کر دیا۔ لہذا ضرور ہوا کہ خلافت زمین پر ہی عیاں ہوتی۔ ورنہ جس طرح سموات اسباب سے بالاتر اور بالاتر کارخانے پر مشتمل ہیں اسی طرح یہ زمین بھی براہ راست ید قدرت کے تحت میں ہوتی اور جس طرح

آسمانوں پر خدا تعالیٰ کی نہ معصیت کرنے والے فرشتے آباد تھے۔ اسی طرح زمین پر وہ بندے آباد ہوتے جنہیں سوائے طاعت کے کچھ کام نہ ہوتا اور "یفعلون ما یؤمرون" کا مصداق ہوتے اور اس طرح اسباب معصیت کا مادہ نکال دیا جاتا، اور آدم پیدا ہی نہ ہوتے۔ جنت و دوزخ کی حاجت نہ رہتی اور عالم کی پیدائش سے جو مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا۔ لیکن جب حکمت ایزدی اور مرضی مولیٰ نے غیب میں اپنی عبادت چاہی تو خلیفہ کے لئے اسی زمین کو مخصوص کر دیا اور بالآخر اپنے خلیفہ پر اوامر و نواہی اتارے تاکہ دیکھے کہ اگر ملائکہ مشاہدۂ عبادت کرتے ہیں تو کیا کوئی غیب دیکھے بغیر بھی عبادت کرسکتا ہے:

"تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیء قدیر۔ الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ الملک ۲،۱"

اسی لئے بالآخر آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی جنت چھوڑ کر مسند خلافت پر جلوہ گر ہونے کے لئے اسی زمین پر آنا پڑا۔ پھر بتلاؤ کہ خلیفہ کے بعد دوسرے بندوں کے لئے بھی خدا کی یہی زمین زیادہ موزوں تھی یا وہ آسمان جہاں ایسی مخلوق بستی ہے کہ جو بلا واسطہ احکام سنتی اور بلا فترۃ عبادت میں مشغول ہے۔ نہ وہ کسی رسول کی وحی کی محتاج ہے نہ کسی ہادی کی ہدایت کی۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام اگر کسی مصلحت الٰہیہ کے ماتحت آسمانوں پر تشریف فرما ہیں تو اس وجہ سے سرور کائنات ﷺ سے افضل ہو سکتے ہیں؟۔

ملائکۃ اللہ جنہیں اسرار خلافت کی مصلحت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے جب کچھ تردد لاحق ہو جاتا ہے تو آتے ہی کہتے ہیں کہ:

"ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک۔ البقرہ ۳۰"

یعنی اے اللہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ اگر آسمانوں پر رہنا بھی کسی فضل کا موجب تھا تو ان کا یہ حق تھا کہ اس کے ساتھ ہی "ونستقر فی سمائک" بھی کہتے یعنی اور ہم تیرے آسمانوں میں رہتے ہیں۔ لیکن جب خود اس مکان کے ساکن مخلوق کسی مکان کی سکونت کو موجب فضل نہیں سمجھتے تو پھر زمین والوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے بنا بیٹھیں جس کا انہیں حق نہیں؟۔ تسبیح و تقدیس کو بظاہر ایک بڑی افضل کی شے ہے لیکن

بارگاہ صمدیت میں جسے ہر کسی کی تسبیح و تقدیس سے بے نیازی حاصل ہے۔ اس کو بھی کسی خاص فضل کا موجب نہ سمجھا گیا خود صاف جواب مل گیا کہ: "اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ بقرہ۔ ۳۰" یعنی جہات فضیلت تمہاری پرواز سے باہر ہیں۔ کسی کا آسمان و زمین پر رہنا تو درکنار تسبیح و تقدیس بھی موجب افضیلت نہیں ہو سکتیں بلکہ اس کا ایک ہی سبب ہے اور وہ اس کی ذات قدسی صفات کا اصطفاء و اجتباء ہے اور یہ اسی کے ہاتھ میں ہے جسے کوئی بشر اپنی فطری یا کسبی طاقت سے حاصل نہیں کر سکتا: "اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ الحج ۷۵" ظاہر ہے کہ ایک وائسرائے ہندوستان میں رہ کر شاہ انگلستان کے نزدیک وہ رتبہ رکھ سکتا ہے جو ایک کمشنر اس کی محفل بلکہ اس کے محل میں رہ کر بھی حاصل نہیں کر سکتا پھر یہاں اور وہاں کا فرق فضول ہے:

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

افضل البشر ﷺ کی عظمت میں کسی کا کیا منہ ہے کہ ہم سے گوئے سبقت لے جائے ایک وہ ہیں جن کے خیال میں حضرت مسیح علیہ السلام ہوائے چرخ آسمان پر رہ کر افضل بن سکتے ہیں اور ہم وہ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ واللہ وہ سرزمین جس پر سرور کائنات (ﷺ) کے قدم پڑتے ہیں اس آسمان سے ہزار درجہ افضل ہے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس کے غیر متناہی فرشتے بھی آباد ہیں۔

ایک وہ ہیں جو مکین کو مکان کی وجہ سے شرف دیتے ہیں اور ہم وہ ہیں جو مکان کو مکین کی وجہ سے اشرف سمجھتے ہیں۔ "قال تعالیٰ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ البلد ۱، ۲" یعنی اے محمد (ﷺ) میں اس شہر مکہ کی قسم اس لئے کھاتا ہوں کہ تو اس میں رہتا ہے پھر جس کے وجود سے ام القریٰ مکہ کو شرف حاصل ہو سکتا ہے وہ آسمان پر جانے کا کیا رشک کرے؟ بلکہ آسمان خود اس زمین پر رشک کرتا ہے جہاں اس کے قدم پڑتے ہیں

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

اب تو آپ نے انصاف فرما لیا ہوگا کہ ہم غلامان محمد ﷺ اس عقیدہ کے ماتحت خاتم النبیین کی توہین کرتے ہیں (والعیاذ باللہ) یا تعظیم اور آیئے میں آپ کو بتلاؤں کہ آپ "ظلی" نبوت کے بالمقابل "حقیقی" نبوت کا جھنڈا گاڑ کر ایسی کھلی توہین کر رہے ہیں جس سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے اور زمین پاش پاش ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔

ختم نبوت کے بعد کسی نبوت جدیدہ کا تسلیم کرنا سخت توہین ہے

خدائے تعالیٰ نے دنیا میں بہت سے رسول بھیجے اور یقیناً ہر رسول اپنے اپنے زمانہ کے لئے ایک نور تھا اور ایک شمع تھی جس کے اجالے میں آنکھ بند کر کے خدائے قدوس تک رسائی ممکن تھی۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آدم علیہ السلام کی نبوت کا ماننے والا اگر نوح علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کے لئے سوائے جہنم کے کہیں مفر نہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ نبوت آدم علیہ السلام میں کوئی نقصان تھا (والعیاذ باللہ) بلکہ اس لئے کہ نبی وقت کی اس میں توہین ہے۔

یہی سلسلہ چل کر ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام تک پہنچا اور یہ ہر دو نبی بھی اپنے زمانہ میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے لیکن آخر کار عیسیٰ علیہ السلام کے دور نبوت میں ان پر ایمان رکھنا بھی نجات کے لئے کافی نہ ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا بھی ضروری ٹھہرا۔

اس سے معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں ایک شخص اپنے نبی پر ایمان لا کر بھی خدائے تعالیٰ کے نزدیک نامقبول ٹھہر سکتا ہے اگر وہ آئندہ نبی پر ایمان نہیں لاتا اس لئے اگر ہمارے آقا و مولا سرور کائنات ﷺ بھی اسی سلسلہ کے ماتحت اول یا وسط میں مبعوث ہوتے تو ضرور آپ ﷺ پر ایمان لانا بھی کسی زمانہ میں اسی طرح ناکافی ہو جاتا اور جس طرح کہ ایک شریعت موسویہ کا عامل عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے جنت اور رضائے حق سے محروم ہو کر ابد الآباد کے لئے جہنمی ہو سکتا۔ اسی طرح محمد رسول اللہ (ﷺ) پر بھی ایمان لا کر بعد کے نبی پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے جہنمی ہو سکتا تھا۔ لیکن رحمت حق نے اپنے محبوب کو ایک خاص بزرگی سے نوازا اور چاہا کہ اب آئندہ اس رحمۃ للعالمین پر ایمان لانے والا اس

ٹھہر سے مامون ہو جائے اور جس طرح اس کے زمانہ میں ایمان کا مدار اس کی ذات پر تھا اسی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت آئندہ بھی اسی کے نام سے وابستہ ہے۔ اس لئے ختم نبوت کا تاج مکمل اس کے سر پر رکھا اور دنیا کو مطلع کر دیا کہ اس مرسل اعظم ﷺ کے بعد دنیا میں کوئی نبی نہیں۔ اس کا ماننا نجات کے لئے کافی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے رضائے حق مل سکتی ہے اور اسی کی مخالفت سے خدا کا غضب ٹوٹتا ہے۔ خدا کی جنت اسی کے نام کے ارد گرد دور (گھومتی) ہے اور جہنم اسی کے متبرک نام سے خائف ہے۔ کوئی نہیں جس پر ایمان لانا اس کے بعد درست ہو۔ اس لئے کہ اب وہ آگیا جو سارے جہان کو تسلی دینے والا ہے۔ ہر پیاسا اسی کے بحر شریعت سے سیراب ہو گا۔ ہر بھوکا اسی کے دستر خوان سے شکم سیر ہو گا اور ہر خائف اسی کے حریم امن میں پناہ پائے گا۔ اس کا دامن خدائے تعالیٰ کی دائمی رضا کا ضامن ہے۔ کوئی نہیں جس کا نام اس کے نام سے اونچا ہو سکے۔ کوئی نہیں جو اس کی نبوت کے بعد اپنی طرف دعوت کا حق رکھتا ہو۔ اس لئے کہ اب امام آگیا۔ وہ حامل لواء ہے اور سب اس کے جھنڈے کے نیچے ہیں۔ اسی راز کو آشکارا کرنے کے لئے عیسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم نبی آئے گا اور دنیا کو دکھلائے گا کہ یہ وہ نبی ہے جس کے دور میں انبیاء امتی بن کر بسر کرتے ہیں اور دوسروں کے شفیع بن کر بھی خود اس کی شفاعت سے مستغنی نہیں ہیں۔

عقیدہ حیات مسیح کا عیسائیت پر اثر

رہا عیسائیت کی موافقت کا سوال تو آپ کو معلوم رہے کہ عیسائیت کے استیصال کے لئے اس مسئلہ سے زیادہ کوئی امر اعظم نہیں ہے۔ بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور آخر میں وہ بھی لکھی جا چکی جس کو لوگ براہین احمدیہ کہتے ہیں اور جس کی تصنیف کا خدا کو مشتغل کہا جاتا تھا۔ لیکن کیا عیسائیت معدوم ہو گئی؟۔

ہاں! اگر آتھم کے زمانہ کے دستور کے مطابق وفات پا جانے سے عیسائیت تباہ ہو سکتی ہے تو بے شک تباہ ہو گئی۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ میری اور تیری صفائی سے کیا ہو گا۔ صفائی مکمل اس وقت ہو گی جبکہ عیسائیوں کا مزعوم خدا خود زمین پر اتر کر اس اتہام کو علی رؤس

ان کا شعار اپنے سر سے اٹھائے گا اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر اپنے تابع ہونے کا ثبوت دے گا اور آخر کار اسی زمین میں جا کر سو رہے گا۔ جہاں خدا کے سارے رسول آرام فرما ہیں۔ یہ وہ دن ہوگا جبکہ عیسائیت کا تخم دنیا سے معدوم ہو جائے گا اور اس کے لئے اس کے شعائر اس کی طاقت و شوکت اور اس کے خصائص سے عالم پاک ہو گا صلیب توڑ دی جائے گی کہ پھر نہ کر جا نظر آئے گا نہ اس پر صلیب لٹکے گی۔ خنزیر قتل کر دیئے جائیں گے اور دنیا بعد فساد کے پھر امن کی طرف لوٹے گی۔ لیکن اس کے برخلاف اگر آپ کے عقیدہ کے مطابق مسیح سولی چڑھا دیا گیا اور پھر نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ کون ہے جو عیسائیوں کو کفارہ کے عقیدہ سے روک سکے۔ کون ہے جو ان کے شعائر کو پست کر دے اور کون ہے جو عیسائیت کا بیج خدا کی زمین سے علیحدہ کر دے۔ کیا وہ مرزا غلام احمد قادیانی یا ان کے صاحبزادہ جنہیں ہمیشہ عیسائیوں اور ان کی سلطنت کے مناقب کے سوا کچھ کام نہ تھا۔ کیا وہ جن کے نزدیک ہندوستان مکہ اور مدینہ سے زیادہ پیارا ہے۔ کیا وہ جن کا خدا خود ان سے غلط انگریزی میں باتیں کیا کرتا تھا۔

اب مرزا محمود انصاف کریں کہ ایک طرف حیات عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے ان کا نازک دل پھٹا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ خدا تعالیٰ کے اس امتیاز کلی کو مٹانا چاہتا ہے کہ اب اس خاتم الرسل پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی ضرور ہے۔ جنت اور رضائے ایزدی اس کے توسط کے بجائے مرزا غلام احمد کے توسط سے ملنے لگے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی رسول اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے نہ اترے اور اس کے ماء مصفیٰ کو چھوڑ کر دنیا مرزا غلام احمد قادیانی کے گھاٹ سے سیراب ہو:

تکدر ماء السابقین وعیننا

الی آخر الایام لا تتکدر

مسئلہ ختم نبوت ایک فسانہ سمجھا جائے اور اسی طرح عظمت کے دعوے میں اہانت اور ایمان کی نداء میں کفر کی دعوت دی جائے؟۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ آپ ان عقائد فاسدہ سے توبہ کر لیں؟ اور ایک ایسی نبوت تامہ دائمہ کے نیچے آجائیں جس کے بعد ہر

تجرت سے بے نیازی اور بے رنگی سے آراستہ ہے:

بہار عالم حسنش جہان را تازہ میدارد

برنگ اصحاب صورت رابہ بو ارباب معنی را

معزز زمیندار کی اپیل پڑھ کر میں نے اس مضمون کو شروع کیا تھا اور اپنے ذہن میں اس کو دو حصوں پر منقسم کیا تھا جس میں سے اول حصہ مرزا محمود صاحب کے شکوک کے جواب کے متعلق تھا اور دوسرا اپنے مقصود کی تقریر میں۔ لیکن جب میں اس قدر مضمون لکھ چکا تو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ کا میں نے مضمون سنا جس کے بعد اپنا یہ مضمون بھی زائد از حاجت معلوم ہوا اس لئے دوسرے حصہ کو حذف کرتا ہوں کہ مولانا کے موصوف کا مضمون اس باب میں کافی ہے اور اسی میں کفایت ہے اسی کو بطور پڑھئے اور سنائیے۔

ھوا المسک ما کررتہ یتضوع

الجواب الفصيح
لمنکر حیات المسیحؑ

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

الحمدللہ وکفی وسلام علی خاتم الانبیاء۔ اما بعد!

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ؒ نے "الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح" تحریر فرمایا جو ۱۳۴۲ھ میں مطبع قاسمی دیوبند سے شائع ہوا۔ عرصہ سے نایاب تھا۔ ۹۷ سال بعد اس کی اشاعت یہ ہمارے لئے کیا باعث سعادت نہیں؟۔ ۱۷ شعبان ۱۳۴۱ھ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے۔ آپ کے شاگردوں کی جماعت ساتھ تھی۔ کشمیر کے قادیانیوں کو پتہ چلا تو لشٹم پشٹم چلے آئے۔ آپ نے پورے کشمیر میں فتنہ قادیانیت کے خلاف تقریریں کیں۔ قادیانیت کو قلعہ اٹھی۔ قادیان سے لاہور تک کے قادیانیوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اپنے ہفتگی رسائل جیسے پیغام صلح وغیرہ میں مضامین لکھے جو دلائل سے زیادہ گالیوں سے پر تھے۔ ان تمام مضامین کا جواب حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مرحوم نے تحریر فرمایا تو یہ کتاب بن گئی۔ اس میں ذیل کے مضامین ہیں:۱۔

مصباح الادلة لمحوالنبوة الظلية۔ ۲۔ الجواب الحفی فی آية التوفی۔ ۳۔ انجاز الوفی فی لفظ التوفی۔ ان مضامین کے مجموعہ کا نام "الجواب الصحیح لمنکر حیات المسیح" ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ اکابرین کی محنت کرامت کے ہاتھوں پہنچانے کی سعادت پر رب کریم کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ فالحمدللہ!

فقیر اللہ وسایا

۶؍۶؍۱۴۲۲ھ

۲۷؍۸؍۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش

ناظرین کرام چونکہ اس رسالہ کا مقصد صرف معترض کی جوابدہی نہیں بلکہ اظہار حق اور تحقیق ہے۔ اس لئے ہر چند کہ تحریر جواب و کتابت سے فراغت حاصل ہوئی ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ لیکن کارکنان شعبہ تبلیغ و اشاعت دارالعلوم کو کچھ ایسی مشاغل ضروریہ جو اس سے اہم تر تھے در پیش رہے جن کی وجہ سے رسالہ ہذا کے طبع میں ضرورت سے زیادہ تاخیر واقع ہو گئی اور کاپیاں بھی رکی رکی قدرے خراب ہو گئیں۔ اس لئے التماس ہے کہ اس تاخیر سے ملول نہ ہوں اور مطلب کی بات غور سے مطالعہ فرمادیں۔ انشاء اللہ امید ہے کہ فائدہ سے خالی نہ پائیں گے۔ اور اگر کوئی بات قابل پذیرائی نظر پڑے تو احقر کو بھی کلمات خیر سے ضرور یاد کریں۔

والسلام!

بدر عالم عفی عنہ

خادم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ امابعد!

ایک مدت مدید سے اپنا خیال تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایمارات پر کوئی مختصر سا رسالہ تحریر کیجئے اور اس مدعی نبوت کے اختراعی تصرفات کو عوام کے روبرو پیش کیجئے تاکہ امت محمدیہ اس کی تلبیس سے متنبہ اور حقیقت حال سے آگاہ ہو جائے۔ مگر اپنی بے بضاعتی نے کبھی اہل علم وفضل کے مجمع میں رہ کر قلم اٹھانے کی ہمت نہ دی۔ حتیٰ کہ یہ خیال قریب تھا کہ بہتہ ہو کر معدوم ہو گیا ہوتا کہ سعادت ازلیہ اور تقدیر الٰہی نے دفعتہً دستگیری کی اور ایسے سامان میسر کر دیئے کہ باایں ہمہ قلم اٹھانے کی جرأت ہوئی۔ یعنی حسب الاتفاق خاتم المحدثین وحجت السالکین الصالحین سیدنا ومرشدنا واستاذنا حضرت مولانا مولوی الحاج سید انور شاہ صاحب مدظلہ العالی مدرس اعلیٰ مدرسہ دیوبند نے اپنے وطن مالوف کی طرف سفر کا ارادہ کیا اور مورخہ ۱۷ شعبان ۱۳۳۴ھ کو یہاں سے روانہ ہو کر مقام بارہ مولا وسری نگر ہوتے ہوئے کشمیر کو شرف ورود بخشا۔

چونکہ نواحی کشمیر میں جناب کے تقدس وعلم کا ہندوستان سے بھی زیادہ شہرہ ہے۔ اس لئے جوق در جوق مشتاقان دید بغرض تحصیل زیارت آتے رہے۔ اس دوران میں حضرت موصوف مسلمانوں کی مذہبی کمزوری کو برابر محسوس کرتے تھے اور اسی سبب سے صرف دو ماہ کے قیام میں مختلف مقامات پر آپ کو حسب مراتب وعظ فرمانے کا اتفاق ہوا۔ جن میں بعض مسائل اجتہادیہ مختلف فیہا اور بعض میں اس فتنہ عمیاء وصماء پر خصوصیت سے بحث فرمائی۔ چونکہ حضرت موصوف کی زبان پر تاثیر سے صداقت واخلاص سے لبریز مواعظ لوگوں کے کانوں تک پہنچے۔ اسی وقت سے عوام میں مذہبی تحریک اور مردہ ایمانوں میں تازگی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ پھر کیا تھا اس کامیابی اور تائید حق کو دیکھ کر مرزائیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور ان سے رہا نہ گیا۔ یہاں تک کہ پیغام صلح میں عبداللہ وکیل (قادیانی) کی طرف سے چند اعتراضات شائع ہوئے۔ خیر اس کا تو شکوہ نہ تھا افسوس اس پر ہے کہ ساتھ ہی ساتھ حضرت موصوف کی شان میں نہایت گستاخانہ کلمات بھی استعمال کئے گئے ہیں جسے ہم مرزائی سنت

سمجھتے ہیں۔ خوش قسمتی سے یہ پرچہ میری نظر سے بھی گزرا۔ گو پہلا ارادہ تو تقاضائی عمر اس پر
حضرت موصوف کے فرمانے نے جسے میں نے توفیق خیر اور باعث نجات تصور کیا۔ تحریر
جواب پر مجبور کر دیا اور وہ امروز فردا کا غیر متناہی سلسلہ تیج منقطع ہوا اور توکلاً علی اللہ جو کچھ کہ
آنجناب (شاہ صاحب) کے افادات خارج یا اوقات درس کی اپنی وضع میں جمع تھے۔ ان کو یکجا
قلمبند کرنا شروع کیا اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں دریافت بھی کیا۔ اس کے بعد اس
منتشر اور بے ربط ذخیرہ کو بصورت رسالہ حضرت موصوف کی خدمت میں پیش کرنے کی
درخواست کی۔ ہر چند کہ اپنی ہیچمدانی پر نظر کرتے ہوئے کس طرح امید نہ تھی کہ وہ کچھ
بھی قابل پذیرائی ہو مگر الحمد للہ کہ حضرت موصوف نے اس کو قبول فرما کر اول سے آخر تک
حرف بحرف سنا اور حسب ضرورت اصلاح فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی میری گزارش پر ہر
مضمون کا مناسب عنوان بھی خود ہی تجویز فرمایا۔

بدرعالم میرٹھی

نوٹ: ہر مضمون کا عنوان ابتداء صفحہ میں لکھ دیا گیا ہے۔ صفحات مضامین کے
اعتبار سے لگائے گئے ہیں۔ اعتراضات بلفظہا منقول ہیں۔ اصل پیغام صبح مورخہ ۲۳ ذیقعدہ
۱۳۴۰ھ کالم ۳ پر ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصباح العلیہ لمحو النبوۃ الظلیہ

(قال) ”مولانا صاحب نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ظلی بروزی مجازی نبوت کا قائل خارج از دائرہ اسلام ہے۔ اس پر گزارش ہے کہ محدثیت ہی ظلی نبوت ہے۔ لکل ان یصطلح اگر یہ نبوت بھی ظلی مسدود ہے تو ملاحظہ فرمایئے کتاب : ”الیواقیت والجواہر امام شعرانی“ اعلم ان النبوۃ لم یرتفع مطلقا بعد محمد ﷺ وانما ارتفع نبوۃ التشریع فقط وقد کان الشیخ عبدالقادر الجیلانی یقول اوتی الانبیاء اسم النبوۃ و اوتینا اللقب۔ ”کیا کوئی فاضل بتا سکتا ہے کہ امام شعرانیؒ یا عبدالقادر جیلانیؒ ”شیخ ابن عربیؒ“ مجدد الف ثانیؒ“ علماء اسلام داخل دائرہ اسلام نہیں ہیں۔ معاذ اللہ!“

(اقول) ”وبہ نستعین“ قبل اس کے کہ میں اس عبارت کی شرح کروں اولا ظلی نبی کی مختصر تحقیق کرتا ہوں کہ کیا مرزا قادیانی کے نزدیک ظلی نبوت اور محدثیت شی واحد ہیں؟ اور یہ کہ کیا ظلی نبوت کوئی قابل تسلیم اصطلاح ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟۔ سو سب سے اول تو بطور اصل گزارش ہے کہ اگر ظلی یا بروزی نبوت دین میں کوئی شی معتبر ہے جس کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے تو کسی ایک حدیث کو ہی مرزائی پیش کر دیں جس میں ظلی یا بروزی کا لفظ آیا ہو۔ کیونکہ جب امت محمدیہ میں ہونا محدثیت شرعاً بھی ایک مسلم امر ہے اور محدث ظلی نبی بھی ہوتا ہے (بقول مرزائیاں) تو پھر ضرور کہیں اس کا پتہ ملنا چاہئے اور اگر یہ مجرد اختراع ہی ہے جیسا کہ ولکل ان یصطلح سے متبادر ہے تو ایسی اصطلاح کے ماننے پر جس کا دین میں کہیں پتہ نہ ہو دوسروں کو کیونکر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ اصطلاح شریعت محمدیہ کے مخالف بھی ہو بلکہ ممنوع ہو۔

مثلاً اگر کوئی شخص ظلی اور بروزی طور سے خدائی کا دعویٰ شروع کر دے تو کیا اس

شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور کیا اس شخص کا یہ عذر قابل قبول ہوگا کہ میں نے حقیقتاً خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تاکہ تعدد لازم آئے بلکہ ظلی طور سے میں نے اس میں فنا ہو کر اس کا نام پایا ہے اس کا علم پایا ہے اس کا حکم پایا ہے اور اس طور سے میں ظلی خدا ہوں۔ لہذا خدائی خدا ہی کے پاس رہی نہ کسی دوسرے کے پاس۔ لہذا مجھ کو مشرک نہ کہو۔

"اس طرح جس کو شعلہ محبت الٰہی سر سے پیر تک اپنے اندر لیتا ہے وہ مظہر تجلیات الٰہیہ ہو جاتا ہے۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا ہے بلکہ ایک بندہ ہے۔"

(حقیقت الوحی ص ۶۵ خزائن ص ۶۸ ج ۲۲)

بالکل اس طرح سمجھ لو کہ اگر کوئی شخص مظہر تجلیات نبویہ ہو جانے کا مدعی ہو تو اسے قطعاً بالکل ان کی اصطلاح کے تحت میں نبی نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ ایک امتی ہوگا۔

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ ظلی طور سے انبیاء علیہم السلام کے جمیع کمالات پانے والا بھی نبی نہیں کہلاتا

"جب کسی کی حالت اس نوبت تک پہنچ جائے تو اس کا معاملہ اس عالم سے وراء الوراء ہو جاتا ہے اور تمام ان ہدایتوں اور مقامات عالیہ کو ظلی طور پر پا لیتا ہے جو اس سے پہلے نبیوں اور رسولوں کو ملے تھے اور انبیاء اور رسل کا وارث اور نائب ہو جاتا ہے۔ وہ حقیقت جو انبیاء میں معجزہ کے نام سے موسوم ہوتی ہے وہ اس میں کرامت کے نام سے ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ حقیقت جو انبیاء میں عصمت کے نام سے نامزد کی جاتی ہے اس میں محفوظیت کے نام سے پکاری جاتی ہے اور وہی حقیقت جو انبیاء میں نبوت کے نام سے بولی جاتی ہے اس میں محدثیت کے پیرایہ میں ظہور پکڑتی ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۳۸ خزائن ص ۲۳۸ ج ۵)

اس عبارت میں صاف طور سے بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص جو انبیاء سابقین کے جمیع کمالات کو ظلاً حاصل کر لیتا ہے نبی نہیں کہلاتا بلکہ محدث کہلاتا ہے۔ اس سے دو نتیجے پیدا ہوتے ہیں پہلا تو یہ کہ محدث ظلی نبی ہی نہیں ہوتا یا ظلی نبی کہلا نہیں سکتا اور یہ تقریر مرزائی کا یہ فرمانا پیغام صلح کی تردید کرتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ظلی نبی اور محدث شئی واحد ہیں لہذا

محدث تو ظلی نبی کہیں گے مگر اس عبارت میں مرزا قادیانی نے تصریح کر دی ہے کہ نبیوں کی حقیقت اور محدثوں کی حقیقت واحد ہی ہے مگر باوجود اس کے پھر اس میں اختلاف ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر بالفرض کسی شخص میں نبوت کے جمیع کمالات ہوں اور پھر بھی اسے نبی نہ کہیں یہ ممکن ہے اور اگر مجازاً نبوت کا دعویٰ بھی صحیح ہو سکتا ہے تو یہ شخص مجازاً خدائی کا دعویٰ بھی صحیح ہوگا اور اگر نہیں تو پھر اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو ہر ایک اصطلاح رکھنے کا حق نہیں۔ خواہ وہ قواعد شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔

یہ امر بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ فقط کسی منصب کے کمالات کی تحصیل کر لینا اس اسم کے اطلاق کو جائز نہیں کرتا۔ دیکھو ایک گورنری کرنے کے قابل کوئی اپنے آپ کو گورنر نہیں کہہ سکتا باوجودیکہ وہ سارے کمالات گورنری کا جامع ہے تحدیانہ دعویٰ کرنا تو درکنار اگر یہ شخص اپنے یار دوستوں ہی میں اپنے آپ کو گورنر کہلانا چاہے تو اس کے رفقاء اس پر تمسخر کے علاوہ اور کیا کریں گے اور اگر کہیں اس عقل کے پتلے نے تحدیانہ دعویٰ بھی شروع کر دیا اور گھر بیٹھے منظور اور نامنظور بھی کہنا شروع کر دیا تو اس کا علاج سوائے آگرہ (مینٹل ہسپتال) بھیج دینے کے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح اگر بالفرض کوئی شخص جامع کمالات نبوت ہو بھی جائے جب بھی اسے دعویٰ نبوت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ غرض سوائے محدث کے اب نبی کسی کو نہیں مانے گا۔ ورنہ تو کوئی ایک آیت ہی پیش کر دو جس میں خدا نے ظلی نبی بنانے کا وعدہ کیا ہو۔

رہا محدثین کی آمد تو اس کے لئے حدیث موجود ہے۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ اگر کسی میں بعض کمالات نبوت فی الجملہ کا ثبوت ملتا بھی ہو جب بھی وہ اطلاق لفظ نبی کو مستلزم نہیں۔ چہ جائیکہ دعویٰ نبوت۔ جیسا کہ ہم آئندہ چل کر واضح کریں گے۔ کیونکہ کمالات نبوت اور ادعائے نبوت میں بعد ابعد ہے ظاہر ہے کہ ایک امتی کے سارے کمالات کا منسوب الیہ نبی کریم ﷺ ہی کی ذات مقدسہ ہے۔ لہذا جو کمال بھی ہم میں ہے اس کا مستقر آپ ﷺ کی ذات ہے۔ یہ حقیقت تھی اور ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی بات تھی مگر مرزائیوں کو مغالطہ لگا کہ انہوں نے بجائے اس کے کہ اپنے کمالات کا منبع آنحضرت ﷺ کی طرف کرتے نبی کریم ﷺ کے جمیع کمالات اپنے اندر تسلیم کر لئے۔

میرے دوستو! یہ ایک بڑی نعمت ہے جو تم کو ملی۔ پورا کمال دین میں تھیں کہ آنحضرت ﷺ کے سارے کمالات تم کو حاصل ہو جائیں بلکہ کمال اس میں ہے کہ جو بعد تم میں ہو اس کا شخص آنحضرت ﷺ کی ذات قرار پائے۔ اس میں راز یہ ہے کہ کمالات نبوت نہ تو واحد ہیں اور نہ نوع واحد سے ہیں بلکہ متعدد اور انواع مختلفہ سے ہیں۔ لہٰذا نبوت کو جامع ولایت بھی کہا گیا ہے۔ یعنی کمالات ولایت جو ایک پہلو سے کمالات نبوت بھی کہے جاسکتے ہیں قیامت تک علما جاری ہیں مگر وہ کمالات نبوت جو مختصات نبوت سے ہیں انکی مسدود ہیں یہی مطلب ہے: "لو كان بعدي نبي لكان عمرؓ" کا اور اسی وجہ سے کہ عمرؓ کے پاس کمالات محدثیت تو تھے مگر جو کمالات مخصوص بالنبوۃ ہیں نہیں تھے۔ نبی کا لفظ بھی ان پر نہیں بولا گیا۔ ورنہ جس کی قرب مناسبت سے نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہو اس پر اطلاق لفظ نبی میں حجر (روک) ہی کیا تھا۔ پس اگر نبی کا اطلاق تسلیم کیا جائے تو پھر امر ختم نبوت ایک افسانہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب بعد خاتم الانبیاء ﷺ کے نبی بھی بنے اور نبی کہلانے بھی اور ان کے دعووں کی تصدیق بھی کی جائے تو اب ختم نبوت ایک امر اعتباری رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ!

علاوہ ازیں چونکہ آخیر کمالات اسلام کے مطابق اسماء منقسم ہو چکے ہیں لہٰذا اولیاء پر انبیاء کا اطلاق کرنا کیونکر ممکن ہے اور کیا اس سے صاف معلوم نہ ہوگا کہ کمالات مخصوص بالنبوۃ بھی باقی ہیں۔ پھر ختم نبوت کے قائل کا قول امر رہ جاتا ہے جبکہ کمالات نبوت بھی باقی ہیں۔ معجزات اور دعویٰ نبوت بھی باقی ہے۔ سارے امور تو باقی تسلیم کئے جائیں صرف بلا واسطہ اور بالواسطہ کا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ مرزا قادیانی نے اسے بھی مٹا دیا ہے۔

"اب میں موجب آیت کریمہ: "واما بنعمة ربك فحدث۔" اپنی نسبت بیان کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے اس تیسرے درجہ میں داخل کر کے وہ نعمت بخشی ہے کہ جو میری کوشش سے نہیں بلکہ شکم مادر میں ہی مجھے عطا کی گئی ہے۔"

(حقیقت الوحی ص ۶۷، خزائن ص ۷۰ ج ۲۲)

اب فرمائیے کہ جب نبوت شکم مادر ہی میں مل جائے تو توسط فیض و تعلیم بھی موجود

ہوا جاتا ہے۔ پھر اگر اس پر بھی تسلط اولیٰ کو اوا کر تا ہو تو بعد خاتم الانبیاء ﷺ کے جسے چاہے نبی بنا دے۔ مگر یاد رکھو اب خدا کسی کو نبی نہیں بنائے گا۔ سوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ جب ایک امر کو خود بھی مجازاً کہا جاتا ہے تو پھر اس کا دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے۔ دعویٰ کسی امر حقیقی کا ہوا کرتا ہے نہ اس امر کا جو بطور سایہ اور لباس مجاز ہو۔ اس بیان سے میری غرض یہ ہے کہ کمالات نبوت موہبت الٰہیہ میں غایۃ الغایات ہیں جس کے تحت میں جمیع کمالات مندرج ہیں۔ پس جو کمال بھی ہے کمالات نبوت سے نچلا ہے۔ لہٰذا کمالات نبوت جن کو کمالات ولایت کہا جاتا ہے باقی ہیں اور وہ کمالات نبوت جن سے کسی کو نبی کہا جانے کا استحقاق ہو سکتا ہے قطعی مسدود ہیں۔ لہٰذا ظلی طور سے بھی ان کمالات کا حاصل کرنا جو خصوصیات نبوت سے ہیں محض غلط ہے۔ کیا جس قدر ہم میں افعال و کمالات ہیں وہ سب خدائی کمال کے اظلال نہیں؟۔ ظاہر ہے کہ ہمارا وجود اور علم و قدرت سمع و بصر سب خدا کے یہاں سے آئے ہوئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ خدا بھی موجود ہے اور ہم بھی موجود ہیں وہ بھی سمیع و بصیر ہے ہم بھی سنتے اور دیکھتے ہیں۔ مگر نہیں کہا جا سکتا کہ ہم ظلی طور سے خدا ہیں۔ کیونکہ جس امر سے خدائیت کا اطلاق ممکن ہو اس کا حصول ظلی حقیقی ہر طور سے محال ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص جمیع کمالات الٰہیہ کو اپنے اندر تسلیم کرے۔ اگرچہ ظلی کی بات کہی تو وہ کھلا مشرک ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے میں اور خدا میں صرف اعتباری فرق رکھا ہے۔ ورنہ بحقیقت مدعی مساوات ہے۔ کیونکہ اصل و تابع کا اگر فرق نکلے گا تو قبل حصول کمالات نکلے گا مگر بعد میں جبکہ تابع میں بھی اصل کے جمیع کمالات موجود ہو گئے امتیاز نہ رہے گا جیسا کہ ایک شاگرد استاد سے اس وقت تک ناقص تسلیم کیا جا سکتا ہے جب تک کہ وہ استاد کے کمالات سے بہرہ ور نہیں ہوا۔ مگر جب وہ استاد کے جمیع کمالات اپنے اندر حاصل کر لے تو پھر حالت موجودہ میں اس میں اور اس کے استاد میں کیا فرق ہے۔ ہاں! اگر فرق کیا جائے گا تو زمانہ ماضی کے لحاظ سے بالکل اسی طریق پر کمالات نبوت کا بالسر (مجموعہ) تسلیم کرنا اصل و فرع میں امتیاز نہیں دیتا ہے اور درحقیقت یہ ایک زہر ہے جو ظل کا بہانہ کر کے مسلمانوں کو پلایا جا رہا ہے۔ ورنہ ایسا شخص اصل میں حضور نبی کریم ﷺ سے مساوات کا مدعی ہے۔ البتہ اصل اطلاق نبوت کا شخص دیگر

اصطلاحوں کے ایک معنوی اصطلاح سمجھنا ہی سب سے اول اصولی غلطی ہے۔ گو یہ صحیح ہے کہ نبی کا لفظ لغتہً خبر کے معنوں میں آتا ہے مگر اس معنی کے لحاظ سے تو کافر پر بھی نبی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ لغتہً اس کے معنی میں قید اسلام بھی ملحوظ نہیں۔ لیکن چونکہ قرآن شریف میں رسول اللہ اور نبی اللہ کا لفظ مستقل نبیوں کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ سارے قرآن میں ایک جگہ بھی رسول اللہ اور نبی اللہ کا لفظ لغوی معنوں پر نہیں بولا گیا بلکہ اسی اپنی مقررہ اصطلاح پر بولا گیا ہے۔ لہٰذا ایسے لفظ کو جو شرعاً کسی معنی کے ساتھ مختص ہو کر محدود ہو چکا ہے۔ لغت کی رو سے بھی استعمال کرنا بے شک ممنوع کیا جائے گا۔ کیونکہ اس اختصاص کی وجہ سے ذہن اسی معنی کی طرف متبادر ہوگا۔ جو اہل اسلام میں شائع ہو چکے ہیں۔

دیکھئے مرزا غلام احمد قادیانی نے خود تسلیم کیا ہے کہ کسی لفظ کے متعلق ہم ایسی اصطلاح نہیں قائم کر سکتے جو قرآن شریف کی مقرر شدہ معنوں کے مخالف ہو اور یہ بھی کہ بعد نبی کریم ﷺ کے اب کسی پر لفظ نبی کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ پس اگر لفظ نبی بھی مشکل اور معنوی اصطلاحوں کے ہوتا تو مرزا قادیانی اس کے متعلق کیوں امتناع اطلاق کا فتویٰ دیتے اور لغوی معنی کی رو سے اطلاق کرنا کیوں ہتک قرار دیتے؟۔

مرزا قادیانی کے فتویٰ کے موجب بھی نبی کا اطلاق محدود و ممنوع ہے

”کسی کا اختیار نہیں ہے کہ ان معنوں کو بدل ڈالے اور ہم اس بات کے مجاز نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی ایسے معنی ایجاد کریں کہ جو قرآن شریف کے بیان کردہ معنوں سے مغایر اور مخالف ہوں۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳، خزائن ص ۱۰۶ ج ۲۲)

اس کی مزید توضیح اس طور سے فرماتے ہیں کہ:

”ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں کہ قرآن شریف سے پہلے عرب کے لوگ اللہ کے لفظ کو کن معنوں پر استعمال کرتے تھے۔ مگر ہمیں اس بات کی پابندی کرنی چاہئے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں اول سے آخر تک اللہ کے لفظ کو انہیں معنوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۱، خزائن ص ۱۰۴ ج ۲۲)

اس مقام پر ہر چند کہ ذکر خصوصاً لفظ اللہ کے ہی متعلق ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ مرزا قادیانی کا یہ قاعدہ مخصوص نہیں کیونکہ در حقیقت یہ ایک قیاس معنوی کا اجرا ہے جس کے لئے علت شرط انتاج ہے۔ لہٰذا اگر اسے مخصوص مانا جائے تو پھر لفظ اللہ کے متعلق بھی مرزا قادیانی کا یہ کوئی قاعدہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس عمومی فتویٰ کے موافق کسی اصطلاح مقرر کرنے والے کو ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ جس لفظ کی وہ اصطلاح مقرر کر رہا ہے۔ کہیں وہ قرآن شریف میں کسی معنی کے ساتھ مخصوص تو نہیں ہو چکا۔ کیونکہ اگر مخصوص ہو چکا ہے تو پھر اس کو قرآن شریف کے مقرر کردہ معنوں کے خلاف کسی معنی پر اطلاق کرنے کا، گو وہ کلام عرب کے موافق ہی کیوں نہ ہو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ لہٰذا اس بحث کے ماتحت ہمیں لفظ نبی اللہ اور رسول اللہ کو بھی دیکھنا چاہئے اور قرآن کے تتبع کے بعد اس کے کوئی معنی بیان کرنے چاہئیں۔ مگر یہ امر تو بلا اعتراض ثابت ہے کہ قرآن نے کسی ایک مقام پر بھی ان لفظ کو لغوی معنوں پر استعمال نہیں کیا۔ اگر کوئی دعویٰ کرے تو بار ثبوت اس کی گردن پر ہوگا۔ پس ایسی حالت میں جبکہ رسول اللہ اور نبی اللہ کا لفظ قرآن شریف میں ایک مقرر معنوں کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔ کسی مصطفیٰ کا اس کو ظلی نبوت کے لئے وضع کر لینا جس کو مجازی نبوت بتایا جاتا ہے کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ کیا یہ قرآن کے مقرر کردہ معنوں کی مخالفت نہیں ہے؟

اس کے بعد اسی اصل کے موافق مرزا قادیانی کے الہام "قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا" (مندرجہ تذکرہ ص ۳۵۲ طبع سوم) میں اگر رسول اللہ سے ظلی رسول مراد لیا جائے تو یہ معنی قرآن شریف کے بیان کردہ معنوں کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خدا جس نے اپنی اصطلاح کو نبی کریم ﷺ جیسے اولوالعزم کے ذریعہ سے ایک مرتبہ پختہ کر دیا ہے۔ وہ مرزا قادیانی جیسے نبی کے لئے (بقول محمد مرزا ایمان) اپنی مقرر شدہ اصطلاح کو نہیں بدلے گا اور اگر خدا نے مرزا قادیانی کے لئے اپنی اصطلاح بدل دی ہے تو پھر مرزا قادیانی فضول لفظ توفی میں جھگڑا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال کے موافق اگر لفظ توفی کا کسی معنی کے لئے مخصوص ہونا بھی ہو چکا ہو۔ جب بھی خدا کو اختیار ہے کہ اس نے حق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اس مقرر شدہ اصطلاح کے خلاف کسی اور معنی کا ارادہ کر لیا ہو۔

جبکہ آج وہ خدا "رسول اللہ" سے ظلی رسول مراد لے سکتا ہے۔ حالانکہ آج سے پیشتر کہیں اس نے رسول اللہ بول کر کسی کو ظلی نبی نہیں ملتا بلکہ مستقل ہی نبی ملتا ہے۔ تو پھر وہی خدا اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ قرآن میں ۲۳ جگہ لفظ "توفی" کا استعمال کرے اور ۲۲ جگہ عند مرزا قادیانی موت مراد لے اور ایک جگہ رفع جسدہ مراد لے۔

مگر مرزا قادیانی نے توفی میں اسے محال سمجھا ہے۔ اور اگر اس الہام میں اپنے مقرر شدہ اصطلاح کو بدلا نہیں تو پھر مرزا قادیانی خاصے مستقل نبی بنے جاتے ہیں۔ جس کا دعویٰ بالاتفاق کفر ہے۔

اس کے بعد مرزا قادیانی تصریح ملاحظہ ہو:

"مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا کیونکہ نبوت تامہ کاملہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے" (الوصیت ص ۱۰ خزائن ص ۳۱۱ ج ۲۰)

"آنحضرت کے بعد کسی پر لفظ نبی کا اطلاق بھی جائز نہیں۔"

(حاشیہ تجلیات الٰہیہ ص ۸ خزائن ص ۴۰۱ ج ۲۰)

اول عبارت سے معلوم ہوا کہ صرف نبی کا لفظ استعمال کرنا اس لئے ممنوع ہے کیونکہ اس میں حضور ﷺ کی ہتک ہوتی ہے۔ مگر اب جس کا جی چاہے نبوت کا دعویٰ کرکے نبی کریم ﷺ کی ہتک کرے؟۔ والعیاذ باللہ!

دوسرے حوالہ میں صراحتہً اطلاق لفظ نبی کے عدم جواز کی تصریح ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص مجازاً یا ظلاً کسی طور سے بھی اپنی نسبت صرف نبی کے لفظ کو اطلاق کرتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کی ہتک کرتا ہے اور جو نبی کریم ﷺ کی ہتک کرتا ہے وہ بلا ریب کافر ہے۔ لہذا بمقتضائے تحریر ہذا جو شخص بھی جس معنی کے لحاظ سے اپنی نسبت صرف لفظ نبی کا استعمال کرے گا۔ وہ کافر ہوگا خواہ وہ مرزا قادیانی ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر ممکن ہے کہ جیسا خدا نے مرزا قادیانی کے لئے اپنی مقرر شدہ اصطلاح کو بدل دیا ہے۔ شاید ان کے لئے نبی کریم ﷺ کی ہتک بھی جائز کردی ہو؟۔ والعیاذ باللہ!

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ایک شخص کو خدا نے محدث بنایا ہے نبی نہیں بنایا

تو پھر وہ کیوں خواہ مخواہ اس منصب کو جو اس کے حاصل نہیں ہے مجاز اور استعارہ کی آڑ لے کر اپنے لئے ثابت کرتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنے اس بے ہودہ اقوال سے عوام میں ایک تشویش پھیلانا اور سادہ لوحوں کو فریب دینا مقصود ہو اور اس میں کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

مثال کے طور سے فرض کیجئے لفظ مجدد لغتہً تجدید کرنے والے کو کہتے ہیں۔ چاہے وہ کسی امر کی تجدید کرے۔ اس لغوی معنی کی رو سے ہر شخص مجدد بن سکتا ہے؟۔ پس اگر اس اصطلاح کے موافق میں اپنی مجددیت کا اعلان کر دوں اور جب لوگ مجھے دیوانہ قرار دیں تو جھٹ لغت کی آڑ لے کر کہہ دوں کہ کیا لغت کی رو سے میں مجدد نہیں ہوں۔ کیا ایک قصاب وغیرہ کو حق ہے کہ وہ مجازاً اپنے آپ کو انسپکٹر کہتا پھرے اور اس پر طرہ یہ کہ اگر کوئی شخص اس کی انسپکٹری سے انکار کرے تو اس کی جان کو آ جائے۔ جیسا کہ مرزا قادیانی اپنے ایک مرید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ایک غلطی کا ازالہ) اور اس بیچارہ کو خواہ مخواہ ڈانٹ رہے ہیں۔ کیا یہ ساری باتیں کسی صحیح الحواس شخص سے سرزد ہو سکتی ہیں؟۔ ایسے شخص کا سوائے عوام کو دھوکہ دینے کے اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی خود تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ نبی کے مجازی اطلاق میں بھی دھوکہ کا احتمال ہے۔

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ لغتہً بھی لفظ نبی کا اطلاق کرنے میں دھوکہ کا احتمال ہے

"غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانے کا احتمال ہے۔" (انجام آتھم ص ۲۷ حاشیہ خزائن ص ۲۷ ج ۱۱)

یہ لفظ بہت زیادہ قابل غور ہیں۔ کیونکہ جب لفظ بول چال میں لانے سے دھوکہ کا احتمال ہے۔ پس اگر اس کے ساتھ ہی تحدیانہ دعوٰی کر دیا جائے تو پھر اس احتمال کو خوب ہی پختہ کر دیتا ہے۔ لہذا خدا را مدعیان نبوت کاذبہ کے حال پر رحم کریں اور امت کو جبکہ وہ سینکڑوں مصائب میں مبتلا ہے خواہ مخواہ دھوکہ دے کر اور نئی مصیبت میں مبتلا نہ کریں۔ خواہ

وہ مرزا قادیانی ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کی خدمت میں بھی ہماری یہی درخواست ہے۔ علاوہ ازیں ہر لفظ کو اگر مجاز اطلاق کیا جا سکتا ہے تو پھر یہ تو شرک کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ ملائکہ کو مجازاً بنات اللہ بھی کہا جا سکے گا۔ مقربین کو استعارہ کے طور سے ابن اللہ بھی کہا جا سکے گا۔ اور صالحات کو مجازاً ازواج اللہ سے بھی موسوم کر سکیں گے۔ ظلی طور سے خدا بھی بن سکیں گے؟۔ والعیاذ باللہ!

قرآن تو ان ساری باتوں کی جڑ کاٹتا ہے۔ مگر یہی قرآن کو چھوڑ کر مجاز کی پابندی رہی تو پھر ازواج اللہ کے دعوے ہونے لگیں۔ ہر گنوار نبی کا دعویٰ کریں اور ان کی اہلیہ شریفہ زوجۃ اللہ ہونے کا۔ اور ان کے پسر ابن اللہ کا اور اس طور سے دکان نبوت خوب اپنے گھر کو رونق دے سکیں گے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ خدا! امت کے حال پر رحم کھاؤ اور وہ راہیں مت ایجاد کرو جس سے صادق اور کاذبوں کا رہا سہا فرق بھی اٹھ جائے۔ کیونکہ اس کے بعد امت کے ہاتھ میں پھر کوئی ذریعہ صادقین کی شناخت کا نہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ خدا کے سچے پیغمبروں نے کاذبین کی ایک موٹی علامت اپنی امت کو بتلائی تھی۔ یعنی دعویٰ نبوت۔ مگر آج کوشش ہے کہ اس علامت کو ہم سے چھین کر ہم کو اندھیرے میں ہی چھوڑ دیا جائے اور اس طور سے بیچارے مظلوم جاہلوں کے لئے ہر نبی کی تصدیق کا ایک باب واسع کیا جائے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک نبوت ظلیہ کی بنیاد شرک کی بنیاد ہے

”یہ مسلم مسئلہ ہے کہ بجز خدا تعالیٰ کے تمام انبیاء کے افعال اور صفات نظیر رکھتی ہیں تاکہ کسی نبی کی کوئی خصوصیت منجر بہ شرک نہ ہو جائے“

(تحفہ گولڑویہ ص ۲ خزائن ص ۹۵ ج ۱۷)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ کسی نبی میں کوئی ایسی صفت تسلیم نہیں کی جا سکتی جس کی انبیاء سابقین میں نظیر نہ ہو اور اسی قاعدہ کے ماتحت مرزا قادیانی نے رفع عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ ان کے زعم کے موافق مخصوص عیسیٰ علیہ السلام کے لئے رفع تجویز کرنا

شرک کی بنیاد قائم کرنی ہے۔ اگر مرزا قادیانی کا یہ قاعدہ اعتقاد رفع عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کے لئے موضوع نہیں ہوا ہے۔ تو پھر نبوت ظلیہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مرزا قادیانی کے نزدیک کسی نبی کے اتباع سے نبوت ملنا یہ فقط خاتم الانبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے اور اسی معنی سے انہوں نے نبی کریم ﷺ کو صاحب خاتم بتاتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ حوالہ آتا ہے۔ کیونکہ وہ نبوت ہے جس کا نام انہوں نے نبوت ظلیہ رکھا ہے۔ جیسا کہ ان کی تصانیف میں غیر محصور مقامات پر موجود ہے۔ وعلی ہذا نبوت ظلیہ اگر بہ اتباع نبی کریم ﷺ حاصل ہو سکتی ہے تو پھر یہ آنحضرت ﷺ کی ایسی خصوصیت ہوگی جس کی کسی نبی میں نظیر نہیں ملتی۔ لہذا یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ کے اتباع سے نبوت ظلیہ ملتی ہے ایک مشرکانہ خیال کی بنیاد ڈالنا ہے اور اگر یہ خصوصیت آنحضرت ﷺ میں تسلیم کی جا سکتی ہے اور باوجود اس کے پھر بھی مجر الی الشرک نہیں ہوتی تو پھر رفع عیسیٰ علیہ السلام سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد جبکہ میں نے مرزا قادیانی کے کلام سے ثابت کر دیا کہ بروزی اور ظلی نبی کوئی شے نہیں اور یہ اطلاق لفظ نبی آنحضرت ﷺ کے بعد ہر اعتبار سے ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی ہتک ہے۔ تو اب یہ بتلاتا ہوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک ظلی نبی کسے کہتے ہیں اور نبوت کسے؟ اور کیا ان کی عبارات کے موافق یہ دونوں شے واحد ہیں یا متغائر؟۔

مرزا قادیانی کے نزدیک بروزی نبی کی حقیقت

”ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔ یعنی فنا فی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی طرف سے اس کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمدی نبوت آخر محمد ہی کو ملی گو بروزی طور پر“

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص ۳، خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۸)

”اور کیونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں

ٹوٹی۔ کیونکہ محمد کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہرحال محمد ﷺ ہی نبی رہا نہ اور کوئی۔ یعنی جبکہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ ..." (ایک غلطی کا ازالہ ص ۸، خزائن ص ۲۱۲ ج ۱۸)

"پس جیسا کہ ظلی طور پر اس کا نام لے گا اس کا خلق لے گا اور اس کا علم لے گا ایسا ہی اس نبی کا لقب بھی لے گا کیونکہ بروزی تصویر پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ تصویر ہر ایک پہلو سے اپنی اصل کے کمال اپنے اندر نہ رکھتی ہو۔ پس چونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصویر بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہو پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس طرح بروزی طور پر محمد اور احمد نام رکھے جانے سے دو محمد اور دو احمد نہیں ہو گئے۔ اس طرح بروزی طور پر نبی یا رسول کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم النبیین کی مہر ٹوٹ گئی۔ کیونکہ وجود بروزی کوئی الگ وجود نہیں .... تمام انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ بروزی میں دوئی نہیں ہوتی۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۰، خزائن ص ۲۱۴ ج ۱۸)

یہ ایک اردو کی سادہ عبارت ہے جس میں ظلی نبی کی پوری تصویر دی گئی ہے۔ اس عبارت کی رو سے کسی شخص کے ظلی نبی ہونے سے یہ مطلب ہوگا کہ (۱) تمام کمالات محمدیہ مع نبوت کے اس میں منعکس ہیں۔ (۲) اس نے وہی چادر پہنی ہے جو نبوت محمدیہ کی چادر ہے۔ (۳) وہ حسب تصریح خاتم الانبیاء اور آنحضرت ﷺ ہے۔ (۳) ... اس کے وجود اور آنحضرت ﷺ کے وجود میں دوئی نہیں۔ مسلمانو! اگر تمہارے سینے میں دل اور دل میں کوئی شمع ایمان ہے تو کیا تم کسی شخص کی نسبت گمان کر سکتے ہو کہ اس نے نبوت محمدیہ کی وہی چادر پہن لی اور پھر اس کا تحمل بھی کر لیا۔ اس میں سارے کمالات محمدی مجتمع بھی ہیں۔ وہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کہلانے کا مستحق بھی ہو گیا۔ اگر مجھ سے فتویٰ دریافت کرو تو میں ایسے ملعون کو ایک صحیح العقول کافر بھی تسلیم نہیں کروں گا۔ اس کے بعد میں خود مرزا غلام احمد قادیانی کے کلام سے محدث کی تفسیر پیش کرتا ہوں۔ تاکہ معلوم ہو کہ معترض کا یہ دعویٰ کہ محدثیت ہی ظلی نبوت ہے کہاں تک صحیح ہے؟۔

مرزا قادیانی کے نزدیک محدث کے معنی

"یعنی محدث آئیں گے جو اللہ جل شانہ سے ہم کلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں" اس عبارت میں محدث اس کو بتلایا گیا ہے جس میں نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر ہوں۔ اب ناظرین انصاف کریں کہ وہ محدث جو صرف بعض صفات نبی اپنے اندر رکھتا ہے کیونکر ظلی نبی ٹھہر سکتا ہے جو کہ جمیع کمالات کا جامع اور ہر ایک پہلو سے اپنی اصل کے کمالات کا عکس ہے۔ پس اگر محدثیت ہی ظلی نبوت ہے تو مرزا قادیانی کی ان دونوں عبارتوں میں سے ایک کی تکذیب لازم ہوگی (۲) اگر نبوت ظلیہ اور محدثیت شی واحد ہوں تو پھر جمیع انبیاء علیہم السلام کا صاحب خاتم ہونا لازم آتا ہے اور اس طور سے نبی کریم ﷺ کا یہ مخصوص طرہ امتیاز جمیع انبیاء علیہم السلام کے لئے عام ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین کے معنی مرزا قادیانی کے نزدیک یہ ہیں کہ ان کے اتباع سے اور ان میں فنا ہو کر نبوۃ مل سکتی ہے اسی نبوت کا نام ان کے مذہب میں ظلی نبوت ہے۔

"وہ خاتم الانبیاء بنے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا۔ بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا ... اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں۔ ... سو خدا تعالیٰ نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا ... کیونکہ مستقل نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہو گئی ہے مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی ہے۔" (حقیقت الوحی ص ۲۷، ۲۸ خزائن ص ۲۹، ۳۰ ج ۲۲)

یہی مضمون ضمیمہ براہین احمدیہ اور دیگر کتب میں بھی بکثرت موجود ہے۔ اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ پیغام صلح کی عبارت ہے "یعنی محدثیت ہی ظلی نبوت ہے۔ ..." ان دو مقدموں کے ساتھ تیسرا مقدمہ حدیث ہے: "عن عائشة عن النبی ﷺ انه كان يقول قد كان يكون فی الامم قبلكم محدثون فان يكن فی امتی منهم احد فعمر بن الخطاب منهم." حقیقت الوحی کے حوالہ سے ظاہر ہے کہ

آنحضرت کے خاتم النبیین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ ہی صاحب خاتم ہیں اور کوئی نبی بجز آپ کے صاحب خاتم نہیں اور صاحب خاتم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی مہر سے نبی مثل جوکہ ظلی نبی کہلائیں اور مقدمہ ثانیہ سے ثابت ہوا کہ محدثیت اور ظلی نبوت شی واحد ہے مقدمہ ثالثہ سے معلوم ہوا کہ پہلی امتوں میں بہت سے محدث ہوئے ہیں بلکہ اگر حدیث کے الفاظ پر غور کرو تو پہلی امتوں میں محدثوں کا ہونا بہ نسبت اس امت کے زیادہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس امت کے حق میں یہ الفاظ ہیں:

"اگر میری امت میں سے کوئی محدث ہوگا تو عمرؓ ہوگا"

اس سے جس قدر تقلیل معلوم ہوتی ہے محتاج بیان نہیں۔ اب ان تینوں مقدموں کو اگر ملاؤ تو بداہۃً نتیجہ نکلتا ہے کہ ظلی نبی گزشتہ امتوں میں بہ نسبت اس امت کے بہت زیادہ ہوئے ہیں۔ کیونکہ حسب مقدمہ ثانیہ محدثیت ہی ظلی نبوت ہے اور حسب حدیث محدثین کی کثرت امم سابقہ میں متحقق ہے۔ لہذا لازم آتا ہے کہ پہلی امتوں میں بہت سے ظلی نبی گزر چکے ہیں۔ وعلیٰ ہذا انبیاء سابقین بھی صاحب خاتم ٹھہرے کیونکہ ان کی مہر سے بھی محدث بنے جوکہ بعینہ ظلی نبی ہیں۔ بلکہ ان کو صاحب خاتم کہنا بہ نسبت آنحضرت ﷺ کے زیادہ لائق ہونا چاہئے کہ انہوں نے بہت سے ظلی نبی بنائے اور آنحضرت ﷺ نے ۱۳۰۰ برس میں فقط ایک مرزا قادیانی کو ہی بنایا وہ بھی زیر اختلاف رہے۔ نعوذ باللہ من ھذا الخرافات اور اگر امم سابقہ میں محدثین کا وجود نہ مانا جائے تو علاوہ وہ مخالفت حدیث کے سارے ادیان سابقہ کو لعنتی قرار دینا پڑے گا۔

"وہ دین دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الہیہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لعنتی اور قابل نفرت ہے" (ضمیمہ براہین احمدیہ ص ۱۳۸،۱۳۹ خزائن ص ۳۰۶ ج ۲۱)

پس یا تو سارے ادیان سابقہ کو لعنتی ٹھہرایا جائے یا جمیع انبیاء علیہم السلام کو صاحب خاتم مانا جائے لہذا ظلی نبی اور محدث کسی طرح واحد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ظلی نبی وہی لوگ ہیں جن کی مرزا قادیانی نے "اشتہار ایک غلطی کا ازالہ" میں خود تصریح کر دی ہے اب میں مرزا

قادیانی ہی کے کلام سے بتلاتا ہوں کہ مدعی نبوت قطعیہ صادق ہو سکتا ہے یا کاذب۔ اس فیصلہ کے لئے انہی کی کتاب تحفہ گولڑویہ سے ایک معیار پیش کرتا ہوں جو انہوں نے خود اسی غرض کے لئے مقرر کیا ہے۔

مرزا قادیانی کا صدق اور کذب کے شناخت کا ایک معیار

"سچ کی یہی نشانی ہے کہ اس کی کوئی نظیر بھی ہوتی ہے اور جھوٹ کی یہ نشانی ہے کہ اس کی نظیر کوئی نہیں ہوتی۔" (تحفہ گولڑویہ ص ۳ خزائن ص ۱۰۵ ج ۱۷)

اولاً میں یہ بتلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ مرزا قادیانی سے قبل کوئی بروز عیسوی بنایا نہیں؟ صحابہؓ سے لے کر تا حال کسی کو قادیانیت کا مرتبہ نصیب ہوا نہیں۔ اگر بروز عیسوی بھی ہے اور مقام فنا تک بھی پہنچے تو ان کے دعوے کی کیا یہی نوعیت رہی ہے جو مرزا قادیانی کے دعوے کی ہے۔ اگر نہیں تو پھر یہ کھلی رنگ میں انقطاع نبوت کا بین ثبوت ہوگا اور بعد تقدیر نظیر نہ ملنے کے کسی شخص کا ایسا دعویٰ کرنا قطعاً جھوٹ ہوگا۔

"ایسا ہی جو شخص اس پاک تعلیم کو اپنا رہبر بنائے گا وہ بھی یسوع کی مانند ہو جائے گا یہ پاک تعلیم ہزاروں کو عیسیٰ بنانے کے لئے تیار ہے اور لاکھوں کو بنا چکی ہے۔"

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ص ۲۲ خزائن ص ۳۴۸ ج ۱۲)

آنحضرت ﷺ کی جماعت نے اپنے رسول مقبول کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کر لی تھی کہ اسلامی اخوت کی رو سے سچ مچ عضو واحد کی طرح ہو گئی تھی اور ان کے روزانہ برتاؤ اور زندگی اور ظاہر و باطن میں انوار نبوت ایسے رچ گئے تھے کہ گویا وہ آنحضرت ﷺ کی عکسی تصویریں تھیں۔

(فتح اسلام ص ۳۵ خزائن ص ۲۵ ج ۳)

"کیونکہ حضرت عمرؓ کا وجود ظلی طور پر گویا آنحضرت ﷺ کا وجود ہی تھا۔"

(ایام الصلح ص ۳۵ خزائن ص ۲۶۵ ج ۱۴)

اور آپ (یعنی ابو بکر صدیقؓ) کتاب نبوت کا اجمالی نسخہ تھے .... اور

ہمارے رسول اور سید ﷺ کی طرح سارے آداب میں ظل کی مانند تھے۔“

(سراج منیر ص ۳۲ خزائن ص ۵۵ ج ۱۲)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ اس امت میں لاکھوں عیسیٰ آ چکے ہیں اور آپ کی جماعت کی جماعت بباعث کمال اتباع عکسی تصویریں بھی ٹھہریں اور حضرت عمرؓ کا وجود ظلی آنحضرت ہی کا وجود بھی قرار دیا گیا۔ اور نہ فقط اتنا ہی بلکہ حدیث میں ان کے لئے محدثیت کی بشارت بھی وارد ہو چکی پائیں ہم۔ لیکن لاکھوں میں سے کوئی مدعی مسیحیت نظر آتا ہے نہ اس جماعت کی جماعت میں سے کوئی مدعی نبوت ظلیہ پایا جاتا ہے بلکہ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک جماعت حقہ میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ ملے گا جس نے حالت سہو نبوت یا مسیحیت کا دعویٰ کیا ہو۔ مخالفین کو مقابلہ پر بلایا ہو۔ طرح طرح سے لوگوں کو ملزم بنانے کی کوشش کی ہو اور نہ ماننے والوں سے اپنی جماعت کو ان سے علیحدگی کا حکم کیا ہو۔ بلکہ طرح طرح کے عذاب کی دھمکیاں بھی دی ہوں۔ اور بالآخر مباہلہ تک نوبت پہنچا دی ہو۔

کیا کوئی مرزائی کہہ سکتا ہے کہ آج تک امت محمدیہ میں کوئی محدث نہیں گزرا تھا کہ جس کے لئے بشارت وارد ہو چکی ہو وہ بھی محدث نہیں تھا؟ اور اگر گزرے ہیں تو خدا کے مہربانی ہم کو بتلا دیا جائے کہ کس محدث نے اس طرح سے اپنی محدثیت کی طرف دعوت دی ہے اور کب اس نے اپنے آپ کو ظلی نبی کہلوانے کی کوشش کی خصوصاً جبکہ مرزا قادیانی کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ محدث نبی کی طرح اپنے دعوے کا اعلان کرے۔

”اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے۔۔۔۔ ۔۔۔۔ اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں باآواز بلند ظاہر کرے۔“ (توضیح مرام ص ۱۸ خزائن ص ۶۰ ج ۳)

پس اگر مرزا قادیانی نے صرف محدثیت ہی کا دعویٰ کیا ہے تو امت کے سینکڑوں محدثوں میں سے کسی ایک ہی محدث کی نظیر لے آئیں جس نے ان کی مثل اپنی محدثیت اور نبوت ظلیہ کا اعلان کیا ہو اور اگر نہ لا سکیں تو سمجھ لیں کہ وہ اپنے دعوے میں بوجہ فقدان نظیر کاذب ہیں۔

عہد نبوت میں اطلاق نبوت کا انقطاع

ناظرین کرام کو مضمون بالا سے خوب واضح ہوگیا ہوگا کہ جبکہ صحابہؓ کے زمانہ سے لے کر اس زمانہ تک باقرار مرزا قادیانی لاکھوں عیسیٰ مسیح بھی گزرے اور محدث بھی ہوئے مگر پھر بھی کسی شخص نے ان میں سے دعویٰ نبوت ظلیہ نہیں کیا۔ حالانکہ مرزا قادیانی کے نزدیک ان پر فرض تھا کہ وہ ظلی نبی کے اپنے تئیں اعلان کرتے مگر باوجود اس کے پھر ان کا ایسے دعوے سے دست بردار ہونا قطعی طور سے اس دعویٰ کے عدم جواز پر شہادت ہے۔ اس کے بعد ذرا اور اوپر چلئے اور عہد نبوت میں دیکھئے کہ خود اس صاحب خاتم ﷺ نے جبکہ وہ ان میں موجود تھا کس قدر لوگوں کو ظلی نبوت کی ڈگری پاس کرا دی اور کس کس کو مجازی نبی کا خطاب دیا اور اگر اپنی حیات ہی میں جبکہ ان کا فیض بلاواسطہ تھا اس نے کسی ایک کو بھی ظلی نبی نہیں بنایا تو اپنے بعد جبکہ اس فیض کے لئے سیرۃ صدیقی کا ایک واسطہ اور بڑھ گیا ہے کیسے ظلی نبی بنے گا۔ (ہذا کلہ علی زعم مرزا) حدیث میں ہے: ”انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی“ آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں۔ اے علیؓ! تو میرے لئے ایسا ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے مگر اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ وہ احادیث میں جو آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے مناصب مقرر فرمائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

امام، خلیفہ، حکم، مجدد، محدث، ابدال۔ اگر آپ ﷺ کی امت میں نبی کا اطلاق بھی خواہ وہ کسی معنی کی رو سے ہو جائز ہوتا تو ضرور آنحضرت ﷺ اس کو بھی ذکر فرماتے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو سارے القاب دیئے اور جو لقب کہ سب سے زیادہ باعث عزت تھا اس کو ایک جگہ بھی نہیں بیان کیا بلکہ: ”الا انه لا نبی بعدی“ کہہ کر اس کی ہر ایک سی طمع کو بھی منقطع کر دیا۔ حدیث: ”العلماء ورثة الانبیاء“ نے جس کو مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اپنی تصانیف میں بہت جگہ لیا ہے بالکل فیصلہ کر دیا کہ اس امت میں وارثین انبیاء کا خطاب علماء ہیں۔ پس کیا اب نبوت کے مشتاق تیرے لئے نبی کریم ﷺ کے عطا

مگر وہ خطاب پر قناعت نہ تھی جو تونے اپنے لئے خود اپنے آقا ہی کا لقب تجویز کر لیا اور اتنا بھی نہ سمجھا کہ اس میں میرے آقا کی اس قدر ہتک ہے۔ اگر وزیر اعظم تو ادھر اس کا کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو اپنے لئے مجازی بادشاہ کا منصب تجویز کرکے مجازی وائسرائیت کا دعویٰ شروع کر دے تو کیا اس نے اپنے آقا کی ہتک نہیں کی کہ اپنے آقا کی موجودگی میں اسی لقب کو اپنے لئے تجویز کرتا ہے۔

اے میرے عزیزو! یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت تاقیامت باقی ہے اور جس طور پر کہ آنحضرت ﷺ بحالت موجودگی ہمارے نبی رسول تھے اسی طرح جبکہ ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہو چکے ہیں۔ ہمارے نبی اور رسول ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ رسالت نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں کون بدبخت ایسا ہو جو اس لقب کو اپنے لئے تجویز کر سکتا ہے۔ بلکہ احادیث پر اگر غور کرو تو تم کو معلوم ہوگا کہ مدعیان نبوت کو حدیث دجال ٹھہراتی ہے۔ مگر افسوس کہ حدیث نے جس امر کو دجالیت کی علامت قرار دی تھی تم نے اس کو نبوت کی علامت سمجھی اور اتنا بھی نہ سمجھا کہ جب آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت منقطع ہو چکی تھی تو پھر مجاز اور استعارہ کی آڑ لے کر نبوت کے اطلاق میں کیا فائدہ تھا؟۔

مرزائیو مرزا غلام احمد قادیانی کی اقتداء میں آنحضرت ﷺ کی مخالفت نہ کرو

یاد کرو جبکہ ایک شیطان نے بلی کی شکل میں آکر نبی کریم ﷺ کے رد و قطع صلوٰۃ کا ارادہ کیا تو خاتم الانبیاء علیہم السلام نے اس کو ساریہ مسجد سے باندھنے کا قصد کیا اور صبح کو فرمایا کہ اگر مجھے سلیمان علیہ السلام کی دعا کا خیال نہ ہوتا تو میں اس کو اسی طرح رہنے دیتا یہاں تک کہ بچے اس کے ساتھ کھیلا کرتے مگر اس دعا کے خیال سے میں نے اسے نہ باندھا ظاہر ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ ایسا کرتے بھی جب بھی سلیمان علیہ السلام کی دعا کی کوئی مخالفت لازم نہ آتی مگر یہ خاتم الانبیاء علیہم السلام ہی کا کمال تھا کہ باوجود قدرت کے بھی صوری معارضہ سے بھی احتراز کیا۔ اگر اسی طرح خداوند عالم کے اس اعلان کے بعد

"وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۔ احزاب آیت ۔ ۴۰" کسی شخص کا اپنی نسبت نبی کا اطلاق کر کے مدعی بن بیٹھنا حالانکہ وہ ایک محدث ہی ہو بغرض محال اگر حقیقی مقابلہ نہیں تو صوری ضروری ہے۔

پس کیا فنا فی الرسول کا دم بھرنے والوں کے لئے ضروری نہ تھا کہ اپنے نبی کی چمک سے باز آتے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے علاوہ اس امت میں کسی کو نبی کا خطاب نہیں ملا

اب آخر میں خود مرزا قادیانی کے کلام سے اس امر کی شہادت پیش کی جاتی ہے کہ جمیع امت میں سے اطلاق نبی کے ساتھ وہی ایک فرد مخصوص ہیں اور ان کے خیال کے موافق کسی اور کو اطلاق نبی کا استحقاق بھی نہیں۔

"غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔"

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱ خزائن ص ۴۰۶ ج ۲۲)

پس اگر لاہوری جماعت کے خیال کے موافق مرزا قادیانی پر نبوت کا اطلاق بطور مجاز کے تھا تو اس عبارت کا صریح مطلب یہ ہے کہ ان کے علاوہ کسی پر نبوت کا اطلاق مجازاً بھی جائز نہیں۔ لہٰذا اب بحث طلب فقط مرزا قادیانی کی ذات رہ جاتی ہے جواز اطلاق نبی وعدم جواز کو اس بحث سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر نبوت مجازی آنحضرت ﷺ کے بعد مفتوح ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مرزا قادیانی سے قبل جس قدر محدث اور اقطاب گزرے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی اس نام کا استحقاق نہیں تھا اگر کہا جائے کہ ان کی پیشین گوئیوں میں کثرت مفقود تھی جو کہ اس اطلاق کے لئے شرط ہے تو اولاً کثرت کا

شرط ہو بالفعل تامہ نہیں۔ دوم یہ بھی غلط ہے کہ مرزا قادیانی سے قبل کسی کی پیشین گوئیوں میں کثرت نہیں پائی گئی۔

"حضرت خاتم الانبیاء کے اولیٰ خادموں اور کمترین چاکروں سے ہزارہا پیشین گوئیاں ظہور میں آئی ہیں اور خوارق عجیبہ ظاہر ہوئے ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم حاشیہ نمبر ۱۱ ص ۱۰۵ خزائن ج ۲۱ ص ۲۷۰)

پھر کیا وجہ ہے کہ ان پر لفظ نبی کا اطلاق نہ کیا جائے اور جن عبارتوں سے آج مرزا قادیانی کے لئے استدلال کیا جاتا ہے۔ انہی عبارتوں کو میری طرف سے ان بزرگوں کے حق میں نہ سمجھا جائے۔ پس اگر ان عبارتوں کی وہی مراد ہے جو مرزائی سمجھے ہیں تو پھر انہی عبارتوں کے ماتحت ان ابدال اور اقطاب پر بھی لفظ نبی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ مرزا قادیانی صرف یہی نہیں فرماتے کہ ان پر لفظ نبی کا اطلاق نہیں ہوا بلکہ ان کا عدم استحقاق بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اب آخر میں ان عبارتوں کے متعلق کچھ گفتگو کی جاتی ہے جن کو معترض صاحب نے اپنے لئے نص صریح سمجھا ہے۔

عبارات اکابر پر قادیانی اعتراضات کے جوابات

سب سے اول یہ امر غور طلب ہے کہ ان عبارتوں کو اس مقصد کے مخالف سمجھ کر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو پیغام صلح زیر عنوان ہم اور ہمارے مخالفین: "مولوی مذکور نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بروز اور ظلی نبوت کا مدعی بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

اب اس دعوے کے مقابلہ میں ہمیں دیکھنا ہے کہ معترض صاحب جواز دعویٰ نبوت کہاں سے ثابت کرتے ہیں۔ ان دونوں عبارتوں میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ دعویٰ نبوت جائز ہے۔ بلکہ میں سارے قادیانی اور لاہوری جماعت کو اپنے مقابلہ پر متحدانہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ کسی ایک باقاعدہ عالم یا صوفی کے کلام سے جواز دعویٰ نبوت کو ثابت کر دیں۔ ورنہ اپنے کفر کو خواہ مخواہ بزرگان دین کے سر نہ رکھیں۔ اس کے بعد پہلے میں امام شعرانیؒ کی عبارت کو لیتا ہوں: "وبه نستعين اعلم ان النبوة لم تر

گا کہ بزرگوں کی عبارت بلا سمجھے کیوں پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو اولاً تو شیخ عبدالقادر جیلانی نے خود اپنے آپ کو اوتی الانبیاء میں انبیاء سے جدا کر دیا ہے اور اوتینا فرمایا ہے اگر ان پر بھی نبی کا اطلاق ممکن تھا تو انبیاء میں سے اپنے آپ کو کیوں خارج کیا اور کیوں علیحدہ طور سے اوتینا فرمایا جبکہ ان پر بھی نبوت کا اطلاق جائز تھا دوم اوتینا اللقب سے صاف ظاہر ہے کہ ان پر اسم نبوت کا اطلاق کسی طرح جائز نہیں کیونکہ: "اوتینا اللقب' اوتی الانبیاء اسم النبوۃ۔" کے مقابلہ میں ہے۔ پس اس عبارت سے اطلاق نبی کا جواز نکالنا سراسر دھوکہ دہی ہے۔ اس تقدیر پر عبارت یوں ہونی چاہئے تھی: " لاوتینا نحن والانبیاء اسم النبوۃ۔" مگر یہاں "انبیاء" اسم نبوت کو مخصوص بالانبیاء قرار دیا گیا ہے۔

پس کس قدر صریح بد دیانتی ہے کہ جس امر کو شیخ عبدالقادر جیلانی" نے مخصوص بالانبیاء قرار دیکر اپنے آپ کو اس سے بالتصریح جدا بھی کر لیا ہو ایسی عبارت سے ان کی مراد اور صریح لفظوں کے برعکس اسم نبی کا اطلاق ثابت کیا جائے۔ سوم اگر کچھ بھی دیانت تھی اور امام شعرانی" سے واقعی حسن ظنی تھی تو عوام کے روبرو اس عبارت کی شرح میں جو امام شعرانی" کی عبارت ہے وہ بھی نقل کر دینی چاہئے تھی مگر جس بات کو آپ نے مضر سمجھا اس کا حذف کر دینا عین دیانت سمجھا اور: "نؤمن ببعض ونکفر ببعض کا خوب نمونہ پیش کیا۔

اسی کتاب الیواقیت میں اس عبارت کی شرح میں امام لکھتے ہیں کہ: " ای حجر علینا اسم النبی "یعنی ہم پر اسم نبی کا روک دیا گیا ہے۔ لہذا کسی نبی کا اطلاق نہ کیا جاسکے گا۔

کہئے معترض صاحب قلعی کھل گئی۔ تو امام شعرانی بھی ہمارے ہی ہمنوا نکلے۔ آج تو شرما دینی شرما کہئے گا۔ العیاذ باللہ! چہارم اگر نبوت کے دعوے کرنا کسی بھی صورت سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی" کے نزدیک جائز ہوتے تو پھر کیا سبب ہے کہ کبھی انہوں نے ایسا دعویٰ نہیں فرمایا نہ کبھی تحدیات قصائد لکھ کر مباہلے کئے۔ بلکہ مرزا قادیانی کے نزدیک تو شیخ عبدالقادر جیلانی" کو اپنی نسبت لفظ نبی کے اطلاق کا استحقاق ہی نہیں تھا۔ اگر وہ اطلاق کر بھی لیتے تو جب بھی مرزا قادیانی کے فرمان کے سامنے کون مردود کی تسلیم کرتا۔

الغرض اولاً تو یہ دونوں عبارتیں دعویٰ نبوت سے متعلق ہی نہیں تاکہ حجت ہو سکے

کہ مدعی نبوت ظلیہ کافر نہیں، دوم یہ عبارتیں خود معترض کے لئے حجت معتبر ہیں، سوم یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس عبارت میں نبوت ظلیہ کا نام تک نہیں پھر اجراء نبوت ظلیہ پر کس عبارت سے کیونکر احتجاج صحیح ہے۔ یہ بات بھی عجیب ہے کہ پہلے نبوت ظلیہ اپنی طرف سے ایک حقیقت مسلمہ بنا لی۔ اس کے بعد اول حضرات کے کلام سے اس کا اثبات کرنا شروع کر دیا۔ مہربان پہلے یہ بھی ثابت کریں کہ صوفیا کے نزدیک نبوت ظلیہ کا اس تفسیر کے ساتھ جو مرزا قادیانی نے کی ہے کہیں وجود بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر اپنی اصطلاح گھڑ کر بزرگوں کے کلام میں داخل کی جا سکتی ہے تو اگر آج میں بھی ایک اصطلاح مرتب کروں اور اس کا نام نبوت الہیہ رکھوں تو پھر کیا اس عبارت سے اطلاق لفظ اللہ پر بھی استدلال کیا جا سکتا ہے یہ میرا دوسرا چیلنج ہے سارے مرزائی کان کھول کر سن لیں کہ جماعت متشرعین صوفیہ میں سے کسی ایک فرد نے بھی نبوت ظلیہ کی وہ ملحدانہ حقیقت تسلیم نہیں کی جو مرزا قادیانی نے اپنی کتب میں فخر کے ساتھ پیش کی ہے۔ اگر کوئی مرزائی دکھا سکتا ہے تو دکھائے۔

ہم ذیل میں اس کتاب سے جس کو معترض صاحب نے پیش کیا ہے چند عبارتیں بطور مقابلہ درج کرتے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ مرزا قادیانی کے زندقہ سے صوفیاء کرام کا دامن کس قدر پاک ہے۔ جس کو آج ان کے متبعین اپنے مرزا قادیانی کی صفائی کے لئے ناپاک کرنا چاہتے ہیں ایک طرف جو عقائد کہ مرزا قادیانی کے دربارہ نبوت ان کی کتب سے معلوم ہوئے ہیں درج کئے جاتے ہیں اور دوسری طرف امام شعرانیؒ نے جو شیخ محی الدینؒ وغیرہ کے عقائد جمع کئے ہیں ان کو لکھا جاتا ہے ناظرین غور ملاحظہ فرمائیں۔ سردست چند ہی امور پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر خدا نے توفیق دی تو کسی دوسرے موقعہ پر زیادہ بسط و تفصیل کے ساتھ کلام کیا جائے گا۔

عقائد مرزا قادیانی

(الف)...... نبوت ظلیہ نبی ﷺ کے اتباع سے مل سکتی ہے۔

۱۔ پس کیونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصویر

بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہے ... اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ میں ظلی طور پر محمد ہوں پس میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۸ خزائن ص ۲۱۲ ج ۱۸)

(ب) ...... اور چونکہ انبیاء کے کمالات اجزاء متفرقہ کی طرح ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ہم سب کے سب طلب کریں اور ان تمام اجزاء کے مجموعہ کو اپنے نفوس میں جمع کریں ...... الخ" (حمامۃ البشریٰ ص ۸۷ خزائن ص ۲۹۵ ج ۷)

(ج) ...... مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس نبی کی کامل پیروی سے ایک شخص عیسیٰ سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے ...... خدا تمہیں یہ ترغیب دیتا ہے کہ تم اس رسول کی کامل پیروی کی برکت سے تمام رسولوں کے متفرق کمالات اپنے اندر جمع کر سکتے ہو اور تم صرف ایک نبی کے کمالات حاصل کرنا کفر جانتے ہو۔" (چشمہ مسیحی ص ۱۲ خزائن ص ۳۵۳، ۳۵۵ ج ۲۰)

(د) ...... یہ یاد رکھو کہ اس امت کے لئے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائے گی جو پہلے نبی اور صدیق پاچکے۔ پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیشگوئیاں ہیں۔ جن کی رو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے۔"
(ایک غلطی کا ازالہ ص ۵ حاشیہ خزائن ص ۲۰۹ ج ۱۸)

عقائد شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ

"(فان قلت) فهل النبوة مكتسبة او موهوبة فالجواب ليست النبوة مكتسبة حتى يتوصل اليها بالنسك والرياضات كما ظنه جماعة من الحمقى .... وقد افتى المالكية وغيرهم بكفر من قال ان النبوة مكتسبة ص ١٤٧ ج ١ فلا تلحق نهاية الولاية بداية النبوة ابدا ولو ان وليا تقدم الى العين التي ياخذ منها الانبياء لاحترق. وقال الشيخ اعلم ان الله تعالى قد سد باب الرسالة عن كل مخلوق بعد محمد الى يوم القيامة وانه لا مناسبة بيننا بين محمد لكونه في مرتبة لا ينبغي ان تكون لنا وقال في

شرحہ لترجمان الاشواق اعلم ان مقام النبی ممنوع لنا دخولہ وغایۃ معرفتنا بہ من طریق الارث النظر الیہ کماینظر من ہو فی اسفل الجنۃ الی من ہو فی اعلیٰ علیین وکما ینظر اہل الارض الی کواکب السماء وقد بلغنا عن الشیخ ابی یزید انہ فتح لہ من مقام النبوۃ قدر خرم ابرۃ تجلیا لا دخولا فکاد ان یحترق - ص ٦٤ ج ٢"

خلاصہ ترجمہ:...... نبوت اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتی تاکہ کوئی شخص عبادت کر کے نبوت حاصل کر سکے بلکہ ملحد اور غیر مہذب ہے ایسے شخص پر جو نبوت کو مکتسب کہتا ہو کفر کا فتویٰ دیا ہے ولایت کا انتہائی درجہ نبوت کے ابتدائی درجے سے بھی کم ہے۔ اگر جس چشمہ سے انبیاء فیض لیتے ہیں ولی بھی فیض لینا چاہے تو تاب نہ لا سکے اور جل جائے ...... شیخ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا مقام اس قدر رفیع اور عالی ہے کہ ہم میں اور آنحضرت ﷺ میں کوئی مناسبت بھی نہیں کیونکہ حضور ﷺ ایسے مرتبہ میں ہیں کہ جو ہمارے لئے حاصل ہی نہیں ہو سکتا بجز اس کے بطور وراثت اور نظر کے ہم اسے اس طرح دیکھ سکتے ہیں جیسے اہل زمین ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اور ہم کو شیخ ابو یزید سے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ ان پر مقام نبوت کی سوئی کے ناکے کے بقدر صرف تجلی ہوئی تھی تو قریب تھا کہ جل گئے ہوتے نصیب ہونا تو در کنار۔

کہیے وکیل صاحب! اگر آپ مصنف یواقیت کے واقعی معتقد ہیں تو ان کے ان اقوال پر بھی غور فرمائیے اور انصاف سے کہئے کہ کیا ایسے شخص کے نزدیک نبوت ظلیہ کوئی حقیقت واقعی ہو سکتی ہے۔ جبکہ آپ کے مرزا قادیانی تو نبی کریم ﷺ کے اتباع سے حصول نبوت جائز رکھتے ہیں اور وہ ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ نقل کرتے ہیں۔

مرزا قادیانی کا توہم باطل ہے کہ وہ کلی طور سے بعینہ حضور ﷺ بن گئے ہیں کہ صاحب یواقیت نقل فرماتے ہیں کہ ولایت کا اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ نبوت کے ابتدائی مراتب سے بھی کمتر ہے اس سے یہ بات بھی حل ہو گئی کہ ولی میں چاہے کتنا ہی بڑھ کے کیوں نہ ہو نبوت نہیں ہوتی۔ مرزا قادیانی تو بعینہ آنحضرت ﷺ بن جانے کے مدعی ہیں۔ مگر شیخ عبدالوہاب

شیخ محی الدین ابن عربی سے نقل فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے مقام کو بہت سے بہت ظلی طور سے دیکھ ہی سکتے ہیں اور وہ بھی قریب سے نہیں بلکہ اتنے فاصلہ سے جیسا کہ اہل زمین ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ دوم شیخ محی الدین ابن عربی کو آپ نے اپنا موافق سمجھا تھا ان کی عبارت بھی ما قبل میں نقل ہو چکی ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ شیخ کے نزدیک حصول نبوت تو در کنار نظر الٰی مقام النبی بھی قریب سے دشوار ہے۔ علاوہ ازیں ہم تو خدا سے دعا کرتے ہیں کہ کہیں آپ شیخ کے معتقد ہی تو جائیں۔ اگر آپ دل سے شیخ کے معتقد ہوتے تو اب تک آپ کا دامن کبھی کا مرزا قادیانی پر ایمان سے پاک ہو گیا ہوتا۔ کیجئے آپ کے مرزا قادیانی اپنے الہامات میں امر و نہی ہونا بیان فرماتے ہیں اور شیخ ایسے شخص پر قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔

مرزا قادیانی کے مستحق قتل ہونے پر شیخ محی الدین ابن عربی کا فتویٰ

عبارت مرزا

''اگر کہو کہ صاحب شریعت افترا کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔

مثلاً یہ الہام۔'' قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذالك ازکی لهم۔'' یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تئیس برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔'' (اربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ص ۴۳۵ ج ۱۷)

ابن عربیؒ کا فتویٰ

''وقال الشیخ ایضاً فی الباب الحادی والعشرین من الفتوحات

من قال ان الله امره بشئی فلیس ذالك بصحیح انما ذالك تلبیس لان الامر من قسم الکلام و ذالك باب مسدود دون الناس ....

... . فقد بان لك ان ابواب الاوامر الالٰهیة والنواهی قد سدت و کل من ادعیها بعد محمد ﷺ فهو مدعی شریعة اوحی بها الیه سواء وافق شرعنا او خالف فان کان مکلفا ضربنا عنقه والا ضربنا عنه صفحا - ص ۳۴ جلد ۲"

﴿جو شخص یہ خیال کرے کہ خدا نے اسے کسی شے کا امر کیا ہے تو یہ صحیح نہیں بلکہ تلبیس شیطان ہے کیونکہ امر و نہی اقسام کلام میں سے ہیں اور اس کا دروازہ بند ہو چکا ہے پھر اگر کوئی شخص اپنے الہام میں امر و نہی بیان کرے تو وہ ہماری شریعت کے موافق ہو یا مخالف وہ در اصل نئی شریعت کا مدعی ہے لہٰذا اگر مکلف ہوگا تو ہم اس کو قتل کریں گے اور اگر پاگلوں جیسا ہو تو اس سے اعراض کریں گے۔﴾

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا شیخ عبدالوہاب شعرانی اور شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ علی [illegible] یہ سب حضرات ائمہ اسلام سے خارج ہی تھے۔ والعیاذ باللہ! ورنہ انہوں نے کیونکر اپنی کتب میں ایسے عقائد تحریر کر دیئے جن سے مرزا قادیانی کی بجائے تصدیق کے تکذیب ہی نہیں بلکہ تکفیر سے بھی بڑھ کر ان کا قتل و گردن زدنی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مرزا قادیانی کے اقوال بالا دیکھ کر کوئی شخص ان کے کفر میں تردد نہیں کر سکتا۔ اگر وقت و گنجائش مساعدت کرتی تو میں آپ کو بتلاتا کہ مرزا قادیانی کے دماغ میں نبوت ظلیہ کا مفہوم نبوت تشریعیہ سے بھی کچھ آگے ہی ہے۔ پھر کیا ایسی نبوت کو بھی کفر نہ کہا جائے تو کیا اسلام کہا جائے؟ جس پر طرہ یہ کہ ان بے اصل اختراعات کو بزرگان دین کے سر رکھا جاتا ہے اور ان کی نامعقول دقائق کو اپنے کفریات کے لئے آڑ بنایا جاتا ہے۔ اگر خدا نے مدد فرمائی تو کسی موقع پر انشاء اللہ بزرگان دین کی عبارات پر مفصل کلام کیا جائے گا اور منقح کیا جائے گا کہ اس قسم کی عبارات سے ان کی کیا غرض ہے۔

نوٹ: اس باب میں ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے۔ یہ سب مرزا قادیانی کے مسلمات اور ان کی تحریرات سے لکھا گیا ہے۔

لہٰذا ہماری اس تحریر سے ہم پر کوئی الزام قائم نہ کیا جائے۔ ورنہ جواب میں مرزا غلام احمد قادیانی کی کسی مخالف عبارت کا نقل کر دینا نہ کافی سمجھا جائے گا۔ بلکہ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے فقط یہ سمجھا جائے گا کہ مرزا قادیانی کے کلام خود آپس میں متناقض ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق ہمیں ان کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو پھر ممکن ہے کہ اس قسم کے اختلافی اقوال کی ہمیں ان ہی کی کتب سے ایک فہرست پیش کرنی پڑ جائے۔ جس کا نمونہ آپ کو ہمارے دوسرے مضمون میں ملے گا۔ فانتظر!

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆ ... ☆ قادیانیوں کا حکم مرتد کا ہے۔ مرتد مرد یا عورت سے نکاح نہیں ہوتا۔ اس لئے قادیانی لڑکی سے جو اولاد ہوگی وہ ولد الحرام ہوگی۔

☆ ... ☆ مرزا قادیانی کے بلند بانگ مگر بے لغو دعوے "مراق" کا کرشمہ ہے۔

☆ ... ☆ وہ وکلاء جنہوں نے دین محمدی ﷺ کے خلاف قادیانیوں کی وکالت کی قیامت کے دن مرزا غلام احمد قادیانی کے کیمپ میں ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب الحفی فی آیت التوفی

" مولوی صاحب نے فرمایا کہ " فلما توفیتنی " سوال کا جواب نہیں۔ لیکن صحیح بخاری کتاب التفسیر کو دیکھو: " فاقول کما قال العبد الصالح " مولوی صاحب کا حدیث کے خلاف کتنا خیانت ہے یہ۔"

اقول " من انداز قدت رامی شناسم " اس مختصر نویسی کی وجہ سے خوب سمجھتا ہوں لفظ توفی پر تو آٹھ سطریں عبارت کی گئیں اور جو کہ اصل حث تھی اس پر تین سطریں بھی خدا خدا کر کے پوری ہو سکیں۔ چونکہ قصور علم و فہم کے باعث اصل تقریر سمجھ نہیں سکے۔ اس لئے ایک مبسوط کلام کے صرف ایک قطعہ کو لیکر کلام چلا دیا گیا ہے اور یہ نہ سمجھ کر کہ کلام اس مقام پر علی التحلیل ہے یا علی المسامحۃ خیانت کا الزام لگایا گیا ہے۔ حالانکہ سب سے اول تو اس پر غور کرنا چاہئے تھا کہ کیا اس مقام پر نبی کریم ﷺ سے بھی کوئی سوال ہوا تھا جس کے جواب میں آپ ﷺ یہ فرمائیں گے۔ ثانیاً یہ بھی قابل تامل تھا کہ آنحضرت ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ایک طویل کلام میں سے اسی قطعہ کو کیوں مخصوص بلند کر کیا ہے؟۔ اگر اسی امر پر تھوڑی توجہ کی جاتی تو سارے اضغاث احلام باطل ہو جاتے۔ ثالثاً یہ بھی سمجھنا چاہئے تھا کہ حدیث میں کس لفظ سے " فلما توفیتنی " کا " انت قلت للناس " کے لئے جواب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ اس حدیث سے " فلما توفیتنی " کا عیسیٰ علیہ السلام کا فقط مقولہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر فاضل معترض کی یہ دیانت ہے کہ خود تو حدیث کے الفاظ پر اضافہ کیا اور بدون کسی ایک حرف کے مقولہ کو جواب ٹھہرا لیا اس پر طرہ یہ کہ دوسروں کے سر خیانت کا الزام لگایا۔ اس لئے ہمیں بھی ضروری ہوا کہ ہم بھی اس عبارت کی اصل تلاش کریں اور خود مرزا قادیانی نے جو اس آیت کا مطلب سمجھا ہے جس کی دیانت کی معترض صاحب سے داد دلوائیں۔

حضرت مولانا شاہ صاحب مدظلہ العالی کی دیانت اور مرزائی جی کی کھلی خیانت

مرزا غلام احمد قادیانی اس آیت کی یوں شرح کرتے ہیں۔

"کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ میری امت کے لوگ میری زندگی میں نہیں بگڑے بلکہ میری موت کے بعد بگڑے ہیں۔ ... اور اس سے زیادہ اور کوئی تحت بے ایمانی نہیں ہوگی کہ ایسی نص صریح سے انکار کیا جائے۔" (کتاب البریہ حاشیہ ص۲۰۸ خزائن ص۲۴۲ ج۱۳)

نیز اس آیت کا ترجمہ اس طور سے فرماتے ہیں:

"پھر جب کہ تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر یہ بات حق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ تو وہ قیامت کو خدا تعالیٰ کی حضور میں کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ جب تو نے مجھے وفات دی تو اس کے بعد مجھے کیا علم ہے کہ عیسائیوں نے کون سی راہ اختیار کی۔ اگر وہ یہی جواب دیں گے کہ مجھے خبر نہیں تو ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی جھوٹا نہیں ہوگا۔" والعیاذ باللہ! (تذکرۃ الشہادتین ص۱۰۵ خزائن ص۲۰ ج۲۰)

کیا یہ انصاف کا خون نہ ہوگا کہ ادھر تو ایک طویل عبارت اپنے مخترع خیال کے موافق اضافہ کرنے کے بعد اسی نص صریح ہی سے تعبیر کی جائے اور ادھر اہل اسلام سے "وافعت الی" میں لفظ سوء کا مطالبہ کیا جائے۔ سارے لاہوری اور قادیانی مرزائی مل کر جواب دیں کہ زیر خط جملے آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہیں۔ ورنہ کیوں مخترع عبارت کو نص صریح کہہ کر عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اسی دیانت پر دوسروں پر نکتہ چینی کا شوق پیدا ہوا ہے۔ لو! گوش ہوش کھولو اور آیت کی صحیح تفسیر سنو۔ تاکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی خیانت اور تمہارے اوہام کا پورے طور سے انکشاف ہو جائے: "وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔" یہ سمجھنے کے لئے کہ "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي۔" جواب ہے یا معترضہ

اولاً سوال کو دیکھنا چاہئے کہ سوال کس امر کا ہے۔ ملاحظہ ہو سوالِ خداوندی: "ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ المائدہ آیت ۱۱۶" اس مقام پر یہ سوال نہیں کہ عیسائیوں کی گمراہی کی تجھے اطلاع ہے یا نہیں۔ نہ یہ سوال ہے کہ عیسائی کب گمراہ ہوئے یعنی تیرے سامنے بگڑے یا تیری موت کے بعد بگڑے۔ الغرض نہ تعیین وقت سے سوال ہے نہ علم و عدم علم سے، بلکہ سوال فقط قول کا ہے تاکہ عیسائیوں کے لئے تبکیت اور عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تعبیر ہو جائے کیونکہ اگر سوال عیسائیوں کی گمراہی سے کیا جاتا کہ وہ کیوں گمراہ ہوئے تو عیسیٰ علیہ السلام کو جواب مشکل ہو جاتا اور اگر علم یا عدم علم سے ہوتا تو علاوہ غیر مفید ہونے کے مفید تبکیت بھی نہ ہوتا۔ وعلی الثانی! اس لئے سوال صرف قول سے کیا گیا ہے۔ یعنی تو نے یہ کہا تھا یا نہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہاں سوال فاعل سے ہے نہ نفس فعل سے جیسا کہ تقدیم مسند الیہ سے مع تقریب حرف استفہام مستفاد ہوتا ہے۔ لہٰذا وقوعِ فعل سے بھی سوال نہیں بلکہ اصل سوال فاعل سے ہے۔ یعنی کیا تو نے کہا تھا...... الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاید فی نفسہ قول ہو چکا تھا اور عجیب نہیں کہ اس کا خود عیسیٰ علیہ السلام کو بھی علم ہو۔ وعلی ہذا نفس آیت میں یہ بھی نہیں کہ اگر سوال عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نہیں ہوا بلکہ سوال غالباً اسی کے مؤید ہے۔ الحاصل جبکہ منقح ہو چکا کہ سوال عیسیٰ علیہ السلام سے اس قول کے سرزد ہونے یا نہ ہونے کا ہے تو اب جواب ملاحظہ فرمایئے اور اس کے جمیع اجزاء پر غور کیجئے کہ کس جزء سے اصل سوال کا جواب نکلتا ہے اور کون سا جزء جواب سے فاضل ہے فرماتے ہیں۔

"سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ - المائدہ آیت ۱۱۶" الی قولہ: "عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔" چونکہ مقام مقام تعبیر اور رعایت آداب کا ہے۔ لہٰذا سب سے اول عیسیٰ علیہ السلام نے جواب کو مصدر بالتسبیح کیا تاکہ اول شئ جو عیسیٰ علیہ السلام کے جواب میں ہو وہ خداوند عالم جل شانہ کی ایسے ناپاک خیال سے پاکیزگی اور طہارت ہو۔ پھر دوسرے مرتبہ میں خود اپنی بھی ایسے افعال سے بیزار ہونا بتایا اور اب تک اصل جواب نہیں دیا۔ اگرچہ اظہار ناخوشی اور بیزاری سے جواب مفہوم ہو جاتا ہے

مگر صراحۃً جواب نہیں۔ کیونکہ "ءَ اَنْتَ قُلْتَ" کا جواب "قُلْتُ" یا "مَا قُلْتُ" ہی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اہل عرف و محاورہ شاہد ہیں اصل جواب کو تیسرے مرتبہ میں کہا ہے "کما قال۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ۔ المائدہ آیت ۱۱۷" یہ صریح جواب ہے سوال ابتدائی کا۔ جس کو تیسرے مرتبہ میں رکھا ہے تاکہ خدائی تقدیس اور اپنے اظہار بیزاری اور عدم استحقاق کے بعد جواب اور زیادہ موثر ہو اور غایت ادب بھی ملحوظ رہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ملائکہ نے کہا تھا: "سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ البقرہ آیت ۳۲" چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب بحیثیت مدعیٰ علیہ ہونے کے ہے۔ لہٰذا اس امر کہ بحیثیت شہید ہونے کے ان پر ضرور تھا اس کو بھی مقرون بالجواب کر دیا تاکہ اپنی تحریر مکمل ہو جائے۔ کیونکہ جو شخص خدا کی طرف سے احوال امت پر شہید اور گواہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس پر ضروری ہے کہ وہ خود امت کے زشت اور قبیح افعال میں شرکت نہ کرے۔ بھلا کیا جو خدا کا گواہ ہو گا وہ خود بالعکس خدا کی مخالفت کر سکتا ہے؟۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ جب تک میں ان میں تھا اس وقت تک تیرا شہید اور تیری طرف سے ان کے افعال پر گواہ تھا۔ لہٰذا میں ایسی بات کیونکر کہہ سکتا تھا۔ رہا بعد کا معاملہ سو وہ میری شہادت سے خارج ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنانا میری توفی کے بعد ہوا ہے مجھے اس کی معلومات نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جب تک میں ان میں تھا میں نے ان کو یہ نہیں کہا۔ کیونکہ میں ان میں شہید تھا اور جب تو نے میری توفی کی تو اس کے بعد جو معاملہ ہوا وہ میری شہادت سے خارج ہے۔ اس تقریر پر یہ ممکن ہے کہ یہ معاملہ وفات سے سابق ہی ہوا ہو اور عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت میں داخل بھی ہو۔ کیونکہ آیت سے کسی طرح یہ نہیں نکلتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت محض نصاریٰ اسی بات پر تھی کہ وہ نہیں بگڑے۔ اگر مزید تفصیل درکار ہو تو پڑھو قرآن شریف کی یہ آیت: "فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ النساء آیت ۴۱" اس آیت شریف میں خداوند عالم نے جمیع امتوں کے لئے ایک شہید کا ہونا بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی سے اپنی امت پر شہادت لی جائے گی۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی حیثیت تحمل اور بیّنات کے ایک یہ

بھی ہوتی ہے کہ وہ حضرات سرکاری گواہ کے ہوتے ہیں اور علیٰ ہذا اگر کسی نبی کا اپنی امت پر گواہ ہونے کا یہ مطلب ہو کہ وہ امت اس کے زمانہ میں نہیں بگڑی بلکہ بعد میں بگڑی ہے تو پھر ان نبیوں کے حق میں کیا کہو گے جن پر ایک بھی ایمان نہیں لایا۔ یا اگر بعض لائے اور بعض مرتد ہوئے تو کیا ایسے بعض مرتدین یا کفار جو اس نبی کے زمانہ میں موجود ہوں اس کی شہادت سے خارج ہوں گے یا العیاذ باللہ! انبیاء علیہم السلام ان کے حق میں بھی یہی کہیں گے کہ وہ لوگ بھی ہماری حیات میں گمراہ نہیں ہوئے۔ لہٰذا یہ بڑی کچی اور ہلکی بات ہے کہ شہادت کو مقصور علی الخیر کر دیا جائے۔ شہادت جیسا کہ لغتہ و عرفاً (اصطلاحاً) عام ہے خواہ خیر پر ہو یا شر پر اسی طرح اس کو یہاں بھی عام ہی رکھنا چاہئے اور کیا کہو گے: " وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ" - المائدہ آیت ۱۱۷ " میں جو کہ خود اسی آیت کے اخیر میں بطور اعتراض تذییل موجود ہے کیا اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ خدائی شہادت تک نہیں بگڑے اس بناء پر تو سارے عالم کو صالح اور مومن کہنا پڑے گا کیونکہ سارا عالم خدا کی زیر نگہبانی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لہٰذا یہ امر سوچنے کے لائق تھا کہ ذکر شہادت سے یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی کیا غرض ہے اور اپنی امت کے مشرکانہ افعال کی تخصیص اور تقریر سے کیا فائدہ متعلق ہے۔ ہمارے مذکورہ بالا بیانات سے واضح ہو چکا کہ اگر شہادت سے کوئی اور غرض نہ بھی ہو جب بھی شہادت فی نفسہ خود ایک ایسی شئی ہے جس کا لوٹانا ضروری تھا کیونکہ آیت بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ ادائے شہادت فقط عیسیٰ علیہ السلام ہی کا فعل مخصوص نہیں بلکہ جمیع انبیاء سے اپنی اپنی امتوں کے حق میں شہادت لی جائے گی۔ اس کے بعد معترض صاحب جس حدیث بخاری کو اپنے لئے مفید سمجھے تھے اس کو غور سے ملاحظہ کریں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جمیع فقرات میں سے اسی کو کیوں مخصوص کیا ہے اور کیوں نہیں فرمایا کہ: " اقول كما قال العبد الصالح ۔ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِيْ -" بجائے اس کے یہ فرمایا ہے کہ: " وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا - " اگر کچھ انصاف ہے تو سمجھو کہ یہ اسی وجہ سے تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اور اجزاء مخصوص سوال ایزدی کے جواب ہی میں وارد تھے۔ لہٰذا ان کو آپ ﷺ کیسے نقل فرما سکتے تھے جبکہ وہ سوال ہی آپ ﷺ سے نہیں ہوا۔ اس لئے

آپ ﷺ نے اس جزء کو لے لیے جس میں سارے انبیاء شریک ہیں۔ یعنی شہادت لہذا حدیث نے نص کر دی اس بات پر کہ :" وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا - فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي "کا جواب نہیں بلکہ وہ امر ہے جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوئی اختصاص نہیں اور سب پر ضروری ہے۔ ورنہ اگر اس کو ." فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي "کا جواب قرار دیا جائے تو پھر بتلایئے کہ کیا یہی سوال نبی کریم ﷺ سے بھی ہوا تھا؟۔ اگر نہیں ہوا تو پھر اس کا جواب کیسا۔ اس مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ مقولہ کس وقت کا ہے۔ تو ملاحظہ ہو صحیح بخاری کی حدیث میں موجود ہے :" فاقول اصيحابي اصيحابي فيقال لي انك لا تدري ما احدثوا بعدك . "یعنی جبکہ خود سیاق ہی میں نبی کریم ﷺ کا اس واقعہ سے عالم ہونا اور آپ ﷺ کے اصحاب کا بعد میں بگڑنا موجود تھا تو پھر آنحضرت ﷺ نے :" وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا "سے علی تفسیر المرزا کون سی نئی بات ذکر فرمائی۔ نہ علم مرزا قادیانی جس بات کو آنحضرت ﷺ :" وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا . "سے پیش کرنا چاہتے تھے وہ تو ان کے فرمانے سے پہلے ہی ان کے سامنے پیش کی جا چکی تھی اب کیا اسی بات کو مکرر کرنا تھا؟۔ دوم میں یہ بھی سوال کروں گا کہ کیا نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے بگڑنے کا علم نہیں۔ کیا آپ ﷺ ہی نے قیامت تک کی امت کے سارے احوال نہیں بیان کر دیئے اور کیا قرب قیامت میں جو امت کا حال ہوگا وہ احادیث میں موجود نہیں؟۔ اگر یہ ساری باتیں موجود ہیں تو روز حشر :" وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا . "سے کیونکر نفی علم فرمائی گئی۔ جبکہ دنیا ہی میں آپ ﷺ کو امت کا مجموعی حال روشن ہو چکا تھا۔ رہا :" انك لا تدري . "یہ افراد اور تفصیلات کے اعتبار سے ہے جو کہ علم اجمالی کے منافی نہیں۔ دوم :" انك لا تدري . "حق جماعت مخصوصہ ہے نہ حق امت اور عیسیٰ علیہ السلام سے سوال حق امت ہے اسی لئے وہاں لفظ ابحر اوالناس کا ہے۔ لہذا اس حدیث نے بالکل فیصلہ کر دیا کہ یہ آیت کسی طرح جواب سوال نہیں کیونکہ اس آیت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے حق میں سفارش آمیز کلمات ادا فرماتے ہیں :" إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ . المائدہ آیت ۱۱۸ "اب ظاہر ہے کہ یہ جملہ جواب سوال نہیں۔ حالانکہ سیاق الحدیث ہے۔ البتہ مقولہ ضرور ہے۔ لہذا عیسیٰ علیہ

السلام کے جمیع مقولات کو جواب ہی بنا ڈالنا سخت نادانی ہے۔ سوم یہ کہ اگر آیت :" فلما توفیتنی۔ " کے وہ معنی بیان کئے جائیں تو پھر ذکر اثر اگر اصحت بعد سفارش قطعاً خلاف مقتضے الٰہی ہے۔

اور اگر وکیل صاحب دیانت داری سے :" فلما توفیتنی۔ "کا جواب ہی مانتے ہیں تو پھر ذرا آیت کا مطلب ہی درست کر دیجئے کیونکہ جب آپ کے نزدیک توفی معنے موت ہے تو عند الجواب موت کا ذکر کیسا؟۔

کیا عیسیٰ علیہ السلام سولی ہی پر فوت ہو گئے تھے۔ والعیاذباللہ! یا سولی سے نجات پاکر بزعم مرزا قادیانی ستاسی سال کشمیر میں بھی زندہ رہے ہیں۔ پس اگر سولی کے واقعہ کے بعد ستاسی سال اور بھی زندہ رہے ہیں تو پھر اہل شام کے انقطاع خبر کا ذریعہ موت کیوں بتلایا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی خبر تو ہجرت الی کشمیر سے ہی منقطع ہو چکی تھی اور موت تو ستاسی سال بعد ہوئی ہے۔ بہذا جو انقطاع خبر کا اصل وقت اور سبب تھا اس کو تو ذکر نہ کرنا اور جو امر کہ ستاسی سال بعد واقع ہوا ہے اس کا تذکرہ کرنا کس قدر لغو ہے۔ لہٰذا جب عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ! کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو۔ اس کے جواب میں مرزائی خیال کے موافق یہ جواب ہونا چاہئے کہ اے اللہ! جب تک میں ان میں تھا ان کا محافظ اور نگہبان تھا اور جب تو نے مجھے کشمیر روانہ کر دیا پھر مجھے خبر نہیں کیا ہوا۔ کیونکہ دراصل انقطاع خبر زمانہ ہجرت سے ہی مستقر ہے نہ وفات کے بعد سے۔ پس ان ستاسی سال کے استثناء کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ ان میں بھی عیسیٰ علیہ السلام ان کے حالات سے بے خبر ہی تھے (بزعم مرزائیان) ہاں! اگر عیسیٰ علیہ السلام سولی ہی پر فوت ہو چکے ہوں۔ والعیاذباللہ! تو شاید ذکر توفی بمعنی موت مناسب ہو۔ کیونکہ اس تقدیر پر انقطاع خبر کا ذریعہ صرف موت ہی ہے۔

اب وکیل صاحب فرمائیں کہ کیا اس آیت کو جواب بنانے سے ان کا مقصد عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب قرار دینا ہے۔ والعیاذباللہ! یا کچھ اور؟۔ کیونکہ توفی بمعنی موت لے کر اگر :" فلما توفیتنی۔ "کو جواب قرار دیا جائے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کا جواب اسی

صورت میں مستقیم ہو سکتا ہے جبکہ وہ سولی ہی پر فوت ہوئے ہوں۔ والعیاذ باللہ! ورنہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس آیت میں ہم نے جو کچھ تقریر توفی معنے موت سے کر کی ہے یہ سب علی سبیل التسلیم ہے۔ ورنہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ توفی بمعنی موت قرآن میں ایک جگہ بھی نہیں ہاں! مجاز ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ان مقامات پر بھی جہاں توفی کے لفظ ہے موت کے معنی مستقیم بن جاتے ہیں۔ کیونکہ اس مقام پر مثلاً توفی مجاز موت ہی ہوتی ہے۔ پس اصل ابھی معنی کو مجاز آخر کے موقع میں رکھ دیئے سے بعض وقت مطلب تو بے شک درست ہو جاتا ہے مگر پھر سطحی نظروں کو اس مجاز کا معنی حقیقی ہونا متوہم ہونے لگتا ہے اور اسی ابہام سے مرزائی جماعت کا استیناس کیا ہے۔ کاش! ان کو کچھ ہوتی۔ اس کے بعد اسی آیت میں جو کچھ مرزا غلام احمد قادیانی کی دیانتداری ہے وہ کل صاحب اسے بھی ملاحظہ فرمائیں:

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

مرزا غلام احمد قادیانی نے تسلیم کیا ہے کہ: "فلما توفیتنی" "قیامت کا واقعہ ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں: "ظاہر ہے کہ یہ سوال (یعنی ءانت قلت للناس) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن ہو گا۔" (حقیقت الوحی ص ۳۱، خزائن ص ۳۳ ج ۲۲)

اس طرح ہے:

"اب ظاہر ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دنیا میں آئیں گے..... ..... تو وہ قیامت کو خدائے تعالیٰ کے حضور میں کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ جب تو نے مجھے وفات دی تو اس کے بعد مجھے کیا علم ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۸، خزائن ج ۲۰، ص ۲۰) (مفصل عبارت پہلے گزر چکی ہے)

اس کے برخلاف ملاحظہ فرمائیے اسی آیت کی شرح میں کہتے ہیں:

"ظاہر ہے کہ قال صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اول "اذ" موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا

ایک قصہ تھا نہ زمانہ استقبال کا اور پھر ایسا ہی جو جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہے یعنی: "فلما توفیتنی" - "وہ بھی بصیغہ ماضی ہے۔"

(ازالہ اوہام ص ۶۰۸ حصہ ۲، خزائن ص ۴۲۷ ج ۳)

اب اس دیانت کو دیکھئے کہ ایک ہی آیت کو حقیقۃ الوحی میں قیامت کا واقعہ قرار دیا جا رہا ہے اور اسی کو ازالۃ الاوہام میں واقعہ ماضی بتایا جاتا ہے کیا ایک ہی واقعہ ماضی اور مستقبل میں ہو سکتا ہے؟ آیئے میں آپ کو اس کا راز بتاؤں۔

ازالۃ الاوہام میں چونکہ وفات عیسیٰ علیہ السلام پر زور دینا مد نظر تھا لہٰذا وہاں اس آیت کو واقعہ ماضی ہی قرار دینا مفید سمجھا کیونکہ اگر توفی کے معنے موت سے کر کے یہ قصہ گزرا ہوا قرار دیا جائے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (بزعم مرزا قادیانی) پھیکا پڑ جاتا ہے۔ بخلاف اس کے حقیقۃ الوحی میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے مقصود تکذیب حیات پر رد کرنا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ "اس جگہ اگر توفی کے معنی مع جسم عنصری آسمان پر اٹھانا تجویز کیا جائے تو یہ معنی بدیہی البطلان ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کی انہیں آیات سے ظاہر ہے کہ یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن ہوگا۔ پس اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ موت سے پہلے اس رفع جسمانی کی حالت میں خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہو جائیں گے اور پھر کبھی نہ مریں گے۔ کیونکہ قیامت کے بعد موت نہیں اور ایسا خیال بداہتہً باطل ہے۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۳۱، خزائن ص ۳۳ ج ۲۲)

بھلا یہ بھی کوئی دیانت ہے کہ جہاں جو مناسب موقعہ معلوم ہوا ویسا ہی لکھ دیا۔ جب اثبات کے لئے قلم اٹھایا تو آیت کو واقعہ ماضی بنایا اور جب تکذیب حیات پر رد کرنا شروع کیا تو اسی واقعہ کو قیامت کا واقعہ قرار دے دیا۔ کتنے معترض صاحب اسی دیانت کو ساتھ لیکر دوسرے پر خیانت کا الزام؟

اسی طرح مرزا قادیانی نے اس آیت کا مطلب یوں لکھا ہے:

"پھر جبکہ تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا۔" (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۹، خزائن ص ۲۰ ج ۲۰)........ (مفصل حوالہ

اسی مضمون کے ابتداء میں درج ہے اس کی مراجعت کی جائے)

چونکہ تذکرۃ الشہادتین میں مرزا قادیانی نے اس قصہ کو قیامت کا واقعہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا قیامت میں علم کی نفی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کے بگڑنے کی قیامت تک کوئی خبر نہیں ہوئی (بزعم مرزا قادیانی) مگر اس کے برخلاف ملاحظہ ہو "اور میرے پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہرناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا میں پھیل گئی ہے حضرت عیسیٰ کو اس کی خبر دی گئی تب ان کی روح روحانی نزول کے لئے حرکت میں آئی۔" (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۵۴ خزائن ص ۲۵۴ ج ۵) اور "جیسا کہ میرے پر کشفاً کھولا گیا ہے حضرت مسیح کی روح ان افتراؤں کی وجہ سے جو ان پر اس زمانہ میں کی گئی اپنی مثالی نزول کے لئے شدت جوش میں تھی اور خدا تعالیٰ سے درخواست کرتی تھی کہ اس وقت مثالی طور پر اس کا نزول ہو۔ سو خدا تعالیٰ نے اس کے جوش کے موافق اس کی مثال کو دنیا میں بھیج دیا۔" (ایضاً ص ۲۳۱) اس طرح ملاحظہ ہو۔ "پھر دوسری مرتبہ مسیح کی روحانیت اس وقت جوش میں آئی کہ جب نصاریٰ میں دجالیت کی صفت اتم اور اکمل طور پر آگئی۔"

(کتاب مذکور ص ۳۴۴ خزائن ص ۳۴۴ ج ۵)

آئینہ کمالات اسلام مصنفہ مرزا قادیانی کے ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ قیامت سے قبل عیسیٰ علیہ السلام کو ہر اس وقت جبکہ ان کی امت میں کوئی نئی گمراہی پھیلی اطلاع دی جاتی تھی اور اسی وجہ سے ان کی روح مثالی نزول کے لئے بے قرار ہوئی پھر نہیں معلوم کیونکر عیسیٰ علیہ السلام بروز قیامت اپنی لاعلمی ظاہر کر سکتے ہیں جیسا کہ مرزا قادیانی نے تذکرۃ الشہادتین میں اس آیت کی شرح میں لکھا ہے اب وکیل صاحب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر رد دیئے غور فرمائیے جب کہ حسب زعم مرزا قادیانی عیسیٰ علیہ السلام قبل از قیامت اپنی امت کے احوال پر مطلع ہو چکے تھے تو پھر قیامت کے دن یہ کہنا مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا کیا صریح کذب نہیں۔ والعیاذ باللہ!

الحاصل مرزا قادیانی کی اعلیٰ درجہ کی دیانت صرف یہ تھی کہ جملہ جو سمجھ میں آئے اس کے موافق معنی تراش دیں تذکرۃ الشہادتین میں ابطال حیات مدنظر تھا لہٰذا وہاں

عیسیٰ علیہ السلام کا بے خبر رہنا مفید رہا اور آئینہ کمالات اسلام میں مثیل مسیح کا دعویٰ کرنا تھا
اس کے لئے ضرورت تھی کہ پہلے عیسیٰ علیہ السلام کی روح مثالی نزول کے لئے بے قرار ہو۔
لہذا جو بالبعد ان کسی نبی کی بعثت کے عیسیٰ علیہ السلام کا ذاتی امت کے احوال سے خبردار ہونے کی
تصریح کر دی گئی۔ یہ ہیں آپ کے مرزا قادیانی جو ایک ہی آیت میں ایسے متناقض اقوال کہہ
کر آپ کو بلا میں گرفتار کر گئے: " ولقد صدق اللہ تعالیٰ ، وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ
اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۔ النساء۔ آیت ۸۲"

الحاصل جگہ مرزا قادیانی کی تحریر کی حقیقت اور ان کی قدم قدم پر دیانت خوب
آشکارا ہو چکی تو اب میں پھر اصل سوال کی طرف توجہ کر کے کہتا ہوں کہ شاید اب اس شخص
کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں چند اجزاء ہیں جن کو یہ ایک سیاق میں
دیکھ کر سب کو جواب سمجھ رہے ہیں اور دوسرے پر اعتراض کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔
پہلا جزو تسبیح ہے جسے بالاتفاق جواب نہیں کہا جا سکتا' دوم اظہار عجز لاعلمی ہے جس سے جواب
مفہوم تو ہو جاتا ہے مگر صریح جواب نہیں' سوم صریح جواب' چہارم ادائے شہادت' پنجم ذکر
مغفرت ہیں اخیر جز کو بھی بالاتفاق جواب نہیں کہا جا سکتا۔ پس اگر کلام علی التحقیق والتفصیل کی
جائے گی جیسا کہ حضرت موصوف مدظلہ کا منشا تھا جس کو کسی قدر اپنے فہم کے موافق میں
نے بھی ادا کیا تو پھر ضرور جواب اور مناسبات جواب و متعلقات جواب میں تمیز کرنی پڑے گی
اور اگر کلام علی الاجمال والمسامحہ ہے تو پھر چاہے شہادت کے ساتھ مغفرت کو بھی جواب ہی
قرار دو۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحقیق عمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد

واضح رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کے متعلق اس قدر اختلاف پیش آنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ان کے حصص عمر تمام انبیائے قوم کی طرح مسلسل اور مشاہد نہیں گزرے بلکہ ان کی عمر میں ایک حصہ طویل وہ بھی شامل ہے جو حالت رفع آسمان پر گزرا ہے۔ اسی وجہ سے رواۃ کو مختلف اعتبارات سے مختلف عمریں بیان کرنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو زمانہ نبوت سے پیشتر کا ہے اس کی تعیین کا تو احادیث میں کہیں پتہ نہیں کیونکہ وہ ایک عادی اور انفرادی حال تھا دوسرا وہ زمانہ جو بعثت کے نام سے موسوم ہے۔ البتہ احادیث میں موجود ہے کیونکہ یہ زمانہ عادی نہیں بلکہ اختلاط فیما بین الناس کا زمانہ تھا۔ تیسرا وہ زمانہ ہے جو حالت رفع آسمان پر گزرا چونکہ یہ زمانہ بھی مثل ان کے عادی اور انفرادی ہی تھا بلکہ مزید برآں اس میں تباین عالم کی وجہ سے اس جہان سے غیبوبت بھی رہی۔ لہذا اس کی بھی احادیث میں تعیین نہیں کی گئی۔

چوتھا نزول من السماء کے بعد پھر اختلاط فیما بین الناس کا زمانہ ہے۔ اس سے بھی احادیث میں تعرض کیا گیا ہے۔ الغرض عمر مسیح علیہ السلام کے چار حصص میں سے چونکہ دو حصوں میں بنی آدم کے ساتھ ان کا کوئی معاملہ نہیں رہا۔ لہذا ان کا ذکر بھی احادیث میں نہیں ہے۔ برخلاف اس کے وہ دو زمانے جس میں عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبوت رہے اور بحیثیت امامت رہیں گے۔ احادیث میں مختلف طور سے بیان ہو چکے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔ خصائص الکبری و کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۸۷ حدیث ۳۲۲۶۰: "واخرج ابن سعد عن ابراہیم النخعی قال قال رسول اللہ ﷺ یعیش کل نبی نصف عمر

الذی قبلہ وان عیسیٰ ابن مریم مکث قومہ اربعین عاما۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں چالیس برس رہے مگر اس کے برخلاف کنزالعمال ج۱۱ص۴۷۹ حدیث ۳۲۲۶۲ میں ہے: " انہ لم یکن نبی کان بعدہ نبی الا عاش نصف عمر عم الذی کان قبلہ وان عیسیٰ ابن مریم عاش عشرین ومائۃ وانی لااراني الا ذاھبا علی رأس الستین۔" اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں چالیس سال نہیں بلکہ ایک سو بیس سال رہے۔ ان دونوں کے سوا تینتیس سال کا بھی ایک قول ہے۔

الحاصل عیسیٰ علیہ السلام کی عمر قبل الرفع میں تین طور سے اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح بعد النزول من السماء کے زمانہ میں چند اختلافات ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد ج۲ص۱۳۵ میں ہے: " عن ابی ہریرۃ مرفوعا بنزول عیسیٰ علیہ السلام الی ان قال فیمکث فی الارض اربعین سنۃ۔ "اور مسلم شریف میں" "عن ابن عمر وانہ یمکث فی الارض بعد نزولہ سبع سنین۔" اب ملاحظہ کیجئے کہ اول روایت سے بعد النزول من السماء کی مدت اقامت چالیس سال اور دوسری روایت سے سات ہی سال معلوم ہوتی ہے۔ انہیں انتشارات کو علماء نے دیکھ کر تطبیق کے لئے (نہ انکار رفع عیسیٰ علیہ السلام کیلئے) مختلف صورتیں اختیار کی ہیں۔ پس کسی نے تو اول کے تینتیس سال اور بعد کے سات سال لے کر مجموع عمر چالیس قرار دی اور کسی نے ایک سو بیس ہی کو زمانہ رفع سے قبل کی عمر قرار دے ڈالی اور بعد کے چالیس سال چونکہ بحیثیت اقامت گزریں گے لہٰذا ان کو نظرانداز کیا لیکن آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ تقدیر اول پر ایک سو بیس والی روایت متروک ہوئی جاتی ہے اور تقدیر ثانی پر سات اور چالیس والی روایتوں کا کوئی محمل نہیں رہتا۔ لہٰذا ان جمیع احادیث کو جمع کرنے سے اولاً فرض تصحیح روایات اختیار کر دینا ضروری ہے کہ تینتیس سال کی روایت تو مرفوعاً کہیں ثابت نہیں بلکہ علماء نے خود مدت اسے نصاریٰ کا قول قرار دیا ہے۔ چنانچہ شرح مواہب جلد اول ص۲۵ میں زادالمعاد وغیرہ میں مشرح مذکور ہے بلکہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ جنہوں نے کہ جلالین شریف میں اس قول

کو اختیار کیا تھا مرقاۃ مقصود میں اپنا رجوع نقل کرتے ہیں۔ لہذا اسے تو ساقط ہی سمجھئے۔ اس کے بعد یہ غور کیجئے کہ ایک سو بیس والی روایت میں کون سی عمر مذکور ہے تو وہ اسی حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک سو بیس وہ عمر ہے جس پر عیسیٰ علیہ السلام مرفوع ہوئے یعنی قبل الرفع اور بعد النزول ملا کر مجموعی عمر ہے۔ کیونکہ اسی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنی عمر بعد حذف کسور ساٹھ سال بیان فرمائی ہے اور یہ آپ ﷺ کی نصف عمر ہے۔ پس جبکہ معلوم ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مجموعی ایک سو بیس سال ہے تو اب یہ معلوم کیجئے کہ بعد النزول عیسیٰ علیہ السلام کتنے دن روئے ارض پر اور حیات رہیں گے۔ تاکہ بقاعدہ حساب عمر قبل الرفع خود متعین ہو جائے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر رہنے کے مفروض ہیں صرف دو ہی زمانے ہیں۔ یا قبل الرفع حال النبوۃ یا بعد النزول حال الامۃ پھر جب مجموعی عمر بھی معلوم ہے اور بعد النزول بھی معلوم ہو جائے تو بعد النزول کو مجموعہ سے تفریق کر دیجئے تاکہ بقاعدہ حساب حاصل تفریق عیسیٰ علیہ السلام کی قبل الرفع عمر نکل آئے۔ لہذا اس سے پہلے میں اس اختلاف کو رفع کرنا چاہتا ہوں جو بعد النزول میں ہے تاکہ عندالحساب مفروق یعنی عدد اقل متعین ہو جائے۔

آپ کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد النزول عمر میں روایات دو طرح کی ہیں۔ بعض میں سات سال اور بعض میں چالیس سال ہے۔ ان ہر دو روایات میں صورت تطبیق یہ ہے کہ مجموعہ زمانہ بعد النزول چالیس سال قرار دیا جائے اور سات سال وہ ہیں جو امام مہدی کی معیت عیسیٰ علیہ السلام گزاریں گے جیسے کہ روایت ابو داؤد سے امام مہدی کا بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ۷ یا ۹ سال تک علی شک الراوی حیات رہنا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدت اقامت زمانہ نزول کے بعد چالیس سال ہے۔ پھر رواۃ نے مختلف اعتبارات سے متعدد عمریں ذکر کی ہیں۔ ان چالیس کو اگر مجموعی عمر ایک سو بیس میں سے تفریق کر دیا جائے تو حاصل تفریق اسی سال ہوتے ہیں جو کہ بمقتضی حدیث کنز العمال عیسیٰ علیہ السلام کی عندالرفع عمر ہے۔ اس کے بعد جو اختلافات کہ عمر عندالرفع میں ہیں۔ ان کو دیکھئے۔

تینتیس سال والے قول کا تو مجور ہونا معلوم ہو چکا رہی ایک سو بیس والی روایت تو اس میں خود حدیث سے قرینہ پیش کر چکا ہوں کہ یہ مجموع عمر ہے نہ وہ عمر جو عند الرفع تھی۔ رہی چالیس والی روایت تو اس میں صرف زمانہ نبوت کو لیا گیا ہے۔ زمانہ نبوت سے جو پہلی عمر ہے وہ اس میں محسوب نہیں۔ جیسا کہ کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۷۸ حدیث نمبر ۳۲۲۵۹ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ "یا فاطمة انه لم يبعث نبي الا عمر الذي بعده نصف عمره وان عيسى ابن مريم بعث رسولا لاربعين واني بعثت لعشرين."

دیکھئے اس روایت میں حضور ﷺ نے "عشرین" کو مدت بعثت قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے اپنی بعثت کا زمانہ عشرین فرمایا کیونکہ چالیس سال پر آپ ﷺ کو نبوت ملی اور بیس عدد حذف کسور آپ ﷺ نے تبلیغ نبوت فرمائی جس کا مجموعہ وہی ساٹھ سال ہوتے ہیں جو ایک سو بیس والی روایت میں مذکور تھے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ احادیث میں تنصیف مجموع عمر و عمر نبوت ہر دو کے اعتبار سے وارد ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال بعد النبوۃ رہے اور چالیس ہی سال امام رہیں گے۔ لہذا ان دونوں کو اگر مجموع عمر میں سے گھٹا دیجئے تو عیسیٰ علیہ السلام کی عمر عند البعثۃ چالیس سال قرار پائی ہے جو کہ انبیاء و رسل کی بعثت کی عمر ہے۔ جیسا کہ شرح مواہب ص ۲۶۳ ج ۱ پر مذکور ہے۔

الحاصل: تینوں روایات سے قول معلوم ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع اسی سال کی عمر میں ہوا۔ چنانچہ اصابہ میں سعید بن المسیب سے اسی طرح مذکور ہے۔ ہاں! اس تقریر پر فقط ایک عاش کا لفظ بظاہر غیر مربوط معلوم ہوتا ہے مگر اگر ذرا تامل کیجئے تو اس میں بھی کوئی ضیق نہیں کیونکہ اگر تناسب سیاق و سباق کی رعایت کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس مقام پر یہی لفظ مناسب تھا۔ کیونکہ اول دیگر انبیاء علیہم السلام کے حق میں عاش بصیغہ ماضی صادق تھا نیز۔ پھر حق عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے نصف عمر میں سے دو حصوں کے اعتبار سے صادق تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو تنصیف عمر ذکر کرنی مد نظر تھی۔ لہذا اگر سلسلہ منقطع کرتے تو علاوہ نقص نظم کے بیان تنصیف میں تطویل لاطائل اختیار کرنی پڑتی۔

لہذا حصر حالت کو بھی جو بہ حقیقت مستقبلہ ہے صیغہ ماضی ہی میں پیش دیا۔ تاکہ تنصیف جمیع عمر اور عمر نبوت ہر دو اعتبار سے بعد رعایت اختصار مستقیم ہو جائے اور سلسلہ نظم بھی بحال رہے۔

چنانچہ اس کے نظائر قرآن شریف میں بھی ہیں۔ "کما قال ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم وامہ۔" حالانکہ صیغہ استقبال حق ام کسی طرح درست نہیں ہو سکتا مگر فصحاء کا طریق ہے کہ جہاں فقط کلام تک ہو وہاں پھر غیر متعلق امور میں تطویل پسندیدہ نہیں سمجھتے۔

رہی میلاد عیسیٰ والی حدیث جو تفسیر ابن کثیر میں موجود ہے اس کی مراد تشبیہ ہے حسب عدم بالمتغیر ورنہ تو عمر مذکور حق اہل جنت بھی درست نہیں کیونکہ جو ابدی ہے اس کی عمر کا حساب ہی کیا ہے۔

یہ امر بھی قابل یادداشت ہے کہ تنصیف عمر امم و مشاہیر انبیاء علیہم السلام جن کے اعتبار سے زمانہ کی تاریخ بیان کی جاتی ہے سلسلہ طولی اور مناسب قرآن کے اعتبار سے ہے۔ یہ تو تطبیق روایات کی نسبت عرض کیا گیا۔ رہا مرزا کی زبان کی جو لیدی تو اس میں سہولت ہے کیونکہ اس جماعت کے پاس سوائے زندقہ اور الحاد کے کچھ نہیں۔

بھلا ان سے دریافت کیجئے کہ جبکہ بحکم حدیث ہر نبی کی عمر نصف ما قبل ہوتی ہے تو مرزا قادیانی کدھر سے نبی ہو گیا۔ کیونکہ اس کی عمر تو نبی کریم ﷺ سے جائے نصف کے جمیع عمر سے بھی زیادہ ہے۔ لہذا جس حدیث کو وہ پیش کرتے ہیں وہ بالعکس ان ہی کی روسیاہی اور غوایت پر دال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نوٹ۔ یہ محض اقتضائے تحقیق عمر عیسیٰ علیہ السلام کے لئے عرض تنقیح حقائق لکھ کر دیا گیا ورنہ سوال سے اسے کوئی تعلق نہیں۔

حررہ العبد

بدر عالم میرٹھی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجاز الوفی فی لفظ التوفی

"ہمارا دعویٰ ہے کہ کل لغت نے "توفاہ اللّٰہ" کا محاورہ خاص طور پر الگ لکھا ہے۔ تاج العروس اور لسان العرب صحاح میں۔ "قبض نفسہ وروحہ" لکھے ہیں۔ اس محاورہ کو لغت والوں نے مادہ کے دیگر مشتقات سے الگ کیا ہے ... تمام علماء و ادباء وغیرہ زور لگاؤ۔ یہی ثابت ہوگا۔ جہاں فاعل اللہ اور مفعول ذی روح اور فعل توفی ہو وہاں بجز قبض روح اور "کوئی معنی ہرگز ہرگز نہیں۔"

اس قاعدہ کے سب سے اول موجد مرزا غلام احمد قادیانی ہیں اور اس کے بعد ان کے معتقدین نے اس پر بہت کچھ شور و شغب مچایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج اس کی پوری حقیقت ناظرین کرام کے روبرو پیش کر دوں تاکہ ایک قدیم دعویٰ کی حقیقت سے پردہ اٹھ جائے اور اس قاعدہ کی اصلی تصویر جناب ملاحظہ فرما سکیں۔ میں مرزائی صاحبان سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی اس مضمون کو اول سے آخر تک تعصب سے بے طرف ہو کر نہایت انصاف اور بردباری سے ملاحظہ فرمائیں۔ عجب نہیں کہ ان کی ہدایت اور میری نجات کا یہی ایک بہانہ ہو جائے۔

ملاحظہ ہو ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۰۱ تا ۲۰۸، خزائن ص ۳۷۸ تا ۳۸۰ ج ۲۱۔

"اس بات پر تمام ائمہ لغت عرب اتفاق رکھتے ہیں کہ جب ایک علم پر یعنی کسی شخص کا نام لے کر توفی کا لفظ اس پر استعمال کیا جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ "توفی اللّٰہ زیداً" تو اس کے یہی معنی ہوں گے کہ خدا نے زید کو مار دیا۔ ... اور میں نے یہاں تک ممکن تھا صحاح ستہ اور دوسری احادیث نبوی پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے کلام اور صحابہ کے کلام اور تابعین اور تبع تابعین کے کلام میں ایک نظیر بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس سے

یہ ثابت ہو کہ کسی علم پر توفی کا عقد آیا ہو۔ یعنی کسی شخص کا نام لے کر توفی کا لفظ اس کی نسبت استعمال کیا گیا ہو اور خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہ ٹھہرایا گیا ہو اور ایسی صورت میں اس فقرہ کے معنی بجز وفات دینے کے کوئی اور کیے گئے ہوں۔ بلکہ ہر ایک مقام پر جب نام لے کر کسی شخص کی نسبت توفی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس جگہ خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہ ہے جس کا نام لیا گیا تو اس سے یہی معنی مراد لئے گئے ہیں کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ چنانچہ ایسی نظیریں مجھے تین سو سے بھی زیادہ احادیث میں سے ملیں جن سے ثابت ہوا کہ جہاں کہیں توفی کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور وہ شخص مفعول بہ ہو جس کا نام لیا گیا ہے تو اس جگہ صرف مار دینے کے معنی ہیں نہ اور کچھ۔ مگر باوجود تمام تر تلاش کے ایک بھی حدیث مجھے نہ ملی جس میں توفی کے فعل کا خدا فاعل ہو اور مفعول بہ علم ہو۔ یعنی نام لے کر کسی شخص کو مفعول بہ ٹھہرایا گیا ہو اور اس جگہ بجز مارنے کے کوئی اور معنی ہوں۔ اسی طرح جب قرآن شریف پر اول سے آخر تک نظر ڈالی گئی تو اس سے بھی یہی ثابت ہوا ...... اور پھر میں نے عرب کے دیوانوں کی صرف اسی غرض سے سیر کی اور جاہلیت اور اسلامی زمانہ کے اشعار بڑے غور سے دیکھے اور بہت سا وقت ان کے دیکھنے میں خرچ ہوا مگر میں نے ان میں بھی ایک نظیر ایسی نہ پائی کہ جب خدا توفی کے لفظ کا فاعل ہو اور ایک علم مفعول بہ ہو۔ یعنی کوئی شخص اس کا نام لے کر مفعول بہ ٹھہرایا گیا ہو تو ایسی صورت میں بجز مار دینے کے کوئی اور معنی ہوں۔ بعد اس کے میں نے اکثر عرب کے اہل علم اور اہل فضل و کمال سے دریافت کیا تو ان کی زبانی بھی یہی معلوم ہوا کہ آج کے دنوں تک تمام عرب کی سرزمین میں یہی محاورہ جاری و ساری ہے کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کی نسبت بیان کرتا ہے کہ توفی اللہ فلاناً تو اس کے معنی قطعی اور یقینی طور پر یہی کیے جاتے ہیں کہ فلاں شخص کو خدا تعالیٰ نے مار دیا اور جب ایک عرب کو دوسرے عرب کی طرف سے ایک خط آتا ہے اور اس میں مثلاً یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ: "توفی اللہ زیداً۔" تو اس کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ خدا نے زید کو مار دیا۔ پس اس قدر تحقیق کے بعد جو حق الیقین تک پہنچ گئی ہے یہ امر فیصلہ ہو گیا ہے اور امور مشہورہ محسوسہ کے درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ ایک شخص جس کی نسبت اس طور سے لفظ توفی استعمال کیا جائے تو اس کے یہی

معنی ہوں گے کہ وہ شخص وفات پا گیا نہ اور کچھ۔"

اس ایک مسلسل مضمون میں مرزا قادیانی نے نو مرتبہ اس قاعدہ کو مکرر کیا ہے۔ اسی طرح مرزا قادیانی کی دیگر کتب میں بھی یہ قاعدہ بکثرت موجود ہے مگر میرے خیال میں یہ ایک حوالہ نوجوانان کے قائمقام ہے لہٰذا میں اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے جواب کی طرف تعرض کرتا ہوں۔

تنقیح دعویٰ

چونکہ کسی لفظ کے معنی معلوم کرنے کے لئے اس کے مادہ اشتقاق کو دیکھنا ضروری ہے۔ اس لئے لفظ: "توفی" کے معنی متعین کرنے سے پہلے ہم کو اس کے مادہ کی تفتیش کی حاجت ہوگی۔ لغت میں بتحریر توفی کو وفی کے تحت میں لکھتے ہیں۔ "وفی" کے معنی پورا کرنا پورا لینے کے ہیں۔ اس مادہ سے عموماً چار باب ملتے ہیں:

۱..."وفی الشی ای اتم" ۲..."واوفی فلان حقه اذا اعطاه وافیا" ۳..." واستوفاه اذالم یدع منه شیئا" ۴..." وتوفاه الله"

پیغام صلح کی تخصیص بالذکر کا یقینی طور سے یہی مفہوم ہے کہ اول کے تین ابواب میں ان کو ہم سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ ہم دونوں فریق ان ابواب کو اپنے مادہ کے ماتحت ہی تسلیم کرتے ہیں۔ اس طرح چوتھے باب میں بھی جبکہ اس کا فاعل اللہ یا مفعول ذی روح نہ ہو فریقین کا کوئی اختلاف ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ جس صورت میں دعویٰ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں دو قیدیں ملحوظ ہیں۔

(۱)...... باب تفعل ہو (۲)..... فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو۔

میں جہاں تک سمجھتا ہوں اگر یہ دونوں قیدیں منتفی ہو جائیں یا احدہما تو پھر شاید قادیانی جماعت یا لاہوری پارٹی اس کے متعلق ایسے موٹے لفظوں میں دعوے نہ کرے گی۔ پس اگر ان دونوں قیدوں کا کوئی مفہوم معتبر ہے تو ان کی انتفاء سے مندرجہ ذیل صورتیں پیدا ہوں گی۔ اول شرط کے انتفاء کی تین صورتیں ہیں۔ باب ضرب ہو یا افعال ہو یا

استعمال۔ دوسری شرط کے منتفی ہونے کی بہت سی شکلیں ہیں۔

(۱) فاعل اللہ ہو مگر مفعول ذی روح نہ ہو۔ (۲) مفعول ذی روح ہو مگر فاعل اللہ نہ ہو۔ (۳) نہ اللہ فاعل ہو اور نہ مفعول ذی روح ہو۔ یہ تیسری صورت بے شمار صورتوں پر مشتمل ہے کیونکہ غیر اللہ کے افراد اس قدر ہیں ان جملہ صورتوں میں ہمارا اور مرزائیوں کا کوئی نزاع نہیں۔ اب محل النزاع باب تفعل میں یہی فقط وہ صورت ہے۔ جبکہ فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو اس قاعدہ کلیہ کا نتیجہ یہ ہے کہ توفی کے وہ معنی جو مرزائی صاحبان بیان کرتے ہیں اختلاف باب کا ثمرہ نہیں ہو سکتے اور نہ اس سبب سے اس لفظ کو اپنے مادہ سے جدا مانا گیا ہے کیونکہ اگر اسی باب سے فعل توفی بدون شرائط بالا کے مستعمل ہو تو پھر مرزائی جماعت اس کے متعلق یہ دعویٰ نہیں رکھتی جیسا کہ اوپر کی تشریح سے واضح ہو چکا اور جیسا کہ پیغام صلح کی صریح عبارت کا مفہوم ہے۔ لہٰذا اب مرزائیوں کا دعویٰ ان الفاظ میں منقح ہوا جاتا ہے کہ وفی کے جمیع ابواب میں سے فقط ایک باب تفعل اور پھر باب تفعل کی بے شمار صورتوں میں سے فقط ایک صورت۔ جس میں فاعل علے التعیین اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو ایسی ہے جس میں اس کے مادہ کا کچھ پتہ نہیں بلکہ وہ اپنے مادہ سے بالکل علیحدہ ہے۔ برخلاف اس کے وفی کے جمیع ابواب کے جمیع استعمالات اپنی اصل اور مادہ ہی کے ماتحت ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم بقیہ ساری صورتوں میں اس لفظ کو اپنے مادہ کے ماتحت ہی تسلیم کرتے ہو اسی طرح ہم صورت بالا کو بھی اپنے مادہ کے ماتحت ہی سمجھتے ہیں۔ اب منصف انصاف کرے کہ ایک لفظ کے جمیع مشتقات کو اپنے مادہ کے ماتحت رکھنے والا حق پر ہو سکتا ہے یا وہ جس نے بلا وجہ فقط ایک صورت کو مستثنیٰ کیا ہو۔ حالانکہ بقیہ اور ساری صورتوں میں وہ بھی ہماری موافقت کرتا ہو۔

اب تنقیح طلب امر یہ ہے کہ آخر فقط ایک صورت میں اس لفظ کو اپنے جمیع مشتقات سے کیوں جدا کیا گیا؟۔ اختلاف باب کی وجہ سے تو نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا۔ ہاں! شاید اللہ فاعل اور مفعول ذی روح ہونے کی وجہ سے مگر یہ بھی باطل ہے کیونکہ کسی ایک لغوی نے بھی یہ قاعدہ نہیں لکھا کہ اللہ کے فاعل اور مفعول ذی روح ہونے سے لفظ

اپنے مادہ سے اس قدر دور جاپڑتا ہے گویا کہ پھر اسے اپنی اصل سے کوئی علاقہ ہی باقی نہیں رہتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ (مات زید) کے معنی بھی موت کے ہیں اور (اماتہ اللہ) میں بھی یہی معنی حاصل ہیں۔ لہذا یہ وجہ بھی اس تحریر استثناء کی قرار نہیں پا سکتی۔ اب ہمیں نہیں معلوم کہ اس لفظ نے مرزائیوں کا کیا قصور کیا ہے جو وہ اس کے معنی ہمارے استعمالات کے برخلاف بیان کرتے ہیں۔ مجھے بعض اوقات تحیر ہوتا ہے کہ اس جماعت نے خود تو اس قدر بعید از عقل اور نقل دعویٰ کیا ہے۔ اس پر اہل اسلام سے مطالبات کا ارادہ ہے۔ اگر ہم اس کے جواب میں فقط اسی پر اکتفا کریں کہ ہم اس مقام پر بھی وہی معنی مراد لیتے ہیں جو اس کے دیگر بے شمار استعمالات میں تمہارے نزدیک بھی مراد ہیں تو بالکل بجا اور کافی ہوگا۔ خصوصاً جبکہ مرزا قادیانی کا ہمارے سر پر الزام یہ ہو۔

”یہ دعویٰ بھی عجیب دعویٰ ہے گویا تمام دنیا کے لئے تو توفی کے لفظ کے یہ معنی ہیں کہ ”قبض روح کرنا“ نہ قبض جسم۔ مگر حضرت عیسیٰ کے لئے خاص طور پر یہ معنی ہیں کہ مع جسم آسمان پر اٹھا لینا۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۳۴، خزائن ص ۳۴ ج ۲۲)

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ دعویٰ تعجب خیز ہے تو یہ دعویٰ بھی تعجب خیز ہے کہ لفظ توفی کے جمیع استعمالات میں تو اس کے مادہ کا اثر ظاہر ہو اور جب اللہ فاعل اور مفعول ذی روح ہو۔ جب اس کے معنی اپنے مادہ سے بالکل علیحدہ جاپڑیں اور سوائے موت کے ہرگز ہرگز کوئی اور معنی نہ ہو سکیں۔ گویا کہ ہمارے استعمالات میں سے ایک صورت کو جدید معنی کے لئے مخصوص کر لینا تو کوئی تعجب خیز دعویٰ نہ ہو اور مرزا قادیانی کا اختراعی الزام تعجب خیز ٹھہرے اور اگر بالفرض فاعل و مفعول کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اللہ کے فاعل اور غیر اللہ کے فاعل ہونے سے مرزائی خیال کے موافق لفظ توفی کے معنی میں فرق پڑتا ہے تو پھر اس میں کیوں استبعاد ہے کہ اگر مفعول عیسیٰ علیہ السلام ہوں تو معنی رفع جسمانی کے ہوں اور جب کوئی اور مفعول ہو تو تغیر مفعول کی وجہ سے موت کے معنی مراد ہو جائیں۔

مرزا قادیانی کا الزام بالکل غلط ہے

علاوہ ازیں حقیقت تو یہ ہے کہ مرزا قادیانی کا تعجب اور ہمارے سر پر الزام ہمارا دعویٰ نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا میں مکرر دعویٰ کا اعلان کرتا ہوں اگر مرزا قادیانی زندہ ہوں ''لایموت فیہا ولا یحییٰ۔'' تو وہ سن لیں ورنہ ان کے معتقدین گوش ہوش کھول کر سن لیں۔ ہم توفی کے معنی حق حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وہی لیتے ہیں جو ساری دنیا کے لئے لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک توفی کے معنی پورا لینے کے ہیں (جس کو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے بلفظ ''بھر لینا'' ادا کیا ہے) اور اس معنی کے لحاظ سے ساری دنیا کی توفی ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک نہ فقط قرآن شریف میں بلکہ سارے لغت عرب میں اس لفظ کا مدلول اور معنی یہی ہیں۔ مگر ہاں کہیں تھوڑا سا فرق بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تغیر لفظی کی وجہ سے ہونا قرین قیاس ہے مگر نہ اتنا کہ وہ لفظ اپنے مدعیٰ سے جدا جا پڑے۔ سو بعینہ ہذا! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے لیا ہی ہے۔ مگر اس طور سے کہ روح مع الجسد اور سارے عالم کو بھی خدا لیتا ہی ہے مگر اس طور سے کہ فقط روح اب ان دونوں مقام پر لفظ سے لینا موجود ہے جو کہ توفی کا مدلول ہے۔ البتہ کہیں رفع جسمی کے ساتھ مجامع ہے اور کہیں موت کے ساتھ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی مجامع مع الرفع ہے اور دیگر بنی آدم کی قبض روح کے ساتھ فقط جس کا لازم حاصل موت ہی ہے۔

یہ امر بھی میں قرآن سے ثابت کروں گا کہ موت میں بھی لے لینا ہے مثال کے طور سے دیکھئے ''ید'' اور ''وجہ'' کا لفظ خداوند عالم اور عباد دونوں میں مستعمل ہے۔ مگر ''ید'' کا مصداق عباد میں شکل مخصوص ہے اور خداوند عالم میں جو اس کی شان کے مناسب ہے۔ اسی طرح ''عین'' اور ''اصابع'' اور ''رجل'' اور ''ساق'' اور ''ازل'' اور ''دوام'' ان سب کا استعمال جناب باری عز اسمہ میں بھی احادیث میں اور قرآن عزیز میں موجود ہے۔ بایں ہمہ مصداق کا فرق بھی ضرور ہے۔

اب کیا کوئی ذی حس جاہل کہہ سکتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ ''ید'' کا لفظ جب ساری

دنیا کے لئے مستعمل ہو جب تو اس سے ایسا" یہ "مراد ہو جس میں "اصابع" اور اعصاب گم ہو چکے ہیں اور جب خدا کی جناب میں مستعمل ہو تو اس کو ایک بے کیف اور مجہول الحال شی قرار دے دیا جائے اس کا اصل توفی معنے موت بھی مرتبہ عدول میں مستعمل نہیں ہوا۔ یعنی اس طور سے کہ موت لفظ توفی کا موضوع لہ ہو ہاں کبھی لے لینا اور پورا کرنا موت کی طرف منتہی ضرور ہو جاتا ہے۔ یعنی خدا کسی کی عمر پوری کرے گا تو اس کی عمر کی انتہا موت ہی سے تو ہو گی پھر اس موت .... کے ہی عمر ختم ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک موت نہیں آتی کہا جاتا ہے کہ ابھی اس شخص کی عمر پوری نہیں ہوئی اور جب موت آجاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اب اس کی عمر پوری ہو گئی۔ یعنی عمر کے پورے ہونے کی انتہا چونکہ موت پر ہی ہے۔

کتب لغت میں توفی کے معنے موت ہونے کا راز

اسی لئے لغویین نے توفاہ اللہ کے معنے مات کے بھی لکھ دیئے ہیں۔ نہ اس لئے کہ ان کے نزدیک توفی بمعنی موت حقیقی ہے۔ دیکھو لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۵۹: "توفی المیت استیفاء مدته التی وفیت له وعدد ایامه وشهوره واعوامه فی الدنیا انتہی۔"

اس معنی کو خود مرزا قادیانی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ضمیمہ براہین احمدیہ ص ۲۰۵ حاشیہ خزائن ج ۲۱ ص ۳۷۳ پر تحریر فرماتے ہیں: "معلوم رہے کہ زبان عرب میں لفظ توفی صرف موت دینے کو نہیں کہتے بلکہ طبعی موت دینے کو کہتے ہیں......... اسی بناء پر لسان العرب اور تاج العروس میں لکھا ہے: "توفی المیت استیفاء مدته التی وفیت له وعدد ایامه و شهوره واعوامه فی الدنیا۔" یعنی مرنے والے کی توفی سے مراد یہ ہے کہ اس کی طبعی زندگی کے تمام دن اور مہینے اور برس پورے کئے جائیں۔"

اب معترض صاحب ملاحظہ کریں کہ خود مرزا قادیانی ہی اپنی آخری تصنیف میں کس قدر صراحت کے ساتھ توفی کو پورا کئے جانے کے معنی میں تسلیم کرتے ہیں: "وماذا بعد الحق الا الضلال۔" الغرض چونکہ عمر کا پورا کرنا اور موت دینا مصداق میں مجامع

ہیں۔ اس لئے توفی کے معنی موت کے ہی لکھ دیئے جاتے ہیں اردو میں مثال ملاحظہ فرمایئے۔ جب کبھی کسی بڑے شخص کا انتقال ہوتا ہے تو یہ کوئی نہیں کہتا کہ فلاں بزرگ مر گیا۔ بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ ان کا وصال ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ وصال اور وصل کے لغوی معنی ملنے کے ہیں۔ اسی طرح انتقال نقل سے مشتق ہے جس کے معنی ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت کرنے کے ہیں مگر جب کسی بزرگ کی نسبت وصال یا انتقال کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے موت ہی کے معنی سمجھے جاتے ہیں اور اب کیا کوئی جاہل کہے گا کہ چونکہ دنیا کے سارے بزرگوں کے حق میں وصال بمعنی موت استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا وصال کا موضوع لہ موت ہے اور اسی بناء پر شاعر کے قول مثلاً: "وصال یار مشکل ہے" میں شاعر کی تمنا یار کی موت کی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ وصال کے لغوی معنی ملنے کے ہیں مگر چونکہ بزرگوں کی نگاہ میں فقط ایک خدا سے ملنا ہوتا ہے جو بدوں موت میسر نہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کو بارگاہ ایزدی میں وصول میسر ہوا۔ بالآخر اس کے مرادف ہو جاتا ہے کہ وہ مر گئے۔ اس لئے وصال مراد موت بولنے لگے ہیں۔ اسی طرح لفظ انتقال ہے چونکہ بزرگان دین کی نسبت موت کا لفظ معیوب سمجھا گیا ہے۔ لہٰذا ان کی موت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

— یہی حال لفظ توفی کا ہے کہ جس میں کلی فی الجملہ تشریف ہے خصوصاً جبکہ خدا فاعل ہو۔ پس اگر کہیں یہ لفظ موت کی مراد میں نظر آتا ہو تو یہ نظر اداء التشریف ہے۔ لا لکونہ موضوعاً لہ۔ جیسا کہ پہلے انشاء اللہ اور روح اللہ اور ابن اللہ کی بحث میں تقریر کی گئی ہے۔

الحاصل جس طرح عرفاً فلاں حضرت کا وصال ہو گیا یا فلاں صاحب کا انتقال ہو گیا سے سوائے موت کے اور کچھ نہیں سمجھا جاتا۔ باوجودیکہ پھر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ موت ان الفاظ کے معنی حقیقی ہیں نہ یہ سبب ہے وہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ یہ الفاظ اپنے دیگر استعمالات مثلاً وصول اور ایصال سے بدون کسی قاعدہ کے بالکل جدا ہیں۔ اسی طرح لفظ توفی کو بھی سمجھئے۔ چونکہ عام طور پر عمر کا پورا ہونا موت ہی پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے توفی کے معنی موت کے بھی لکھ دیئے گئے ہیں مگر اس سے لفظ کا اپنے موضوع لہ سے خروج لازم آتا ہے

اور نہ اس معنی کا حقیقی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقی معنی کا تحقق چونکہ عموماً موت کے
مجامع ہو رہا ہے۔ لہذا عوام جو کہ مجامع ملوت یا معنی موت ہونے میں کوئی تفریق نہیں کر
سکتے توفی مجامع ملوت کو بمعنی موت ہی قرار دے دیتے ہیں۔ لہذا توفی بمعنی موت اس
سرسری اور عامیانہ استعمال کے لحاظ سے ہے۔ رہے خواص اور اہل فہم سو وہ چونکہ تشبیہات
علیہ سے حاوی مرتاض ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک توفی مجامع ملوت ہونے سے بمعنی
موت نہیں بن جاتا بلکہ وہ موت کو مرتبہ مصداق یا جزو اخیری کے مرتبہ میں رکھ کر لفظ کو
اپنے مدلول سے خارج نہیں کرتے۔ چنانچہ اس مضمون کی شہادت کلیات ابو البقاء سے حاصل ہو
جاتی ہے: "(التوفی) الاماتہ و قبض الروح وعلیہ استعمال العامة اوالا
ستیفاء واخذ الحق وعلیہ استعمال البلغاء۔"

اگر کسی کو عبارت فہمی کا سلیقہ ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس عبارت کی مراد یہ نہیں
ہے کہ بلغاء کے یہاں توفی کسی ایک مقام پر بھی موت کے مجامع نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ
بلغاء کے نزدیک اس لفظ کے معنی استیفاء اور اخذ حق کے ہی ہوتے ہیں۔ اگرچہ مراد اس
سے موت ہی کیوں نہ ہو۔ یہی حق لفظ اور اشتقاق بھی ہے کہ اس میں اخذ اور استیفاء کے
معنی بہر حال مرعی رہیں گو بظاہر کہیں سطحی نظریں بمعنی موت سمجھیں۔ وعلی ھذا اس
عبارت میں توفی کے محل موت میں مستعمل ہونے سے انکار نہیں مگر وجہ تخریج میں نظروں
کا تفاوت ضرور ہے' عام آدمی سمجھتا ہے کہ توفی مصداق میں موت کے ساتھ جمع ہوا تو اس
کے معنی ہی موت کے کرنے لگتا ہے۔ مگر بلیغ موت کو انجام استیفاء میں سمجھ کر
استیفاء مرتبہ مدلول میں اور موت کو مرتبہ مصداق میں رکھتا ہے۔

واضح رہے کہ لغویین کلام اس امر میں متفق ہیں کہ موت توفی کے معنے حقیقی نہیں
مگر پھر وجہ تخریج میں مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ توفی المیت بمعنی استیفاء ہے۔ یعنی
عمر پورا کر لینا پورا لے لینا اور .... بعض فرماتے ہیں کہ بمعنی اخذ ہے۔ یعنی کون قبض کا
مقابل جیسا کہ اردو میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اپنا حق وصول کر لیا۔ اس لئے کلیات کی
عبارت میں دو لفظ آئے ہیں اوالاستیفاء واخذ الحق۔ پس یہ دونوں شق واحد نہیں ہیں مگر

موت کے مرادف بھی نہیں ہیں یہ بھی یاد رہے کہ استیفاء کی دلالت اس معنی پر اولی ہے
اور جزء اخیری پر ثانوی اور توفی کی دلالت علی العکس ہے۔ یعنی استیفاء میں حرکت مبدء
سے منتہی کی طرف ہے اور توفی میں منتہی سے مبدء کی طرف۔ لہذا جب توفی مسند الی الرب
العزت ہوتا ہے تو اس مقام پر مراد جزء ثانی ہوتا ہے۔ بلحاظ جزء اول اور جب مسند الی العبد یعنی الی
المفعول ہوتا ہے تو مراد جزء اول ہوتا ہے بلحاظ جزء ثانی۔

اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ لفظ توفی کسی ایک مقام پر بھی بمعنی موت حقیقۃً
مستعمل نہیں۔ ہاں مجامع ضرور ہے۔ لہذا: " اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ ۔ آل عمران
آیت ۵۵ " میں یہ وعدہ کہ اے عیسیٰ میں تیری عمر پوری کروں گا۔ ابھی ممکن الوفاۃ مستقبلا
ہے اور جب تک کہ ان کی زندگی کے لمحات پورے ہوتے رہیں گے۔ کہا جائے گا کہ ان کی عمر
پوری کی جا رہی ہے۔ وعلیٰ ہٰذا توفی مقدم ہی ہونا چاہئے تھی کیونکہ یہ مستلزم مزید علیہ کے ہے
اور مجامع ہے رفع کے ساتھ۔ نہ یہ کہ رفع بعد التوفی ہے۔ یعنی انقطاع توفی کے بعد رفع نہیں
ہے بلکہ توفی جو ایک امر ممتد اور مستمر ہے اس مستمر زمانہ میں رفع بھی ہوا ہے۔ لہذا وہ امر
مستمر اس رفع کے ساتھ مجامع ہو گیا؟ پس رفع کے زمانہ میں بھی توفی چل رہی ہے یہاں
تک کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور جو اجل خدا کے علم میں مقدر ہے اسے ختم
فرما چکیں گے اور وفات پائیں گے تو کہا جائے گا کہ عمر پوری ہو چکی۔ اسی مقام سے تفسیر ابن
عباسؓ کی مراد بھی حل ہو گئی کیونکہ "انی ممیتک" کے یہ معنی تو کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ میں
تیری موت سے پہلے تجھے موت دیدوں گا .... بلکہ توفی ایک ابتدائی وعدہ ہے جس کی
ابتداء تعلیم ہے کیونکہ اگر توفی کو ذکر ہی نہ کیا جاتا تو کلام مختصر باقی رہ جاتا اور یہ نہ معلوم ہوتا
کہ: " جاعل الذین " کے بعد کیا ہو گا اور اگر بعد میں ذکر فرماتے تو چنداں لطیف نہ رہتا
کیونکہ معلوم ہے کہ انسان کے لئے بالآخر فنا ہی ہے۔ لہذا ابتدائے امر ہی میں اولاً تعلیم فرما کر بقیہ
مواعید کو ذکر فرمایا۔ یہ یاد رہے کہ اس تفسیر کو ترتیب کے خلاف سمجھنا سخت نادانی ہے کیونکہ
ترتیب فقط واقع کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ترتیب جیسا کہ حسب الوقوع ہوتی ہے۔
اسی طرح حسب الذکر اور حسب العرف بھی ہوتی ہے۔ پس کسی کلام کے مطابق ترتیب

ہونے کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ ساری ترتیبیں اس میں مجتمع ہو جائیں کیونکہ بعض اوقات
بعض ترتیب بعض ترتیب کے مناقض ہوتی ہیں۔ لہذا مطابقت ترتیب اسی لحاظ سے لی جائے
گی جس اعتبار سے متکلم نے اپنے کلام میں ارادہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر متکلم کو چند امور کی
فقط تصدیق مطلوب ہو تو اس مقام پر وہ واقع کا لحاظ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ اس کے مقصود سے
خارج ہے۔ جیسا کہ علامہ سعدالدین نے جاء زید و عمر اور جاء زید فعمر میں لکھا ہے۔ مانحن فیہ میں کہتا
ہوں کہ اس آیت میں بھی ان مواعید کی ترتیب بتلانا مد نظر نہیں اگر ترتیب بتلانی مد نظر ہوتی
تو بجائے واو کے ف یا ثم حرف عطف لائے جاتے۔ حالانکہ ان حروف میں سے کوئی بھی اس
مقام پر موجود نہیں ہیں۔ پس مقصود آیت میں صرف ان مواعید کا افادہ ہے۔ بدون
التعرض الی الترتیب او توفی۔ لہذا آیت بیان ترتیب سے ساکت ہے اور ترتیب وقوعی
خارج کے سپرد ہے۔ اما اس قسم کے مقامات پر جو عرفی ترتیب ہے وہ آیت میں موجود ہے۔
اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر متوفیک کو موخر کر دیا جاتا تو خلاف ترتیب عرفی ہو جاتا
اگرچہ ترتیب وقوعی کی مطابقت حاصل ہو جاتی مگر وہ غیر مقصود تھی جیسا کہ معلوم ہوا لہذا
توفی بمعنی موت لے کر اور یہ بیان کر کے عیسیٰ علیہ السلام بعد النزول من السماء وفات
فرمائیں گے۔ پھر بھی ترتیب یہی تھی جو آیت میں موجود ہے فافہم۔ اور یہ بھی عقلاً معلوم ہے
کہ موت سب مراحل کے بعد میں ہوا کرتی ہے۔

(۳) .... مغالطہ سے بچانے کے لئے یہ امر بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ
ہمارا نزاع اس میں نہیں ہے کہ بعض لغت کی کتب میں توفاہ اللہ کے معنی مات یا ادرکتہ الوفاۃ
کے لکھے ہیں۔ چونکہ میری طرف سے اس کا اقرار بھی گزر چکا ہے۔ اور نہ یہ بات ہمارے
مخالف ہے۔ محل النزاع یہ ہے کہ آیا معنی مذکورہ حقیقی ہیں یا مجازی۔

مرزائی مدعی ہیں کہ موت معنی حقیقی ہیں اور ہماری طرف سے یہ اصرار ہے کہ یہ
معنی ہرگز ہرگز حقیقی نہیں چونکہ یہ دعویٰ لغت کے متعلق ہے۔ لہذا کوئی مرزائی کسی ایک
معتبر لغت کی کتاب سے دکھلا دے جس نے صاف طور پر لکھ دیا ہو کہ توفاہ اللہ بمعنی مات
حقیقی ہے اور جب تک یہ تصریح پیش نہ کی جائے اس وقت تک لغویین کی کتابیں کھول کھول کر

مجازات کا انعقاد دکھا دینا ہمارے لئے کوئی مضر نہیں ہے کیونکہ ہم بھی اس معنی کو ایک سرسری اور عامیانہ استعمال تسلیم کرتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ جب تک کوئی نقل اس کے خلاف نہ پیش کی جائے اس وقت تک لغویین کی تحریر سے تبادر یہی ہے کہ امات معنی حقیقی ہیں تو میں نہایت فراخ دلی سے ایسی نقل پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ملاحظہ ہو اساس البلاغۃ ص ۴۴۲ ج ۲ مصنفہ علامہ زمخشری جو مرزا قادیانی کے نزدیک بھی بہت کچھ مسلّم ہیں۔ جیسا کہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۰۸، خزائن ص ۳۸۰ ج ۲۱ میں ہے:

"اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ زبان عرب کا ایک بے مثل امام جس کے مقابل پر کسی کو چون وچرا کی گنجائش نہیں یعنی علامہ زمخشری۔"

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے فتویٰ دے دیا ہے کہ علامہ زمخشری کے بالمقابل کسی کو چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا میں دیکھوں گا کہ مرزائی صاحبان کہاں تک مرزا قادیانی کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

اساس البلاغۃ ص ۳۰۴ ج ۲ "ومن المجاز توفی وتوفاه الله ادركته الوفاة" یعنی توفاہ اللہ کے معنی ادرکتہ الوفات کے مجازی ہیں۔ ہماری خوش قسمتی اور مرزائیوں کی بدقسمتی سے حسب الاتفاق علامہ کی اس عبارت میں فاعل اللہ اور مفعول ذی روح اور فعل توفی بھی ہے مگر پھر تصریح فرمارہے ہیں کہ توفاہ اللہ کے معنی موت کے مجازی ہیں۔ مرزائیو! خدارا اپنے نبی کے قول کی تو لاج رکھو اور اب تو شائع کر دو کہ توفاہ اللہ کے معنی امات کے مجازی ہیں تاکہ کسی کے تو مقتدی کہلاؤ۔

ایک مشہور مرزائی مصنف کی قابل ذکر ایمان داری

اس مقام پر مجھے بہت تاسف کے ساتھ میاں خدا بخش مرزائی مصنف عسل مصفی کی ایمانداری کا حال بھی تحریر کرنا پڑتا ہے۔ ان حضرت نے جب اپنی کتاب میں اس عبارت کو درج کیا ہے تو شاید انہیں مرزا قادیانی کا فتویٰ بھی یاد آگیا ہے۔ لہٰذا اگر پوری عبارت نقل کر دیتے تو توفی کا معنی موت مجازی ہونا ثابت ہو جاتا جس کے مقابل پر حسب فتویٰ مذکور مجھ

چونکہ وہاں اس کی گنجائش نہ رہتی تو اب یہ سہل صورت یہ ایجاد کی کہ علامہ کی اس عبارت کو کاٹ تراش کر وہ "من المجاز" کا لفظ ہی حذف کر دیا اور بعد کی عبارت نقل کر دی جس میں یہ تھا کہ توفی کے معنے موت ہے اور جس جملہ میں اس معنی کا مجازی ہونا مصرح تھا اسے شاید غایت دیانت کے باعث نقل نہیں کیا۔ شاباش مرزائی جیسی کتنے مرزائیو! اپنے دیانت داروں کا حال دیکھو اور اب بھی راہ راست پر آجاؤ اور خوب سمجھ کہ اگر تم میں حق پر پردہ ڈالنے والے زندہ ہیں تو اسلام میں اس پردے کو ہٹا کر مرزائی ایمان کی ننگی تصویر بھی پیش کر دینے والے موجود ہیں اگر کوئی قادیانی یا لاہوری اس مشہور مرزائی مصنف کی اس بددیانتی کو غلط ثابت کر دے تو اسے ایک سو روپے انعام ملے گا۔ " فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار۔ "

الحاصل جبکہ ہم نے توفی بمعنی موت ہونے پر علامہ زمخشری جیسے شخص سے مجاز ہونے کی تصریح پیش کر دی ہے۔ اس لئے اس کے مقابلہ میں جب تک کسی ایسے ہی شخص کی عبارت پیش نہ کی جائے جس نے ان معنوں کا حقیقی ہونا تسلیم کیا ہو اثبات مدعی خواب و خیال سمجھنا چاہئے۔

(۳) یہ بات مسلم ہے کہ اضداد کا تمایز تقابل سے بہت نمایاں طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً خوبصورتی کو بدصورتی کے مقابلہ میں رکھو تو کھلا ہوا امتیاز ہو جائے گا کہ یہ شے اور ہے اور یہ اور۔ اسی طرح ظلمت اور نور، الم و سرور، انس و نفور، خاکساری و غرور کے معانی کا تمایز عند التقابل علی وجہ الکمال ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر محقق کہتا ہے: " بضدھا تتبین الاشیاء۔ " و علی ہذا اگر توفی بمعنی موت حقیقت ہے تو ہمیں قرآن کی تتبع سے معلوم کرنا چاہئے کہ کیا قرآن نے کہیں حیات اور توفی کو متقابل ٹھہرایا ہے۔ پس اگر صرف قرآن سے ثابت ہو جائے کہ اکثر مقامات حیات کے مقابلہ میں توفی کو رکھا گیا ہے تو پھر توفی کا بمعنی موت ہونا بے شک قابل غور ہوگا۔ کیونکہ حیات کا متقابل تام موت ہی ہے اور اگر توفی کو بجز مقامات پر حیات کا متقابل نہ ٹھہرایا گیا ہو بلکہ بجائے توفی کے موت کو حیات کے بالمقابل رکھا گیا ہو تو یہ امر بالبداہت واضح ہو جائے گا کہ توفی بمعنی موت نہیں ہے۔ اب میں ذیل میں ان آیات کو نقل کرتا ہوں۔ جس میں توفی اور موت کے متقابلات کو ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) : "یُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۔ الحدید آیت ۱۷"

(۲) : " هُوَالَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۔ المومن آیت ۶۸"

(۳) ۔۔ : " کِفَاتًا ۔ اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا ۔ المرسلات آیت ۲۶"

(۴) : " یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ۔ الجاثیہ آیت ۲۶"

(۵) ۔ " هُوَاَمَاتَ وَاَحْیَا ۔ النجم آیت ۴۴"

(۶) ۔۔ : " لَایَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ۔ الاعلیٰ آیت ۱۳"

(۷) ۔ " یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ ۔ الروم آیت ۱۹"

(۸) ۔ : " وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۔ الروم آیت ۱۹"

(۹) ۔۔ : " وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ" بَلْ اَحْیَآءٌ ۔ البقرہ آیت ۱۵۴"

(۱۰) .... : "اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۔ النحل آیت ۲۱" وغیرہ

اب دیکھئے کہ ان جمیع آیات میں جن کو میں نے صرف بغرض تمثیل نقل کیا ہے۔ حیات کا مقابل موت اور موت کا مقابل حیات کو ٹھہرایا گیا ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ حیات کوئی ایسی شے ہے جو موت نہیں ہے اور موت کوئی ایسا امر ہے جو حیات نہیں۔ اس کے بعد اب توفیٰ کے متقابلات پر نظر فرمائیے۔

(۱) ۔۔ : " وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّادُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ ۔ مائدہ آیت ۱۱۷" (۲) : " اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۔ زمر آیت ۴۲" (۳) ۔۔ : " وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ ۔ حج آیت ۵" (۴) .... : "وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَاجَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ۔ انعام آیت ۶۰" (۵) ۔۔ : " فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْنَتَوَفَّیَنَّکَ .... الخ ۔ مومن آیت ۷۷ ' یونس آیت ۴۶ ' رعد آیت ۴۰" (۶) ۔۔ " حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۔ نساء ۱۵"

اب ملاحظہ فرمائیے کہ سورۂ مائدہ میں توفیٰ کو کونسے مفہوم کے بالمقابل ہو زمر میں موت

وحیات کے مجامع اور حج میں رد الی ارذل عمر کے مقابل اور انعام میں جرح کے مقابل اور مومن یونس ورعد میں اراءۃ کے مقابل اور نساء میں اجل مسمیٰ کے مقابل قرار دیا گیا۔ ان جمیع مقامات میں کسی ایک مقام پر بھی توفے کو حیات کا مقابل قرار نہیں دیا گیا۔ اب ذرا قرآن عزیز کی اس بلیغ تقسیم پر غور فرمایئے کہ زمر تو حیات کے مقابل موت کو رکھا گیا اور توفی کو مقابل نہ بنایا اور ادھر توفی کا مقابل حیات نہ رکھا۔ بعد ان اشیاء کو اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ عرف قرآن میں نہ توفی حیات کا پورا مقابل ہے اور نہ حیات توفی کا بلکہ حیات اور موت مقابل ہیں توفی اور رد الی تعمیر وغیرہ مقابل ہیں۔ اب اگر کہا جائے کہ قرآن شریف میں توفے کا مقابل امور عدیدہ کو کیوں قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مقابل للتوفی فی نفسہ اس قدر عام ہے کہ جس کے افراد کثیرہ ہیں۔ مثلاً انسان کی نقیض لا انسان ہے۔ اب حجر بھی لا انسان ہے اور شجر بھی لا انسان ہے الی غیر ذالک اور یہ سب انسان کے مقابل ہی ہیں اس طرح توفی کے معنی چونکہ پورا لئے جانے یا حق وصول کرنے کے تھے۔ لہذا اب اگر کسی شی کو پورا نہ لیا گیا ہو تو اس کی متعدد صور ہیں جیسا کہ مائدہ میں توفی کا مقابل مادمت فیہم قرار دیا گیا ہے کیونکہ دوام فیہم کے زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام اس معنی کے لحاظ سے غیر متوفی تھے اور زمر میں تو صراحتہً توفی کو موت اور حیات یعنی عدم موت دونوں کے مجامع قرار دے دیا گیا ہے۔ جس سے فیصلہ ہی کر دیا کہ توفی نہ موت کا پورا مقابل ہے نہ حیات کا۔ لہذا توفی اموات اور احیاء دونوں کی لمن مکی کا سمجھیئے تفصیلہ مقربہ اس طرح حج میں "رد الی ارذل العمر" کا مقابل بنایا گیا ہے کیونکہ "من یرد الی ارذل العمر" ظاہر ہے کہ اس معنی سے غیر متوفی ہے۔ ایسا ہی انعام میں جرح غیر توفی ہے کیونکہ حالت جرح میں بھی انسان پورا نہیں لیا جاتا جیسا کہ ظاہر ہے۔ اس طرح سورہ مومن و یونس ورعد میں بھی اراءۃ کو توفی کا مقابل اسی لحاظ سے قرار دیا گیا ہے کیونکہ حالت توفی اراءۃ بعض الذی نعدھم غیر متصور ہے۔ ایسا ہی نساء میں اجل مسمیٰ حالت توفی نہیں ہے بلکہ اجل مسمیٰ عدم توفی کی صورت میں ہی ہے۔ الحاصل تعدد متقابلات توفی مفہوم مقابل کی فی نفسہ کلیۃ کی جہت سے ہے نہ کسی اور جہت سے۔ اس بیان سے ایک حق کے طالب کے لئے یہ امر بداہت کی حد تک پہنچ چکا ہے کہ

عرف قرآن میں ہرگز توفی کے معنے موت نہیں خصوصاً جبکہ ان آیات مندرجہ بالا میں فعل توفی اور اللہ فاعل اور مفعول ذی روح بھی ہے۔ لہٰذا اب اس معانی کی بھی گنجائش نہیں رہتی کہ ان جمیع آیات میں توفی شر اللہ بدا کے بر خلاف واقع ہے۔

(۳)۔ ۔ ۔۔۔یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن عزیز میں باعث کی اسناد علی سبیل الحقیقت سوائے خداوند عالم کے اور کسی غیر کی طرف نہیں کی گئی بلکہ احیاء اور اماتت کو بطور حصر اپنی صفت قرار دیا ہے: "کما قال هو یحیی ویمیت" اسی وجہ سے محی اور ممیت خداوند عالم کے اسماء مختصہ میں سے قرار دیئے گئے ہیں۔ برخلاف اس کے توفی کا فاعل غیر اللہ کو بھی قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ آیات مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں:

(۱)۔۔۔۔: " حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ ۔ نساء آیت ۱۵"(۲)۔۔۔۔: "قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ۔ سجدہ آیت ۱۱"(۳)۔۔۔: "اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔ النساء آیت ۹۷ "(۴)۔۔۔: "تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔ نحل آیت ۲۸"(۵)۔۔۔: "تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ ۔ نحل آیت ۳۲"(۶)۔۔۔: "تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ۔ انعام آیت ۶۱"(۷)۔۔۔۔: "رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ ۔ اعراف آیت ۳۷"(۸)۔۔۔۔: "فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ۔ محمد آیت ۲۷"

ان جمیع آیات میں توفی کا فاعل موت اور ملک الموت اور ملائکہ کو قرار دیا ہے۔ پس موت کا فاعل سوائے اپنی ذات کے کسی غیر کو قرار نہ دینا اور توفی کا فاعل غیر اللہ کو بھی بنا دینا ضرور اپنے اندر کوئی مخفی راز رکھتا ہے۔ مرزائی معنے کے مطابق یہ تقسیم اس معجز کلام میں محض اتفاقی اور بے سود ہے اور ہمارے بیان کی رو سے اس میں بھی قرآن شریف کی ایک معجز نما صداقت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ توفی کے معنے ہمارے نزدیک لے لینے کے ہیں اور موت فقط توفی کا نام نہیں بلکہ بعد التوفی امساک خداوندی کا نام ہے۔ پس توفی کی جس قدر مراد ہے اس کا فاعل ملک (فرشتہ) بھی ہو سکتا ہے کیونکہ توفی کے معنی لے لینا ہے اور فرشتہ

روح کو حقیقتاً لے سکتا ہے مگر اس کے بعد مسالک یہ فعل مختص بالباری تعالیٰ ہے اور اس میں فرشتہ کو حقیقتاً کوئی دخل نہیں اور موت چونکہ ذی جرم اخیر کا نام ہے۔ لہٰذا موت سوائے خدا کے کسی غیر کی طرف حقیقتاً مسند نہیں ہو سکتی بخلاف التوفی۔ الحاصل قرآن شریف میں لفظ توفی اور موت میں یہ دوسرا امتیاز ہے۔ اول امتیاز تو تعین متعلقات سے واضح ہو چکا اور دوسرا امتیاز تقسیم فاعل سے ثابت ہو گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ توفی اور موت شے واحد نہیں ورنہ قرآن شریف کے یہ بلیغ فروق محض لغو ہوئے جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ توفی بمعنی موت حقیقت نہیں

(۵)... ازالہ اوہام ص ۳۳ خزائن ص ۱۶۵ ج ۲۲ پر مرزا قادیانی حقیقی اور مجازی معنے کیلئے ایک معیار نقل فرماتے ہیں

" ثم اعلموا ان حق اللفظ الموضوع لمعنی ان یوجد المعنی الموضوع له فی جمیع افراده من غیر تخصیص و تعیین "

﴿پھر تم جانو کہ جو لفظ کسی معنے کے لئے موضوع ہو۔ اس کا حق یہ ہے کہ وہ معنی موضوع لہ اس لفظ کے جمیع افراد میں بدون کسی تخصیص اور تعیین کے پائے جائیں۔﴾

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے کسی معنی کے موضوع لہ ہونے کے دو حق بیان فرمائے ہیں اول تو یہ کہ وہ معنی موضوع لہ اس لفظ کے جمیع افراد میں پائے جائیں دوم یہ کہ وہ معنے بدون تخصیص اور تعیین کے مفہوم ہوں۔ آپ اسی معیار کے لحاظ سے لفظ توفی کو بھی دیکھئے اور دیکھتے ہیں کہ مرزائی "موت" توفی کے معنی موضوع لہ قرار دیتے ہیں حالانکہ یہاں دونوں شرط مفقود ہیں کیونکہ توفی کے جمیع افراد میں موت کے معنی نہیں پائے جاتے۔ مثلاً اگر توفی کا فاعل غیر اللہ ہو تو مرزائیوں کے نزدیک توفی کے معنی موت کے نہ ہوں گے۔ اسی طرح دوسری شرط بھی مفقود ہے کیونکہ مرزا قادیانی نے اس معنے کا بدون تخصیص و تعیین مفہوم ہونا لازم کر دیا ہے حالانکہ اسی مقام پر ایک تخصیص بلکہ دو تخصیصیں

ہیں۔ ادھر تو فاعل کی جانب اور ادھر مفعول کی جانب۔ اب بتلایئے کہ جو معنے لفظ کے جمیع افراد میں نہ پائے جاتے ہوں اور بدون تخصیص و تعیین کے مفہوم بھی نہ ہوں۔ وہ کیونکر معنی موضوع لہ ہو سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک بدون کسی تخصیص و تعیین کے توفی کے جمیع افراد میں ایک ہی معنے ہیں جو کہ لے لینا ہیں۔ لہٰذا اس معیار کے لحاظ سے بھی موت حقیقی معنے نہیں بنتے اور لے لینا ہی حقیقی معنے قرار پاتے ہیں:

"لو کانوا یفقھون۔"

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ توفی کے معنے لے لینا ہے

(۴)........اب ہم صراحۃً مرزا قادیانی کی کتاب سے ہی عبارت نقل کئے دیتے ہیں کہ جس جگہ فعل توفی اور فاعل اللہ اور مفعول ذی روح بھی ہے وہاں بھی مرزا قادیانی نے موت کے معنے نہیں کئے ...... شاید معترض حق کی طرف رجوع کرے۔

ملاحظہ ہو براہین احمدیہ ص ۵۱۹ خزائن ص ۶۲۰ ج ۱:

"انی متوفیک و رافعک الی .... الخ" ﴿میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا...... الخ۔﴾

اب ناظرین انصاف کریں کہ کیا بعد از صریح عبارت کے بھی توفی کے حقیقی اور موضوع معنی میں کوئی شک باقی رہ گیا ہے۔ حالانکہ اس مقام پر خدا فاعل بھی ہے اور مفعول ذی روح بھی۔ اگر کہا جائے کہ مرزا قادیانی نے بھی غلطی کی ہے تو ہمیں ایسے نبی کی دعوت سے معذور سمجھا جائے جسے عربی کے ایک موٹے لفظ کے معنی سمجھنے کی لیاقت تک نہ ہو اور اس میں بھی وہ چالیس برس سے زیادہ مدت تک گمراہ رہے اور نہ قرآن کی تیس آیتوں کی طرف غور کرے اور نہ مرزائیوں کے موہوم اجماع کی طرف نظر ڈالے حالانکہ بارہ برس تک دعویٰ وحی بھی کرتا ہو اور خدا اس کی غلطی پر اسے متنبہ بھی کرتا ہے مگر وہ فقط (بزعم خود) گمراہ عوام کے اتباع میں وحی خداوندی کی بھی تاویل کرے احادیث اور محاورہ قرآن کو بھی پس پشت ڈال دے۔ اجماع کی بھی کوئی پرواہ نہ کرے اور ان سارے دلائل قاطعہ کے روبرو

گمراہ عوام کے اتباع میں بیہودی تصور کرے بعد اسی کو طریق انبیاء قرار دے۔

ونعوذ باللہ من خرافات ھذا الدجال و متبعیہ فانھم فی کل وادیھیمون ویقولون مالا یفعلون واللہ اعلم!

قرآن شریف سے توفی کا موت سے مغائر ہونے کا ثبوت اور مرزائی چیلنج کا جواب

"قال اللہ تعالی: اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ..... الخ۔ الزمر آیت نمبر ۴۲"

اے میرے بھٹکے ہوئے دوستو! اور اے سراب خارج کو ماء مصفے خیال کرنے والو! آؤ اور قرآنی آیت: "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔ النساء آیت ۵۹" کے تحت قرآن سے ہی فیصلہ کرا لو۔ میں نے تم کو تحقیق لغت اور تنقیح محاورات تصریحات قرآن اور بالآخر خود مرزا قادیانی کی تصانیف تک سے سمجھا دیا کہ توفی بمعنی موت ہرگز نہیں اور جس شخص نے ایسا کہا اس نے نور کلام کو چھوڑ کر اطراف میں اپنا وقت عزیز ضائع کیا۔ مگر تمہارے نزدیک اگر زمخشری کی تصریح اور ابو البقاء کی تفصیل بھی قابل اعتبار نہیں تو آؤ قرآن ہی کو اپنے سامنے رکھو اور اپنی قسمت کا آخری فیصلہ کر لو پھر یا مؤمن صادق بن جاؤ یا کافر مجاہر رہو۔ لیکن خدارا قرآن کو اپنے تخیل اور باطل پر حضرت کر وجہ اپنے باطل کی قرآن سے اصلاح کرو۔ کیونکہ بعض مرتبہ انسان کو باطل کی محبت نصوص کی تحریف اور صریح کی تاویل پر مجبور کر دیتی ہے۔ پر نیک وہ ہے جس نے قرآن کو اپنے عقائد سے نہیں بلکہ اپنے عقائد کو قرآن سے سیکھا اور سنوارا۔ وبہ نستعین!

یہ امر تو واضح ہے کہ اس آیت شریف میں توفی کی دونوں قسمیں ذکر کی گئی ہیں۔ ایک ان لوگوں کی توفی جو علیٰ شرف الرحیل ہیں اور دوم: "والتی لم تمت" یعنی احیاء کی توفی جس سے کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا کہ توفی کوئی ایسا امر نہیں جو مخصوص بالاموات ہو جیسا کہ

اموات کے متعلق ہوتی ہے۔اس طرح احیاء کے بھی متعلق ہوتی ہے۔لہذا مرزا قادیانی کا یہ سمجھ لیناکہ سارے قرآن میں توفی موت ہی کے معنی میں منحصر ہے محض غلطی اور فاحش غلطی ہے۔کیونکہ اس آیت میں صاف طور سے :" والتی لم تمت "کی بھی توفی موجود ہے۔

نیز آیت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ نوم اور موت میں کیا فرق ہے یعنی ......دونوں حالتوں میں جسم انسانی سے کچھ لے لیا جاتا ہے پھر یا وہ مر جاتا ہے یا اپنی خواہش ظاہرہ سے تھوڑے عرصہ کیلئے معطل ہو جاتا ہے۔انہیں دو حالتوں کا آگے ذکر فرماتے ہیں :" فَيُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ......الخ الزمر آیت ٤٢ "یعنی جو بدن انسانی سے کچھ لے لیتے ہیں اگر اسے بالکل چھوڑا تو موت ہے اور اگر اجل مسمی تک پھر چھوڑ دیا تو نوم ہے۔

الغرض صدر آیت میں احیاء واموات ہر دو کو خدا کی توفی کے ماتحت رکھ کر ذیل میں ان کا فرق ذکر کیا گیا ہے تو لاچار ماننا پڑتا ہے کہ بے شک توفی مرتبہ لابشرط شی میں حیات اور موت دونوں سے مغایر بھی ہے اور جامع بھی ورنہ آیت میں توفی کو منقسم الی التوفی مع الامساک اور مع الارسال ماننا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔کیونکہ اگر توفی کو ہر دو اقسام کے مغایر اور جامع نہ لیا جائے بلکہ موت کا عین کر لیا جائے جیسا کہ مرزائی مدعی ہیں تو پھر تقسیم الشئی الی نفسہ والی غیرہ کا استحالہ لازم آئے گا اور یہ مستلزم ہوگا کہ :" قسم الشئ قسیما له "اور :" قسیم الشئ قسما منه "کو "کما لا یخفی "بھی ضرور ہوا کہ مقام تقسیم میں توفی کو عام ہی لیا جائے تاکہ اس کا مقسم بنادرست ہو سکے۔نیز اگر توفی کو بمعنی موت لیا جائے تو علاوہ استحالات عدیدۃ کے فی نفسہ آیت کا حسن محو ہوا جاتا ہے۔کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ مارتا ہے۔روحوں کو ان کی موت کے وقت اور مارتا ہے جو روحیں ابھی نہیں مریں اور نوم کے وقت .... اب اس مضمون کی رکت اور سخافت ملاحظہ فرمایئے کہ اولاً تو موت کے وقت مارنے کا کیا مطلب ہے کیا کفار نے یہ دعوی کیا تھا کہ خدا موت سے پہلے ہی مار دیتا ہے ؟جس کے جواب میں خدا کہتا ہے کہ خدا مارتا ہے

موت کے وقت .... ناظرین انصاف کریں کہ: "حین موتھا" کو موت کا ظرف قرار دینا کس قدر لغو ہے۔ دوم صدر آیت میں موت مراد لینے کر پھر امساک اور ارسال بالکل غیر مربوط ہوا جاتا ہے کیونکہ امساک وارسال ما قبل میں ذکر اخذ کو مقتضی ہیں اور اس تقدیر پر اخذ کا کہیں تذکرہ نہیں ...... سوم لفظ موت جو مرنے والے ہیں اور جو زندہ رہنے والے ہیں دونوں پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا حالانکہ لفظ: "توفی حین موتھا" اور: "والتی لم تمت" دونوں پر اطلاق کیا گیا ہے۔ چہارم موت کی تقسیم الی الامساک والارسال باطل ہے۔ کیونکہ موت توفی مع الامساک کے مساوی ہے جو کہ توفی مع الارسال کا قسیم ہے۔ لہذا مقسم نہیں بن سکتی۔ پنجم موت چونکہ توفی مع الامساک کا نام ہے۔ لہذا موت کے بعد نہ امساک متصور ہے نہ ارسال حالانکہ فیمسک میں اسی غرض سے لائی گئی ہے تاکہ امساک اور ارسال کی بعدیت اور ترتیب بالنسبۃ الی التوفی ظاہر ہو جائے۔ ششم اگر بعد الموت بھی امساک یا ارسال متصور ہو تو لازم آتا ہے کہ ہر ایک شخص پر موت کے بعد ایک اور موت طاری ہو یا موت کے بعد پھر حیات اسی عالم میں نصیب ہو۔ ہفتم اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ موت ارواح پر طاری ہوتی ہو کیونکہ آیت میں توفی انفس کا ذکر ہے۔ پس اگر توفی بمعنی موت ہے تو لامحالہ انفس کی موت تسلیم کرنا پڑے گی۔ حالانکہ مرزا قادیانی کے نزدیک بھی ارواح پر الی یوم الحشر فنا نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اگر توفی بمعنی اخذ ہو تو پھر کوئی استحالہ نہیں ہے کیونکہ اخذ انفس سے ان کی موت لازم نہیں ہوتی بلکہ موت بعد الامساک ہوتی ہے۔ رہا یہ کہ پھر موتھا میں موت کی اضافت انفس کی طرف کیونکر صحیح ہے۔ تو جواباً گزارش ہے کہ اس کی جواب دہی ہم دونوں فریق پر مساوی ہے کیونکہ مرزا قادیانی کے نزدیک بھی موت کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ روح انسانی بھی معدوم ہو جائے مگر بطور تبرع واسطے نفع خلائق ذکر کرتا ہوں۔ لیکن اس سے قبل ایک مقدمہ عرض کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ انفس کا اجساد کے ساتھ اور اجساد کا جو انفس کے ساتھ جو حال و محل کا علاقہ ہے وہ سب کو مسلم ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح انفس صعود و نزول میں محتاج الی الاجساد ہیں اسی طرح اجساد نقل و حرکت میں محتاج الی الانفس ہیں۔

الغرض جو نفس اور بدن کے علائق ہیں وہ سب پر روشن ہیں اگر مقام میں گنجائش ہوتی تو میں کچھ زیادہ تفصیل سے عرض کرتا مگر سردست اس کو اہل عقل و فہم کے حوالہ کر کے عرض کرتا ہوں کہ یہ باتیں ہر چند احتیاج اس توضیح کو پہنچ چکا ہے کہ افعال جو روح کا اثر روح پر اور افعال روح کا اثر جو روح پر بین طور سے ظاہر ہوتا ہے لہذا جسم کے افعال پر روح کو سزا اور روح کے افعال سے جسم پر مواخذہ ہے۔

پس جبکہ افعال جسم مستند الی الروح اور افعال روح مستند الی الجسم بن سکے تو موت کے جو بحقیقت جسم کے لواحق اور متعلقات میں سے ہے مضاف الی الروح ہونے میں کیا نقص ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اضافہ موت میں ادنیٰ ملابست ہے اور یہ تاویل شمس کی طرح امر حق ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ توفی نفس کے بھی معنے کر لینے چاہئیں تو یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ صدر آیت میں احوال ارواح کا ذکر مقصود بالذات ہے۔ نہ فقط جسم کا اور نہ جسم مع الروح کا۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ذیل آیت میں امساک اور ارسال کا ذکر بھی موجود ہے اور یہ علی الاطلاق روح کے ہی حال بن سکتے ہیں نہ فقط جسم کے اور نہ جسم مع الروح کے۔ الحاصل ان سات وجوہ .... سے ظاہر ہو گیا کہ آیت میں توفی سے مراد اخذ ہے نہ موت اس کی تائید میں ایک حدیث بھی تحریر کرتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ آیت میں کس طرح توفی سے موت مراد نہیں بلکہ اخذ اور قبض ہی مراد ہے۔

صحیح بخاری ج ا ص ۸۳ باب الاذان بعد ذہاب الوقت :

" عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابیه قال سرنا مع النبی ﷺ لیلة فقال بعض القوم لو عرست بنا یا رسول الله قال اخاف ان تناموا عن الصلوة قال بلال انا اوقظکم فاضطجعوا واسند بلال ظهره الی راحلته فغلبته عیناه فنام فاستیقظ النبی ﷺ وقد طلع حاجب الشمس فقال یا بلال این ما قلت قال ما القیت علی نومة مثلها قط قال ان الله قبض ارواحکم حین شاء وردها علیکم حین شاء - الحدیث"

اب ملاحظہ فرمایئے کہ ان اللہ قبض ارواحکم میں جو عام امر بیان کیا گیا ہے جو اللہ یتوفی الانفس میں مذکور ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود آنحضرت نے بھی آیت اللہ یتوفی الانفس میں توفی انفس کو قبض روح سمجھا ہے نہ موت کا ہم معنی۔

الحاصل جبکہ یہ امر قول مقبول ہو چکا کہ توفی سے مراد موت نہیں ہے تو پیغام صلح کے پیچ کا بھی شافی جواب ہو گیا۔ کیونکہ اس مقام پر فعل توفی ہے اور اللہ فاعل بھی ہے اور مفعول ذی روح ہے باوجود اجتماع ان جمیع شرائط کے پھر معنی موت منتفی ہیں۔

(تتمہ جلیلہ) شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف میں نفس کے متعلق کچھ کلام کیا ہے جس سے موت کی اضافت میں ایک لطیف توجیہ نکل آئی۔ اور ادنیٰ ملاحظہ کرنے کی بھی حاجت نہ رہی۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سے جیسا کہ جسم متاثر ہوتا ہے اسی طرح نفس بھی متالم ہوتا ہے۔ وعلی ہذا اضافت علی ظاہرہا ہے۔

آیت دوم۔ ”وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ۔ انعام آیت ۶۰“

یہ اقسام توفی میں سے قسم ثانی ہے جس کو اس مقام پر جرح کے مقابل رکھا گیا ہے۔ یہاں بھی موت مراد نہیں۔ باوجودیکہ جمیع شرائط پائے جاتے ہیں کیونکہ اس مقام پر توفی مع الارسال مراد ہے اور یہ توفی مع الامساک کا مقابل اور قسیم ہے: ”کما مر فناهيك آيتين من آيات الله“

اس کے بعد میں اس جواب کو نقل کرتا ہوں جو خود مرزا قادیانی کے قلم کا نوشتہ ہے۔ مرزائیوں کو لازم ہے کہ کسی اور جواب کے نقل کرنے سے پیشتر مرزا قادیانی کے اس جواب کو صحیح مانیں پھر کوئی نیا جواب اپنی طرف سے تراشیں کیونکہ اپنے نبی سے زیادہ ان کا علم ہے نہ فہم۔ لہٰذا اگر کوئی بہتر ین جواب ممکن ہو گا تو یہی ممکن ہو گا جو مرزا قادیانی نے پیش کیا ہے۔

”دو موخر الذکر آیتیں اگرچہ بظاہر نیند سے متعلق ہیں مگر در حقیقت ان دونوں آیتوں میں بھی نیند نہیں مراد لی گئی بلکہ اس جگہ بھی اصل مقصود اور مدعا موت ہے اور یہ ظاہر

کرنا منظور ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے۔ سوئم دونوں مقامات میں نیند پر توفی کے لفظ کا اطلاق کرنا ایک استعارہ ہے۔ جو بہ نصب قرینہ نوم استعمال کیا گیا ہے۔ انہی صاف لفظوں میں نیند کا ذکر کیا گیا ہے تا ہر ایک شخص سمجھ لے کہ اس جگہ توفی سے مراد حقیقی موت نہیں ہے بلکہ مجازی موت مراد ہے جو نیند ہے۔" (ازالہ اوہام ص ۳۴۲ خزائن ص ۲۶۹ ج ۳)

اس عبارت میں مرزا غلام احمد قادیانی نے تسلیم کر لیا ہے کہ ان ہر دو مذکورہ بالا آیتوں میں بظاہر توفی سے موت مراد نہیں بلکہ نیند مراد ہے۔ ہاں قاعدہ کے مطرد اور منضبط بنانے کے لئے بالآخر نیند کو بھی موت ہی کی طرف راجع کر دیا گیا ہے تاکہ یہ قاعدہ کلیہ کہ "جہاں فعل توفی اور اللہ فاعل اور مفعول ذی روح ہے وہاں بجز موت کے اور کوئی معنے نہیں۔" صحیح بن جائے۔

مگر ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے جو ہم ظاہر معنی کو چھوڑ کر نقلی قاعدہ کے ٹھکانے لگانے کے واسطے موت مراد لیں ہر چند کہ ہمارے نزدیک جو آیت کے صحیح معنی تھے وہ گزر چکے مگر اس مقام پر بحیثیت منکر ہونے کے میرے لئے گنجائش ہے کہ آیت کے تاویلی معنے تسلیم نہ کروں اور بطور احتمال تھوڑی دیر کے لئے جس کو مرزا قادیانی نے ظاہری معنے ٹھہرایا ہے تسلیم کر لوں۔ دوم اس عبارت میں ایک اور امر بھی قابل حل ہے اور وہ یہ کہ ابتدائے کلام میں تو نیند مراد ہونے کی نفی کی گئی ہے پھر چوتھی سطر پر فرماتے ہیں:

"اس جگہ توفی سے مراد حقیقی موت نہیں ہے۔ بلکہ مجازی موت مراد ہے۔ جو نیند ہے۔"

کس قدر تعجب ہے کہ ابھی چند سطروں کا ہی فصل ہونے پایا تھا جو خود اپنے کلام سے رجوع کر لیا گیا۔ میں نے مانا کہ نیند کو مجازی موت مان کر مراد لیا گیا مگر جب نیند اور مجازی موت شئی واحد ہی ہیں تو پھر مجازی موت مراد ہوتے ہوئے نیند کی نفی کیونکر صحیح ہے۔ سوم اس تقدیر پر توفی بمعنی موت ہوا اور موت بمعنی نوم لیا گیا تو اب سوچنا چاہئے کہ کیا آیات قرآنیہ ایسی تاویلات کی متحمل ہیں۔ چہارم اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ توفی آیت مذکور میں بطور استعارہ نوم میں مستعمل ہے تو یہ معنی آیت کے جزو ثانی میں بن سکیں گے نہ جزو

اول میں۔ کیونکہ معنی موت یا کے ساتھ توفی بمعنی نوم کسی طرح درست نہیں۔ کیونکہ اس
تقدیر پر جزء اول میں موت حقیقی کا بیان ہے اور جزء ثانی میں موت مجازی کا۔ پس اگر توفی کو
بمعنی نوم لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ حقیقی موت کے وقت بھی آدمی سویا کرتا ہو۔ غرض جس
قدر اعتراضات کہ توفی بمعنی موت لے کر وارد کئے گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر توفی معنے
نوم لے کر بھی وارد ہیں۔ کیونکہ اگر توفی معنے موت لے کر توفی مع الامساک کی مساوی بن
جاتا ہے تو بمعنی نام لے کر توفی مع الارسال کی مساوی ہو جاتا ہے۔ لہذا اس تقدیر پر بھی بقیہ
اکثر استحالات لازم ہوں گے۔

ایک وہم کا ازالہ

شاید کوئی کہے کہ پیغام صلح میں توفی کے معنے قبض روح کے لئے گئے ہیں نہ موت
کے اور قبض روح موت اور نوم دونوں سے عام ہے تو جواباً گزارش ہے کہ یہ محض ایک وہم
ہے۔ ظاہر ہے کہ مرزائی جماعت اپنے نبی کا خلاف نہیں کر سکتی۔ اور میں پہلے مرزا قادیانی کی
نو عبارتیں نقل کر چکا ہوں جس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ توفی سوائے موت کے اور
کسی معنے میں مستعمل نہیں۔ اس مقام پر ایک حوالہ اور درج کرتا ہوں۔

"بلا شبہ قطعی اور یقینی طور پر اول سے آخر تک قرآنی محاورہ یہی ثابت ہے کہ ہر جگہ
درحقیقت توفی کے لفظ سے موت ہی مراد ہے۔" (ازالہ اوہام ص ۳۳۲، خزائن ص ۲۷۰ ج ۳)

بے شک مرزائی کے کلام میں قبض روح کا لفظ بھی آیا ہے مگر اس سے مراد موت
ہی ہے۔ کیونکہ اگر ان کے نزدیک قبض روح کے دو عام معنے مراد ہوتے تو پھر ہر دو مذکورہ بالا
آیتوں میں صاف صورت یہ تھی کہ توفی سے قبض روح مراد لے لیتے۔ اگرچہ یہ بھی صحیح نہ
تھا مگر تاہم ان رکیک تاویلات سے بمراتب مستحسن ہوتا۔ جو مرزا قادیانی نے جواب میں کیں ہیں۔
علاوہ ازیں مرزا قادیانی کے کلام میں خود تصریح بھی موجود ہے کہ موت اور قبض روح ایک
ہی معنی ہیں۔

"جب عرب کے قدیم و جدید اشعار و قصائد نظم و نثر کا جہاں تک ممکن تھا تتبع کیا

کیا اور گہری تحقیقات سے دیکھا گیا تو یہ ثابت ہوا کہ جہاں جہاں توفی کے لفظ کا ذی روح سے یعنی انسانوں سے علاقہ ہے اور فاعل اللہ جل شانہ کو ٹھہرایا گیا ہے۔ ان تمام مقامات میں توفی کے معنی موت اور قبض روح کے لئے گئے ہیں۔" (ازالہ اوہام ص ۸۸۹، خزائن ص ۵۸۳ ج ۳)

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے موت اور قبض روح کو مترادف مانا ہے۔ کیونکہ اگر قبض روح سے مراد عام معنے ہوتے تو ذکر موت محض لغو ہے۔ کیونکہ اس تقدیر پر موت بھی قبض روح کے افراد میں سے ہے جیسا کہ نوم۔ دوم عبارت یوں ہونی چاہئے تھی کہ: "بعض مقامات میں توفی کے معنے موت کے کئے گئے ہیں اور بعض مقامات میں قبض روح کے۔" مگر عبارت میں تو یہ ہے کہ: "ان تمام مقامات میں توفی کے معنی موت اور قبض روح کے کئے گئے ہیں۔"

اب ظاہر ہے کہ قبض روح سے موت کے علاوہ کسی اور معنی کا ارادہ کیا گیا ہوتا تو تمام مقامات میں موت اور قبض روح مراد ہونا محض باطل ہے کیونکہ جہاں موت ہے وہاں پھر دوسرے معنی جو موت کے مغائر ہوں مراد نہیں ہو سکتے۔

نیز ملاحظہ ہو ازالہ ص ۸۸۹ اس عاجز نے حدیثوں کی طرف رجوع کیا تا معلوم ہو .... آیا یہ لفظ اس وقت ان کے روزمرہ محاورات میں کئی معنوں پر مستعمل ہوتا تھا یا صرف ایک ہی معنے قبض روح اور موت کے لئے مستعمل تھا۔ اب انصاف کیجئے کہ اس عبارت میں کس قدر صاف اور صریح طریق سے مرزا قادیانی نے قبض روح اور موت کو ایک ہی معنی تسلیم کیا ہے جیسا کہ "کئی معنوں کا" مقابلہ بتلا رہا ہے۔ اس لئے میں نے بھی پیغام صلح میں قبض روح سے موت مراد لے کر جواب کی بنا رکھی ہے۔

جب مرید اور مرشد کے کلام میں اختلاف نہ پیدا ہو۔ اس کے بعد یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر قبض روح اپنے عام معنوں کے لحاظ سے لیا جائے تو پھر اس کی نسبت موت اور نوم کی طرف مساوی ہوگی۔ کیونکہ موت اور نوم دونوں میں قبض روح موجود ہے پھر یہ کہنا محض غلط ہوگا کہ موت توفی کے معنی حقیقی ہیں اور نوم غیر حقیقی۔ حالانکہ مرزائی موت کو بمعنی حقیقی اور نوم کو معنی مجازی قرار دیتے ہیں اور اس تقدیر پر یہ کس طرح درست نہیں

کیونکہ قبض روح کی نسبت ۔ ۔ جیسا کہ موت کی طرف ہے۔ اسی طرح نوم کی طرف ہے یعنی اگر موت میں قبض الروح مع الامساک ہے تو نوم میں مع الارسال۔ بہر حال نفس قبض روح دونوں کے ساتھ مقید نہیں پھر کیونکر نوم اور موت میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ لہذا ان مذکورہ بالا وجوہات سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ مرزا قادیانی کی نیت میں قبض روح اور موت میں سوائے اجمال اور تفصیل کے کوئی فرق نہیں اور نہ مرزا قادیانی کے کلام میں قبض روح کو موت سے عام لیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے بھی پیغام صلح کی عبارت میں قبض روح سے موت مراد لے کر جواب دہی شروع کر دی ہے۔

میرا خیال ہے کہ شاید مرزائی جماعت بھی میرے اس خیال کی تردید نہ کرے گی۔ ورنہ اگر اس نے اس طرف اس خیال کی تغلیط کی تو دوسری طرف اس پر واجب ہو گا کہ مرزاجی کی ان جمیع تحریرات کو پہلے ٹھکرا دے جن میں انہوں نے بمعنی موت کی تصریح کی ہے اور اسی معنے کے لحاظ سے اپنے قاعدہ کی کلیت کو بحال رکھا ہے۔ اگر کہا جائے کہ گو مرزا قادیانی کی عبارات میں موت ہی مراد ہے مگر ہم نے جن الفاظ میں دعویٰ پیش کیا ہے کہ اس پر تو اعتراض وارد نہیں ہوتا تو میں عرض کروں گا کہ ایسے معقول اور منقول کو پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے نبی یا مجدد کے سر سے تو اعتراضوں کا انبار اٹھائے۔ اس کے بعد اپنے اختراعی قواعد پیش کرے۔ ورنہ اس میں کیا کمال ہے کہ اپنے نبی کو تو مجرم و ملزم ٹھہرایا جائے اور اپنی برأت ثابت کی جائے۔

علاوہ ازیں میں سوال کرتا ہوں کہ جن الفاظ میں براہین احمدیہ حصہ پنجم سے دعویٰ نقل کیا گیا ہے وہ تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو تم نے آپ ہی اپنے نبی کی تغلیط کر دی۔ اور اگر صحیح ہے تو پھر اعتراضات کی ذمہ داری آپ پر جس حیثیت سے بھی عائد ہو جاتی ہے۔ اگرچہ محض اتباع میں بھی قاعدہ مذکورہ .... سے بحیثیت ایک وصی ہونے کے بھی آپ پر مدافعت ضروری تھی۔ لہذا قبل اس کے آپ اپنے نبی کو اصلاح دیں۔ ان کے اس قاعدہ کی اصلاح کی صورت نکالیے۔ اس کے بعد آخر میں نفس معنے قبض روح پر بھی تھوڑا سا کلام کرنا چاہتا ہوں۔

واضح رہے کہ جس شخص نے توفی معنے قبض روح لیا ہے۔ اسے لزوماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ روح توفی کے معنے میں داخل ہے۔ آیت مذکورہ "اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ الخ۔ الزمر آیت ۴۲" میں چونکہ خود آگے نفس کا لفظ موجود ہے۔ لہٰذا اس سے کوئی احتجاج نہیں ہو سکتا۔ رہا تاج العروس وغیرہ میں توفی الله زیداً کے معنی قبض روح کے لکھ دینا۔ سو اس سے بھی استدلال کرنا نہایت حماقت کی دلیل ہے۔ کیونکہ لغویین کی مراد اس مقام پر قبض روح سے موت ہی ہے۔ نہ وہ قبض روح جو موت اور نوم دونوں سے عام ہے۔ کیا آپ کے نزدیک توفی الله زیداً بدون قیام قرینہ موت اور نوم دونوں سے ساکت ہے۔ پس لغویین نے روح کا لفظ اس لئے اضافہ نہیں کیا کہ یہ مفہوم لفظ کا جزء ہے بلکہ حیعیۃ مفعول میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر خود ذکر کروں گا کہ عام طور پر انسان کی توفی بصورت موت ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا اسی توفی کو قبض روح سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ نیز اس میں بیان ماخذ معنے عام کا بھی مرعی ہے خلاف موت کے کہ یہی مراد ہے: "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ الکہف آیت ۲۹" سوم قبض روح اشتقاق، لغوی کے لحاظ سے اگرچہ عام ہی ہے مگر عرفاً نائم کی روح کو مقبوض نہیں کہا جا سکتا۔ اور جب عام لوگ نیچے محاورہ میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص کی روح قبض ہو گئی تو بجز اس کے مراد موت ہی ہوتی ہے۔ حقیقتاً یا تنزیلاً۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ توفی معنے قبض روح لے کر پھر آیت آل عمران سے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر استدلال کرنا نہایت ضعیف ہو جاتا ہے۔ ہر چند کہ موت کے معنی لے کر بھی تحریف سے کم نہیں مگر میں مرزا قادیانی کی اس تقریر کے لحاظ سے عرض کرتا ہوں جو انہوں نے اپنی تحریر میں کی ہے۔

"سو یاد رہے کہ قرآن شریف صاف لفظوں میں بلند آواز سے فرما رہا ہے کہ عیسیٰ اپنی طبعی موت سے فوت ہو گیا ہے جیسا کہ ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے:" يا عيسى انى متوفيك ورافعك الى (حاشیہ) "معلوم رہے کہ زبان عرب میں لفظ توفی صرف موت دینے کو نہیں کہتے بلکہ طبعی موت دینے کو کہتے ہیں نہ بذریعہ قتل و صلیب یا کسی حادثی عوارض سے ہو" (ملاحظہ ہو [illegible])

"اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ جملہ آیت "وماقتلوہ یقیناً" معہ "وما قتلوہ وما صلبوہ" صرف توفی کے لفظ کی توضیح کے لئے بیان فرمائی گئی ہے کوئی نیا مضمون نہیں ہے بلکہ صرف یہ تشریح مطلوب ہے کہ جیسا کہ متوفیک میں یہ وعدہ تھا کہ عیسیٰ کو اس کی طبعی موت سے مارا جائے گا۔ ایسا ہی تو وہ طبعی موت سے مرگیا نہ کسی نے قتل کیا اور نہ کسی نے صلیب دیا۔"

حاشیہ۔ "چونکہ یہودیوں کے عقیدہ کے موافق کسی نبی کا رفع روحانی طبعی موت پر موقوف ہے اور قتل اور صلیب رفع روحانی کا مانع ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے قول یہود کے رد کے لئے یہ ذکر فرمایا کہ عیسیٰ کے لئے طبعی موت ہوگی۔ پھر چونکہ رفع روحانی طبعی موت کا ایک نتیجہ ہے اس لئے لفظ متوفیک کے بعد رافعک الی لکھ دیا۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم ص ۲۰۹ خزائن ص ۳۸۴ ج ۲۱)

ان عبارات مذکورہ بالا سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ آیت نساء اور آل عمران سے آپ لوگوں کی تفسیر جب ہی چل سکتی ہے جبکہ توفی کو طبعی موت کے معنے میں لیں تاکہ آل عمران میں وعدہ توفی یہودیوں کے بالمقابل بن سکے۔ پس اگر آپ کے نزدیک توفی کے معنی قبض روح ہیں عام اس سے کہ بصورت نوم ہو یا بصورت موت تو پھر انی متوفیک میں موت کہاں سے متعین ہے جائز ہے کہ نوم مراد ہو جیسا کہ مفسرین نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے۔ دوم قبض روح میں یہودیوں کا کوئی رد نہیں نکلتا کیونکہ قتل اور صلیب میں بھی قبض روح موجود ہے۔ لہٰذا آیت النساء اس کی تشریح بھی نہیں بن سکتی۔ سوم جبکہ مرزا قادیانی نے تصریح کردی ہے کہ زبان عرب میں توفی طبعی موت کو کہتے ہیں۔

ملاحظہ ہو حاشیہ براہین احمدیہ پنجم ص ۲۰۹ تو پھر قبض روح کے معنی مراد لینا مرزا قادیانی کی صریح مخالفت کرنا ہے۔ چہارم مرزا قادیانی نے جو بڑی سعی و کوشش کے بعد توفی بمعنی موت ہونے کا طومار پیدا کیا تھا وہ سب کھویا جاتا ہے۔ کیونکہ قبض روح موت سے عام ہے۔ پس توفی کو بمعنی قبض روح لے کر تو آپ کی اصل جڑ یعنی وفات عیسیٰ علیہ السلام ہی کو سخت مضرت پہنچتی ہے۔ اگر اصل توفی بمعنی قبض روح ہوا تو مرزا کی

کے بر خلاف دعویٰ ہے۔ دوم اس تقدیر پر علاوہ ان گزشتہ استحالات کے اور چند استحالات ایسے لازم آتے ہیں جن سے ضروری طور پر مرزا قادیانی اور وفات مسیح علیہ السلام کی تکذیب کرنی پڑتی ہے لہذا میں اس معنی کو وہم سے تعبیر کرتا ہوں اور نہیں خیال کرتا کہ کوئی مرزائی ایسے معنی سے اتفاق کر سکے۔

لیجئے آخر میں ہم آپ کو یہ بھی قرآن شریف سے بتلا دیتے ہیں کہ توفی معنے قبض روح کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

توفی بمعنے قبض روح نہ ہونے کا قرآن شریف سے ثبوت

(۱) "قال تعالیٰ! وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا .... الخ - البقرہ آیت ۲۳۴" اس آیت میں ایک قرأۃ حضرت علیؓ کی یتوفون معروفا بھی ہے۔ اگر توفی بمعنے قبض روح ہو تو پھر آیت کا ترجمہ یوں ہوگا۔ "اور وہ لوگ جو تم میں سے قبض روح کرتے ہیں۔" حالانکہ یہ بداہتہ باطل ہے کیونکہ معلوم ہے کہ دنیا میں خدا نے ہم کو قابض ارواح نہیں بنایا۔ برخلاف اس کے اگر ہمارے بیان کردہ معنے مراد لئے جائیں تو آیت کا مطلب بالکل صاف ہے۔ کیونکہ اس تقدیر پر ترجمہ یہ ہوگا: "اور وہ لوگ جو تم میں سے ہیں۔ چنانچہ اپنی عمر پوری کرتے ہیں ... الخ۔"

چنانچہ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۳ میں اسی آیت کی شرح میں ہے:

" المسئلة اولی "یتوفون معناہ یموتون ویقبضون قال اللہ تعالیٰ (اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا) واصل التوفی اخذ الشئ وافیا کاملا' ویقال: توفی فلان' اذا مات فمن قال توفی کان معناہ قبض واخذ ومن قال توفی کان معناہ توفی اجلہ استوفی اکلہ وعمرہ وعلیہ قراءۃ علی علیہ السلام یتوفون بفتح الیاء"

دیکھئے امام نے کس قدر صاف اور صریح طور سے حضرت علیؓ کی قرأۃ نقل فرما کر اس کے معنے استیفاء عمر و اکل کے لئے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ بھلا کوئی

مرزائی قبض روح کے معنے لے کر حضرت علیؓ کی قراءۃ کا مطلب بیان تو کرے؟ اور اگر نہ بیان کر سکے اور سمجھ لے کہ بے شک توفی معنے قبض روح لے کر آیت کا مطلب غلط ہو جاتا ہے تو وہ جان لے کہ حضرت علیؓ بڑے فصحاء و بلغاء میں سے ہیں۔ پھر بھی ان کی قرأت معروف ہی ہے۔ پھر کیا اس سے صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن عزیز میں توفی معنے قبض روح کا کلیتہً دعویٰ کرنا سر تا پا غلط ہے۔

"قال تعالی حتی اذا جاءتهم رسلنا يتوفونهم" تفسیر خازن ص ۱۰۲ ج ۲ میں ہے "وقيل ان هذا يكون في الآخرة" "والمعنى" "حتى اذا جاءتهم رسلنا" یعنی: "ملائكة العذاب يتوفونهم" یعنی "يستوفون عددهم عند حشرهم الى النار" تاج العروس شرح قاموس میں ہے کہ اسکا قائل زجاج ہے۔ اب آپ ذرا انصاف فرمایئے کہ زجاج جیسا امام لغت اس آیت کو محشر میں تسلیم کرتا ہے۔ اگر توفی بمعنی قبض روح ہے تو پھر کیا محشر میں دوبارہ روحیں قبض کی جائیں گی اور کیا زجاج جیسا لغت دان ایسی فاحش غلطی کر سکتا ہے۔ اس طرح تفسیر کبیر میں اس قول کو سلف میں سے حسن کی طرف منسوب کیا ہے۔ الحاصل یہ امر قرآن شریف سے بھی ثابت ہو گیا کہ توفی معنے قبض روح کلیۃً غلط ہے ورنہ حضرت علیؓ اور حسن اور زجاج جیسے حضرات پر لغت عرب سے ناواقفیت کا سخت دھبہ لگتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بلکہ معنی حقیقی مطلقاً قبض واحد میں ہے۔

اب اس کے بعد میں مرزائی قاعدہ کا اصل راز کھولنا چاہتا ہوں تاکہ بیچارہ سادہ مسلمان سمجھ لے کہ اس قاعدہ میں نہ کوئی نور ہے نہ صداقت کی کوئی جھلک۔ فقط عوام پر تلبیس ہے اور کچھ نہیں۔

مرزائی قاعدہ کا راز طشت ازبام ہو گیا

اس پر تو قدرے کافی بحث ہو چکی ہے کہ توفی کے لغوی معنی کیا ہیں اور قرآنی کیا۔ لہٰذا اب میں چاہتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توفی کیوں مجاز مع القرینہ ہے اور عوام کی کیوں مجاز مع نفی الموت تاکہ مرزائی قاعدہ کا راز طشت ازبام اور اس کی چھپی ہوئی حقیقت منکشف ہو

جائے۔ اور بنظر انصاف آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی علیہ الناس کی توفی سے متغائر ہی ہونا چاہئے۔ جس سے صاف طور پر آپ پر منکشف ہو جائے گا کہ مرزائیوں کا ایک امر مسلّم پر نظیر طلب کرنا اور تعلی اشتہار دینا محض خداع اور خلاف ہے۔ والله الموافق!!!

واضح ہو کہ آیت: "الله یتوفی الانفس" میں ان دو توفیوں کا ذکر ہے جو بطور عادت ہر بشر سے متعلق ہیں۔ یعنی اخذ مع الارسال اور اخذ مع الامساک اور اسی وجہ سے ان دونوں کو ایک ہی آیت میں جمع فرما کر نفس و دون نفس کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا۔ چنانچہ لفظ انفس مفعول بنا کر تعمیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہر انسان کو ان دو توفیوں کے ماتحت آنا ہے بالفعل یا بالقوة۔ برخلاف اس کے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخصوص توفی کا تذکرہ فرمایا تو پھر خطاب بھی مخصوص کر دیا گیا اور اس تیسری مخصوص توفی کو اپنے اخوین سے منفصل قرار دیا ہے: "کما قال! یعیسیٰ انی متوفیک۔" پس اولاً مصدر بالعلم فرما کر آگے خطاب غیر مشترک ہی رکھا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ وفا اور تمام کا محض عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا ہے۔ نہ کسی اور کے ساتھ۔ پس جبکہ یہ وعدہ عیسیٰ علیہ السلام ہی کے ساتھ مخصوص طور سے ہے تو اب اس کے لئے کسی نظیر کی تلاش کس قدر لغو ہے۔ کیا اگر زید نے صرف عمرو سے ہی کوئی وعدہ کیا ہو تو بکر کو اس امر موعود کے طلب کا حق پہنچ سکتا ہے؟۔ ہرگز نہیں ظاہر ہے کہ جس کے ساتھ وعدہ ہے اس کے ساتھ ایفاء ہونا چاہئے یہ کیا معقول بات ہے کہ وعدہ تو فقط عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو اور اس کا ایفاء عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور نبیوں کے ساتھ ڈھونڈا جائے جن سے اس امر موعود کا وعدہ بھی نہیں کیا گیا تھا ان سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

چنانچہ آیت: "الله یتوفی الانفس" میں غور فرمایئے کہ کس طرح انفس کی توفی بصورت فعل رکھی ہے جو کہ مفید تجدد ہے اور آیت: "یعیسیٰ انی متوفیک۔" میں کس طرح صیغہ اسم فاعل ہے جو کہ مفید وعدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توفی چونکہ ان ہر دو عام توفیوں سے ایک متغائر توفی تھی۔ لہذا علاوہ تغیر سیاق کے لفظ رافعک کا اور

اضافہ فرمایا تاکہ باتصریح معلوم ہو جائے کہ یہ توفی مجامع مع الامساک یا مع الارسال نہیں بلکہ مجامع مع الرفع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے قرآن میں بقول مرزا قادیانی ۲۳ مقامات پر لفظ توفی کا مستعمل ہوا ہے۔ مگر کسی ایک مقام میں بھی توفی کو مجامع مع الرفع نہیں رکھا گیا۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حتیٰ کہ جب نبی کریم کے حق میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ وہاں بھی صرف توفی کا ذکر ہے مگر رفع کا ذکر نہیں: "کما قال: وامّا نرینّک بعض الّذی نعدھم او نتوفّینّک۔ یونس آیت ۴۶" وہاں یہ نہیں فرمایا کہ: "نتوفینک ونرفعنک" تاکہ معلوم ہو جائے کہ اطلاق سے غرض یہی ہے کہ آپ کی توفی کسی نئی شان کی نہیں بلکہ اسی قسم کی توفی ہے جو "اللہ یتوفی الانفس۔" میں بیان فرمائی گئی۔

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن عزیز میں تین قسم کی توفیوں کا ذکر ہے۔

(۱) توفی مع الارسال۔ (۲) توفی مع الامساک۔ (۳) توفی مع الرفع۔ اول کی دو توفیاں آیت "اللہ یتوفی الانفس۔" میں مذکور ہیں جیسا کہ گزرا۔ اور تیسری توفی کا آل عمران میں ذکر ہے جیسا کہ معلوم ہوا۔ چونکہ اول دونوں نوعوں کا جنس النفس سے تعلق بیان فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا ہم نے اسے غیر منقطع اور سنت دائمی تصور کیا اور تیسری نوع کا مخصوص طور پر عیسیٰ علیہ السلام ہی سے وعدہ کیا گیا ہے نہ سارے جہان سے لہٰذا ہم نے اس کو پر مستقل مانا۔ پس کیا ہی بدقسمت ہے وہ شخص جس نے خدا کے خوارق کو عادات اور انعام کو اوہام بنایا اور کیا ہی خوش نصیب ہے وہ جماعت جس نے اس کے احکامات کو اپنے اپنے مقام پر بدوں کج بحثیوں کے تسلیم کیا اور شمالاً تک مشرق و مغرب۔

جب آپ نے یہ سمجھ لیا تو اب سنیے کہ چونکہ مرزا قادیانی بھی اس امر کو جانتے ہیں کہ اہل اسلام کے نزدیک یہ توفی مخصوص طور سے عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہوئی ہے اور کسی کی توفی اس طور سے نہیں واقع ہوئی بلکہ یا نوم کی صورت میں یا موت کی شکل میں ہوئی ہے۔ لہٰذا قاعدہ بنایا کہ جہاں کہیں لفظ توفی ہو اور مفعول ذی روح وہاں ہر جگہ موت ہی کے معنی ہوں گے اور ہزار روپے کا اس پر اشتہار شائع کر دیا۔

"اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا حدیث رسول اللہ ﷺ سے یا اشعار قصائد نظم و

الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۔ بنی اسرائیل آیت ۹۰" (۲) ۔۔۔: "أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۔ بنی اسرائیل آیت ۹۱" (۳) ۔۔۔: "أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا ۔ بنی اسرائیل آیت ۹۲" (۴) ۔۔۔: "أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۔ ایضاً" (۵) ۔۔۔: "أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ ۔ بنی اسرائیل آیت ۹۳" (۶) ۔۔۔: "أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ ۔ بنی اسرائیل آیت ۹۳" (۷) ۔۔۔: "تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۔ بنی اسرائیل آیت ۹۳"

یعنی کفار کہتے تھے کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حتی کہ تو ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کر دے یا تیرے پاس کھجور اور انگور کے باغ ہوں۔ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں یا تو آسمانوں کا کوئی ٹکڑا ہمارے اوپر گرا دے جیسا کہ تو کہتا ہے یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ضامن لے آوے یا تیرے لئے کوئی گھر سونے کا بنا ہوا ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور اس پر بھی ہم تیرے چڑھنے کو نہیں مانیں گے جب تک کہ وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ نازل کرے جسے ہم خود پڑھ لیں۔ اے پیغمبر ﷺ ان کو ان سوالات کے جواب میں یہ کہہ دو کہ میرا رب پاک ہے (کہ کوئی اس پر زور دے یا تحکم کر سکے) میں تو صرف ایک (فرمانبردار) بندہ اور رسول ہوں۔"

اس آیت نے ساری بحثوں کا فیصلہ ہی کر دیا۔ اگر لوگ سمجھیں ظاہر ہے کہ کفار نے اس آیت میں محالات سے سوال نہیں کیا بلکہ ان ہی امور سے سوال کیا ہے جو ان کے زعم میں واقع ہو چکی تھیں یا نبی کریم ﷺ نے اس کا وعدہ دیا تھا چنانچہ زمین سے چشموں کا پھوٹنا "فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۔ البقرہ آیت ۶۰" سے ثابت ہے اور باغوں کا ہونا: "تَبَارَكَ الَّذِي إِن شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّن ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَل لَّكَ قُصُورًا ۔ الفرقان آیت ۱۰" سے ظاہر ہے اور بیت زخرف کا امکان قول خداوند: "وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ وَلِبُيُوتِهِمْ

أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ ۔ وَزُخْرُفًا ۔ الزخرف آیت ۳۴'' سے ظاہر ہے اسی
طرح سقوط سماء کا حال بھی اسی طرح ارشاد ہوتا ہے ۔ '' اِنْ نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ
اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ۔ سبا ۔ آیت ۹ '' اور اتیان خداوند عالم کا بالکل تک
آیت '' هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ ۔ الخ ۔
البقرۃ آیت ۔ ۲۱۰'' میں مذکور ہے اور صعود والی السماء حق عیسیٰ علیہ السلام خود ہے ۔ کما
قال '' وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔ النساء ۔ آیت ۱۵۷ ، ۱۵۸ '' رہا نزول
کتاب سو وہ تورات موسیٰ علیہ السلام کے نزول سے ظاہر ہے الحاصل ان کے سوالات میں
کوئی امر مستبعد اور محال نہ تھا صرف سقوط سماء ایک امر اجنبی معلوم ہوتا تھا لہذا اسی
کے ساتھ کما زعمت لگا دیا ۔ ورنہ جمیع اشیاء ان کے نزدیک ناممکن نہیں تھیں بلکہ واقع تھیں
اس وجہ سے ان کا سوال کیا گیا تھا ۔ یعنی اگر تو رسول ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ جیسا پہلے رسولوں
نے معجزے دکھلائے ہیں تو نہیں دکھلاتا (افسوس کہ آج مرزائی ان امور کو بھی محال سمجھ رہے
ہیں جن کو کفار مکہ تک نے باوجود اس قدر عناد کے ناممکن نہیں سمجھا) ان سب کے جواب
میں آپ ﷺ کو ایک ہی امر کی تعلیم ہوئی ۔ یعنی اے محمد ﷺ فرما دیجئے کہ میں تو بشر اور
رسول ہوں میرے قبضہ میں کچھ نہیں ۔ اگر موسیٰ علیہ السلام نے چشمے جاری کئے یا عیسیٰ علیہ
السلام آسمان پر تشریف لے گئے وغیرہ تو نہ اس وجہ سے کہ ان میں طاقت تھی یا اپنے طوع و
اختیار سے ایسا کیا بلکہ خدا نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا ۔ لہذا اس نے پورا کیا مگر میرے ساتھ
ان امور کا وعدہ ہی نہیں پھر میں کس طور سے آسمان پر جا سکتا ہوں کیونکہ آسمان پر جانا قوت بشری
اور رسل سے خارج امر ہے صرف ایک خدا کے قبضہ میں ہے جسے چاہے لے جائے ۔ الحاصل
جبکہ سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کسی اور شخص سے رفع کا وعدہ ہی نہیں ہوا تو پھر کیونکر ہم
توفی کے معنے قبض جسم دکھلائیں اور کیوں مرزا قادیانی ہم کو ایسے امر پر ہزار روپے کا اعلان دیں
جو ہمارے مسلمات میں سے ہے   میں پھر مکرر باآواز بلند کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک
کسی شخص کی توفی مع الرفع نہیں ہوئی ۔ بجز ایک عیسیٰ علیہ السلام کی اگر خداوند عالم قرآن
عزیز میں کسی اور کی توفی بھی مع الرفع قرار دیتا تو ہم اسے بھی تسلیم کر لیتے مگر ہماری نظر

سے نہ کوئی آیت گزری ہے نہ کوئی حدیث۔ اگر مرزائی تلاش کریں کہ سوائے عیسیٰ علیہ السلام کی کسی اور شخص کی توفی بھی جامع مع الجسد ہوئی ہو تو ہم ان کے بہت مشکور ہوں گے۔ بس اب ایسے امر پر ہزار روپے کا انعام مقرر کرنا جسے بعض لحاظ سے ہم بھی تسلیم کرتے ہوں بالکل ایسا ہے جیسا کوئی شخص کہے کہ اگر مجھے کوئی دوسرا آفتاب دکھلا دے تو میں اسے دو ہزار روپے انعام دوں گا۔ ظاہر ہے کہ نہ دو آفتاب موجود ہوں گے نہ وہ دکھلا سکے گا۔ اسی طرح سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نہ کسی سے خدا نے رفع مع الجسد کا وعدہ کیا ہے نہ توفی قبض جسم کے معنے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے ملے گی نہ دعویٰ نہ یہ بحث ہے۔

ایک ہزار روپے کا چیلنج

لیجئے مرزا کے قاعدہ کے بالمقابل میں بھی ایک قاعدہ پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ اگر فعل توفی رفع کے ساتھ مستعمل ہو اور فاعل دونوں کا اللہ اور مفعول ذی روح ذات واحد ہو تو وہاں صرف اخذ مع الرفع ہی کے معنی ہوں گے نہ کوئی اور معنے۔ اگر کوئی مرزائی سارے قرآن میں ایک مقام پر بھی اس کے خلاف دکھلا دے تو اس کو بلاتامل ایک ہزار روپے انعام ملے گا۔

میرے دوستو! اگر قواعد بنانے سے ہی نبوت ملتی ہے تو آؤ میں تمہیں اور چند مطرد اور منعکس قاعدے بتلاؤں پھر کیا تم مجھے بھی نبی بنا کر پوجا کرو گے۔ معاذ اللہ!

اگر مرزائی اعتراض کریں کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ خداوند عالم نے عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی ایسا وعدہ کیا ہو جو کسی سے نہیں کیا بلکہ ضروری ہے کہ ان سے قبل بھی کسی سے ایسا وعدہ ہوا ہو تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا بھی مسلم نہیں۔

ہر چند کہ یہ اعتراض محض مہمل ہے مگر چونکہ اکثر ان حضرات کی جانب سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے لہذا ایک مقدمہ کی شکل میں اس کا جواب بھی تحریر کرتا ہوں جس کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ جمیع شکوک کافور ہو جائیں گے۔ وبہ التکلان

ایک ضروری مقدمہ

یہ مقدمہ ہر ذی فہم کے نزدیک قابل تسلیم ہے کہ جو ذات خالق السموٰت

وفادار محض یہ ہے کہ ان کے افعال کی حکمت ہم دریافت کر سکتے ہیں اور ان پر کوئی حق اعتراض
رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سب سے پہلا سوال آدم علیہ
السلام کے خلاف پر ملائکہ کی جانب سے کیا گیا تھا ہر چند کہ یہ سوال معترضانہ نظر سے نہیں
بلکہ طالبانہ و سائلانہ طریق پر تھا مگر باایں ہمہ ملائکہ کو پشیمانی اور معذرت سے چارہ نہ کار
ہوا آخر "سبحانک لا علم لنا [illegible] الخ - البقرہ آیت ۳۲" کہنا پڑا لیکن شیطان جو
اس معاملہ کو معترضانہ نظر سے دیکھ کر " خلقتنی من نار و خلقته من طین -
الاعراف - آیت ۱۲" کہا اتفاقیہ ابدالآباد کے لئے مطرود و ملعون ہوا۔ اس ایک ہی واقعہ میں
اہل بصیرت اور اصحاب فہم کے واسطے ایک بڑا سبق ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کو
خالق کے ساتھ کیا معاملہ چاہئے۔ عجب نہیں کہ سوال ملائکہ سے بھی مقصود ہو جیسا
کہ " خلق السموٰت والارض فی ستۃ ایام - الاعراف آیت ۵۴" میں تعلیم کا
راز مضمر تھا۔

الغرض عقل سلیم تسلیم کرتی ہے کہ خدائی شان یہ ہے کہ " لا یسئل عما
یفعل" اور ہماری حالت " وھم یسئلون" ہونی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان بالغیب کو
ایمان بالشہود پر ایک قسم کی فضیلت ہے کیونکہ ان کا ایمان مبنی علی الشہادۃ ہے اور ہمارا علی
الغیب اسی وجہ سے قرآن عزیز میں خصوصیت کے ساتھ مومنین کے اس وصف کو ذکر کیا گیا
ہے " ھدی للمتقین ۔ الذین یؤمنون بالغیب " پس خدائی افعال پر معترضانہ نظر
شیطانی خصلت اور گردن تسلیم کرنا سنت انبیاء علیہم السلام اور شیوہ مومنین ہے۔ یہی
حنیفیت ہے۔

حنیفیت کیا شئے ہے

حنیفیت مقابل کفر نہیں بلکہ نفس اسلام کی ایک خصوصیت ہے جس سے یہی
مراد ہے کہ غیر اللہ کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف متوجہ رہنے پھر یکسوئی دینداری کی طرف میلان
[illegible] چونکہ سب سے اول ہی کل انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ

السلام ہی کی زبان سے ادا ہوا ہے اسی لئے ان کو حنیف لقب دیا گیا۔ "کما قال: انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفاً وما انا من المشرکین۔ انعام آیت ۷۹" پس حنیفیت دراصل وصف تھا پھر ملت ابراہیم کا لقب بن گیا ہے۔ جیسا کہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اسلام کی نسبت دعویٰ کیا ہے۔ الاصل حنیفیت اسلام میں ایک خصوصیت ہے جیسا کہ: "ولکن کان حنیفاً مسلماً۔ آل عمران آیت ۶۷" سے ظاہر ہے۔

رای القدیم حنیفیت تو شاید وصف مختص ہونے کے لحاظ سے ہونا بالکل وجہ سے حنیفیت کو یہودیت و نصرانیت کا مقابل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں قومیں اپنے اپنے قول میں: "انعمت علیہم" میں سے تھیں۔ مگر حنیف نہ ہونے کے باعث مغضوبین اور مغضوب علیہم سے بن گئیں لہذا قرآن مجید میں: "انعمت علیہم" کے بعد "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔" فرمایا تاکہ ان سے احتراز ہو جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ہم مومن اور متبع ملت ابراہیمی جب ہی کہلا سکتے ہیں جبکہ ہمارا غیوب پر ایمان ہو اور قصوں تمثیلوں سے بے سوال و جواب کے بدوں خدائی قصص و کلام کی تسلیم ہو۔

اس کے بعد قرآن عزیز میں تدریجی انقلاب پر اعتراض کفار کی جانب سے یہی منقول ہے "وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔ الزخرف آیت ۳۱" یعنی کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ و طائف کے کسی بڑے رئیس پر کیوں نہ اترا ایک یتیم پر کیوں نازل ہوا ہے۔

مرزائیوں کے نزدیک تو اس سائل کا سوال جس شخص پر مرزا قادیانی کی روح ہو گی بہت عمدہ اور موزوں ہونا چاہئے کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن ایک بڑی قوت ہے وہ تو کسی بڑے شخص ہی کے مناسب ہے۔ جیسا کہ بزعم مرزا قادیانی امت محمدیہ ﷺ میں سوائے ان کے کسی کو نبوت نہ مل سکی مگر یہ رکاوٹ دوری ملی۔ اس اعتراض کی جو وقعت ہوتی وہ آئندہ فرمان عالی سے ظاہر ہے: "(فقال) اھم یقسمون رحمت ربک۔ (بل) نحن قسمنا بینھم معیشتھم ... الخ۔ الزخرف آیت ۳۲" یعنی کیا تیرے پروردگار

کی رحمت وہ تقسیم کرتے ہیں؟۔ ہرگز نہیں بلکہ اپنی رحمت کے ہم تقسیم کرنے والے ہیں۔
اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: " اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ۔ الانعام
آیت ۱۲۴ " یعنی خدا ہی خوب جانتا ہے جس جگہ وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے۔ پس جو تقسیم
کرنے والا ہے وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ملائکہ کے مقابلہ میں کہا تھا
کہ: " اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ البقرہ آیت ۳۰ " آگے وہ ارشاد فرماتے ہیں: " (بل)
نَحْنُ قَسَمْنَا .... الخ ۔ الزخرف آیت ۳۲ " یعنی نبوت اور رسالت تو ایک بڑا امر ہے
زندگی کے سامان جیسے معمولی شے کے بھی ہم ہی تقسیم کرنے والے ہیں تو جیسا کہ تم یہ سوال
نہیں کر سکتے کہ فلاں کو رئیس کیوں بنایا اور فلاں کو غریب کیوں؟ اسی طرح تمہیں اس سوال کا
بھی حق نہیں کہ فلاں کو کیوں نبی بنایا اور فلاں کو کیوں نہ بنایا۔ سب اس وجہ سے ہی کہ خدا ہی
بصفت علم سب سے اعلیٰ ہے اور اس کی شان وہی ہے جو خود اس نے قرآن عزیز میں بیان فرمائی
یعنی: " لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ ۔ الانبیاء آیت ۲۳ " یعنی خدا کے افعال پر
خدا سے کوئی باز پرس کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔

اس مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ معیشت کو بینہم رکھا ہے مگر نبوت کو
نہیں رکھا۔ اس کے بعد تقسیم دونوں کی اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ: " اَھُمْ
یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّکَ ۔ الزخرف آیت ۳۲ " بر خلاف اس کے دوسرے جملہ میں:
" (بل) نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ ۔ " پس اول تو تقسیم رحمت یعنی نبوت سے
اطلاع دی گئی: " اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ۔ الانعام آیت ۱۲۴ " میں
مخصوص افراد کو شایان فرما لیا گیا ہے تاکہ " اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ
النَّاسِ ۔ الحج آیت ۷۵ " میں نبوت کا اصطفاء پر مبنی ہونا مذکور ہوا۔ اس سے مستفاد
ہوا کہ نبوت امت محمدیہ میں بطور فیضان جاری نہیں ہو سکتی۔ اولاً تو اس وجہ سے کہ نبوت
مقسوم رکھی ہی نہیں گئی بلکہ جس امر کی تقسیم بینہم ہے۔ وہ معیشت ہے۔ ثانیاً اس وجہ سے
کہ نبوت ان افراد کو جو خدا کے علم میں ہیں مل چکی ہے۔ بطور اصطفاء نہ بطور کسب لہٰذا کسب بے
کار ہے۔ ثالثاً اس وجہ سے کہ خود قرآن عزیز نے بتلا دیا ہے کہ تقسیم تمام ہو گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا

ہے کہ: " اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ۔۔۔ الخ۔ المائدہ آیت ۳" لہذا کسی جدید قسم کی گنجائش نہیں۔

اس آیت میں اور چند امور قابل غور ہیں پہلے تو یہ کہ دین کا اکمال ذکر فرمایا اور نعمت کا اتمام پھر یہ کہ تکمیل دین میں لکم فرمایا اور اتمام نعمت میں علیکم تو فیکم پہلے سوال کی نسبت گزارش ہے کہ محققین نے تصریح کی ہے کہ کمال حسب الاوصاف ہوتا ہے اور تمام حسب الاجزاء خصوصاً جبکہ یہ دونوں لفظ ایک ہی آیت میں مجتمع ہیں تو پھر تفریق ضروری ہے۔ جیسا کہ شیخ سید محمد آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں فرمایا ہے کہ۔ "اذا اجتمعا افترقاو اذا افترقا اجتمعاو علی ہذا" دین کے ساتھ اکمال ہی مناسب تھا کیونکہ اصول دین جمیع شرائع میں واحد ہی رہے ہیں۔ لہذا دین محمدی میں تکمیل اوصاف کے ہی لحاظ سے رہی مگر نبوت فقط اوصاف کے لحاظ سے کامل نہیں ہوئی بلکہ بلحاظ اجزاء بھی مکمل ہو چکی ہے جو اس مقام پر افراد نبوت سے عبارت ہیں و علی ہذا خاتم النبیین کی لفظ سے مراد لینا کہ آپ ﷺ جیسا کامل نبی اب کوئی نہ ہوگا اور ناقص نبی مدام ہوتے رہیں گے محض غلط ہے۔ کیونکہ ختم نبوت فرع ہے اتمام نعمت کی اور جبکہ اتمام نعمت حسب الاجزاء ہے تو لامحالہ خاتم النبیین باعتبار الافراد ہو گا نہ حسب الوصف جیسا کہ حدیث: "وانا اللبنۃ میں اقامۃ لا افراد" مقام الاجزاء کا ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ جملہ اولی میں باوجود یہ کہ دین کی تکمیل مذکور ہے۔ مگر باایں ہمہ کوئی مرزائی قرآن عزیز کے بعد کسی نئی شریعت کا قائل نہیں ہوا اور جملہ ثانیہ میں حالانکہ تتمیم نعمت مصرح ہے مگر پھر بھی نبوت کو جاری کیا جاتا ہے۔ پس اگر اتمام نعمت کسی جدید نبی کی بعثت کے منافی نہیں ہے تو پھر تکمیل دین کسی جدید دین کے لئے کیونکر مانع ہو سکتی ہے؟ رہا: "اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ" فرمانا نہ "فیکم" یہ اسی مقام پر ہے کہ نظر شریعت میں نبوت جاری نہیں بلکہ مسدود ہے۔ لہذا مقتضاء البیان تمامیت علیہا ہی انسب ہے نہ فیہا الخ مختصر ایک طرف تو تقسیم نبوت کا تذکرہ دوسری طرف اتمام نعمت کا اعلان۔ اس کے بعد خاتم النبیین کی خبر یہ سارے امور بداہت دلالت کرتے ہیں کہ اب آئندہ نبوت جاری نہیں۔

کیونکہ جب تقسیم تام ہو گئی تو اب نہ خلق کی گنجائش ہے نہ عہدہ بندی کی۔ یہ حادث
اقسام خداوندی تقسیم کی تمہید کے بعد حادث ہوئے ہیں۔ لہٰذا محض دخیل ہیں۔ یہ ایک بحث
درمیان میں آگئی جس کی اس مقام پر تفصیل مدنظر نہیں۔ لہٰذا میں اپنے اصل بیان کی طرف
رجوع کر کے کہتا ہوں کہ جب مقدمہ بالا سے یہ امر واضح ہو گیا کہ معیشت جیسی معمولی شی پر
بھی ہمیں بارگاہ خداوندی میں سوال کا کوئی حق نہیں ہے تو نبوت و خصائص نبوت یا کسی اور شے
اہم کی نسبت کیا حق ہو سکتا ہے۔

پس اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور حیات میں لچر پوچ سوالات
اور فلسفیانہ اوہام پیدا کرنا محض شیطان لعین اور کفار کی اقتداء کرنا ہے۔ مرزا قادیانی اور ان
کے متبعین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بارے میں ایک بڑا اشکال یہ بھی ہے کہ
جب ان سے قبل کوئی نبی آسمان پر نہیں گیا تو عیسیٰ علیہ السلام کیسے جا سکتے ہیں؟۔

معزز حضرات! یہ محض ایک مہمل اور احمقانہ سوال ہے کیونکہ اس کا لازم یہ ہے کہ
نبی کریم ﷺ کی خاتمیت کا بھی انکار کر دیا جائے کیونکہ آپ ﷺ سے پیشتر کوئی خاتم نہیں
گزرا۔ قرآن شریف کے معجزہ ہونے کا بھی انکار کیا جائے کیونکہ قرآن سے قبل کوئی کلام معجز
نازل نہیں ہوا۔ شق القمر بھی غیر مسلم ٹھہرے کیونکہ پہلے کسی نے قمر کو شق نہیں کیا۔
معراج بھی ایک افسانہ ہو جائے کیونکہ کبھی کسی کو معراج نہیں ہوئی۔ اسی طرح کوہ طور، ناقہ
صالح علیہ السلام یہ سب امور محض حکایات ہوں کیونکہ نہ کسی نبی کے لئے سوائے موسیٰ علیہ
السلام کے کوہ طور ہوا نہ کسی کے لئے سوائے صالح علیہ السلام کے ناقہ۔ دوم اس اعتراض کا
حاصل یہ ہے کہ کوئی صفت کسی نبی میں جب پائی جا سکتی ہے جب اس کا تحقق نہ صرف
ایک نبی میں بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام میں پہلے ہو گیا ہو کیونکہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و
حیات سے اس لئے انکار ہے کہ ان سے پیشتر کوئی ایسا نبی نہیں گزرا جو مرفوع الی السماء ہو تو
میں عرض کروں گا کہ اگر بالفرض آپ ﷺ سے پیشتر کوئی ایسا نبی گزر بھی جاتا جب بھی عیسیٰ
علیہ السلام کا رفع مرزا قادیانی کے اصول پر قابل تسلیم نہ ہوتا کیونکہ پھر اس نبی میں کلام جاری
ہوگا اور اس کا رفع جب ہی تسلیم ہے جب اس سے پیشتر کوئی نبی آسمان پر نہ اٹھایا جا چکا ہو وہکذا۔

ہیں ایسے مہمل اعتراض کرنا تو ان کی نبوت پر ہی نہیں بلکہ ایمان و عقل پر سخت بدنما داغ کا باعث ہیں۔

دیکھو قرآن عزیز تصریح کرتا ہے کہ " تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۔ البقرہ آیت ۲۵۳ " یعنی یہ رسول ہیں جن میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ پس بعض ان میں سے وہ ہیں جن سے خدا نے کلام کیا ہے اور وہ بھی ہیں جن کے مرتبے بلند کئے تو خود قرآن ہی نے تصریح کر دی کہ فضیلت من کل وجہ کسی کو نہیں سوائے ایک ذات واحد عزاسمہ کے ہاں۔ بعض کو فضیلت کلیہ ضرور ہے مگر فضیلت کلیہ من کل وجہ میں فرق ہے۔ کون نہیں جانتا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے افضل تھے مگر پھر بھی خضر علیہ السلام میں ایک وہ علم تھا جس سے موسیٰ علیہ السلام بے خبر تھے اور کیا قرآن میں نہیں ہے کہ :" وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۔ یوسف آیت ۷۶ " یعنی یہ باب مفاضلہ مخلوق سے نکل کر خالق تک پہنچتا ہے اور ایک خدا ہی کی ذات پر ختم ہے جسے ہر جہت سے جمیع ماسوا پر ایسی فضیلت ہے کہ اس کا افضل کہنا بھی بے ادبی میں داخل ہے کیونکہ مفاضلہ متماثلین میں ہوتا ہے۔ "نہ من لہ مثل و من لیس لہ مثل " تمام انبیاء میں رفع درجات اور فضیلت اور شے ہے اور کسی خصوصیت جزئیہ میں کسی نبی کا کسی سے متفرد ہو جانا امر دیگر بلکہ منطوق قرآن عزیز ہے۔

جیسا کہ :" مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۔ البقرہ آیت ۲۵۳ " سے واضح ہے۔

پس کیا اگر نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کوئی کوہ طور نہ تھا۔ آپ ﷺ کے پاس صالح علیہ السلام جیسی ناقہ نہ تھی یا موسیٰ علیہ السلام جیسا عصا نہ تھا تو آپ ﷺ اس وجہ سے العیاذ باللہ مفضول ہو گئے۔

ہرگز نہیں ۔ کیونکہ دارومدار فضیلت کلیہ کا تقرب ہے نہ عصا ہے نہ کوہ طور ہے اور نہ رفع الی السماء ہے کیونکہ معجزات ہر زمانہ میں احوال کے لحاظ سے مختلف رہے ہیں۔ لہٰذا معجزات سے اگر فضیلت ثابت ہے تو پھر مرزائی جواب دیں کہ کیا مرزا قادیانی نے اپنے

معجزات نبی کریم ﷺ کے معجزات سے سینکڑوں درجہ زیادہ بیان نہیں کئے۔ اگر آنحضرت کے معجزات کی تعداد چند ہزار لکھی ہے تو اپنے معجزات کی تعداد تین لاکھ اور براہین احمدیہ میں ایک کروڑ سے زیادہ بیان کی ہے تو کیا یہ صریح مقابلہ اور دعوی افضلیت نہیں ہے۔

پس اے میرے دوستو! دہریوں کا راستہ چھوڑو اور اہل ایمان کی راہ لو۔ اگر سلامتی درکار ہے۔ کیا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات سے اس لئے انکار ہے کہ ان سے قبل کوئی نبی ایسا نہیں گزرا تھا تو پھر قرآن کے معجز ہونے کا بھی انکار کرو گے یا اس جیسا کلام معجز بھی کوئی اور دوسرا لاؤ گے۔ اگر نہیں تو کیوں خدائی افعال پر اعتراض کرتے ہو اور کیوں اپنے عقلی اعتراضات کی بناء پر رد کرنے کھڑے ہو جاتے ہو۔ اگر خدا نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کیلئے کبھی کوئی امر ظاہر کر دیا تو کیا ضروری ہے کہ ہمیشہ دیسا ہی ہوا کرے۔ یاد کرو جبکہ بنی اسرائیل نے خدا کے بہت سے نبیوں کو قتل کیا۔ پس اگر خدا نے بنی اسرائیل کے آخری نبی کو اپنی اظہار قدرت کی غرض سے مع الجسد اٹھا لیا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ اگر خدا چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے تو اس میں کیا استحالہ ہے؟۔ کیونکہ اب معاملہ قتل کا ختم کرنا تھا۔ لہذا ایک نبی کو اٹھا بھی لیا۔ چنانچہ ان کے بعد پھر قتل کی سنت معدوم ہو گئی۔ لہذا اب عیسٰی علیہ السلام کا مخصوص رفع تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

یاد رکھو کہ ہر بالعرض بالذات کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ پس مخصوص کے باب میں بالذات صرف ایک خدا کی ذات ہے۔ لہذا ہم سے یا کسی سے کیوں ایسے سوالات کئے جاتے ہیں۔ ہماری کیا قدرت ہے کہ ہم جمیع اشیاء کی حکم بیان کر سکیں؟۔ ہمیں تو ایک گھاس کے تنکے کی حکمت بھی معلوم نہیں۔ اتنا سمجھ لینے کے بعد میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ جمیع اوہام مندفع ہو گئے ہوں گے اور آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ توفی کا لفظ جس میں مرزا جی نے ساری عمر صرف کی اور پھر بھی حق تک ان کی رسائی نہ ہوئی آج اس کو اسلام کے ایک ادنیٰ غلام نے کیا حق واضح کر دکھایا۔ اور بتا دیا کہ مدعی نبوت کی ساری کائنات از قبیل اضغاث احلام تھیں۔

ہر چند کہ میرے ذہن میں اس لفظ کے متعلق ابھی کچھ اور بھی فوائد ہیں جن کو

د یہ طوالت ذکر کرنا پسند نہیں کرتا کیونکہ ایک بہ یت کے طالب کے لئے اس اختصار ہی میں کفایت دیکھتا ہوں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

از رشحۂ قلم استاذ الاساتذہ انور الشموس المستنیرہ

حضرت مولانا الحاج المولوی السید محمد انور شاہ صاحب کشمیری

صدر نشین مسند تدریس دار العلوم دیوبند

متعنا اللہ بعموم فیوضہ وطول حیوتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد!

احقر محمد انور شاہ کشمیری عفاء اللہ عنہ اہل اسلام و اہل حق کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہ احقر رمضان سال گزشتہ ۱۳۴۱ھ میں بغرض زیارت والدہ ماجدہ کشمیر گیا تھا وہاں بضرورت شرعی وقتیہ قادیانی فرقہ کے متعلق متعدد تقریروں کا اتفاق ہوا اور اس کا بھی اعلان کیا کہ جو کوئی بعد خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے دعوائے نبوت اور تحدی اور اپنے منکرین کی تکفیر کرے وہ باجماع امت محمدیہ کافر ہے اور جو کوئی ایسے مدعی کے کفر میں تردد کرے وہ بھی قطعاً کافر ہے۔

چنانچہ قادیانی اور لاہوری جماعت نے اپنے اخباروں میں حقیر کی نسبت طعن و تشنیع بھی کی جس کی کوئی پرواہ نہیں۔ احقر جب واپس دار العلوم دیوبند میں حاضر ہوا تو فارغ التحصیل طلبہ اور بعض حضرات مدرسین کو اس جانب توجہ دلائی کہ اس فتنہ عظیم میں اپنا فرض ادا کریں۔

چنانچہ بحمد اللہ وتوفیقہ ان چند مہینوں میں آٹھ دس رسالے تالیف ہو چکے ہیں۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ طبع ہوتے رہیں گے۔

آواز حق

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

الحمدللہ وکفی وسلام علی خاتم الانبیاء - اما بعد!

محدث کبیر مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ کے رسائل کو جمع کرنے کے لئے تگ و دو شروع کی تو الحمدللہ! تمام رسائل عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی کتب خانہ میں موجود پائے۔ البتہ ایک رسالہ ''آواز حق'' کے متعلق ترجمان السنۃ کے مقدمہ میں مولانا آفتاب عالم مدنی نے تذکرہ کیا تھا وہ نہ مل سکا۔ ہفت روزہ ختم نبوت کراچی' ماہنامہ لولاک ملتان' ماہنامہ الجمعیت اسلام آباد میں مخدوم العلماء حضرت مولانا عزیز الرحمن جالندھری دامت برکاتہم نے اعلانات شائع کرائے لیکن کہیں سے جواب نہ آیا۔ دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم اور کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم عمومی' یادگار اسلاف حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری دامت برکاتہم کو دارالعلوم دیوبند عریضہ تحریر کیا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کی فہرست نمبر ۳۳۲ سے ۳۴۹ سے اس کی فوٹو کاپی بھیج دی۔ رب کریم کے فضل سے یوں حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ کے رد قادیانیت پر جملہ رشحات قلم میسر آگئے۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے انتہائی شکر گزار ہیں۔ وہ ہمیشہ ایسے مواقع پر علمی تعاون فرما کر ممنون احسان فرماتے ہیں۔ اس رسالہ کی اشاعت کا باعث کیا تھا اس کی تفصیل رسالہ کے مقدمہ میں موجود ہے۔ احتساب قادیانیت جلد چہارم کا یہ آخری رسالہ ہے جو حضرت قاری محمد عثمان منصور پوری مدظلہ کے شکریہ کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۶/۸/۲۰۰۱ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

مقدمہ

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

الحمد للہ رب العالمین' الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین' خاتم النبین' رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

اما بعد۔ لاکھ لاکھ شکر ادا کیجئے اس خلاق لم یزل کا جس نے ہمیں دین اسلام سے مالا مال کیا اور ہم کو بہترین امت بنایا۔ اس پیارے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے فخر موجودات سرور کونین کو مبعوث فرمایا جس کے وسیلے سے ہم کو اس خالق کا پیارا کلام پہنچا جو بہرصورت ہمارا دستور العمل ہمارا دین اور ہمارا قانون ہے۔ افسوس ہزار افسوس کہ آپ محمد رسول اللہؐ کے امتی اس پیارے کلام الٰہی سے جس میں ہماری بہبودی کے سینکڑوں نسخے موجود ہیں۔ ناواقف ہیں اور ہوتے جا رہے ہیں۔ دیکھئے اور غور کیجئے مسلمانوں کی بے بسی اور بے کسی پر آنسو بہائیے۔ چاروں طرف سے اسلام نرغے میں ہے اور مذاہب باطلہ برابر اپنی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔ مگر مسلمان اور صرف مسلمان اپنے اس اہم فرض سے غافل ہی نہیں بلکہ لاپرواہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باطل پرستوں کے حوصلے بڑھ رہے ہیں اور وہ در پے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ غداری پر آمادہ

ہیں اور عقائد اسلام کی اعلانیہ تخریب و تضحیک میں مصروف اور اسلام کی مقدس روایات کا انتہائی جسارت سے ساتھ استخفاف کر رہے ہیں۔ اٹھئے اور کمربستہ ہو جائیے۔ باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیجئے۔ جان و مال، عزت و آبرو اللہ اور اللہ کے حبیب اکرم خاتم النبیین ؐ کی رضامندی کے لیے وقف فرما دیجئے۔ اسلام غالب دو جہان کا پسندیدہ مذہب ہے۔ دیکھئے کہیں باطل پرستوں کے ہتھکنڈوں سے اسے ضرر نہ پہنچے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ فرمائیے اور غور فرمائیے سلف کے مسلمان کیسے سرفروش اور جانباز تھے۔ رسول اکرم ؐ نے تبلیغ دین کے لیے کیا کیا تکلیف برداشت فرمائیں اور آنحضرت ؐ نے کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کیں۔ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام کو کیسے فروغ دیا اور کس طرح مقابلہ کیا۔ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ علیہم اجمعین حامی دین متین نے حفاظت اسلام کے لیے کیسی کیسی تکالیف کا سامنا کیا۔ مذاہب باطلہ کی کیسی درگت بنائی اور کیسا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام مٹ نہیں سکتا۔ قرآن محرف ہو نہیں سکتا۔ مگر بیٹھتے ہوئے باوجود عقل و خرد رکھنے کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے اور دنیا ہی کے طالب و سرشار رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

ناظرین کرام نہ بھولے ہوں گے کہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ کو تقریب جلسہ میلاد النبی ؐ اندرون بادشاہی عاشور خانہ جس کو تاجران اہل سنت والجماعت سالار جنگ بلڈنگ نے منعقد کیا تھا۔ مولانا الیاس صاحب برنی پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ نے بعنوان ختم نبوت ایک مبسوط تقریر فرمائی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد انجمن احمدیہ حیدرآباد کی جانب سے مولانا موصوف کی تقریر پر چند بے معنی اور لغو اعتراضات ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کئے گئے۔ جس کو راقم نے جناب مولوی ولدار علی صاحب الفت حیدرآبادی متعلم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی خدمت میں روانہ کیا اور استدعا کی کہ یہ تردید جو انجمن احمدیہ کی جانب سے شائع ہوئی ہے اس کا مدلل جواب جامعہ کے کسی استاذ سے مرتب کروا کر فوراً روانہ کیا جائے تا کہ جلد شائع کیا جا سکے۔ مولوی دلدار علی صاحب الفت حیدرآبادی جو جامعہ کے ایک قابل اور سرفروش طالب علم ہیں۔ اس تردید کو حضرت العلامہ مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی خدمت میں پیش فرمایا۔ مولانا موصوف جیسے جلیل القدر عالم اور جیسے مناظر ہیں غالباً تمام ہندوستان میں کوئی شخص آپ کی ذات ستودہ صفات سے ناواقف نہیں۔ حضرت مولانا نے بکمال خلوص و بخیال تحفظ اسلام احمدیوں کی اس تردید کا مکمل جواب بذریعہ مولوی ولدار علی صاحب روانہ فرمایا اور اس کی اشاعت کے لیے اظہار خوشنودی

فرمایا۔ جس کے لیے ہم خلوص دل سے حضرت مولانا موصوف اور مولوی دلدار علی صاحب الفت کی خدمت میں تمام مسلمانان حیدر آباد کی جانب سے ہدیہ ممنونیت پیش کرتے ہیں اور آپ کی اسلام دوستی پر بجان سپاس گزار ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس کی طباعت میں زیادہ تاخیر سے کام لیا گیا اور اس عرصہ میں ہمارے یہاں سے بہت جوابات شائع ہو چکے ہیں۔ جس کے لیے ہم ان اصحاب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس فرض دینی کو ادا کیا ہے اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند رب العزت ان کو زیادہ سے زیادہ مقابلہ کی قوت عطا کرے۔ در آنحالیکہ مسلمانوں کو ہمیشہ ہر وقت مقابلہ کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

چونکہ یہ مضمون مولانا کے قلم باطل شکن کا نتیجہ ہے اس لیے ہم اس کے شائع کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ یہ مضمون جہاں مرزائی خرافات کا مدلل جواب ہے وہاں مولانا نے اس کا خیال بھی رکھا ہے کہ مرزائیت کے خلاف ہمیشہ کام آنے والا مجموعہ ثابت ہو اور امید کرتے ہیں کہ اہل بصیرت اس مدلل جواب کو ملاحظہ کرنے کے بعد حق و باطل کو اچھی طرح پرکھ لیں گے۔ اور رہزن و رہبر میں تمیز کرنے کے بعد قادیانیت کے اس رنگ زمین جال سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔ اللہ جل جلالہ مسلمانوں کو گمراہی سے بچاوے اور باطل کے مقابلہ کی جرأت و قوت عطا فرماوے اور ہم ان اصحاب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں اور بدل و جان ممنون ہیں کہ جنہوں نے رسالہ ہذا کی اشاعت کے لیے نہایت فیاضی سے کام لے کر ایک اہم دینی خدمت انجام دی۔ ہماری صرف ایک آرزو ہے اور اسی کی کامیابی کے لیے ہم خداوند قدوس سے ملتجی ہیں کہ اے رب العزت مسلمانوں کو گمراہی سے بچا اور پھر ان کے دلوں میں وہی جذبہ ایمان پیدا کر اور باطل کے مقابلہ کی جرأت عطا فرما۔ اور تمام مسلمانان عالم کو سچا مسلمان اور تیرے حبیب اکرم خاتم النبیین کا سچا پیرو بنا۔ آمین ثم آمین۔

نصیحت: آخر میں ہم حزب اللہ کے لیے سچی شہادتیں دے کر سرخرو ہوتے ہیں۔ ہاں مرزائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اس قسم کی حرکات سے جو ملک میں فتنہ پیدا کرتی ہیں اور مسلمانوں کے دل کو چوٹ لگتی ہے باز آ جائیں اور سنبھلے رہیں۔ جس کو در حقیقت مرزائی حضرات ہی نے شروع کیا ہے ورنہ ہم حفاظت اسلام کی خاطر مقدور کوشش عمل میں لانے کے لیے مجبور ہوں گے۔

ان مسلسل جوابات کی اشاعت کے بعد مرزائی حضرات نے احساس کر لیا ہوگا کہ حیدر آبادی مسلمان رسول اللہ ﷺ کی ختم المرسلینی کے بعد کسی ایرے غیرے کو نبی نہیں مان سکتے۔

ضروری گزارش: رسالہ ہذا مندرجہ ذیل پتہ سے مفت حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور ہم ناظرین کی خدمت میں ادبا گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس مختصر مفید رسالہ کو ردی یا تمیز کا اشتہار نہ سمجھیں بلکہ پڑھیں اور سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں تاکہ اس کی اشاعت کا مقصد بھی پورا ہو اور خود بھی ماجور و مثاب ہوں۔

خاکسار

محمد فخر الدین رازی

عاق گنج حیدر آباد دکن

نوٹ:- مسودہ کاتب کے پاس جا چکا تھا کہ ہمیں جماعت مرزائیہ کے دو پمفلٹ بعنوان "دعوت قادیانیت پر ہمارے استفسارات کا جواب" اور "ختم نبوت" ملے۔ ناظرین کرام مذکورہ بالا پمفلٹوں کا جواب ہمارے اسی رسالہ میں تلاش کر لیں۔ باقی جو امور تشنہ ہیں ان کا جواب انشاء اللہ بشرط فرصت دیں گے۔ فقط

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆☆ قادیانی زندیق ہیں جو اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام کہتے ہیں اور شریعت کے مطابق زندیق واجب القتل ہوتا ہے۔

☆☆ مرزا غلام احمد قادیانی کی مراقی شخصیت کے کرشمے ہیں کہ وہ عورت سے خود پیدا ہو کر ابن مریم بن گیا۔

☆ ☆ ☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

مسک الختام فی ختم النبوۃ خیر الانام

ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبيين

لمثل هذا يذوب القلب من كمد

ان كان فى القلب اسلام و ايمان

”اگر قلب میں ذرہ بھر بھی ایمان و اسلام ہے تو اس قسم کی باتوں سے قلب مارے غم کے پگھلا جاتا ہے۔“ اس وقت میرے ہاتھ میں جماعت مرزائیہ حیدرآباد کا شائع کردہ ایک مختصر سا ٹریکٹ ہے۔ جس کا عنوان ”ختم نبوت اور جناب پروفیسر الیاس برنی“ ہے۔ اس ٹریکٹ میں اس جماعت نے اپنی قدیم عادت کے موافق سلف صالحین اور مشائخ کرام کی عبارات نقل کر کے ان کے اغراض و مقاصد کے قطعاً برخلاف زہر پھیلایا ہے اور اپنے نزدیک گویا یہ ثابت کر دیا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ہمیشہ اسی طریق پر مسلم بین المسلمین رہا ہے جیسا کہ اس جماعت نے اپنے زعم فاسد میں سمجھ رکھا ہے۔ اس وقت ہم اس مختصر تحریر میں کسی طویل یا مختصر بحث کرنے سے پہلے یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ جب مرزائی مذہب میں خاتم المرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد بھی رسولوں کی آمد جائز ہے تو پھر ختم نبوت کا عنوان ٹھیک اسی طرح بے معنی رہ جاتا ہے جیسا کہ عیسائیوں اور آریوں کا دعویٰ توحید۔ یعنی جس طرح اقانیم ثلثہ مان کر یا مادہ اور روح کو قدیم کہہ کر توحید کا دعویٰ محض لفظی ہے۔ اسی طرح رسولوں کی آمد تسلیم کر کے ختم نبوت کا لفظ بھی صرف مسلمانوں کی دل فریبی کا ایک آلہ ہے اور بس۔ قرآن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شان میں خاتم النبیین کا لفظ اسی درجہ میں اہم اور قابل ایمان ہے جیسا کہ رسول اللہ کا۔ اسی لئے ایک ہی

آیت میں ان دونوں عقیدوں کو بایں طور جمع کر دیا گیا ہے "وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" (احزاب ۴۰) یعنی بیک وقت آپ اللہ تعالیٰ کے رسول بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی۔ بلکہ غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کا ذکر بعض وجوہ سے زیادہ مہتم بالشان ہے۔ کیونکہ مضمون یہ بیان کرنا ہے کہ نبی عربی تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں مگر اس کے بجائے اللہ کا رسول اور نبیوں کا ختم کرنے والا ہے۔ اہل علم اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ جب انبیاء سابقین مردوں کے باپ ہو کر پھر رسول اللہ بھی ہوتے رہے تو معلوم ہوا کہ ان دو باتوں میں تو کوئی تنافی اور عدم ملائمت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر آپ بھی رسول اللہ ہو کر مردوں میں سے کسی کے باپ ہو جاتے تو کیا مضائقہ تھا۔ اس لیے قرآن نے رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین کا اور اضافہ کر کے بتلا دیا کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ خاتم النبیین بھی ہیں۔ اس لیے اگر آپ کے بھی پسری اولاد ہوتی تو جس طرح اسرائیلی سلسلہ میں انبیاء کی ذریت میں نبوت جاری رہی اسی طرح اسماعیلی سلسلہ میں بھی بجائے نبوت مناسب ہوتا۔ حالانکہ آپ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا گیا تھا۔ نفی ابوت اور اثبات ختمیت کے اس ارتباط کو دیکھ کر صحابیؓ بخاری میں فرماتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ کے فرزند اس لیے زندہ نہ رہے کہ آپ خاتم النبیین تھے۔ اگر آپ کے بعد کوئی نبی مقدر ہوتا تو آپ کے فرزند حضرت ابراہیم ضرور زندہ رہتے اور نبی ہوتے لیکن علم الٰہی میں چونکہ تناقض نہیں ہے اس لیے اگر ایک طرف ختم نبوت مقدر ہوا تو دوسری طرف آپ کے لیے پسری اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جانا بھی مقدر ہوا اور اعلان کر دیا گیا کہ انبیاء سابقین کی طرح آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ آپ پر نبوت کا ختم کرنا بھی مقصود ہے۔ انبیاء سابقین چونکہ صرف رسول اللہ تھے مگر خاتم النبیین نہ تھے اس لیے پسری اولاد میں ان کے بیٹے مضائقہ بھی نہ تھا۔ لیکن اس اولوالعزم نبی کے اگر کوئی پسری اولاد بلوغت کو پہنچتی تو اس کی عظمت کے شایان شان یہی تھا کہ سب سے اول اسی کو منصب نبوت سے نوازا جاتا اور یہ نامناسب تھا کہ بنی اسرائیل میں تو انبیاء کی ذریت میں نبوت رہے اور اسماعیلی سلسلہ میں اس افضل ترین رسول کے پسری اولاد رجولیت کی حد کو پہنچے اور پھر نبی نہ ہو۔ یہی باعث تھا کہ انبیاء سابقین نے اپنی ذریت میں بقاء نبوت کی دعائیں مانگی ہیں اور حق تعالیٰ نے بھی انہیں "وجعلنا فی ذریتھما" کی بشارتیں سنائی ہیں مگر اس نے جس کے حق میں قرآن نے "حریص علیکم" ارشاد فرمایا ہے۔ اپنی امت میں ایک نبی کے لیے بھی دعا نہیں کی اور نہ خود حق تعالیٰ نے پہلوں کی طرح اس کو انبیاء کی آمد کی کوئی بشارت دی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ دیگر

انبیاء مقتدر رسول اللہ تھے اور محمد عربی (ﷺ) رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین بھی تھے۔ پھر جس کو خدا نے آخری نبی بنایا تھا وہ کیسے اپنی امت یا ذریت کے حق میں نبوت کی دعا کرتا اور کیسے مناسب تھا کہ اس کی ذریت میں کوئی بلوغت کی حد کو پہنچتا اور وہ ان کا باپ کہلاتا۔ "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین" (احزاب ۴۰)

محمد ﷺ کے لیے یہ مناسب ہی نہ تھا کہ وہ تم میں سے کسی مرد کا باپ ہوتا لیکن وہ اللہ کا رسول اور انبیاء میں سب سے آخر آنے والا ہے۔

"عن عامر الشعبی فی قول اللہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم قال ما کان لیعیش له فیکم ولد ذکر" (رواہ الترمذی ج ۲ ص ۱۵۲ باب التفسیر)

عامر شعبیؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ما کان محمد ابا احد من رجالکم" کا یہ مطلب ہے کہ تم میں اسے لوگو ان کی کسی نرینہ اولاد کا زندہ رہنا مناسب ہی نہ تھا۔

ہمارے اس بیان سے دو امر ظاہر ہو گئے۔ اول یہ کہ صحابہؓ کے نزدیک بھی ختم نبوت کے یہ معنی تھے کہ اب آئندہ کوئی رسول نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے وفات ابراہیمؑ کا انہوں نے یہ تکتہ بیان کیا۔ دوم یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نبوت جاری ہوتی تو اس کے اولین مستحق صحابہؓ کے نزدیک بھی آپ کے فرزند حضرت ابراہیم ہی تھے۔ اسی کو حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ "لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا" (کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۶۹ حدیث نمبر ۳۲۲۰۴)

(اگر حضور کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے تو وہ صدیق اور نبی ہوتے)۔ میرا بیٹا ابراہیم اگر زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا۔ اس لیے کہ جب بنی اسرائیل میں انبیاء کی ذریت میں نبوت رہی تو یہ مناسب تھا کہ آپ کے فرزند کو نبوت ملتی یا حتی کہ کسی بعید پشت میں ظاہر ہوتی اور یہ کیا ہی نامناسب تھا کہ ذریت محمد (ﷺ) سے نکل کر مثلاً مرزائیوں کے خاندان میں جا گھستی۔

اس جگہ اتنا بیان کر دینا اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ سرور کائنات کے وجود نے دیگر انبیاء کی آمد کو روک دیا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ علم ازلی میں جتنے رسول مقدر تھے وہ ایک ایک کر کے سب آ چکے۔ اب ایک دن آخر اس عالم کو ختم کرنا تھا اس لیے آخری دنیا کے لیے وہ رسول جو سب کے آخر میں رکھا گیا تھا بھیج دیا گیا تا کہ اس کی آمد جس طرح رسولوں کی مردم شماری کے ختم ہو جانے کی دلیل ہے اسی طرح قیامت کے قرب پر بھی برہان قاطع ہو جائے۔ یہی مطلب ہے "انا والساعة کھاتین" میں اور قیامت ان دو وسطی اور شہادت کی انگلیوں کی

طرح متصل ہیں۔

(اشارہ کرتا کہ حالانکہ معلوم ہے کہ قیامت آج تک نہیں آئی مگر چونکہ دنیا کی مجموعی عمر کے مقابلہ میں آپ کی بعثت قیامت سے انتہائی قریب رکھی گئی اس لیے اس کو کھا تین سے ادا کیا اور اسی لیے اس آخری رسول کے حق میں (کتب سابقہ میں ایک پیشگوئی ہے اس کی طرف اشارہ ہے) وہ کلام ڈالا جو موسیٰ علیہ السلام کے کانوں میں پڑا تھا۔ کیونکہ مدارج کلام میں یہ بھی ایک آخری مرتبہ ہے اور اس طور پر رسولوں کا آخر آخری کلام تکمیل دنیا کے آخر میں آخر الانام کے لیے مقدر ہوا تا کہ اول کا کمال آخر میں دوبالا ہو جائے۔ اور صباحت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ملاحت محمد ﷺ بھی جلوہ گر ہو۔ اسی مضمون کو صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ایک نہایت خوبصورت اور واضح مثال میں بیان کیا گیا ہے۔

عن ابی هریرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به و یعجبون له و یقولون هلا وضعت هذه اللبنة وانا خاتم النبیین (رواه البخاری فی کتاب الانبیاء ج۱ ص۵۰۱ باب خاتم النبیین و مسلم فی الفضائل ج۲ ص۲۴۸ باب ذکر کونه خاتم النبیین و احمد فی مسنده ج۲ ص۲۵۷ والنسائی و الترمذی ج۲ ص۱۴۳ باب ماجاء مثل النبی والانبیاء و فی بعض الفاظه فکنت انا سددت موضع اللبنة و ختم بی البنیان و ختم بی الرسل هکذا فی الکنز عن ابن عساکر ج۱۱ ص۴۵۱ حدیث نمبر ۳۲۲۸۸۔)

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اس میں ہر طرح سے حسن اور خوبی پیدا کی مگر ایک اینٹ کی جگہ اس کے ایک گوشہ میں چھوڑ دی۔ لوگ اس کے گرد پھرتے رہے اور تعجب کرتے رہے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ لگا دی گئی۔ اب میں وہ اینٹ ہوں اور آخری نبی ہوں۔ بخاری نے کتاب الانبیاء میں اس کو بیان کیا ہے اور مسلم نے اس کو فضائل میں اور احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی کے بعض الفاظ میں یہ بھی ہے کہ میں نے اس اینٹ کی جگہ کو پر کیا اور مجھ سے تعمیر کی تکمیل اور اختتام ہوا اور مجھ سے تمام رسل کا اختتام ہوا۔ کنز العمال میں ابن عساکر سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔

اس تمثیل میں ایک طرف انبیاء سابقین کو رکھا ہے اور دوسری طرف اپنی ذات کو اور

انبیاء لاحقین کا کوئی ذکر نہیں۔ اور اس کے بعد قصر نبوت کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضورؐ کے نزدیک بعد میں کوئی رسول آنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے "مثلی و مثل الانبیاء من قبلی" فرما کر گویا تصریح کر دی کہ من بعدی کوئی رسول نہیں۔ یہ نکتہ ہمیں انہیں شیخ محی الدین عربی سے ہاتھ لگا ہے جن کا ذکر قیر نے بکثرت صاحب نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "واعلم ان لنا من الله الالهام لا الوحی فان سبیل الوحی قد انقطع بموت رسول الله صلی الله علیه وسلم وقد کان الوحی قبله ولم یجئی خبر الٰهی ان بعده (ﷺ) وحیا کما قال الله تعالیٰ و لقد اوحی الیک و الی الذین من قبلک و لم یذکر وحیا بعده" (فتوحات مکیہ ج ۳ ص ۲۳۸ باب ۳۵۳)

(ترجمہ) یاد رہے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب الہام کا سلسلہ باقی ہے نہ کہ وحی کا۔ کیونکہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ منقطع ہو گیا۔ ہاں پہلے وحی تھی اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ کہیں نہیں آیا کہ آپ کے بعد وحی ہے۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ "آپ کی طرف اے رسول وحی بھیجی گئی اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف اور آپ کے بعد وحی کا ذکر نہیں کیا۔" حدیث مذکور ادھر بھی اشارہ کرتی ہے کہ آپ کا آخر میں آنا اس لیے مقدر ہوا کہ جو بے رونقی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہونے کی وجہ سے اس قصر میں ہو گئی تھی وہ اس آخری نبی کی وجہ سے پوری ہو جائے۔

یاد رکھو اب خدائی عزت کسی کو موقع نہیں دے گی جو لبنہ محمدیؐ کے بعد اس قصر کا مکمل کہلائے۔ تکمیل کے بعد تخریب تو ممکن ہے لیکن تکمیل ممکن نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا توڑنا تو ممکن ہے مگر اس کا کھولنا ممکن نہیں۔ پھر کون ہے جو ختم محمدی ﷺ کو توڑ کر قصر نبوت میں آ سکتا ہو اور کون ہے جو قصر نبوت کی تکمیل کے بعد اس کی ترمیم کا مدعی ہو۔ والعیاذ باللہ جس کو خدا تعالیٰ نے آخری نبی کہا ہے وہی آخری نبی ہے۔ پھر کون ہے جو بعد میں نبوت کا دعویٰ کر کے آخری نبی بننے کا ارادہ رکھتا ہو۔ امم سابقہ کے پاس بہت سے رسول بھیجے گئے۔ پر وہ جس نے قصر نبوت کی تکمیل کی اسی امت مرحومہ کو نصیب ہوا۔ پھر کیا وہ امت جس کا رسول خاتم الانبیاء جیسا رسول ہو نبوت کی قسمت سے محروم کی جا سکتی ہے۔ کیا وہ امت جس میں شرکت کی تمنا انبیاء رکھتے ہوں بدقسمت ٹھہر سکتی ہے۔ محروم وہ ہیں جنہیں اپنی رسالت عامہ تامہ کے بعد رسالت کی تمنا ہے۔ بدقسمت وہ ہیں جنہیں اپنے آقا کی ہمسری کا ولولہ ہے۔ کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۳ حدیث نمبر ۳۲۸۸۵ میں

ہے۔ "عن الحسن مرسلاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا رسول من ادرکت حیا و من یولد بعدی رواہ ابن سعد" میں موجودین اور بعد میں آنے والوں کا سب کا رسول ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک سلسلہ رسالت جاری تھا اس وقت تک رسولوں کو مخصوص قوم اور مخصوص زمانہ کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ لیکن جب نبیوں کا ختم کرنے والا آیا تو پھر اس کی نبوت کو نہ کسی قوم سے مخصوص کیا گیا نہ کسی زمانہ سے بلکہ قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا تاکہ جس طرح وہ ان موجودین کا رسول کہلائے اسی طرح بعد میں آنے والوں کا بھی رسول ٹھیرے اور کسی پھوٹنے والے حصہ سے یہ نہ نکل سکے کہ وہ نبوت سے محروم ہے۔ مگر مرزائی کب باز آنے والے تھے آخر کار قادیان میں ایک اشتہاری نبی بنا ہی لیا۔ یہ سچ ہے کہ نبوت کوئی زلزلہ نہیں ہے کہ لوگ اس سے گھبرائیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جب تک زلزلہ آ کر یہ قصر نبوت گر نہ جائے اس وقت تک کسی نبوت کے لیے جگہ بھی خالی نہیں اور اگر یہی دلیل اجرائے نبوت کی ہے تو پھر نبوت تشریعیہ بھی کوئی زلزلہ نہیں ہے۔ لہٰذا قادیان کے سجادہ نشین کو چاہیے کہ وہ شریعت جدیدہ کا بھی دعویٰ کر دے۔ آخر جب نبوت کی جڑ ہی ہے تو وحی جدید سے کیوں بیزاری ہے۔ اور اگر کامل دین کے بعد کوئی دین نہیں ہے تو کامل نبی کے بعد کوئی نبی کیوں ہو۔ خدا ان فتنوں میں تشتت اور اس جماعت میں تفرق اور ان دیار کی تدمیر کرے جن میں خدا کے رسول کے خلاف بدگوئی اور سرگوشیاں ہوتی ہیں اور توہین نبی پر تعظیم نبی کا لفظی ملمع چڑھا کر مسلمانوں کی فریب دہی کے منصوبے گانٹھے جاتے ہیں۔

قرآن عزیز کے اس معجز بیان پر سو مرتبہ قربان ہو جائیے جس نے اس امت کو "خیر امۃ" کہا۔ مگر اس لیے نہیں کہ اس میں بہت سے نبی ہوں گے۔ اگر اس لیے یہ امت خیر امت ہوتی تو بنی اسرائیل اس سے پہلے اس لقب کے مستحق تھے کہ جتنے رسول ان میں ہوئے اگر قادیان کا سجادہ نشین "اھدنا الصراط المستقیم" کی دعا مانگ مانگ کر فنا بھی ہو جائے پھر بھی اتنے تو کیا ایک بھی پیدا نہ ہوگا۔

ہاں۔ انہی دعاؤں کے بعد جبکہ خیر القرون گزر گیا۔ شیدائی محمدی اپنی جانیں قربان کر کے جام شہادت نوش کر گئے۔ اولیاء اللہ ایک سے ایک ریاضت کرنے والے اپنی عمریں ختم کر گئے کہ دفعۃً مختاری کے امتحان سے ایک شخص نبوت کے امتحان میں جا پاس ہوا۔ ہر چند کہ اس کے مریدین میں ابھی اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ محض مجدد تھا۔ کوئی کہتا ہے سچ مچ نبی تھا۔ مجھے اس

کے آنے ہی یہ امت خیر امت بن گئی اور بدقسمت خوش قسمت ہوگئی۔ اور ہے۔ اگر اجرائے شریعت سے کوئی نبی ہو جایا کرتا تو اے عقل و دین کے دشمنو! سب سے اول ابوبکرؓ ہوتا۔ عمرؓ ہوتا۔ عثمانؓ ہوتا، علیؓ ہوتا، مگر سرکار دو جہاں نے کیسے پیار کے وقت کیسی محبت کے وقت حضرت علیؓ سے فرمادیا کہ

"انت منی بمنزلة هارون من موسی، الا انه لا نبی بعدی"

(مشکوٰۃ ص ۵۶۳ باب مناقب علی بن ابی طالبؓ)

اے علیؓ تو میرا ایسا ہی نائب ہے جیسے کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔ مگر میرے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی۔ اس لیے ہارون علیہ السلام تو نبی تھے لیکن تو نبی نہیں ہے۔ اور صاف فرمادیا کہ "الا انه لا نبی بعدی" خیال فرمائیے کہ صرف اس تشبیہ سے حضرت علیؓ کی نبوت کہاں ثابت ہوتی تھی لیکن سرکار دو جہاں نے اس وہم کا بھی ازالہ کردیا اور فرمادیا "الا انه لا نبی بعدی" اس پر بھی ایسے اغبیاء کی جماعت موجود ہے جس کی سمجھ میں ہنوز کچھ نہیں آیا۔ الغرض جبکہ قرآن اس امت کو دوسری امتوں پر فضیلت دے رہا تھا تو اس نے یہ نہیں کہا کہ اے امت محمدیہ تو اس لیے خیر امت ہے کہ پہلی امتوں میں ہم نے اگر سو نبی بنائے ہیں تو تجھ میں دو سو بنائیں گے۔ بلکہ یوں فرمایا۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله (آل عمران ۱۱۰)

تم تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہو تمہیں اس لیے بنایا گیا ہے کہ لوگوں کو اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دو اور بری باتوں سے منع کرو۔ اور اللہ پر ایمان رکھو۔

یعنی تیری خیریت امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور ایمان باللہ کی وجہ سے ہے اس لیے اب تو میں یوں کہتا ہوں کہ اس آیت سے تو بجائے فتح باب نبوت کے ختم نبوت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر اس امت میں نبوت جاری ہوتی تو اس کی خیریت بیان کرنے میں سب سے پہلا نمبر اس امت کی نبوتوں کا ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس کے بعد میں دوسرے اوصاف کا ذکر مناسب تھا۔ حالانکہ یہاں صرف امر بالمعروف، و نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کا ذکر ہے کیونکہ جو ترقی اس امت کو نصیب ہے ان سے بقیہ امم محروم ہیں جیسا کہ عنقریب ظاہر ہو جائے گا۔ اس تقریر سے ثابت ہوگیا کہ "اهدنا الصراط المستقیم" کی دعا بھی اس لیے ہرگز تعلیم نہیں دی گئی کہ لوگ اس کے ذریعے نبی بنا کریں ورنہ تو بقول مرزائی صاحب ذات باری پر شدید الزام آئے

گا کہ دعا کا نتیجہ و ثمرہ نہیں عطا فرمایا جاتا تھا تو دعا کے سکھلانے کا فعل عبث کیوں کیا گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس دعا کا مقصد عطاء نبوت ہوتا تو جس طرح اس امت میں لاکھوں صدیق اور کروڑوں شہداء و صالحین پیدا ہوئے اسی طرح کم از کم ایک ہزار تو نبی بن جاتے۔ مگر یہاں تو اس فہرست میں صرف ایک ہی نام بطور ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ اور افسوس یہ ہے کہ وہ بھی زیر اختلاف ہے۔ اب مرزائی بتائیں کہ جب تیرہ سو سال کی دعا کا نتیجہ یہ نکلا تو یہ امت خیر امت رہی یا شر امت۔ علاوہ ازیں اگر اس آیت میں نبوت ہی کی دعا ہے تو پھر خود سرور دو جہاں ﷺ نے اس دعا کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ (معاذ اللہ) کیا آپ کو بھی نبوت حاصل نہ تھی۔ اگر حاصل تھی اور سب سے افضل حاصل تھی تو دعا کس امر کی مانگتے تھے۔ یہ بھی عجیب دعا ہوئی کہ جو تیرہ سو سال سے چیخ چیخ کر مانگ رہے ہوں ان کی تو قبول نہ ہو اور مسیح کی بلا مانگے قبول ہو گئی ہو اور وہ اس کے بعد بھی مانگتا ہی رہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی کو حکومت برطانیہ وائسرائے بنادے مگر اس کی درخواست یہی باقی رہے کہ مجھے وائسرائے بنادیجئے۔ سوچو کہ ایسے شخص کو کیا کہو گے۔ لہٰذا اگر اس آیت میں نبوت حاصل ہونے کی دعا ہے تو آپ کی شان والا پر بہت بڑا الزام عائد ہوتا ہے۔ کسی کے دل میں کوئی ذرہ ایمان کا باقی ہے کہ ایسی خود ساختہ تفاسیر سے توبہ کرے؟ اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب منعم علیہم کے قرآن نے چار گروہ بیان کیے ہیں یعنی نبیین، شہداء، صدیقین اور صالحین تو پھر آپ کو صرف خاتم النبیین کیوں کہا گیا۔ خاتم الشہداء، یا خاتم الصدیقین، خاتم الصالحین کیوں نہیں کہا گیا۔ مرزائی لٹریچر میں تو ختم نبوت نبی بنانے کے لیے تھی ہے تو کیا شہادت اور صلاح اور صدیقیت بلا آپ کی مہر کے ممکن ہے؟ اس لیے ضرور تھا کہ جس طرح آپ کو خاتم النبیین کہا گیا تھا اسی طور پر خاتم الصالحین بھی کہا جاتا۔ تا صاف معلوم ہو جاتا کہ ہر نعمت آپ ہی کے دامن کے نیچے مستور ہے۔ اس امر کو حل کرنے کے لیے کہ آپ کو خاتم علی الاطلاق کیوں نہ کہا گیا اور آپ کی خاتمیت کو صرف انبیاء کے ساتھ مقید کیوں کیا گیا ہے۔ پہلے ہمیں لفظ "خاتم" پر بحث کرنا ضروری ہے۔

آیت مذکورہ میں دو قراءتیں ہیں۔ اول بکسر تاء دوم بفتح تاء۔ جمہور کی قراءت بکسر تا ہے جیسا کہ شیخ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "وقرأ الجمهور خاتم بكسر التاء على انه اسم فاعل اى الذى ختم النبيين والمراد به آخرهم" (جمہور کی قراءت خاتم اسم فاعل تا کے زیر سے ہے یعنی جو ختم کرنے والا ہے انبیاء کا مراد ہے کہ آخری نبی ہے)۔

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۲ زیر آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم)

اسی طرح علامہ جریر الطبری لکھتے ہیں کہ حسن اور عاصم کے علاوہ تمام قراء خاتم بکسر تا پڑھتے تھے۔ (ج ۲۲ص ۱۲)

یہ امر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اختلاف قراءات کی وجہ کسی مسئلہ یا عقیدے کا اختلاف نہیں ہوتا بلکہ قرآن چونکہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے بھی ویسا ہی محفوظ ہے جیسا کہ معنی کے اعتبار سے۔ اس لیے جس صحابی نے جو قراءت اختیار کی وہ محض اس بناء پر کی کہ ان کو یہی قراءت پہنچی تھی لہٰذا انہی الفاظ کو محفوظ رکھنا اس نے اپنا فرض منصبی سمجھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔

”عن علقمة قال قدمنا الشام فاتانا ابوالدرداء فقال افیکم احدیقراء علی قراة عبدالله فقلت نعم انا قال فکیف سمعت عبدالله یقراء هذه الآیة "واللیل اذا یغشی" قال سمعته "واللیل اذا یغشی والذکر والانثی" قال وانا والله هکذا سمعنا رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرء ها، ولکن هؤلاء یریدون ان اقراء "وماخلق" فلا اتابعهم۔“

حضرت علقمہؓ سے مروی ہے کہ ہم ملک شام آئے تو ہمارے پاس حضرت ابو درداء تشریف لائے۔ پوچھا کہ کیا تم میں کوئی حضرت عبداللہ کی قراءت کے موافق قراءت کرنے والا ہے میں نے کہا۔ ہاں میں ہوں۔ انہوں نے کہا بولو تم نے عبداللہ کو یہ آیت "واللیل اذا یغشی" کس طرح پڑھتے ہوئے سنا۔ کہا میں نے اس طرح سنا ہے کہ "واللیل اذا یغشی والذکر والانثی" انہوں نے کہا کہ قسم خدا کی میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ لیکن یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ میں اس طرح پڑھوں کہ "وماخلق الذکر والانثی" تب میں ان کی اتباع نہیں کروں گا۔

دیکھئے "والذکر والانثی" اور "وماخلق الذکر والانثی" میں اختلاف کسی عقیدے یا مسئلہ کی بناء پر نہ تھا۔ کیونکہ مراد دونوں کی ایک ہی ہے بلکہ وجہ وہی تھی کہ جو لفظ پہنچا وہ اسے ہی محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ خواہ وہ جمہور کے موافق رہے یا مخالف۔ اور آج بھی آپ کی قراءت بجائے "والذکر والانثی" کے "وماخلق الذکر والانثی" ہی ہے اسی طرح حضرت ابوالدرداءؓ نے جو قراءت حضورؐ سے سن لی تھی اور اسے ترک کرنا کسی طرح پسند نہ کیا۔ ٹھیک اسی طرح اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خاتم بفتح کی قراءت اختیار کی۔ تو اس کی وجہ کسی مسئلہ کا اختلاف نہیں بلکہ وہی تحفظ لفظی جو قرآن کریم کا طغرۂ امتیاز ہے مدنظر تھا اور یہ کیسے ممکن تھا جبکہ خود

حضورؐ نے ان سے فرما چکے تھے کہ "انت تکون منی بمنزلة هرون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی" (تم میرے لیے ایسے ہو کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون تھے مگر وہ نبی تھے اور تم نبی نہیں۔ کیونکہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا)۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی روایت کرتے ہیں۔

عن علی قال وجعت وجعا فاتيت النبی صلی الله عليه وسلم فاقامنی فی مكانه و قام يصلی و القی علی طرف ثوبه ثم قال برئت يا ابن ابی طالب فلا باس عليک ما سالت الله لی شيئا الا سالت لک مثله ولا سالت الله شيئا الا اعطانيه غير انه قيل لی لانبی بعدک فقمت فكانی ما اشتكيت.

(کنز العمال ج ۱۳ حدیث نمبر ۳۶۵۱۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں بڑا سخت بیمار ہوا اور حضورؐ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اپنے پاس مجھے جگہ دی اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور اپنے کپڑے کا ایک حصہ مجھ پر ڈالا۔ پھر فرمانے لگے لو ابن ابی طالب تم اچھے ہو گئے۔ اب تم فکر مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے میں نے کوئی چیز ایسی نہیں مانگی کہ اس کے مثل تمہارے لیے نہ مانگی ہو۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہوئی کہ میں نے اللہ سے مانگی ہو وہ مجھے نہ ملی ہو۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ مجھے کہا گیا ہے۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں فوراً ایسا کھڑا ہو گیا گویا بیمار ہی نہیں ہوا تھا اس حدیث نے خوب تشریح کر دی کہ خاتم النبیین کے معنی کیا ہیں۔ اور چونکہ قرأت خاتم بفتح التاء ہی تھی۔ لیکن اس محبت و پیار کے وقت یہاں بھی صاف کہہ دیا گیا کہ "انه لانبی بعدی" (میرے بعد کوئی نبی نہیں) جس سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ نبوت کے بارے میں حضور سرور کائنات اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تو یہی تھا۔ لیکن ہم تحریر لغت سے بھی ثابت کرتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی مستعمل ہوتے ہیں۔ لسان العرب اور قاموس میں معرحا موجود ہے کہ خاتم بالفتح بھی خاتم بالکسر کے معنی میں آتا ہے۔ اور چونکہ مرجع قرأتیں واحد ہوا چاہئیں اس لیے ائمہ لغت اور مفسرین نے بالاتفاق ختم نبوت کو خاتم بالکسر کی طرف راجع کیا ہے چنانچہ لسان العرب ج ۱۲ ص ۲۵ میں ہے۔

الخاتم والخاتم من اسماء النبی صلی الله عليه وسلم و فی التنزيل العزيز ما كان محمد الخ ای آخرهم ويقال فيه خاتمهم و خاتمهم آخرهم وايضا

في القاموس و تاج العروس و الخاتم آخر القوم كالخاتم ومنه قوله تعالىٰ و خاتم النبيين اي آخرهم.

خاتم اور خاتم دونوں نبی اکرم ﷺ کے اسماء مبارک سے ہیں۔ اور قرآن عزیز میں آیت ما کان محمد ابا احد الخ میں خاتم النبیین کے معنی آخر الانبیاء کے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ لوگوں میں خاتم یا خاتم ہے یعنی آخری ہے۔ اور قاموس اور تاج العروس میں ہے۔ خاتم کے معنی آخر شخص کے ہیں اور خاتم بھی اسی سے ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول خاتم النبیین ہے یعنی آخری نبی۔ اتنی تحقیق کے بعد حاجت نہ تھی کہ ہم آنحضرت ﷺ کی بہت سی احادیث پیش کرتے۔ مگر صرف اطمینان خاطر کے لیے ایک حدیث صریح اور پیش کیے دیتے ہیں۔

عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انه سيكون في امتي كذابون ثلاثون كلهم يزعم انه نبي وانا خاتم النبيين لا نبي بعدي.

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۷ کتاب الفتن واللفظ له، ترمذی ج ۲ ص ۴۵ باب ما جاء لا تقوم الساعة)

"ثوبانؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں آخر الانبیاء ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

اس حدیث میں چند امور غور طلب ہیں۔ اولاً یہ کہ نبی کریم ﷺ نے جب تیس مدعیان کاذب کی خبر دی تھی تو اگر اس امت میں باب نبوت صادقہ بھی کھلا ہوا ہوتا تو کیا آپ انبیاء صادقین کی بشارت نہ دیتے۔ لیکن چونکہ قرآن و حدیث نے بالاتفاق کہیں ایک رسول کے آنے کی بھی خبر نہیں دی بلکہ اس کے بالکل برخلاف قرآن نے ختم نبوت کا اعلان کیا اور حدیث نے مدعیان نبوت کو دجال اور کذاب ٹھہرایا تو نتیجہ واضح ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے علم میں نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اسی لیے حدیث میں ان مدعیان نبوت کے کاذب ہونے کی علامت صرف اس امر کو قرار دیا ہے کہ وہ اپنے متعلق نبوت کا گمان رکھتے ہوں گے۔ حالانکہ اگر نبوت باقی ہوتی تو نبوت کا گمان رکھنا بقول مرزائی صاحب کوئی زلزلہ یا طاعون تو تھا نہیں پھر اس نعمت کے گمان اور تخیل کو حضور اکرمؐ نے دجالیت کی علامت کیوں قرار دیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ آگے بطور دلیل بیان فرمایا کہ میں چونکہ (بحکم قرآنی) خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں اس لیے نبوت کا خیال میرے بعد کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

خاتم الانبیاء فداہ ابی و امی تو ختم نبوت کی بحث کو دو لفظوں میں ختم کر گئے تھے اور خوب کھول کھول کر بتا گئے تھے کہ میرے بعد ہر مدعی نبوت کو دجال سمجھنا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد نبی کیسا؟ اور اسی پر اسلامی حکومتوں میں عملدرآمد بھی رہا ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلامی میں ایک واقعہ بھی نہیں دکھلایا جا سکتا کہ کسی زمانے میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔ پھر اس سے ختم نبوت کے مسئلہ پر بحثیں کی گئی ہوں اور اس کے صدق کے دلائل طلب کیے گئے ہوں۔ بلکہ ہر ایک کو بموجب دعویٰ نبوت جہنم رسید کر دیا گیا ہے۔

مگر آہ! یہ کیسی بے کسی کا زمانہ ہے کہ آج سرور کائنات کے بعد خائب و خاسر چھوٹے مدعیان "نبوت نبوت" پکارتے پھر رہے ہیں اور ہم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے کانوں کو اس کی خرافات سے محفوظ ہی کر لیں۔ صد افسوس۔

كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا (الكهف)

کیسا بڑا بول ان کے منہ سے نکلتا ہے جو از سر تا پا کذب محض ہے۔

اس مضمون کی اگر جملہ احادیث جمع کی جائیں تو یقیناً اس کے لیے ایک طویل فرصت درکار ہے۔ کیونکہ اس باب میں ایک سو بارہ احادیث آ چکی ہیں جن میں علی الاعلان بیان کر دیا گیا ہے کہ خاتم الانبیاء کے بعد نبوت کا سلسلہ کلیۃً مسدود ہے۔ جس کے کان ہوں وہ سن لے اور جس کے دل میں ایمان ہو وہ سمجھ لے۔ البتہ جن صحابہ سے یہ احادیث مروی ہیں ان کے اسماء ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم کے رسائل کی طرف مراجعت کی جائے۔

(۱) [illegible] (۲) عبداللہ بن مسعودؓ (۳) حسنؓ (۴) مغیرہ بن شعبہؓ (۵) عائشہؓ (۶) جابر بن عبداللہؓ (۷) ابوسعید الخدریؓ (۸) ابوالطفیلؓ (۹) ابوہریرہؓ (۱۰) انسؓ (۱۱) عقبان بن مسلمؓ (۱۲) ابو معاویہؓ (۱۳) جبیر بن مطعمؓ (۱۴) عبداللہ بن عمرؓ (۱۵) ابی بن کعبؓ (۱۶) حذیفہؓ (۱۷) ثوبانؓ (۱۸) عبادہ بن الصامتؓ (۱۹) عبداللہ بن عباسؓ (۲۰) عطاء بن یسارؓ (۲۱) سعد بن ابی وقاصؓ (۲۲) عرباض بن ساریہؓ (۲۳) عقبہ بن عامرؓ (۲۴) ابوموسیٰ الاشعریؓ (۲۵) ام کرز (۲۶) عمر فاروقؓ (۲۷) ابوحازمؓ (۲۸) ابوامامۃ الباہلیؓ (۲۹) سفینہؓ (۳۰) تمیم الداریؓ (۳۱) نعیم بن مسعودؓ (۳۲) عبداللہ بن عمرو السلمیؓ (۳۳) نعمان بن بشیرؓ (۳۴) ابن زمل الجہنیؓ (۳۵) ضحاک بن نوفلؓ (۳۶) علیؓ (۳۷) ابوزید الانصاریؓ (۳۸) معاذؓ (۳۹) سہل بن سعدؓ (۴۰) جہنیؓ

بن قتادہؓ (۴۱) اسماء بنت عمیسؓ (۴۲) زید بن ابی اوفیٰؓ (۴۳) ابو ثعلبہؓ (۴۴) عقیل بن ابی طالبؓ (۴۵) ابو الفضلؓ (۴۶) نافعؓ (۴۷) عوف بن مالکؓ (۴۸) ابو بکرہؓ (۴۹) ابو مالک الاشعریؓ (۵۰) ابو عبیدہؓ (۵۱) عصمت بن مالکؓ (۵۲) عمرو بن قیسؓ (۵۳) سلمان الفارسیؓ (۵۴) محمد بن حزم الانصاریؓ (۵۵) معمر بن حکیمؓ (۵۶) عبدالرحمن بن سمرۃؓ (۵۷) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۵۸) ابو قتادہؓ (۵۹) قتادہؓ (۶۰) عبداللہ بن ثابتؓ۔

جب لغت اور احادیث سے یہ امر واضح ہو چکا کہ "خاتم" بمعنی "آخر" ہے تو آپ کی خاتمیت کو صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی۔ کیونکہ اس تقدیر پر اگر آپ کو خاتم الصلحاء اور خاتم الصدیقین والشہداء کہہ دیا جاتا تو جس طرح آپ کا ظہور انبیاء علیہم السلام کے آخر ہونے کی دلیل ٹھہرا۔ اسی طرح لازم آتا کہ اب آپ کے بعد کوئی صالح اور صدیق بھی نہ ہو گا۔ حالانکہ آپ کی امت میں تمام امم سے بڑھ کر اولیاء و اقطاب متعدد ہو چکے تھے۔ اگر اس امت کے اولیاء کا دیگر امتوں سے مقابلہ کیا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی امت اس امت مرحومہ کے برابر اولیاء صدیقین کی فہرست پیش کر سکتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ سمجھ دیتا تو معلوم ہوتا کہ اس امت کے خیر الامم ہونے کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو گی کہ مجموعی حیثیت سے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ جس قدر اس امت میں گذرے کسی دوسری امت میں نہیں گذرے اور جیسا افضل رسول اس امت کو ملا کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ دیکھو نبی کریم ﷺ اپنی امت کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

''عن بریدة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اهل الجنة عشرون ومائة صف ثمانون منها من هذه الامة واربعون من سائر الامم. هذا حدیث حسن (رواہ الترمذی ج۲ ص۸۱ باب ما فی اہل الجنۃ، مشکوٰۃ ص۴۹۸)

''بریدہؓ سے روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اہل جنت کی کل ایک سو بیس صفوف ہوں گی جس میں اسی میری امت کی اور بقیہ چالیس دیگر امم کی ہوں گی۔'' (ترمذی اس کو روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے)۔

اس حدیث نے کس قدر وضاحت کے ساتھ آپ کی امت کی کرامت اور اس کے اولیاء مقربین کی کثرت کو ظاہر کیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ جب صدیقیت وغیرہ سب جاری ہیں تو نبوت کس لیے مسدود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت پر عمل کرنا اور کسی نبی کی تصدیق کرکے

جو انعامات مل سکتے ہیں وہ صرف یہی ہیں۔ نبوت کسب و اتباع کا ثمرہ نہیں ہے۔ قرآن عزیز نے کسی ایک جگہ بھی نبوت کو کسب کا ثمرہ نہیں بتایا بلکہ صرف اپنے اجتباء و اصطفاء پر موقوف رکھا ہے۔ "اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا ومن الناس." (الحج ۷۵) انسانوں اور فرشتوں میں سے کسی کو اپنا پیغامبر بنانا صرف خدا تعالیٰ کے اصطفاء سے ہی ہوا کرتا ہے۔

قرآن عزیز فرضیت صوم بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ "لعلکم تتقون" (بقرہ ۱۸۳) یعنی اگر تم پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے رہو تو شاید متقی ہو جاؤ لیکن ایک آیت بھی پیش نہیں کی جا سکتی جس میں یہ فرمایا کہ اگر تم اس نبی کا اتباع کرو تو شاید نبی بن جاؤ۔

لہذا خوب واضح ہو گیا کہ اگر اس امت میں نبی نہ بنے تو اس سے آپ کی قوت قدسیہ کا کوئی نقصان ظاہر نہیں ہوتا۔ اگر آپ کی قوت قدسیہ کا اندازہ لگانا ہو تو خود آپ کے فرمان سے اندازہ کرو کہ جنت کی ۱۲۰ صفوں میں سے ۸۰ صفوف جنت میں داخل ہونے والی آپ ہی کی قوت قدسیہ کا ثمرہ نہیں تو اور کیا ہے۔ بلکہ آپ کی قوت قدسیہ کو اگر دیکھنا ہے تو آپ کے متبعین کو دیکھو جو صرف آپ کے طفیل میں انبیاء علیہم السلام کے لیے قابل غبطہ بنے ہوئے ہیں۔ ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۴ ابواب الزھد میں روایت ہے۔

یقول قال اللہ تعالیٰ المتحابون فی جلالی لہم منابر من نور یغبطہم النبیون والشہداء.

"جو میرے جلال کا لحاظ کر کے آپس میں محبت رکھنے والے ہیں قیامت میں ان کے لیے "نور" کے منبر رکھے جائیں گے جن پر انبیاء اور شہداء بھی غبطہ کریں گے۔"

وجہ یہ ہے کہ ہر عمل کی ایک خصوصیت ہے جو محشر میں ظاہر ہوگی۔ خدا کی راہ میں موت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس موت کو بعد موت کے احکام دیئے جاتے ہیں۔ "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء" (البقرہ ۱۵۴) (اللہ کی راہ میں جو لوگ قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ مت کہو وہ تو زندہ ہیں) اسی طرح حق تعالیٰ جس کو اپنا رسول و نبی بناتے ہیں اس کے بھی خصائص ہیں۔ ایسے ہی خدا تعالیٰ کے جلال و بزرگی کو نظر رکھتے ہوئے باہم محبت و آشتی رکھنا اور کوئی دوسری غرض نہ رکھنا بھی محشر میں ایک خاص امتیازی شکل میں ظاہر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ آخرت کی ہر خصوصیت قابل غبطہ ہے پس جبکہ یہ امت محض آپ کی قوت قدسیہ کے طفیل میں انبیاء علیہم السلام کے لیے قابل غبطہ بن گئی۔ تو اب اس سے زیادہ اور کیا درکار ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حدیث اس جماعت کو جو خدا تعالیٰ کے لیے محبت رکھتی ہوں انبیاء علیہم السلام کے لیے قابل غبطہ تو کہتی ہے مگر نبی نہیں کہتی۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۶ باب الحب فی اللہ ومن اللہ میں صراحتاً موجود ہے۔

عن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من عباد اللہ لاناساً ماھم بانبیاء ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیامۃ بمکانھم من اللہ. قالوا یارسول اللہ تخبرنامن ھم. قال ھم قوم تحابوا بروح اللہ علی غیر ارحام بینھم الخ۔

عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو نبی ہیں نہ شہید لیکن چونکہ ان کا تعلق محض لحب اللہ تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ حشر میں انہیں ایک ایسا مرتبہ عطا فرمائیں گے جس پر انبیاء و شہداء کو بھی غبطہ ہوگا۔ صحابہؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ وہ لوگ کون ہوں گے۔ کہا جو صرف میری وجہ سے محبت رکھتے ہیں۔ (الخ)

اس سے ظاہر ہے کہ اس امت میں نبوت تو نہیں ہے لیکن ایسے عمل ضرور ہیں جن سے ایک امتی انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی قابل غبطہ ہو سکتا ہے۔

الحاصل جب نبوت خدائی اصطفاء پر موقوف ہے تو کہ انبیاء علیہم السلام کے کمال پر تو خاتم النبیین کی آمد سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کو جتنے رسول بنانے تھے وہ بنا چکا اور اس محدود عالم کے واسطے جتنے اعداد رسل مقدر تھے ختم ہو لیے اور اس نے اس دروازے کو جسے آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے بند کر دیا اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ جس طرح تعمیر عالم کے وقت اجراء نبوت و رسالت کا اعلان ہوا تھا۔ اسی طرح تخریب عالم یعنی قرب قیامت میں اس کے ختم کا اعلان بھی از بس ضروری تھا۔ قال تعالیٰ "اما یاتینکم رسل منکم" (الاعراف) سورۂ بقرہ میں تفصیل سے موجود ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو اس کا بھی اعلان کر دیا کہ اے آدمؑ کی ذریت تمہارے پاس ہمارے رسول آئیں گے۔ تم ان پر ایمان لانا۔ جب تک خود خدا تعالیٰ ہی نبوت کے ختم کا اعلان نہ کرتا ابناء آدم پر واجب تھا کہ وہ قیامت تک اس حکم کے ماتحت ہر زمانہ میں رسول کا انتظار کیا کرتے۔ لہٰذا جب دنیا کو ختم کرنا منظور ہوا تو اس کے ساتھ ہی آخری رسول بھیج کر اعلان کر دیا کہ اب رسول ختم ہوئے۔ دنیا بھی ختم ہے۔ لہٰذا اب رسولوں کا انتظار نہ کرنا کیونکہ خاتم الانبیاءؑ چکا۔ اس کے بعد

اب نبی نہیں آ سکتا اور اس کے ساتھ میرا کلام اتر چکا جس کے بعد کوئی شریعت نہیں۔ لہٰذا اب نہ شریعت کا انتظار کرو نہ نبی کا۔ کیونکہ اب بھی تمہارا نبی ہوگا اور یہی تمہاری شریعت رہے گی۔ اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے "الیوم اکملت لکم دینکم الخ" (میں نے آج تمہارے لیے دین کی تکمیل کر دی) مفسرین نے اس آیت کی شرح میں بہت کچھ لکھا ہے مگر مجھے سب سے پیارے وہ جملے معلوم ہوتے ہیں جو درمنثور میں غالباً ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ "اب ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے تو اب کبھی ناقص نہ ہوگا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا ہے تو کبھی مسلوب نہ ہوگی۔ اور دین اسلام تمہارے لیے پسند کر لیا ہے کہ پھر کبھی ناپسند نہ ہوگا۔"

الحاصل جب شریعت اس معنی سے آخر ہے کہ اس کے بعد میں کوئی شریعت نہیں تو رسول بھی "آخر" اس معنی سے ہے کہ اس کے بعد کوئی رسول نہیں اور اسی لیے حق تبارک وتعالیٰ نے اسے خاتم النبیین فرمایا مگر خاتم الصالحین، خاتم الشہداء اور خاتم الصدیقین کبھی نہ فرمایا۔ کیونکہ سب نعمتیں جو کسی کامل کے اتباع سے مل سکتی ہیں۔ جاری ہیں بلکہ اس امت میں سب سے زیادہ جاری ہیں لیکن نبوت! تو اگر خدا تعالیٰ کو جہان رکھنا ہوتا تو شاید وہ خاتم الانبیاء کو ابھی اور نہ بھیجتا۔ لیکن جب جہان ہی ختم کرنا ہے تو نبوت باقی رہے تو کس کے واسطے؟ سیکرٹری صاحب تو نبوت کو رو رہے ہیں اور پیغمبر خدا علم کے خاتمہ کا اعلان کر چکے ہیں۔ احادیث میں مصرح موجود ہے کہ قرب قیامت میں یہ علم بھی اٹھا لیا جائے گا۔ کیونکہ جب تک علم نبوت کا ابقاء منظور ہے علماء کو باقی رکھنا ضروری ہے لیکن جب عالم کو سمیٹنا مقدر ہوگا تو علم نبوت رہے گا نہ اس کے حاملین بلکہ شرار الناس باقی رہ جائیں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

کہیے سیکرٹری صاحب! آپ تو نبوت کے خواب دیکھ رہے تھے اور حدیثیں تو آخر زمانے میں علماء کو بھی رخصت کر رہی ہیں۔ یہ ایک نہایت موٹی بات تھی کہ جب جہان ہی ختم ہونا ہے تو نبوت کا ختم ہونا بھی ایک ضروری امر ہے۔ لیکن کیا کریں کہ ایک مراقی شخص کے دعویٰ پر ایمان لا کر اس موٹی بات کے سمجھنے کی بھی اہلیت باقی نہیں رہی۔ قرآن سے آنکھیں بند ہو گئیں۔ احادیث سے لاپرواہی برتی گئی اور تنکوں کا سہارا ڈھونڈا گیا ہے۔ حتیٰ کہ کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ ختم النبیین کا لفظ ایسا ہے جیسا کہ ختم المفسرین کا۔ حالانکہ اس قائل کو یہ خبر نہیں کہ آپ کے لیے صرف یہی ایک لفظ نہیں بلکہ اس کے ہم معنی اور بھی بہت سے الفاظ وارد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت میں بجائے خاتم النبیین کے ختم النبیین ہے اور

احادیث میں ختم بی النبیون (مسلم ج ۱ ص ۱۹۹) آخر النبیین۔ وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی (مسلم ج ۲ ص ۲۶۱) (میں سب سے بعد آنے والا ہوں وہ وہی ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہو) بھی آئے ہیں۔ اب سوچ کر بتلایئے سب الفاظ صرف مدحی کہے جا سکتے ہیں؟ مشتق صیغہ میں تو یہ دجل چل سکتا ہے مگر کیا کوئی مدعا یہ بھی کہتا ہے کہ "فلاں ختم بہ المفسرون" اس کے علاوہ القاب مدحیہ جس کے لیے بولے جاتے ہیں وہ خود اس کا مدعی نہیں ہوا کرتا جیسا کہ اگر کسی خاتم المفسرین سے آپ دریافت کریں کہ کیا آپ خاتم المفسرین ہیں تو وہ اگر آدمی ہے تو یہی جواب دے گا کہ میں ہرگز اس قابل نہیں۔ ہاں یہ دوسرے لوگ البتہ اس کے اعزاز میں اس لقب کو استعمال کریں گے .... لیکن احادیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لقب کو آپ نے خود ہی اپنے حق میں استعمال کیا ہے اور جس نے بھی بعد میں استعمال کیا آپ ہی کی تفہیم سے استعمال کیا۔

علاوہ ازیں یہ بھی تو سمجھو کہ ایک متکلم خاتم المفسرین متعدد اشخاص اور متعدد زمان کے اعتبار سے متعدد اشخاص کو کہہ سکتا ہے۔ اس لیے اس سے خود ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ لقب محض مدحی طور پر ہے۔ لیکن ازل سے آج تک مدعی راوی نے کسی کو خاتم النبیین کا لقب دیا اور نہ خود رسولوں میں سے کسی نے اس لقب کو اپنے متعلق استعمال کیا اور نہ آنحضرتؐ نے اس لقب سے کسی نبی کو یاد کیا۔ پس اگر یہ لقب خاتم المفسرین کی طرح تھا تو جیسے آج تک ہزاروں خاتم المفسرین گزر گئے۔ دو چار خاتم الانبیاء بھی تو گزر جاتے۔ مگر کون ہے جو ان موٹی اور بدیہی باتوں کو سمجھے۔ "ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور" (اللہ نے جس کو نور کا حصہ نہیں دیا تو اس کے پاس نور کہاں سے آئے)۔

اب انصاف ناظرین پر ہے کہ جو مسئلہ قرآن کریم میں اس شد و مد سے مدلل و مبرہن موجود ہو۔ ساتھ صحابہؓ سے ایک سو بارہ احادیث میں مفصلاً روایت کیا جا چکا ہو اس کی تردید کے لیے دور کے استنباطات، ناتمام تشبیہات، رکیک شبہات اور بے سند احادیث بھلا کیا کفایت کر سکتی ہیں۔ غور کیجئے کہ آیت "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (آل عمران ۱۱۰) اور اھدنا الصراط المستقیم" کو مسئلہ اجراء نبوت سے کیا علاقہ ہے۔ پہلی آیت میں تو اس امت کی فضیلت بیان ہو رہی ہے اور دوسری میں ایک عام دعا۔ اب خدا جانے ایک مقدمہ کا اور اضافہ کر کے ثابت کیا جاتا ہے کہ نبوت جاری ہے۔ یعنی یہ کہ جب یہ امت خیر امت ہے تو ضرور اس کو نبوت ملنی چاہیے ورنہ

یہ امت خیر امت نہ رہی۔ بھلا پوچھیے تو سہی کہ خیر امت ہونا نبوت ملنے پر کس طرح موقوف ہے۔ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ امت خیر امت اس لیے ہے کہ اس کا نبی خیر الانبیاء اور افضل الرسل ہے۔ لیکن یہ کہیں تو کس منہ سے کہیں۔ اس سے تو مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت میں آگ لگ جاتی ہے۔

اب اگر سوال کیا جائے کہ یہ امت اگر اسی لیے خیر امت تھی تو بتلاؤ کہ اس امت میں کتنے ہزار نبی ہوئے۔ تو جواب میں ایک خاص نبی "میڈ ان قادیان" (Made in Khadiyan) کا نام پیش کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اگر دوسری آیت میں دعا نبوت کی تعلیم کی گئی تھی تو بتاؤ کہ اس صراط مستقیم پر چل کر آخر کتنے نبی بن چکے۔ لوٹ پلٹ کر پھر اسی "متنبی" کا نام سامنے آتا ہے۔ گویا مرزائیوں کے نزدیک نبوت کوئی ذریعہ تو نہیں ہے لیکن تر خوشمرور ہے کہ ہر موقعہ پر اسی پر ہاتھ پڑتا ہے۔ تو حضرت طوطو خوردن دارد سے بایں۔ "اللهم اعلم حيث يجعل رسالته." یہ تو قرآن دانی تھی۔ اب حدیث دانی ملاحظہ ہو۔ نبی کریم ﷺ حضرت عباسؓ سے فرماتے ہیں۔ "اطمئن يا عم فانك خاتم المهاجرين في الهجرة كما انا خاتم النبيين في النبوة" (کنز العمال ج ۱۲ ص ۶۹۹ حدیث نمبر ۳۳۳۸۷)

یہاں بھی ایک جاہلانہ مغالطہ دیا جاتا ہے وہ یہ کہ حضرت عباسؓ کے بعد اور بہت سے مہاجر ہوئے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے بعد نبی بھی ہوں گے۔

اول تو میں کہہ چکا ہوں کہ ایک سو پارہ احادیث کے مقابلہ میں صرف تشبیہات کے پردے میں کام نکالنا صریح بددیانتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں مقصود بالذات یہ ہے کہ محض لفظی مشارکت بیان کر کے حضرت عباسؓ کو تسلی دی جائے۔ نہ یہ کہ مسئلہ نبوت کی تشریح کی جائے۔ اگر مسئلہ نبوت کی تشریح منظور ہوتی تو یوں فرمانا اولیٰ تھا "یا عم انا خاتم النبيين في النبوة كما انت خاتم المهاجرين في الهجرة" اس فرق کو علماء سمجھیں گے۔ اس لیے اس کی تفصیل کو ہم چھوڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ سیکرٹری صاحب کو یہ بھی خبر نہیں کہ مہاجر کا لقب اسلام میں کب سے شروع ہوا ہے اور کب ختم ہوا۔ دنیا جانتی ہے کہ سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت مکہ سے ہجرت کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس سے پہلے جس نے بھی اپنا وطن چھوڑا ہو اور جس سمت بھی گیا ہو ہجرت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد ہجرتیں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن جس طرح کہ یہ ہجرت

مکہ مکرمہ سے شروع ہوئی تھی اسی طرح جب مکہ مکرمہ فتح ہو کر دارالاسلام بن گیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا اعلان بھی ہو گیا کہ "لا ھجرۃ بعد الفتح" (کنز العمال ج ۱۶ ص ۶۶۰ حدیث نمبر ۴۶۲۴۸) یعنی جو ہجرت فرض کی گئی تھی اب وہ ختم ہو گئی۔ اور اسی درمیان میں مکہ مکرمہ چھوڑنے والے صحابہؓ مہاجر کہلائے۔ اس کے بعد وہ ہجرت ہی نہ رہی مہاجر۔

حضرت عباسؓ نے چونکہ سب سے آخر میں ہجرت کی تھی اور روایات سے کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہوتا۔ جس نے ان کے بعد ہجرت کی ہو اس لیے بھی "آخر المہاجرین" کہلائے۔

نہیں معلوم "آخر" ہونے کوئی زلزلہ یا طاعون ہے کہ مرزائی اس سے بہت ہی گھبراتے ہیں۔ کسی نبی کا آخر میں ہونا تسلیم کرتے ہیں نہ کسی مہاجر کا۔

اب تو غالباً سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ یہ بھی اجرائے نبوت کے بجائے ختم نبوت ہی کی دلیل ہے۔ کیونکہ جس طرح ہجرت ختم ہونے کی وجہ سے حضرت عباسؓ کے بعد کوئی مہاجر نہیں۔ اسی طرح نبوت ختم ہو جانے کی وجہ سے محمد عربی ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جیسے کہ مکہ مکرمہ کے دارالاسلام ہو جانے کے بعد ہجرت ختم ہو گئی۔ اسی طرح قصر نبوت مکمل ہو جانے کے بعد نبوت پہ مہر لگ گئی۔ پھر معلوم نہیں کہ اس حدیث سے الٹا مطلب کیسے نکال لیا گیا۔ رہا خاتم الاولیاء کا لفظ۔ اس میں تو خیر سے تشبیہ بھی نہیں ہے۔ پہلی حدیث میں تو صرف تشبیہات سے استدلال تھا۔ یہاں اور بے معنی۔ اس سے بڑھ کر ایک دلیل اور سنئے۔ "قولوا انه خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبی بعده" (تکملہ مجمع البحار ج ۵ ص ۵۰۲) یہاں بھی ایک جاہلانہ مقدمہ بنا لیا گیا ہے اور وہ یہ کہ جب "لا تقولوا لا نبی بعده" کہا تو معلوم ہوا کہ نبوت جاری ہے۔ اول تو یہ قول بلا سند ہے۔ ذرا اس کی سند دکھائیے۔ دوسرے صحیح بخاری میں خود آنحضرت ﷺ سے لا نبی بعدی موجود ہے۔ اب مکرم مرزائی صاحب فرمائیں کہ کس پر عمل کیا جائے۔ صحیح بخاری میں نقل شدہ آنحضرت ﷺ کے قول پر یا مجمع البحار پر کیجئے کیا ارشاد ہے۔

سوم آپ صفحہ ۶ پر خود ایک صحابی کی شہادت نقل کرتے ہیں جس کے بعد اس قول کی مراد بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ "قال رجل عند المغیرة حسبک اذا قلت خاتم الانبیاء فانا کنا نحدث ان عیسیٰ علیه السلام خارج فان هو خارج فقد کان قبله و بعده" (ترجمہ) مغیرہ بن شعبہ کے سامنے ایک شخص نے کہا کہ صلی الله علی محمد خاتم الانبیاء لا نبی بعده. اس پر مغیرہؓ نے فرمایا کہ تجھے کافی تھا کہ کہہ دیا "خاتم الانبیاء" کیونکہ ہم

لوگ یعنی صحابہؓ باتیں کیا کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہونے والے ہیں۔ پس اگر وہ ظاہر ہوئے تو عیسیٰ ہی آپ سے پہلے ہوئے اور عیسیٰ ہی آپ کے بعد ہوئے (یہ ترجمہ خود مرزائی سیکرٹری صاحب نے کیا ہے)۔ یہاں بھی جہالت ظاہر ہو رہی ہے۔ یعنی اس کو بھی اجرائے نبوت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے والے ہیں اور وہ بالاجماع نبی ہیں تو کوئی لا نبی بعدہ کا مطلب یہ نہ سمجھے کہ آپ کے بعد وہ بھی تشریف نہ لائیں گے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ یہ تو کہو کہ آپ سب نبیوں میں آخری نبی ہیں لیکن یہ مت کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ کیونکہ ایک پہلا نبی آنے والا ہے۔ لہٰذا آپ آخری رہے اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اس کے خلاف نہ ہوا۔ کیونکہ آخر میں تو وہی ہوگا جو دنیا میں آخر میں پیدا ہوا اور جو پہلے پیدا ہوا تھا مگر اس کی عمر دراز ہوئی اسے آخر کون کہہ دے گا۔ ظاہر ہے کہ زید کا آخری بیٹا وہی کہلائے گا جو سب سے آخر میں پیدا ہوا ہو۔ اب اگر بالفرض اس سے پہلے بیٹے کی عمر طویل ہو جائے اور وہ اس آخری لڑکے کے بعد تک زندہ رہے تو اس وجہ سے وہ آخری نہیں ہو سکتا۔

ایسے ہی چونکہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے پیدا ہوئے تھے اس لیے بعد میں آنے سے آخر نہیں کہے جا سکتے۔ اب بتلایئے کہ اس خاص صحابی کی شہادت آپ کے مخالف ثابت ہوئی یا موافق۔ بلکہ اس نے تو حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب شدہ قول کی بھی تشریح کر دی۔

اگر یہ بے سند قول تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ خاتم الانبیاء تو کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی۔ چونکہ لا نبی بعدہ سے کسی بیوقوف شخص کو یہ احتمال پیدا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس کو بھی رفع فرما دیا اور نزول مسیح علیہ السلام کو اور مؤکد فرما دیا۔ ہاں۔ خوب موقعہ پر یاد آیا کہ مغیرہؓ کی اس عبارت میں سیکرٹری صاحب کے ترجمہ کردہ یہ الفاظ بھی ہیں۔ "اگر وہ ظاہر ہوئے تو عیسیٰ ہی آپ سے پہلے ہوئے اور عیسیٰ ہی آپ کے بعد ہوئے۔" اس خاص شہادت سے اولاً تو یہ ثابت ہوا کہ جو عیسیٰ ہیں وہ ظاہر ہونے والے ہیں نہ کہ پیدا ہونے والے۔ دوسرے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ وہی عیسیٰ ہوں گے جو آپ سے پہلے آ چکے ہیں۔ پھر مرزائی سیکرٹری سوچے کہ قادیان میں جنے ہوئے شخص کو مسیح کیسے مانا جا سکتا ہے۔ کیا یہ وہی عیسیٰ تھے جو آپ سے قبل آ چکے ہیں۔ اس عبارت میں صاف مذکور ہے کہ مسیح علیہ السلام کی دو آمد ہیں۔ ایک آپ سے پیشتر اور ایک آپ کے بعد۔ یہی اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ جو حضرت مغیرہؓ صحابی کا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ یہ مت سمجھ لینا کہ اب آپ کے بعد کوئی

نبی نہ آئے گا۔ کہیں لانبی بعدی اسے نزول مسیح علیہ السلام کی بھی نفی سمجھو۔ یعنی حدیث کے الفاظ اجراء نبوت کے منافی ہیں نہ کہ نزول نبی کے۔

اب اگر دل میں ایمان کا کوئی ذرہ ہے تو مرزا غلام احمد قادیانی کی تکذیب سے صدق دل تو بہ کرنی چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ایک خاص صحابی کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ آنے والا مسیح وہی ہے جو ایک مرتبہ آ چکا ہے۔ کیا مرزائی آواگون کے چکر میں پھنس کر کسی جون میں پہلے بھی آ چکے ہیں؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے مضمون کے آخر میں ان علماء امت کی شہادتیں بھی نقل کر دیں جن کو بیکر تری صاحب جماعت مرزائیہ نے اپنے موافق سمجھا ہے اور اگر درحقیقت ان کو یقین ہے کہ وہ علماء اس کے موافق ہیں تو ان کو چاہیے کہ ایک مرتبہ کلف تحریر شائع کر دیں۔ تاکہ خدا تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہو۔ مگر نہیں کر سکتے کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ یہ جملہ علماء نہ وفات مسیح علیہ السلام کے قائل تھے اور نہ اجراء نبوت کے۔ ہمیں حیرت ہے کہ جن علماء کی کتابیں ہر خاص و عام کے ہاتھوں میں موجود ہوں کس ایمان کے ساتھ ان پر افتراء کر دیا جا سکتا ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ کی شہادت

ودعوی النبوة بعد نبینا صلی الله علیه وسلم کفر بالاجماع (شرح فقہ اکبر ص۲۰۲) (ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ بالاجماع کفر ہے)۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی پہلی شہادت

"وقال الشیخ (ای محی الدین ابن العربی) اعلم ان مقام النبی ممنوع لنادخوله و غاية معرفتنا به من طریق الارث النظر الیه کما ینظر من هو فی اسفل الجنة الی من هو فی اعلی علیین و کما ینظر اهل الارض الی کواکب السماء. ولقد بلغنا عن الشیخ ابی یزید انه فتح له من مقام النبوة قدر خرم ابرة تجلیا لادخولا فکاد ان یحترق (الیواقیت والجواہر ص۲۴ جلد۲)

شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا۔ خوب جان لو نبوت کے مقام میں داخل ہونا ہمارے لیے بالکل ممنوع ہے اور اس مقام کی انتہائی معرفت بطریق ارث کے یہ ہو سکتی ہے کہ ہم اس مقام کی صرف محض نظر کر سکتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے جنت کے تحتانی حصہ والا شخص اعلیٰ علیین والوں کو دیکھتا ہے اور جیسا زمین والے آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اور ہمیں

شیخ ابی یزید سے یہ تحقیقی بات پہنچی ہے کہ در حقیقت نبوت کا مقام سوئی کے ناکے کے برابر (محض) تجلی کی حد تک کھولا گیا ہے۔ داخل ہونے کی حد تک نہیں۔ (اس پر بھی) انسان جل جانے کے قریب ہو جاتا ہے۔ (الیواقیت والجواہر ص ۳۸ جلد ۲)۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی دوسری شہادت

"وقال الشیخ (ای محی الدین العربی) من قال ان اللہ تعالیٰ امرہ بشئی فلیس ذلک بصحیح انما ذلک تلبیس لان الامر من قسم الکلام وصفته وذلک باب مسدود دون الناس.....فقد بان لک ان ابواب الامر الالٰھیہ والنواھی قد سدت وکل من ادعاھا بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم فھو مدعی شریعۃ اوحی بھا الیہ سواء وافق شرعنا او خالف فان کان مکلفا ضربنا عنقه والا ضربنا عنه صفحاً۔ (یواقیت ص ۳۸ جلد ۲)۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں چیز کا حکم کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ یہ سراسر تلبیس اور فریب ہے کیونکہ حکم تو خدا کا کلام کی ایک قسم ہے اور یہ دروازہ لوگوں پر بند ہو چکا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اوامر و نواہی خداوندی کے دروازے اب بند ہو چکے ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ کے بعد جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرے تو وہ ایک شریعت کا جو اس کے پاس وحی کے ذریعے پہنچی دعویدار ہے چاہے وہ ہماری شریعت کے بالکل موافق ہو یا مخالف اور اس قسم کا شخص اگر مکلف ہو گا تو ہم اس کی گردن مار دیں گے ورنہ ہم اس سے اعراض کریں گے اور اس کو پس پشت ڈال دیں گے۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ کی شہادت

(فان قلت) فھل النبوۃ مکتسبۃ او موھوبۃ (فالجواب) لیست النبوۃ مکتسبۃ حتی یتوصل الیھا بالنسک والریاضات کما ظنه جماعۃ من الحمقاء.

وقد افتی المالکیۃ وغیرھم بکفر من قال ان النبوۃ مکتسبۃ.

(یواقیت ص ۱۶۴۔۱۶۵ جلد ۱)۔

(اگر تو یہ کہے) کہ کیا نبوت اکتسابی شے ہے یا وہبی اور عطائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبوت حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی یہاں تک مجاہدوں سے اور کثرت عبادات و ریاضات

سے حاصل ہو جایا کرے جیسا بعض احمقوں کا خیال ہے۔ بلکہ وہ وہبی شے ہے۔ اور بالکلیہ وغیرہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص نبوت کو مکتسبات سے کہے وہ کافر ہے۔

مگر مرزائی یوں کہتے ہیں کہ اھدنا الصراط المستقیم کی دعا کرو اور نبی بن جاؤ۔

وفیہ فلا تلحق نهاية الولاية بداية النبوة (الیواقیت ج ۲ ص ۷۱) انتہائی درجہ ولایت کا نبوت کے ادنیٰ مقام تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اس کے بعد شیخ عبدالوہاب نے وہ عبارت نقل کی ہے جو اوپر مسطور ہو چکی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہادت

لہٰذا آں سرورؐ . . در شان حضرت فاروقؓ فرمودہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام " لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ " یعنی لوازم و کمالاتیکہ در نبوت درکار است ہمہ را عمر دارد۔ اما چوں منصب نبوت بخاتم الرسل ختم شدہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بدولت منصب نبوت مشرف نگشت۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۲۴ دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۲۷)

لہٰذا سرور کائنات ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہے تو عمرؓ ہوتا۔ یعنی نبوت کے لیے جن کمالات اور خوبیوں کی ضرورت ہے وہ سب عمرؓ میں موجود ہیں۔ لیکن منصب نبوت چونکہ خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے اس لیے مرتبہ نبوت سے مشرف نہیں ہوئے۔ (مکتوب شریف ص ۲۲ جلد ۳)

اس مکتوب میں حضرت مجدد صاحبؒ نے منصب نبوت اور کمالات نبوت کا فرق خوب واضح فرما دیا ہے۔ کمالات دوسری شے ہیں اور منصب امر دیگر۔

جیسا کہ ایک شخص میں وائسرائے بننے کی لیاقت موجود ہو مگر ہر لیاقت والا "وائسرائے" نہیں بنایا جاتا۔ علاوہ لیاقت کے وہ کمال جو منصب وائسرائیت کے شرائط میں ہیں ان کا متحقق ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً ایک ہندوستانی اگرچہ علی وجہ الاتم وائسرائے بننے کی لیاقت رکھتا ہو مگر اسے وائسرائے نہیں بنایا جا سکتا۔ یا جب تک ایک وائسرائے موجود ہے اور اس کے زمانہ ملازمت کی مدت باقی ہے دوسرا شخص کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو وائسرائے نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح جب تک نبی کریم ﷺ کا دور نبوت باقی ہے خواہ کوئی کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو۔ نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بالفرض آپ کی امت میں کوئی نبی اپنی لیاقت کی وجہ سے ممکن ہوتا تو عمرؓ

ہوتے۔ لیکن جب بحکم پیغمبر علیہ التحیۃ والتسلیم منصب نبوت انہی پر ختم ہوا تو مرزا قادیانی کو کہاں سے مل جاتا۔ مگر بغاوت کا کیا چارہ۔ اگر کوئی بغاوت کرکے بادشاہی کا دعویٰ کرے اور اپنی لیاقت کو پیش کرکے یوں کہنے لگے کہ جب موجودہ بادشاہ کے کمالات سے زیادہ کمالات مجھ میں موجود ہیں تو پھر میں بادشاہ کیوں نہیں۔ تو جو جواب ایسے شخص کو دیا جائے گا اس سے زیادہ سخت جواب اس نابکار کا ہے جو بادشاہ دو جہان کی مملکت میں اپنی بادشاہی کا اعلان کرتا ہے۔

یہی تو حضرت مرزا شہید جان جاناںؒ نے فرمایا ہے اور اسی لیے غیر از نبوت بالاصالہ کی قید لگائی ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی شہادت

خاتمیت زمانی اپنا دین و ایمان ہے۔ ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔ سو اگر ایسی باتیں جائز ہوں تو ہمارے منہ میں بھی زبان ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۹)

اب ذرا حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی عبارت کا مطلب نہ سمجھنے والے علاوہ دوسروں کو غلط طور پر گمراہ کرنے والے خود مولانا کی اس عبارت کو بھی دیکھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بوقت فرصت ہم ان سب حضرات کی عبارات کا مسلسل مطلب بیان کرکے واضح کردیں گے کہ یہ حضرات درحقیقت ختم نبوت کے اولین علم بردار ہیں۔ علماء امت کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت کی شہادت بھی پیش کردی جائے۔

ختم نبوت پر مرزا غلام احمد قادیانی کی شہادت

پہلی شہادت: اور اصل حقیقت جس کی میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ کوئی پرانا نہ کوئی نیا۔ (انجام آتھم ص ۲۷ خزائن ج ۱۱ ص ۲۷ حاشیہ)

دوسری شہادت: میں نبوت کا مدعی نہیں ہوں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ (آسمانی فیصلہ ص ۳ خزائن ج ۴)

"قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۷۶۱ خزائن ج ۳ ص ۵۱۱)

تیسری شہادت: کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے

قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولکن رسول الله و خاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ (انجام آتھم ص ۲۷ خزائن ج ۱۱ ص ۲۷ حاشیہ)

آنحضرتؐ کے بعد کسی پر لفظ نبی کا اطلاق بھی جائز نہیں۔

(حاشیہ تجلیات الٰہیہ ص ۹ خزائن ج ۲۰ ص ۴۰۱)

اب مرزائی سیکرٹری صاحب کو چاہیے کہ سر پکڑ کر رو دے کیونکہ خود ان کے میرزا ان قادیانی نبی نے بھی خاتم النبیین کے بعد رسولوں کی آمد ناجائز قرار دی ہے۔ بلکہ لفظ نبی کا اطلاق بھی ناجائز رکھا ہے۔

نوٹ :۔ ہم ناظرین کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ میرزا ان قادیانی نبی کی ان عبارات کو دیکھ کر وہ یہ نہ سمجھیں کہ مرزا قادیانی نے نبوت کے مدعی نہ تھے بلکہ ان کی عادت تھی کہ موقعہ پر ہر قسم کی بات لکھ جاتے تھے۔ کبھی نبوت سے انکار کیا گیا تو اس طرح جیسا کہ آپ نے عبارت بالا میں ملاحظہ فرمایا۔ اور کبھی دل میں آ گئی تو زور و شور سے دعویٰ رسالت کا دعویٰ کر ڈالا۔

"ملاحظہ ہو اربعین نمبر ۳ ص ۳۶ خزائن ج ۱۷ ص ۴۲۶"

۱......... خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔

۲......... مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے "هو الذی ارسل رسوله بالهدی" الخ (اعجاز احمدی ص ۷ خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۳)

۳......... پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱ خزائن ج ۲۲ ص ۴۰۶-۴۰۷)

۴......... میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر (یعنی اپنے الہامات پر) اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر۔ اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۱۱ خزائن ج ۲۲ ص ۲۲۰)

یہاں طبعاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی اپنی نبوت سے منکر ہیں تو پھر کیونکر اپنی تصانیف میں نبوت کا دعویٰ کر سکتے ہیں تو اس کا جواب ہم خود مرزا غلام

احمد قادیانی کی شہادت سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں کہ مجھے مراق یعنی مالیخولیا کا مرض تھا اور ظاہر ہے کہ جو شخص مراقی ہو اور مختل الدماغ تو ہو اس سے اس قسم کے بے معنی دعاوی کچھ مستبعد نہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی شہادت اپنے مراق اور کثرت بول وغیرہ پر

پہلی شہادت: دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت نے پیشگوئی کی تھی جو اسی طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر سے جب اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی تو اسی طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں۔ ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی۔ یعنی مراق اور کثرت بول۔

(اخبار بدر قادیان ۷ جون ۱۹۰۶ء ملفوظات ج ۸ ص ۴۴۵ تشحیذ الاذہان ۔ ۱۹ جون ۱۹۰۶ء)

مراقی مرزا قادیانی کا یہ فقرہ بڑا مزے دار ہے۔ اپنے مراق میں کچھ خبر نہ رہی کہ یوں مسیح علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کا اقرار ہو گیا جب مسیح علیہ السلام بقول مراقی مرزا قادیانی فوت ہو چکے تو پھر آسمان سے کیونکر اتریں گے۔ ان کے خیال کے موافق تو یوں ہونا چاہیے تھا کہ جب مسیح قادیان میں پیدا ہوگا۔ مگر جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔ "والفضل ما شهدت به الاعداء"

دوسری شہادت: میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ سے مبتلا رہتا ہوں۔ تاہم آج کل کی مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے۔

(مکتوب منظور الٰہی ص ۳۲۸۔ ملفوظات ج ۳ ص ۳۷۶)

تیسری شہادت: ہمیشہ سر درد اور دوران سر اور کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورے کے ساتھ آتی ہے اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے حصہ بدن میں ہے وہ بیماری ذیابیطس کی ہے کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے۔ بسا اوقات سو سو مرتبہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے۔

(ضمیمہ اربعین ۳،۴ ص ۴، خزائن ج ۱۷ ص ۴۷۱)

مرزا غلام احمد قادیانی کی ان تین ذاتی شہادات سے ثابت ہے کہ انہیں مراق تھا اور یہ مرض بھی باعث ادعا نبوت ہوا۔ کتب طب میں تصریح ہے کہ مراق کی علامات میں سے ایک یہ

بھی ہے کہ کبھی مراق کا مریض دعوئی نبوت بھی کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ اکسیر اعظم ج ا ص ۱۸۸ میں لکھا ہے اگر مریض دانشمند بود و باشد دعوئی پیغمبری و معجزات و کرامات کند و سخن از خدا گوید و خلق را دعوت کند۔

اسی طرح شرح اسباب ۶۹ جلد ا میں ہے۔ "و قد یبلغ الفساد فی بعضھم الی ان یظن انه یعلم الغیب و کثیرا ما یخبر بما سیکون قبل کونه و قد یبلغ الفساد فی بعضھم الی ان یظن انه صار ملکا۔" (الخ) (بعض لوگوں میں فساد یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اس کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ وہ غیب کا علم رکھتا ہے اور اکثر آئندہ آنے والے امور کی خبر دینے لگتا ہے اور بعضوں میں فساد یہاں تک ترقی کر جاتا ہے کہ اس کو اپنے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ میں فرشتہ ہوں)

اسی مراق کی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب اربعین نمبر ۳ حاشیہ ص ۲۵ خزائن ج ۱۷ ص ۴۱۳ میں لکھا ہے کہ "دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل لکھا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ہم ان خطوط کو نقل کر دینا بھی خالی از دلچسپی نہیں سمجھتے جو خود اس میرزائی قادیان نبی کے ایک خاص عقیدت مند نے شائع کیے ہیں۔ ان خطوط کو دیکھ کر مراق کے سوا مرزا قادیانی کے دیگر پوشیدہ امراض کا عقدہ بھی کھلتا ہے۔ معلوم نہیں کہ مراق ان امراض کا باعث تھا یا ان امراض کی وجہ سے مراق ہو گیا تھا۔

مکتوب اول: مولوی حکیم نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ.... مجھے یہ دوا بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوئی ....

ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھا کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوذ بکلی جاتا رہتا تھا ...... وہ عارضہ بالکل جاتا رہا...... یہ منی کو بھی غلیظ کرتی ہے...... آپ اسے دودھ اور ملائی کے ساتھ زیادہ قدر شربت کر کے استعمال کریں تو میں خواہشمند ہوں کہ آپ کے بدن میں ان فوائد کی بشارت سنوں ...... چونکہ دوا ختم ہو چکی ہے اور میں نے زیادہ تر وہ کھائی ہے اس لیے ارادہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دوبارہ تیار کی جائے۔ لیکن چونکہ گھر میں ایام امید ہونے کا کچھ گمان ہے جس کا میں نے ذکر بھی کیا تھا۔ اس جہت سے جلد تیار کرنے کی چنداں ضرورت نہیں دیکھتا۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ حصہ ۲ ص ۱۲ مکتوب نمبر ۱۰)

دوا کے جلد تیار کرنے کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ تو آپ نے اسی مکتوب میں بیان کر

دی ہے یقین" زیادہ تر یہ دوا کھا لینے کا سبب جانے کے لیے آپ کا دوسرا مکتوب ملاحظہ فرمایئے۔

مکتوب دوم: اخویم مخدوم و مکرم مولوی نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عنایت نامہ پہنچا ... جس قدر ضعف دماغ کے عارضہ میں یہ عاجز مبتلا ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ آپ کو ایسا ہی عارضہ ہو۔ جب میں نے نئی شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہی تھا۔

(مکتوبات احمدیہ ج ۵ حصہ ۲ ص ۲۰، مکتوب نمبر ۱۲)

میں ان با اخلاق قارئین سے معافی چاہتا ہوں جو اس قسم کے بداخلاق اور حیا سوز مضامین کو مطالعہ کرتے ہوئے ان افعال شنیعہ کے مرتکب سے تو اغماض کر لیتے ہیں اور ناقل کو کسی طرح معاف نہیں کر سکتے اس مراقی نبی کی حالت زبوں نقل کرنے کے لیے آج یہ مجبوری ہمیں انہی کے الفاظ کو نقل کرنا پڑا ہے تاکہ مسلمان خواب غفلت میں مدہوش اور حیات و وفات کے مسئلہ میں پڑ کر ختم نبوت جیسے بدیہی مسئلہ میں شور و شغب سے متاثر ہو کر متاع ایمان تو نہ کھو دیں۔ اگر کسی بے ایمان کے ساتھ ایمان جیسی شے فروخت کی جائے تو بھر حساب جگہ تو کہاں درکار ہے۔ مگر مخلص ایک مراقی آدمی پر ایمان لے آتا ہے میں تو نہیں سمجھتا کہ سوائے مراقی کے کوئی دوسرا شخص بھی کر سکتا ہے۔ اس وقت میرا یہ فقرہ اس فقرہ سے بڑھ کر جو مہذب اور نازل تر ہے جو مراقی نبی نے اپنے ماننے والوں کے متعلق لکھا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے:

"جو ان پر ایمان نہ لائے وہ حرام زادہ ہے"

"یقبلنی و یصدق دعوتی الا ذریة البغایا"

(آئینہ کمالات اسلام، خزائن ج ۵ ص ۵۴۷، ۵۴۸)

"حرامزادوں کے سوا ہر شخص مجھے قبول کرے گا اور میری دعوت کی تصدیق کرے گا۔"

"ان العدا صاروا خنازیر الفلا ونساءهم من دونهن الاکلب"

"دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔"

(نجم الہدیٰ ص ۱۰، خزائن ج ۱۴ ص ۵۳)

اپنے مضمون کے خاتمہ پر مراقی مرزا قادیانی کے چند حوالہ جات بھی ہم قارئین کرام کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ یہ جماعت کس درجہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہے۔ صرف مسلمانوں کے بہکانے کے لیے دوسرے دانت دکھا دیتے ہیں جو صرف دکھانے کے ہیں۔ کھانے کے نہیں "وما تخفی صدورهم اکبر"

ختم

آنحضرت ؐ کے معراج مبارک کے متعلق مراقی نبی کا عقیدہ

سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیے۔ .... اس قسم کے کشفوں میں خود مؤلف (یعنی مرزا قادیانی) کا تجربہ ہے۔

(ازالہ الاوہام حصہ اول ص ۴۷ حاشیہ، خزائن ج ۳ ص ۱۲۶)

اس مختصر عبارت میں آپ ؐ کے جسم مبارک کو کثیف کہا اور معراج کو کشف قرار دیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ جو فخر انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو نصیب نہ تھا اس میں اپنے آپ کو صاحب تجربہ قرار دیا جیسی گستاخی بارگاہ رسالت ؐ میں ہے اس کا اندازہ آپ کا ایمان کر رہا ہوگا۔

آنحضرت ؐ کے معجزات سے متعلق مراقی نبی کا عقیدہ

"آنحضرت ﷺ کے معجزات .... جو صحابہ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزے ہیں۔

(مکتوبات احمدیہ ج ۳ ص ۹)

میری تائید میں اس (اللہ تعالیٰ) نے وہ نشان ظاہر فرمائے ہیں .... اگر میں ان کو فرداً فرداً شمار کروں تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔

(حقیقۃ الوحی ص ۶۷ خزائن ج ۲۲ ص ۷۰)

معجزہ شق القمر کے متعلق میڈان قادیان نبی کی بڑ

لہ خسف القمر المنیر وان لی غسا القمران المشرقان اتنکر (قصیدہ اعجازیہ)

ترجمہ۔ (اس کے لیے آنحضرت ﷺ) کے لیے تو چاند کا خسوف ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا تو کیا اب بھی تم میرا انکار کرو گے۔

(اعجاز احمدی ص ۷۱ خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳)

اس ناپاک شعر میں معجزہ شق القمر کو چاند گہن سے تعبیر کیا ہے اور پھر اس میں بھی اپنی فضیلت جتائی ہے۔ کیونکہ اس مراقی کے لیے چاند اور سورج دونوں کا خسوف ہوا۔ "والعیاذ باللہ عن ھذہ الخرافات"

خطبہ الہامیہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک کتاب ہے جو عربی میں ہے اور درمیان میں اس کا ترجمہ فارسی اور اردو میں ہے۔ اس کتاب میں لکھتے ہیں۔ میں اس کی عربی عبارت اور اردو

ترجمہ نقل کرتا ہوں۔

ولقد مضی وقت فتح مبین فی زمن نبینا المصطفی و بقی فتح آخر و هو اعظم واکبر واظهر من غلبة اولی و قدر ان وقته وقت المسیح الموعود من الله الرؤف الودود و الیه اشارا فی قوله تعالی سبحان الذی اسری الخ۔

ترجمہ:۔ اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریمؐ کے زمانہ میں گزر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے۔ "سبحان الذی" الخ

(خطبہ الہامیہ ص ۱۹۳ خزائن ج ۱۶ ص ۲۸۸)

اس عبارت میں مرزاقی نبی نے دعویٰ کیا ہے کہ جو فتح ان کے زمانہ میں ظاہر ہوئی وہ آنحضرتؐ کے زمانے سے بہت بڑی ہے اور زیادہ ظاہر ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

دعویٰ فضیلت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر

خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کلام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا

(حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸ خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۲)

دیکھئے! ذرا مرزاقی مرزا قادیانی کو کیسے اپنے جامہ سے باہر ہو رہے ہیں۔ کیا کوئی ذی روح ان کی ان قسموں کی تصدیق کرے گا۔ الا من سفه نفسه۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت غالباً مراق ہی کے دورے کے حال میں لکھی گئی ہے۔

جگر گوشہ آنحضرتؐ کے متعلق مرزائے قادیان کے اشعار

کربلائے است سیر ہر آنم	صد حسین است در گریبانم
ہر آن میرے لیے ایک نئی کربلا ہے	ایسے حسین تو سینکڑوں میرے گریبان میں ہیں

(نزول المسیح ص ۹۹ خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

وقالوا علی الحسنین فضل نفسه ۔ اقول نعم والله ربی سیظهر

لوگ کہتے ہیں کہ حسنین (علیہما السلام) پر اپنے کو فضیلت دیتا ہے میں کہتا ہوں ہاں ایسا ہی ہے اور میرا پروردگار اس

کو ظاہر کرے گا۔

وشتان ما بینی و بین حسینکم   فانی اؤید کل آن وانصر

مجھے ہر آن مدد پہنچتی اور تائید بھی میرا ساتھ دیتی ہے۔ تو پھر میرے اور تمہارے حسین کے درمیان کتنا فرق ہے۔

واما حسین فاذکروا دشت کربلا   الی ھذہ الایام تبکون فانظروا

واللہ لیست فیہ منی زیادۃ   وعندی شھادات من اللہ فانظروا

حسین (علیہ السلام) جس کی وجہ سے تم آج تک کربلا کو یاد کرتے ہو اور اس پر روتے رہتے ہو قسم خدا کی اس میں میرے سے زیادہ ایک بھی فضیلت نہیں تھی اور مجھ میں ایک چھوڑ بہت سی شہادتیں ہیں اللہ کی جانب سے۔

وانی قتیل الحب لکن حسینکم   قتیل العدا فالفرق اجلی واظھر

میں عشق و محبت سے مقتول ہوں اور تمہارا حسین دشمنوں کے ہاتھ سے مقتول ہے تو کتنا ظاہر اور کھلا ہوا فرق ہے۔

(اعجاز احمدی ص ۸۱، ۸۲ خزائن ج ۱۹ ص ۱۹۳، ۱۹۴)

آنجہانی مرزا اہل اسلام کے حق میں مرزائی نبی کا حکم

میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور ...... ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام آتھم ص ۶۲ خزائن ج ۱۱ ص ۶۲)

خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر یا مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔

(اربعین نمبر ۳ حاشیہ ص ۲۸ خزائن ج ۱۷ ص ۴۱۷ حاشیہ، تذکرہ ص ۴۹۸ طبع سوم)

احادیث مبارکہ کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ

ہم اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں۔ اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اگر حدیثوں کا دنیا میں وجود بھی نہ ہوتا تب بھی میرے اس دعویٰ کو کچھ حرج نہ پہنچتا تھا (اعجاز احمدی ص ۳۰ خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۰)

"القول احسن الظن تعدو للترک" مرزا قادیانی کے مرائی ہونے کے لیے ان کی یہ بیباکانہ تعلیاں کیا کم ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

قارئین کرام! یہ درود کی چند عبارتیں ہیں۔ آپ خود ان عبارات کو پڑھ کر اس جماعت کا عقیدہ معلوم کر سکتے ہیں۔ تاویلات کا دروازہ کب بند ہوا اور کسی کی زبان یا قلم کا پکڑ لینا کب اختیار ہے۔ لیکن ایک سنجیدہ شخص غور کرے کہ اگر نبوت کا دروازہ در حقیقت کشادہ ہے اور فی الواقع اس امت کی خیریت نبی بننے میں ہی منحصر ہے۔ تو آخر اس ۱۳۰۰ سال کے عرصہ میں کتنے نبی بن چکے۔ مرزائیوں سے دریافت کیجئے وہ بھی سوائے اس مراقی نبی کے کسی ایک کا نام نہیں لیں گے۔ تو کیا آپ کا دل گوارا کرتا ہے کہ اپنے نبی کریم کی خاتم المرسلینی چھوڑ کر اجزاء نبوت کے قائل ہوں اور وہ بھی ایسے شخص کی خاطر جو بہ اقرار خود اس قسم کے ناپاک 'امراض' کا شکار ہو۔ ایسے فاسد عقیدہ کا حامل ہو اور دنیا ئے اسلام کو سوائے ضرر رسانی کے اس کا کوئی اور کام نہ ہو۔

میں اس وقت عدیم الفرصت ہوں اس لیے بالاختصار آپ کے سامنے یہ چند اوراق پیش کر کے اس فتنہ عظیم کے استیصال کی آپ حضرات سے پرزور درخواست کرتا ہوں۔ اگر آپ حضرات خاموش رہے اور یہ فتنہ ترقی کرتا گیا تو اس کی جزبندی روز محشر آپ ہی حضرات کو کرنی ہے۔ دین متین کی تائید کے لیے تیار ہو جائیے اور یقین کیجئے کہ آپ کی خیریت صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کے بدولت ہے۔ اگر آپ اپنے اس اہم فریضہ سے غافل ہیں تو پھر آپ کو اپنے لیے خیر امت کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس مقدس ریاست میں آنحضرتؐ کے ختم المرسلینی کے برخلاف یہ کیسی اشاعت ہو رہی ہے۔ جس کی دینی فدا کاری حمیت اور غیرت اور رسول عربی کے ساتھ والہانہ جذبہ زبان زد خاص و عام ہو چکا ہے۔ اسلام صرف مصلے پر کھڑے ہو کر دو رکعت ادا کر دینے کا نام نہیں ہے۔ "لا حتی تاطروھم علی الحق اطرا" جب تک تم لوگوں کو کمان کی طرح حق تسلیم کرنے پر جھکا نہ دو گے اس وقت تک اسلام کا صرف دعویٰ ہے۔ اگر اس راستہ میں تم اپنے وطنوں سے باہر کر دیئے جاؤ۔ اہل و عیال سے جدا کر دیئے جاؤ۔ حرمت و عزت سے محروم ہو جاؤ۔ نا عاقبت اندیش اور دین کا درد نہ رکھنے والے مسلمانوں کے ہدف ملامت بن جاؤ۔ تو تمہارے لیے یہ وہی مبارک ساعت ہوگی۔ جو تم سے پیشتر دین کے حامیوں کی رہی ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے ذاتی مفاد کی حفاظت کے پردہ میں دین کی بے حرمتی ہمارے ہاتھوں نہ کرائے اور حمایت دین کا وہ جذبہ دے کہ ایک مرتبہ پھر عہد سلف تازہ ہو آمین یا رب العالمین۔

ولک الحمد اولا واخرا والصلوٰۃ والسلام علی خیر الرسل خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین الیٰ یوم الدین۔

نوٹ :۔ مرزائی جماعت اکثر بہکانے کے واسطے کہہ دیا کرتی ہے کہ حوالہ جات غلط ہیں۔ احقر ان جملہ امور کو جن کا تحریر مذکور میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ ہر وقت مرزا قادیانی کی کتب سے ثابت کرنے کے لیے موجود ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ کوئی حوالہ غلط نہ نکل سکے گا۔ اگر کسی صاحب کو شبہ ہو تو وہ احقر سے تصحیح فرما سکتے ہیں فقط۔

راقم الحروف

بندہ محمد عبدالغنی عفی اللہ عنہ

ڈابھیل ضلع سورت

نوٹ ٹریکٹ ہذا کی کتابت ہو چکی تھی کہ ہمیں ۲۴ جنوری ۱۹۳۴ء کے زمیندار میں مصر کی جماعت احمدیہ کا حسب ذیل مترجمہ بیان ملا جس کو زمیندار نے "الفتح" قاہرہ سے منقول کیا ہے۔ ہم بجنسہٖ نقل کرنے کے بعد ارباب بصیرت سے ملتمس ہیں کہ وہ اسے غور سے پڑھیں۔

غلام احمد قادیانی کی بیعت جہنم کی خریداری ہے

مصر میں فتنہ قادیانیت کی ناکامی و نامرادی

جماعت احمدیہ مصریہ کا بیان

ذیل کا اعلان مصر کی جماعت قادیانیہ کی طرف سے قاہرہ کے اخبار "الفتح" مورخہ ۱۲ رجب ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا ہے یہ جماعت قادیانیوں کے دام فریب میں پھنس کر مرزا غلام احمد کی بیعت کر چکی تھی۔ لیکن مرزا اور اس کی جماعت کے متعلق مفصل حالات معلوم ہو جانے پر انہوں نے اس دین باطل سے توبہ کر لی ہے۔ (مدیر صادق)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

الحمد للہ رب العلمین و صلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین

ہم مسلمان نوجوانوں کی آرزو تھی کہ ہم دین حق کی نشر و اشاعت کریں اور علم اسلامی

کو سرفراز کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ لیکن ہم فرقہ قادیانیہ کی حقیقت سے خالی الذہن تھے۔ ہم اس فرقہ کے بعض دعوے سن چکے تھے۔ اور ہمیں کہا گیا تھا کہ فرقہ قادیانیہ خدمت اسلام کے لیے قائم کیا گیا ہے اور یہ ایک نئی جماعت ہے جو منظم صورت میں دعوت اسلام دیتی ہے۔ ہم اس زمرہ میں داخل ہو گئے۔ تاکہ ان کے ساتھ مل کر خدمت اسلام کریں۔ اور ہمارا یہ اقدام خلوص نیت پر مبنی تھا۔ ہم نے قطر مصری میں مصری جماعت قادیانیہ کی جس کے صدر احمد حمدی آفندی مقرر ہوئے۔ ہم اس فرقہ میں داخل تو ہو گئے۔ لیکن ہمیں اس کے اندرونی حالات کا علم نہ تھا اور نہ ہمیں غلام احمد قادیانی کی سیرت سے واقفیت تھی۔ کیونکہ یہ قوم اس کے حالات کو چھپانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اور نہیں چاہتی کہ لوگ غلام احمد کی تصنیفات سے بخوبی مطلع ہوں۔ کیونکہ یہ کتابیں ہر مسلم کو قادیانیت سے متنفر کرانے کے لیے کافی ہیں۔

اب ہمیں اس شخص کے حالات اور اس کی تالیفات سے آگاہی ہوئی ہے۔ جسے یہ لوگ سینۂ راز میں رکھنا چاہتے ہیں اور یہاں غلام احمد کی خطبۂ الہامیہ کا ایک ہی قول درج کرنا کافی معلوم ہوتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ بعثت ثانیہ (مرزا کی بعثت) بعثت الاولی (بعثت محمدیہ) سے افضل ہے اور مرزا کی سیرت کے متعلق صرف یہ بات جان لینا کافی ہے کہ وہ محمدی بیگم سے شادی کرنے کی ہوس میں مرا جاتا تھا۔

ہمیں جب یہ امور اور فرقہ قادیانیہ کے دیگر اندرونی حالات معلوم ہوئے تو ہم پر ظاہر ہو گیا کہ ہم نے غلام احمد کی بیعت کرنے میں کس قدر غلطی کا ارتکاب کیا اور ہمیں یقین ہو گیا کہ غلام احمد قادیانی اور ہر ایک چیز سے جو اس سے متعلق ہے حتمی طور پر تو یہ سراسر حسنات سے ہے اور قادیانی لوگ مسلمانوں کو استعمار اجنبی کے جوئے کے نیچے آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور ہم نے دیکھا کہ غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ اس کا کلام اس کی اپنی نظر میں قرآن کریم سے بڑا معجزہ ہے اور شخص قادیانی کا جلال تمام انبیاء سے افضل ہے۔

جب معاملہ یہاں تک پہنچا اور ہم پر واضح ہو گیا کہ ہم نے مرزائے قادیانی کی بیعت کر کے جہنم خرید لی ہے۔ تو ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم مشرق و مغرب کے برادران اسلام کی اطلاع

فہرست کتب مطبوعہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	رعایتی قیمت
۱	الخلیفۃ المہدی	شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	20/=
۲	تحفہ قادیانیت جلد اول	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	100/=
۳	تحفہ قادیانیت جلد دوم	// // //	100/=
۴	تحفہ قادیانیت جلد سوم	// // //	100/=
۵	تحفہ قادیانیت جلد چہارم	// // //	زیر طبع
۶	خاتم النبیین	// // //	100/=
۷	رئیس قادیان	مولانا محمد رفیق دلاوری	100/=
۸	قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ	پروفیسر محمد الیاس برنیؒ	150/=
۹	مقدمہ قادیانی مذہب و قادیانی قول و فعل اول دوم	// // // // // //	زیر طبع
۱۰	احتساب قادیانیت جلد اول	مولانا لال حسین اخترؒ	100/=
۱۱	احتساب قادیانیت جلد دوم	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	100/=
۱۲	احتساب قادیانیت جلد سوم	مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ	100/=
۱۳	احتساب قادیانیت جلد چہارم	حضرت کشمیریؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت خولیؒ، حضرت میرٹھیؒ	زیر طبع
۱۴	سوانح مولانا تاج محمودؒ	صاحبزادہ طارق محمود صاحب	100/=
۱۵	رفع و نزول عیسیٰ	مولانا عبداللطیف مسعود	100/=
۱۶	تحریف بائبل	// // //	80/=
۱۷	قومی تاریخی دستاویز	مولانا اللہ وسایا صاحب	100/=
۱۸	قادیانی شبہات کے جوابات	// // //	100/=
۱۹	سوانح حضرت قاضی احسان احمدؒ	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی	100/=

ملنے کا پتہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان پاکستان فون نمبر 514122